اِمدادُ الکرم

قرآنِ مجید کی آسان اور عام فہم تفسیر

جلد سوم

اَلکَھف تا اَلسَّجدَۃ

محمد امداد حسین پیرزادہ

الکرم پبلی کیشنز یوکے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

فہرست مطالب
(جلد سوم)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الکھف (۱۸)

یہ سورت مکی ہے اور اس کا نام کہف (غار) ہے کیونکہ اس میں اصحاب کہف (غار والوں) کا ذکر ہے۔ اس سورت کی پہلی آیت میں یہ اعلان ہے کہ قرآن مجید ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندۂ خاص حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا اور قرآن مجید رشد وہدایت اور علم وحکمت کا ایسا کامل صحیفہ ہے جس کی تعلیمات میں کوئی کجی اور خامی نہیں ہے۔ نیز اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اگر سمندر کا پانی سیاہی میں بدل جائے اور اس سیاہی سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت کی باتیں لکھی جائیں تو کئی سمندروں کا پانی ختم ہو جائے گا مگر اس کی قدرتوں کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔

اس سورت میں تین قصے تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ اصحاب کہف کا قصہ

یہ وہ مومن نوجوان تھے جنہوں نے اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے اپنے وطن سے ہجرت کر کے ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تین سو نو سالوں تک نیند مسلط کر دی۔ (صفوۃ التفاسیر) پھر ان کو نیند سے اٹھایا۔ اس میں مشرکین مکہ کے لئے یہ سبق ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اصحاب کہف کو سینکڑوں سالوں کی نیند کے بعد از سر نو زندگی عطا فرما سکتا ہے وہ تمہیں بھی قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔ مکہ کے کچھ مسلمان اپنا ایمان بچانے کے لئے حبشہ کو ہجرت کر چکے تھے باقی عنقریب مدینہ ہجرت کرنے والے تھے، تو اصحاب کہف کے واقعہ سے انہیں تسلی دی جا رہی ہے کہ تم سے پہلے بھی اہل ایمان اپنا ایمان بچانے کے لئے ہجرت کیا کرتے تھے۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تین ایسے واقعات کا مشاہدہ کیا جو بظاہر عدل اور حکمت کے خلاف نظر آتے تھے مگر جب حضرت خضر علیہ السلام نے ان کی حقیقت سے پردہ اٹھایا تو وہ حکمت کے عین مطابق ثابت ہوئے۔ اس حکمت کو آیات نمبر ۸۲۔۷۹ میں ملاحظہ کریں۔ اسی طرح ہم بھی اس دنیا میں کچھ ایسے واقعات دیکھتے ہیں جن کی ہم کوئی توجیہ نہیں کر سکتے اور انہیں عدل وحکمت کے خلاف سمجھتے ہیں مگر یہ ہمارا خیال ہے در اصل اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا اور میدان حشر میں جب ان واقعات کی حقیقت سے پردہ اٹھے گا تو پھر یہی واقعات ہمیں حکمت کے عین مطابق نظر آئیں گے۔

۳۔ حضرت ذوالقرنین کا قصہ

اس قصہ میں امیر لوگوں اور حکمرانوں کے لئے درس عبرت ہے کہ تم معمولی سی دولت یا چھوٹی سی حکومت کے نشہ میں اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہو حالانکہ ذوالقرنین مشرق سے مغرب تک کے عظیم علاقہ کا حکمران تھا اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا تھا، اور رعایا کے حق میں بڑا شفیق اور مہربان تھا۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعہ الکرم، انگلستان
۶ مئی ۲۰۰۷ء بروز اتوار بعد از نماز عصر
بمطابق ۱۸ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

ایاتہا ۱۱۰ ۱۸ سورۃ الکہف مکیۃ ۶۹ رکوعاتہا ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝۱

۱۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنے (خاص) بندے پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔[۱]

قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝۲

۲۔ درست کرنے والی کتاب تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت عذاب سے ڈرائے اور ان اہل ایمان کو جو نیک عمل کرتے ہیں خوش خبری سنائے کہ ان کے لئے اچھا اجر ہے۔

مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۝۳

۳۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝۴

۴۔ اور ان لوگوں کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنالیا ہے۔[۲]

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآىِٕهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝۵

۵۔ حالانکہ نہ انہیں اس (عقیدہ) کا کوئی علم ہے اور نہ ہی ان کے باپ دادا کو تھا، یہ کتنی بڑی بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے، وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ محض جھوٹ ہے۔

---

[۱] پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندۂ خاص حضرت محمد ﷺ پر جو قرآن مجید نازل فرمایا اس میں کوئی کمی اور کجی نہیں ہے اور دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ نہ صرف یہ کہ قرآن مجید بذات خود ایک کامل اور بے عیب کتاب ہے بلکہ جو لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں یہ ان کے عقائد اور اعمال کو بھی درست کرتی ہے۔ نیز وہ غلط کاروں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتی ہے کہ اگر وہ غلط کاریوں سے باز نہ آئے تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور نیکوکاروں کو اچھے اجر اور جنت کی خوش خبری سناتی ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

[۲] نزول قرآن کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ یہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائے جو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ثابت کرتے

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ⑥

٦۔ اگر وہ اس کلام (قرآن) پر ایمان نہ لائے تو کیا آپ ان کے پیچھے فرطِ غم سے اپنی جان تلف کر دیں گے؟ [٣]

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ⑦

٧۔ روئے زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اسے زمین کے لئے زینت بنایا ہے تاکہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے۔ [٤]

وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ⑧

٨۔ اور جو کچھ زمین پر ہے ہم اسے چٹیل میدان بنانے والے ہیں۔ [٥]

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ

٩۔ کیا آپ نے یہ خیال کیا کہ اصحاب کہف اور اصحاب

ہیں جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں اور بعض مشرکین فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے حالانکہ ان کے پاس اور ان کے باپ دادا کے پاس اس عقیدہ کی کوئی علمی دلیل نہیں ہے اور یہ کتنا بڑا جھوٹ اور بہتان ہے جو وہ اللہ تعالیٰ پر لگاتے ہیں۔

[٣] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ جو مشرکین ایمان نہیں لاتے آپ ان کے غم میں اپنی زندگی کو روگ نہ لگائیں کیونکہ آپ نے تبلیغ اسلام کا حق ادا کر دیا ہے، لہٰذا اگر وہ ایمان نہ لائیں تو ان کے متعلق آپ سے بازپرس نہیں ہوگی۔ وہ اپنے کفر کے خود ذمہ دار ہوں گے۔

[٤] اس زمین کو اللہ تعالیٰ نے کھیت، درخت اور باغات وغیرہ سے زینت دے رکھی ہے اور ان نعمتوں کے ذریعہ وہ انسانوں کو آزمانا چاہتا ہے کہ کون ان نعمتوں کے حسن و جمال میں کھو کر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے اور کون ان نعمتوں کے باوجود اپنے خالق و مالک کے حکم کے سامنے سرنگوں رہتا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔ (ترمذی: حدیث نمبر ٢٣٣٦) دنیاوی مال و زینت کی حقیقت جاننے کے لئے سورہ آل عمران (٣) کی آیت نمبر ١٨٥ اور حاشیہ نمبر ١٣٢ نیز سورہ بنی اسرائیل (١٧) کی آیت نمبر ١٠٠ اور حاشیہ نمبر ٩٨ ملاحظہ کریں۔

[٥] اس زمین کی نعمتیں عارضی اور فانی ہیں، یہ ایک دن ختم ہونے والی ہیں، قیامت کے میدان میں باغات اور سبزہ نہیں ہوگا بلکہ ساری زمین ایک چٹیل اور بنجر میدان کی طرح ہوگی، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کو چھوڑ کر ان فانی نعمتوں سے دل لگانا کوئی عقلمندی نہیں ہے۔

وَالرَّقِیْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝ رقیم ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے؟[۶]

[۶] اصحاب کہف سے مراد وہ مومن نوجوان ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار اور توحید پرست تھے، انہوں نے اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے اپنے وطن سے ہجرت کر کے ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لی اور اپنے ایمان پر ثابت قدمی کے لئے دعا مانگی۔

رقیم سے مراد یا تو وہ علاقہ ہے جس میں یہ غار تھا یا اس سے مراد وہ کتبہ ہے جس پر اصحاب کہف کے نام لکھے ہوئے تھے۔ لہٰذا اصحاب کہف اور اصحاب رقیم سے ایک ہی جماعت مراد ہے۔ اس آیت میں اہل مکہ کو بتایا جا رہا ہے کہ تم صرف اس واقعہ کو بڑا عجیب خیال کرتے ہو حالانکہ زمین و آسمان اور شمس و قمر کی پیدائش اس سے بھی بڑی نشانیاں ہیں۔ نیز لیل و نہار کی گردش جو کروڑ ہا سالوں سے پورے نظم و نسق سے رواں دواں ہے یہ بھی کوئی معمولی نشانی نہیں ہے۔

اصحاب کہف کا قصہ

قرآن مجید میں صرف حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ پوری تفصیل سے بیان ہوا ہے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے کئی احوال ایسے ہیں جن میں کافی حد تک مشابہت پائی جاتی ہے۔ دیگر قصوں کے صرف وہ اجزا بیان کئے گئے ہیں جن کا تعلق لوگوں کی تعلیم اور ان کی ہدایت سے تھا۔ اسی طرح قرآن مجید میں اصحاب کہف کے بھی چند مخصوص واقعات کا ذکر کیا گیا ہے، البتہ مفسرین نے ان کے متعلق بہت کچھ نقل کیا ہے۔ میں ان میں سے بعض کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

روم کے حکمران بت پرست تھے۔ ۲۴۸ء میں دقیانوس (decius) جب روم کا حکمران بنا تو اس نے عیسائیت پر پابندی لگادی اور اپنے ملک کے جس حصے میں جاتا وہاں عیسائیوں کو قتل کروا دیتا۔ (انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا: جلد ۷ صفحہ ۱۲۰) جب دقیانوس ایشیائے کوچک میں گیا تو وہاں کے سات عیسائی نوجوانوں نے عیسائیت چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ دقیانوس نے انہیں کہا: تم ابھی نوجوان ہو اس لئے میں تمہیں تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔ اس مدت میں اگر تم نے بت پرستی قبول نہ کی تو تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ وہاں سے ہجرت کر گئے اور اپنا ایمان بچانے کے لئے ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ انہیں اس ظالم حکمران کے شر سے بچا اور ایمان پر ثابت قدم رکھ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی فریاد سنی اور ان پر نیند مسلط کر دی۔ ایک کتا بھی ان نوجوانوں کے ساتھ چل پڑا۔ انہوں نے اسے واپس بھگانے کی کوشش کی لیکن اس نے ساتھ نہ چھوڑا۔ جب وہ نوجوان غار میں سو گئے تو وہ بھی پاسبانی کے لئے غار کے دہانے پر پاؤں پھیلا کر بیٹھ رہا۔

اس طرح تین سو نو سال کا عرصہ گزر گیا، اس اثنا میں دقیانوس مر گیا، مختلف بادشاہ آئے اور اپنی چند روزہ شاہی کا ڈنکا بجا کر چلے گئے۔ کئی شہر اجڑے، نئی بستیاں آباد ہوئیں حتیٰ کہ رومی حکمران اور عوام نے عیسائیت قبول کر لی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان نوجوانوں کو طویل نیند سے بیدار کیا۔ وہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھے، خیال انہیں بھی گزرا کہ وہ آج معمول سے کچھ زیادہ ہی سوئے ہیں لیکن یہ بات تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ انہیں یہاں سوئے ہوئے تین صدیاں بیت چکی ہیں اس لئے وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ وہ کتنی دیر سوئے ہیں؟

إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ﴿١٠﴾

۱۰۔ جب ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تو انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے لئے ہمارے مشن میں کامیابی عطا فرما۔

فَضَرَبْنَا عَلَىٰ آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ﴿١١﴾

۱۱۔ پس ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر تھپکی دے کر گنتی کے کئی سالوں تک کے لئے ان پر نیند مسلط کر دی۔[۷]

ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا ﴿١٢﴾ ع

۱۲۔ پھر ہم نے انہیں اٹھایا تا کہ ہم دیکھیں کہ ان دو گروہوں میں سے اس مدت کو کون صحیح شمار کر سکتا ہے جو وہ (غار میں) ٹھہرے رہے۔[۸]

انہوں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ وہ شہر میں جا کر کھانا خرید لائے اور ذرا احتیاط سے جائے تا کہ لوگ اسے پہچان نہ سکیں، لیکن جب وہ شہر میں گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دنیا بالکل بدل چکی ہے اور سب لوگ عیسائی ہو چکے ہیں۔ اس نے ایک نانبائی سے کچھ روٹیاں خریدیں اور دکان دار کو وہی پرانا چاندی کا ایک سکہ دیا جس پر دقیانوس بادشاہ کی تصویر تھی۔ دکان دار اس سکہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا، معاملہ نے طول پکڑا، ارد گرد کے دکان دار اکٹھے ہو گئے اور اس پر الزام لگا کہ اسے کوئی پرانا شاہی خزانہ مل گیا ہے۔ معاملہ حاکم شہر تک جا پہنچا تو انہیں پتہ چلا کہ یہ تو ان سات نوجوانوں میں سے ایک ہے جو دقیانوس کے مظالم سے بھاگ گئے تھے۔ لوگوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، سب ان کی جھلک دیکھنے کے لئے غار تک گئے۔ اصحاب کہف نے جب ایک جم غفیر غار کی طرف آتا دیکھا تو انہیں خیال آیا کہ شاید ان کا ساتھی پکڑا گیا ہے اور اس کے بتانے پر یہ ہجوم انہیں گرفتار کرنے کے لئے دوڑا چلا آ رہا ہے۔ جب لوگ حاکم شہر کی قیادت میں وہاں پہنچے تب اصحاب کہف کو معلوم ہوا کہ انہیں یہاں ٹھہرے ہوئے تین صدیاں گذر چکی ہیں۔ لوگوں نے اصحاب کہف سے ملاقات کر کے ان سے برکت حاصل کی۔ اس کے بعد اچانک وہ ساتوں نوجوان لیٹے اور فوت ہو گئے اور لوگوں نے اس غار پر ایک زیارت گاہ تعمیر کر دی۔ یہ بنی اسرائیل کے اولیائے کرام کی ایک کرامت ہے۔

[۷] اللہ تعالیٰ نے ان کے کانوں کو بند کر دیا تا کہ کوئی آواز ان کی نیند میں خلل پیدا نہ کر سکے۔

[۸] جب وہ بیدار ہوئے تو ان کی آپس میں بحث شروع ہو گئی کہ وہ کتنی دیر سوئے رہے ہیں؟ ایک نے کہا: پورا دن سوئے رہے ہیں، دوسرے نے کہا: دن کا کچھ حصہ سوئے ہیں، جب کہ شہر والوں نے انہیں بتایا کہ وہ تین سو نو سال سوئے رہے ہیں۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝۱۳

۱۳۔ ہم آپ کو ان کا قصہ حق کے ساتھ بیان کرتے ہیں، بے شک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کے لئے ہدایت میں اضافہ فرمادیا۔[۹]

وَّرَبَطْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝۱۴

۱۴۔ اور ہم نے ان کے دل مضبوط کردیئے جب وہ (ظالم حکمران کے سامنے) کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا: ہمارا رب تو آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم اس کے سوا کسی اور معبود کی ہرگز عبادت نہیں کریں گے (اگر ہم ایسا کریں تو) گویا ہم نے ایسی بات کہی جو حق سے دور ہے[۱۰]

هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ۭ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا ۝۱۵ۭ

۱۵۔ یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کئی معبود بنالئے ہیں، یہ ان (کے معبود ہونے) پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے؟ سو اس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھے؟[۱۱]

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ

۱۶۔ اور (ان نوجوانوں نے آپس میں کہا:) جب تم ان سے اور ان کے معبودوں سے کنارہ کش ہوگئے ہو جن

[۹] بت پرستی کے ماحول میں جب یہ سات نوجوان سچے دل سے اپنے رب پر ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ہدایت کی راہ مزید واضح اور روشن فرمادی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا: جو لوگ ہماری راہ میں پوری کوشش کرتے ہیں ہم انہیں اپنی (ہدایت کی) راہیں ضرور دکھادیں گے۔ (قرآن: ۲۹:۶۹)

[۱۰] نیز ہم نے ان کے دلوں کو اتنا مضبوط کردیا کہ انہوں نے ظالم بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ ہم اس کے سوا کسی اور کی ہرگز عبادت نہیں کریں گے اور اگر ہم ان بتوں کی عبادت کریں تو یہ حق کے خلاف ہوگا، لہٰذا ہم یہ غلطی کرنے والے نہیں ہیں۔

[۱۱] ہماری قوم کے لوگ بڑے عجیب ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کئی معبود بنالیے ہیں اور ان کے پاس ان کے معبود ہونے کی کوئی واضح دلیل بھی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے، لہٰذا ان سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگاتے ہیں؟

رَّحْمَتِهٖ وَ يُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾

کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہیں تو اب کسی غار میں پناہ لو تمہارے لئے تمہارا رب اپنی رحمت (کا دامن) کشادہ کر دے گا اور تمہارے لئے تمہارے کام میں آسانی مہیا کر دے گا۔ [۱۲]

وَ تَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ هُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ ع

۱۷۔ اور آپ سورج کو دیکھیں گے کہ جب وہ طلوع ہوتا ہے تو ان کے غار سے دائیں طرف ہٹ کر گزرتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو ان سے بائیں جانب کتراجاتا ہے اور وہ اس غار کی ایک کشادہ جگہ میں (لیٹے ہوئے) ہیں، [۱۳] یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے، جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت پانے والا ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دے تو آپ اس کے لئے کوئی مددگار (اور) رہنما نہیں پائیں گے۔ [۱۴]

وَ تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ ۖۗ وَّ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ۖۗ وَ كَلْبُهُمْ

۱۸۔ اور (اے مخاطب! اگر تو انہیں دیکھے تو) تو انہیں بیدار خیال کرے گا حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور ہم ان

[۱۲] پھر وہ نوجوان آپس میں کہنے لگے کہ جب تم نے ان کے معبودوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے تو ان کے فتنوں سے بچنے کے لئے یہاں سے نکلو اور کسی غار میں جا کر چھپ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا اور تمہاری مشکلیں آسان فرما دے گا، چنانچہ وہ ایک غار میں جا کر چھپ گئے۔ ظالم بادشاہ کے سپاہیوں نے ان کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر ناکام ہوئے، جس طرح نبی کریم ﷺ کی تلاش میں کفار مکہ غار ثور تک جا پہنچے مگر غار کے اندر آپ تک نہ پہنچ سکے۔

[۱۳] اگرچہ وہ غار کی ایک کشادہ جگہ میں لیٹے ہوئے تھے پھر بھی دھوپ ان تک نہیں پہنچ سکتی تھی اور اس کی صورت یہ تھی کہ اس غار کا منہ شمال کی جانب تھا، پس جب سورج طلوع ہوتا تو وہ غار کے دائیں جانب ہوتا اور جب غروب ہوتا تو غار کی بائیں جانب ہوتا۔ اس طرح وہ سارا دن دھوپ کی شدت اور حدت سے محفوظ رہتے۔

[۱۴] یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی اور اصحاب کہف کی کرامت ہے۔ نیز اس میں درس عبرت بھی ہے کہ جو لوگ سچے دل سے ہدایت کے طالب ہوتے ہیں ان کے ایمان کے تحفظ کے لئے پہاڑ کا غار بھی وسیلہ بن جاتا ہے اور جو دانستہ گمراہی اختیار کرتے ہیں تو ان کو بڑے سے بڑے انسان بھی ہدایت نہیں دے سکتے۔

بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۭ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

کی دائیں جانب اور بائیں جانب کروٹیں بدلتے ہیں، [۱۵] اور ان کا کتا چوکھٹ پر اپنے دونوں بازو پھیلائے (بیٹھا) ہے، [۱۶] اور اگر تو انہیں جھانک کر دیکھتا تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا اور تیرے دل پر ان کا رعب طاری ہو جاتا۔

[۱۵] اصحاب کہف جب سوئے ہوئے تھے تو ان کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ دائیں بائیں کروٹیں بدل رہے تھے۔ اس عالم میں بالفرض اگر کوئی انسان ان کو دیکھتا تو وہ انہیں بیدار خیال کرتا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کے لئے اس غار کے ماحول کو ایسا دحشت ناک اور بارعب بنا دیا تھا کہ اگر کوئی انہیں جھانک کر دیکھنے کی کوشش کرتا تو گھبرا کر الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوتا۔

[۱۶] علامہ قرطبی نے کعب کا قول نقل کیا ہے کہ جب یہ نوجوان غار کی طرف جا رہے تھے تو ایک کتا بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ انہوں نے کتے کو کئی بار واپس بھگانے کی کوشش کی۔ آخر کتے کو بولنے کی توفیق ملی اور اس نے کہا: میری طرف سے آپ کوئی خوف نہ کریں، میں اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے محبت کرتا ہوں، تم سو جانا اور میں تمہاری حفاظت کروں گا۔ (تفسیر قرطبی)

اللہ والوں سے محبت کرنا

۱۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ نیک لوگوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے جب ایک کتے کو یہ مرتبہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا ذکر کیا ہے، تو ان اہل ایمان کا کیا مقام ہوگا جو نیک لوگوں سے محبت کرتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی)

۲۔ حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! قیامت کب ہوگی؟ نبی کریم ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور جب آپ نے نماز پڑھ لی تو دریافت فرمایا: قیامت کے متعلق سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اس شخص نے کہا: میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ نے اس سے پوچھا: تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا: میں نے قیامت کے لئے بہت نمازوں اور بہت روزوں کی تیاری نہیں کی لیکن میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انسان اسی کے ساتھ رہتا ہے جس سے محبت کرے اور تم بھی اس کے ساتھ رہو گے جس سے تم محبت کرتے ہو۔ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان اسلام لانے کے بعد کسی اور بات سے اس سے زیادہ خوش نہیں ہوئے۔ (ترمذی: حدیث نمبر ۲۳۸۵: ابواب الزھد: باب ۵۰)

۳۔ ایک روایت میں حضرت انس ؓ نے فرمایا: اسلام لانے کے بعد ہمیں سب سے زیادہ خوشی نبی کریم ﷺ کے اس قول سے ہوئی جو آپ نے فرمایا: کہ (قیامت کے دن) انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہوگا، پھر حضرت انس ؓ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ، حضرت ابو بکر ؓ اور حضرت عمر ؓ سے محبت کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ میں ان کے ساتھ ہوں گا اگرچہ میرے اعمال ان جیسے نہیں ہیں۔ (تفسیر قرطبی)

۴۔ حضرت ابو موسیٰ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا: ایک شخص کسی قوم سے محبت

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا

۱۹۔ اور اسی طرح ہم نے ان کو اٹھایا تا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں، ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: تم (یہاں) کتنی مدت ٹھہرے ہو؟ انہوں نے

رکھتا ہے اور ان سے ملا نہیں، آپ نے فرمایا: انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ محبت رکھے۔

(مسلم: حدیث نمبر ۲۶۴۰: کتاب البر: باب ۵۰)

اللہ کے لئے محبت کرنا

۱۔ جب دو بندے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آپس میں محبت کریں اگرچہ ان میں سے ایک مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُن دونوں کو اکٹھا کر کے فرمائے گا: یہ ہے وہ بندہ جس سے تو میری وجہ سے محبت کرتا تھا۔

(کنز العمال: حدیث نمبر ۲۴۶۳۶: ج ۹ ص ۴)

۲۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری محبت ان لوگوں کے لئے واجب ہے جو میری وجہ سے آپس میں محبت کرتے ہیں اور میری وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور میری وجہ سے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور میری رضا کے لئے آپس میں خرچ کرتے ہیں۔ (مسند احمد: ج ۵: ص ۲۳۳)

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے جلال کی وجہ سے آپس میں محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ آج میں انہیں اپنے سایۂ کرم میں کھڑا کروں گا جس دن میرے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہے۔

(مسلم: حدیث نمبر ۲۵۶۶: کتاب البر: باب نمبر ۱۲)

۴۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی اپنے بھائی کی زیارت کے لئے دوسری بستی میں گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے راستہ میں ایک فرشتہ کھڑا کر دیا، جب وہ آدمی اس فرشتہ کے پاس سے گزرا تو فرشتہ نے اس سے پوچھا: تو کہاں جا رہا ہے؟ اس نے کہا: میں اپنے بھائی کی طرف جا رہا ہوں جو اس بستی میں رہتا ہے۔ فرشتہ نے پوچھا: کیا تیرا اس بھائی پر کوئی احسان ہے جس کی تکمیل مقصود ہے؟ اس نے کہا: میرا اس پر کوئی احسان نہیں میں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اس سے محبت کرتا ہوں۔ فرشتے نے کہا: میں تیری طرف اللہ تعالیٰ کا پیغام لایا ہوں کہ جس طرح تو اپنے بھائی سے صرف اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے محبت کرتا ہے۔ (مسلم: حدیث نمبر ۲۵۶۷: کتاب البر: باب ۱۲)

۵۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک دوسرا آدمی وہاں سے گزرا۔ پہلے آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اس گزرنے والے آدمی سے محبت کرتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے اسے اپنی محبت کے متعلق بتا رکھا ہے؟ اس نے عرض کیا: نہیں، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جاؤ اور اسے بتاؤ۔ چنانچہ وہ دوڑ کر گیا اور اسے پکڑ کر کہتا ہے: میں خدا کے لئے تجھ سے محبت رکھتا ہوں۔ اس نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے محبت کرے جس کی وجہ سے تو مجھ سے محبت کرتا ہے۔ (ابوداؤد: حدیث نمبر ۵۱۲۵: کتاب الادب)

لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْۤا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَاۤ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿١٩﴾

کہا: ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہوں گے، پھر کہنے لگے: تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ تم کتنی مدت ٹھہرے ہو، پس تم اپنے میں سے کسی کو اپنا یہ چاندی کا سکہ دے کر شہر کی طرف بھیجو کہ وہ دیکھے کہ کون سا کھانا پاکیزہ ہے تا کہ وہ اس میں سے تمہارے کھانے کے لئے لے آئے اور اسے چاہیے کہ وہ نرمی سے کام لے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔[١٧]

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْۤا اِذًا اَبَدًا ﴿٢٠﴾

٢٠۔ کیونکہ اگر وہ تم پر غالب آ گئے تو وہ تمہیں سنگسار کر دیں گے، یا تمہیں اپنے مذہب میں لوٹا دیں گے، پھر تم کبھی بھی فلاح نہ پاسکو گے۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْۤا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا

٢١۔ اور اسی طرح ہم نے (لوگوں کو) ان (اصحاب کہف کے حال) پر آگاہ کر دیا تا کہ وہ جان لیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور بلاشبہ قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں، [١٨] جب (وہ فوت ہو گئے تو)

[١٧] جس طرح ہم نے انہیں طویل عرصہ کے لئے سلا دیا تھا اسی طرح ہم نے انہیں بیدار کر دیا یعنی اتنی طویل مدت سوئے رہنا اور پھر صحیح وسلامت اٹھ کھڑے ہونا، یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ بیدار ہونے کے بعد انہیں محسوس ہوا کہ وہ آج معمول سے کچھ زیادہ ہی سوئے ہیں، اس لئے وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ وہ کتنی دیر سوئے ہیں؟ ایک نے کہا: پورا دن سوئے رہے ہیں۔ دوسرے نے کہا: دن کا کچھ حصہ سوئے ہیں، پھر کہنے لگے: اس بے فائدہ بحث کو چھوڑو، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ تم کتنی دیر سوئے رہے ہو۔ اب تم ایک ساتھی کو شہر کی طرف بھیجو تا کہ وہ کھانا خرید لائے لیکن ایک تو وہ حلال اور پاکیزہ کھانا تلاش کرے اور دوسرا وہ احتیاط سے جائے اور کسی سے سخت کلامی نہ کرے تا کہ کسی کو تمہاری خبر نہ ہو، کیونکہ اگر اس ظالم بادشاہ کے سپاہیوں کو تمہارا علم ہو گیا تو وہ تمہیں پکڑ کر سنگسار کر دیں گے یا تمہیں کفر وشرک کی طرف لوٹا دیں گے اور اگر وہ تمہیں کفر وشرک کی طرف لوٹانے میں کامیاب ہو گئے تو پھر تمہاری اس ہجرت کا مقصد فوت ہو جائے گا اور تم کبھی بھی فلاح نہ پاسکو گے۔ اس قسم کا ایک واقعہ سورہ بقرہ (٢) کی آیت نمبر ٢٥٩ میں بھی گزر چکا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو سو سال سلانے کے بعد زندہ فرمایا۔

[١٨] اصحاب کہف کے واقعہ میں منکریں قیامت کے لئے ایک بہترین نمونہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے سینکڑوں سالوں کے بعد

ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰۤى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾

لوگ آپس میں ان کے معاملہ میں جھگڑا کرنے لگے، پس انہوں نے کہا: ان (کے غار) پر ایک عمارت بنادو، ان کا رب ان (کے احوال) سے خوب واقف ہے، ان لوگوں نے کہا جو ان کے معاملات پر غالب تھے کہ ہم ان پر ضرور ایک مسجد بنائیں گے۔[۱۹]

ان کو زندہ کر دیا اسی طرح وہ قیامت کے دن سب کو دوبارہ زندہ کر دے گا اور بلاشبہ قیامت کے آنے کے متعلق اس کا وعدہ بالکل سچا ہے۔

[۱۹] طویل نیند سے بیدار ہونے کے بعد اصحاب کہف پر جب طبعی موت طاری ہوئی تو ان کی قبر کا نشان بنانے میں لوگ جھگڑا کرنے لگے۔ بعض نے کہا: غار کے منہ پر ایک عمارت بنائی جائے جو ان کی یادگار رہے مگر غالب اکثریت کی رائے یہ تھی کہ غار کے قریب ایک عبادت خانہ بنایا جائے جس میں لوگ آکر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔

مزارات کے قریب مساجد بنانا

۱۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اولیائے کرام کے مزارات کے قریب مسجد بنانا جائز ہے تاکہ ان بزرگوں سے برکت حاصل کی جائے اور جن احادیث میں قبروں کے پاس نماز پڑھنے (مسجد بنانے) کی ممانعت آئی ہے وہاں مراد یہ ہے کہ قبروں کی طرف سجدہ نہ کیا جائے۔ (تفسیر مظہری) جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قبر پر نہ بیٹھو اور نہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔ (مسلم: حدیث نمبر ۹۷۲)

۲۔ حضرت صدر الافاضل لکھتے ہیں: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے مزارات کے قریب مسجدیں بنانا اہل ایمان کا قدیم طریقہ ہے اور قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمانا اور اس کو منع نہ کرنا اس فعل کے درست ہونے کی قوی ترین دلیل ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے جوار میں برکت حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے اہل اللہ کے مزارات پر لوگ حصول برکت کے لئے جایا کرتے ہیں اور اسی لئے قبروں کی زیارت سنت اور موجب ثواب ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

۳۔ علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں: تمہارے لئے حق کی معرفت میں اصحاب رسول اللہ ﷺ کے اس عمل کی اتباع کرنا کافی ہے جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کے ساتھ کیا کیونکہ وہ روئے زمین کی سب سے افضل قبر ہے، بلکہ وہ عرش سے بھی افضل ہے۔ آپ کے اصحاب آپ کی قبر کی زیارت کرتے تھے اور آپ پر سلام پڑھتے تھے، سو تم اصحاب رسول کے افعال کی اتباع کرو۔ (تفسیر روح المعانی)

۴۔ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں بنائی گئی تھی اور وہ حجرہ بہر حال ایک مسقف (چھت والی) عمارت ہے اور اس قبر مبارک کے جوار میں مسجد نبوی ہے جہاں ہر دور میں مسلمان نماز پڑھتے رہے ہیں۔ (تفسیر تبیان القرآن)

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّ ثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۬ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪ وَّ لَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ ع ۱۵

۲۲۔ کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ (اصحاب کہف) تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا اور کچھ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا، یہ بن دیکھے اندازے ہیں، اور کچھ کہیں گے: وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا، [۲۰] آپ فرمایئے: میرا رب ہی ان کی تعداد کو بہتر جانتا ہے، سوائے چند لوگوں کے ان (کی صحیح تعداد) کو کوئی نہیں جانتا، لہٰذا آپ ان کے بارے میں سرسری بات کے سوا زیادہ بحث نہ کریں اور نہ ان میں سے کسی سے ان (اصحاب کہف) کے بارے میں دریافت کریں۔ [۲۱]

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۙ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور آپ کسی کام کے متعلق یہ ہرگز نہ کہیں کہ میں کل اسے کرنے والا ہوں۔ [۲۲]

[۲۰] اس آیت میں اصحاب کہف کی تعداد کے متعلق لوگوں کے تین اقوال بیان کئے گئے ہیں یعنی تین، پانچ اور سات۔ اکثر مفسرین کے نزدیک ان کی تعداد سات اور آٹھواں ان کا کتا تھا کیونکہ پہلے دو اقوال کے بعد قرآن کہتا ہے کہ یہ ان کے بن دیکھے اندازے ہیں اور تیسرے قول کے بعد کسی اندازے کا ذکر نہیں جو اس کی صحت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

[۲۱] یعنی ان کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، لہٰذا تم اصحاب کہف کے بارے میں صرف اتنی ہی بحث کیا کرو جتنی اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی ہے اور اہل کتاب سے ان کے بارے میں دریافت کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، البتہ چند لوگ ایسے بھی ہیں جن کو ان کی صحیح تعداد کا علم ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: میں ان چند لوگوں میں سے ہوں (جو جانتے ہیں کہ) وہ تعداد میں سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سات اصحاب کہف کے نام بھی ذکر کئے۔ (تفسیر قرطبی)

[۲۲] اس آیت میں اہل ایمان کو ہدایت کی گئی ہے کہ جب بھی کوئی مسلمان کوئی کام کرنے کا ارادہ کرے تو ساتھ ان شاءاللہ (اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا) ضرور کہے اور اگر وہ اس وقت ان شاءاللہ کہنا بھول جائے تو جب بھی یاد آئے ان شاءاللہ کہہ لے۔ اس سے اس کام میں برکت آئے گی اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کام سے بھی زیادہ بہتر کام کی طرف رہنمائی فرمادے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں سہو

۱۔ ایک دفعہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سہو ہوا تو آپ نے سہو کے دو سجدے کئے اور فرمایا: لیکن میں تمہاری طرح بشر ہوں (یعنی خدا نہیں ہوں) میں اس طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو، پس جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلا

اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ ۫ وَ اذۡکُرۡ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیۡتَ وَ قُلۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّہۡدِیَنِ رَبِّیۡ لِاَقۡرَبَ مِنۡ ہٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾

۲۴۔ مگر یہ کہ (اگر) اللہ تعالیٰ چاہے اور جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کرلیں اور کہیں: امید ہے میرا رب مجھے اس سے بھی قریب تر ہدایت کی راہ دکھادے گا۔

وَ لَبِثُوۡا فِیۡ کَہۡفِہِمۡ ثَلٰثَ مِائَۃٍ سِنِیۡنَ وَ ازۡدَادُوۡا تِسۡعًا ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور اپنے غار میں تین سو سال ٹھہرے رہے اور انہوں نے (اس پر) نو سال زیادہ کئے۔ [۲۳]

قُلِ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا ۚ لَہٗ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اَبۡصِرۡ بِہٖ وَ اَسۡمِعۡ ؕ مَا لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ مِنۡ وَّلِیٍّ ۫ وَّ لَا یُشۡرِکُ فِیۡ حُکۡمِہٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

۲۶۔ آپ فرما دیجئے: اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت ٹھہرے رہے، [۲۴] آسمانوں اور زمین کا غیب اسی کے لئے ہے، وہ کیا خوب دیکھنے والا اور کیا خوب سننے والا ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں ہے اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں فرماتا۔ [۲۵]

دیا کرو، اور جب تم میں سے کوئی نماز میں شک کرے تو غالب گمان پر بنا کر کے نماز پوری کرے، پھر سلام پھیرے اور سہو کے دو سجدے کرے۔ (بخاری: حدیث نمبر ۴۰۱: کتاب الصلوۃ: باب ۳۱)

۲۔ امام مالک نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں بھول جاتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تا کہ میرا فعل سنت بنایا جائے۔ (موطا: کتاب السہو: حدیث نمبر ۲) یعنی جب میرے کسی امتی کو سہو لاحق ہو تو اس کی تلافی کے لئے اس کے سامنے میرا عمل موجود ہو۔

[۲۳] شمسی ایام کے حساب سے وہ غار میں تین سو سال سوئے رہے اور قمری ایام کے حساب سے ان میں نو سال کے اضافہ سے یہ مدت تین سو نو سال ہوگی۔ اہل کتاب چونکہ شمسی تقویم اور مسلمان قمری تقویم کی اتباع کرتے ہیں اس لئے دونوں کے اعتبار سے مدت بتادی گئی ہے۔ (تفسیر قرطبی، تفسیر ابن کثیر)

[۲۴] گذشتہ آیت سے معلوم ہوا کہ اصحاب کہف اس غار میں ۳۰۹ قمری سال سوئے رہے، لیکن پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! پھر بھی لوگ اس مدت کے بارے میں اگر اختلاف کریں تو آپ فرمادیں: تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ جوان کو دیکھ رہا تھا؟ جب اللہ تعالیٰ نے ۳۰۹ سال مدت بیان فرمائی ہے تو یہی صحیح ہے کیونکہ وہی جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت غار میں رہے؟

[۲۵] زمین و آسمان کا ہر غیب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ وہی اصحاب کہف کا کارساز ہے جس نے اتنی طویل مدت ان کی حفاظت فرمائی۔ وہ ایک ہے، قادر مطلق ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿٢٧﴾

٢٧۔ اور آپ وہ (کلام) پڑھ سنائیں جو آپ کے رب کی کتاب سے آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے، اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے اور آپ اس کے سوا ہرگز کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے۔[٢٦]

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿٢٨﴾

٢٨۔ اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیں جو صبح وشام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اور اس کی رضا کے طلب گار رہتے ہیں اور دنیاوی زندگی کی زینت کے خیال سے آپ کی نگاہیں ان سے نہ ہٹیں اور آپ اس شخص کی اطاعت نہ کریں جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی اتباع کرتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا ہے۔[٢٧]

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا

٢٩۔ اور آپ فرما دیجئے: حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے

[٢٦] اس آیت میں خطاب اگرچہ نبی کریم ﷺ سے ہے مگر اصل مخاطب امت ہے یعنی جو کچھ قرآن مجید میں نازل کیا گیا ہے اس کی تلاوت کرو، وہی برحق اور کافی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے کلمات میں تبدیلی کی کوشش کرے گا اسے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

[٢٧] یہ مضمون پہلے سورہ انعام (٦) کی آیت نمبر ٥٢ میں گزر چکا ہے، یعنی ایک دفعہ قریش مکہ نے جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ جیسے نادار اور مسکین صحابہ کو نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے دیکھا تو ازراہ تکبر کہنے لگے: اے محمد (ﷺ)! اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم بھی آپ کے پاس بیٹھیں اور آپ کی باتیں سنیں تو ان مسکینوں کو یہاں سے ہٹا دو، ہمیں ان سے بدبو آتی ہے اور ان کے ساتھ بیٹھنا ہمارے لئے توہین ہے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت میں بھی اصل مخاطب امت ہے یعنی اے ایمان والو! تم ان نادار لوگوں کی صحبت کو غنیمت سمجھو اور ان کی دلجوئی کو لازم پکڑو جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے صبح وشام اس کا ذکر کرتے ہیں اور ان دنیادار لوگوں سے دور رہو جن کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہیں اور وہ اپنی خواہشات کے اتباع میں افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کی سنگت اچھی ہے اگرچہ وہ نادار ہوں اور برے لوگوں کی سنگت بری ہے اگرچہ وہ مالدار ہوں۔

لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَ اِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَ سَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

انکار کر دے، بے شک ہم نے ظالموں کے لئے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی دیواریں انہیں گھیر لیں گی، اور اگر وہ فریاد کریں گے، تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا جو ان کے چہروں کو جلا ڈالے گا، کتنا برا مشروب ہے، اور کتنی بری آرام گاہ ہے۔ [۲۸]

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ ۚ

۳۰۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے یقیناً ہم اس شخص کا اجر ضائع نہیں کرتے جس نے نیک عمل کئے ہوں۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ یَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَ حَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾ ع

۳۱۔ ان کے لئے ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں، ان کے نیچے نہریں جاری ہیں، ان باغات میں انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ سبز رنگ کے باریک اور موٹے ریشمی کپڑے پہنے ہوں گے اور وہ مرصع تختوں کے اوپر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے، کتنا اچھا اجر ہے، اور کتنی اچھی آرام گاہ ہے۔ [۲۹]

[۲۸] یعنی قرآن مجید تمہارے رب کی طرف سے برحق ہے جس نے حق اور باطل کو بالکل واضح کر دیا ہے، اب ایمان لانا یا نہ لانا تمہارے اختیار میں ہے لیکن جو اس حق پر ایمان نہیں لائیں گے وہ غور سے سن لیں! قیامت کے دن انہیں ایسی آگ میں پھینکا جائے گا جو انہیں چاروں اطراف سے گھیر لے گی اور اگر وہ پیاس سے مجبور ہو کر پانی کی فریاد کریں گے تو انہیں پگھلا ہوا تانبا پلایا جائے گا جو ان کے چہروں کو بھی جلا دے گا۔ کتنا برا مشروب وہ پگھلا ہوا تانبا ہے اور کتنا برا ٹھکانا جہنم کی آگ ہے۔

[۲۹] نیک لوگوں کے اجر ضائع نہیں ہوں گے، وہ سدا بہار جنتوں میں ہوں گے۔ وہاں انہیں سونے کے کنگن اور ریشم کے کپڑے پہنائے جائیں گے اور وہ خوبصورت تختوں پر شاہانہ شان و شوکت سے بیٹھے ہوں گے۔

جنت میں ان نعمتوں کا صحیح اندازہ ہم اس دنیا میں نہیں لگا سکتے کہ وہ کیسے کنگن اور کپڑے ہوں گے کیونکہ جنت کی نعمتیں تو ایسی لاجواب ہوں گی کہ کسی آنکھ نے انہیں دیکھا نہیں ہوگا اور کسی دل میں ان کا خیال بھی نہیں گزرا ہوگا، لہٰذا ان کی اصل کیفیت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، تاہم یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ بہت ہی اچھا اجر اور بہت ہی اچھا ٹھکانا ہوگا۔

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا رَّجُلَيۡنِ جَعَلۡنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيۡنِ مِنۡ اَعۡنَابٍ وَّحَفَفۡنٰهُمَا بِنَخۡلٍ وَّجَعَلۡنَا بَيۡنَهُمَا زَرۡعًا ؕ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور آپ ان سے ان دو آدمیوں کی مثال بیان کریں جن میں ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دیئے جن کے ارد گرد کھجور کے درختوں کی باڑ لگا دی اور ان دونوں کے درمیان ہم نے کھیتی اگا دی۔[۳۰]

كِلۡتَا الۡجَـنَّتَيۡنِ اٰتَتۡ اُكُلَهَا وَلَمۡ تَظۡلِمۡ مِّنۡهُ شَيۡـئًا ۙ وَّفَجَّرۡنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۙ﴿۳۳﴾

۳۳۔ یہ دونوں باغ اپنے پھل خوب لائے اور پیداوار میں کوئی کمی نہیں کی اور ہم نے ان کے درمیان نہریں جاری کر دیں۔

وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكۡثَرُ مِنۡكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور اس کے پاس (ان باغوں کے علاوہ اور بھی) بہت سے اموال تھے، (ایک دن) اس نے اپنے ساتھی سے بحث کرتے ہوئے کہا کہ میں تجھ سے مال کے لحاظ سے بھی زیادہ ہوں اور نفری کے لحاظ سے بھی زیادہ طاقتور ہوں۔[۳۱]

وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنۡ تَبِيۡدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ۙ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور وہ اپنے باغ میں داخل ہوا اور اپنی جان پر ظلم کرتے ہوئے کہنے لگا: میں یہ گمان نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی بھی برباد ہوگا۔[۳۲]

---

[۳۰] ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک مالدار کافر اور ایک غریب مومن کی مثال بیان کی ہے۔ کافر کو اللہ تعالیٰ نے انگوروں کے دو باغ دیئے جن کے ارد گرد کھجور کے درختوں کی باڑ تھی اور ان باغوں کے اندر کاشتکاری کے لئے زرخیز زمین اور پانی کے لئے نہریں جاری تھیں اور ان میں فصلیں اور پھل کثرت سے ہوتے تھے۔ عرب کی بنجر اور خشک زمین میں اس قسم کے باغات جن میں نہریں بھی ہوں کوئی معمولی نعمت نہیں تھے۔

[۳۱] کافر بڑا خوشحال تھا، اس کے پاس ان دو باغوں کے علاوہ بھی بہت سا مال و متاع تھا۔ ایک دن وہ مومن پر اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے کہنے لگا: میں تم سے مال کے لحاظ سے بھی زیادہ مالدار ہوں اور نفری کے لحاظ سے بھی زیادہ طاقتور ہوں۔

[۳۲] ایک دن وہ اپنے باغ میں داخل ہوا اور ازراہ تکبر کہنے لگا: یہ میرے باغ اور مال و متاع زندگی بھر میرے پاس ہی رہیں گے اور یہ کبھی برباد نہیں ہوں گے۔ نیز میں نہیں سمجھتا کہ کبھی قیامت قائم ہوگی اور بالفرض اگر قیامت آ بھی گئی تو جس طرح

وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآىِٕمَةً ۙ وَّلَىِٕنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝

۳۶۔ اور نہ ہی میں یہ گمان کرتا ہوں کہ کبھی قیامت قائم ہوگی اور (بالفرض) اگر مجھے اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو وہاں بھی میں یقیناً اس باغ سے بہتر جگہ پاؤں گا۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝

۳۷۔ اس کے ساتھی نے اس سے بحث کرتے ہوئے کہا: کیا تو نے اس کا انکار کیا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تجھے پورا مرد بنا دیا۔ [۳۳]

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝

۳۸۔ لیکن وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝

۳۹۔ اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو کہتا: ماشاءاللہ، لاقوۃ الا باللہ (وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کسی میں کوئی طاقت نہیں)، [۳۴] اگر تو مجھے دیکھتا ہے کہ میں مال اور اولاد کے لحاظ سے تجھ سے کمتر ہوں۔

میں اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا لاڈلا اور پیارا ہوں اور اس حسین باغ کا مالک ہوں اسی طرح آخرت میں مجھے اس سے بھی اچھا باغ ملے گا کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ میرے اعمال پر خوش نہ ہوتا تو مجھے اس دنیا میں خوشحالی عطا نہ کرتا۔

[۳۳] مومن نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ ذرا تو اپنی پیدائش پر غور و فکر کر جس اللہ تعالیٰ نے انسان اول کو مٹی سے اور تجھے نطفے سے پیدا کر کے ایک پورا انسان بنایا کیا تو اس کا انکار کرتا ہے؟ بہرحال میرا عقیدہ تو بالکل واضح ہے کہ میں اللہ تعالیٰ پر غیر متزلزل ایمان رکھتا ہوں، وہی میرا رب ہے اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

[۳۴] مومن نے اپنے مالدار ساتھی سے کہا: یہ باغ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ تجھے اس پر تکبر کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہوئے یہ کہنا چاہیے تھا: ماشاءاللہ، لاقوۃ الا باللہ۔ (وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کسی میں کوئی طاقت نہیں) اگر تو ایسا کہتا تو یہ تیرے باغ اور تیرے حق میں بہتر ہوتا جیسا کہ حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے مال سے کوئی چیز دیکھی اور وہ اس کو اچھی لگی اور اس نے کہا: ماشاءاللہ، لاقوۃ الا باللہ۔ تو اس مال پر کبھی کوئی مصیبت نہیں آئے گی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر در منثور)

فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَ يُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝۴۰

۴۰۔ تو کچھ بعید نہیں کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا فرمادے اور (تیرے) اس باغ پر آسمان سے کوئی عذاب بھیج دے تو وہ ایک چٹیل میدان ہوجائے۔[۳۵]

اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝۴۱

۴۱۔ یا اس کا پانی زمین کی گہرائی میں جذب ہوجائے، پھر تو اس (پانی) کو ہرگز تلاش نہ کرسکے۔

وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝۴۲

۴۲۔ اور اس آدمی کے پھل (بربادی میں) گھیر لئے گئے، پھر صبح کو وہ اس پونجی پر کف افسوس ملتا رہ گیا جو اس نے باغ میں خرچ کی تھی اور اب وہ باغ اپنے چھپروں پر گرا پڑا تھا اور وہ آدمی کہہ رہا تھا: کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہوتا۔[۳۶]

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝۴۳

۴۳۔ اور اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی جو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود بدلہ لینے کے قابل تھا۔

---

[۳۵] مومن کہنے لگا: تو مجھے اس لئے حقیر سمجھ رہا ہے کہ میں مال اور اولاد کے لحاظ سے تجھ سے کمتر ہوں حالانکہ وہ وقت دور نہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے دنیا میں یا آخرت میں تیرے باغ سے بہتر باغ عطا فرمادے اور تیرے اس باغ پر آسمان سے کوئی ایسا عذاب آئے جو اس کو چٹیل میدان بنادے اور اس کا پانی زمین میں اتنا نیچے چلا جائے کہ پھر تو اسے حاصل نہ کرسکے، لہٰذا اس فانی باغ اور مال پر مغرور ہوکر اپنے رب سے روگردانی کرنا عقلمندی نہیں ہے۔

[۳۶] مومن کی مخلصانہ نصیحت کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا، وہ تکبر اور شرک کی راہ پر گامزن رہا یہاں تک کہ مہلت کی گھڑیاں ختم ہوگئیں، اچانک اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا، باغ کے چھپر جن پر انگور کی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں وہ زمین بوس ہوگئے، انگوروں کی ساری فصل تباہ ہوگئی اور وہ اس نقصان پر کف افسوس ملتا ہوا کہہ رہا تھا: کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہوتا۔ نیز اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اس کے خاندان کی بڑی نفری بھی اس کی مدد نہ کرسکی اور نہ ہی اس میں خود اتنی طاقت تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بدلہ لے سکے۔

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾

۴۴۔ یہیں سے ثابت ہوا کہ سب اختیار اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو سچا ہے، وہی بہترین ثواب دینے والا ہے اور اسی کے پاس بہترین انجام ہے۔[۳۷]

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿٤٥﴾

۴۵۔ اور آپ ان سے دنیوی زندگی کی مثال بیان کیجئے، یہ اس پانی کی طرح ہے جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا تو اس پانی کی وجہ سے زمین کی نباتات گھنی ہو کر نکلی، پھر وہ سوکھ کر چورا چورا ہو گئی جس کو ہوا اڑا دیتی ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر کامل قدرت رکھنے والا ہے۔[۳۸]

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿٤٦﴾

۴۶۔ مال اور اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے پاس ثواب کے اعتبار سے بھی بہترین ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی بہترین ہیں۔[۳۹]

---

[۳۷] جب کسی سرکش پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو جائے اور وہ زندگی کا آخری سانس لے رہا ہو یا قیامت کے دن جب اسے زندہ کیا جائے تو اس وقت اسے یقین ہو جاتا ہے کہ سب اختیارات کا اصل مالک واقعی اللہ تعالیٰ ہے مگر اس وقت کا احساس اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا لیکن جن لوگوں نے اس زندگی میں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی وہ بہترین ثواب اور بہترین انجام سے لطف اندوز ہوں گے۔

[۳۸] اس آیت میں دنیاوی زندگی کو پانی کی وجہ سے پیدا ہونے والے سبزہ سے تشبیہ دی گئی ہے جیسے ایک خشک اور صاف زمین پر بارش کا پانی برسا اور اس زمین پر ہر طرف سبزہ کی ایسی بہار آ گئی کہ زمین نظر سے اوجھل ہو گئی مگر کچھ ہی عرصہ کے بعد جب موسم نے کروٹ بدلی تو وہ سبزہ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا اور ہوا کے ایک ہی جھونکے نے اسے ایسا اڑایا کہ وہاں سے اس کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ دنیاوی زندگی بھی اس سبزہ کی طرح ہے جو چند روز اپنی بہار دکھا کر بالآخر فنا کے گھاٹ اتر جائے گی۔ اسی قسم کی ایک مثال سورہ یونس (۱۰) کی آیت نمبر ۲۴ میں بھی گزر چکی ہے۔

[۳۹] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مال اور اولاد اس دنیاوی زندگی کی زینت ہیں، اور دوسری جگہ فرمایا: اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور تمہارے بعض بیٹے تمہارے دشمن ہیں، پس ان سے ہوشیار رہو، بے شک تمہارے مال اور

وَ يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّ حَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۚ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو صاف میدان دیکھیں گے اور ہم ان سب کو جمع کریں گے، پھر ہم ان میں سے کسی ایک کو نہیں چھوڑیں گے۔[۴۰]

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور سب آپ کے رب کی بارگاہ میں صف بستہ پیش کئے جائیں گے، بے شک تم ہمارے پاس اس طرح آ گئے ہو جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا بلکہ تم نے تو یہ خیال کر رکھا تھا کہ ہم تمہارے لئے کوئی وقت مقرر ہی نہیں کریں گے۔[۴۱]

تمہارے بیٹے (تمہاری) آزمائش ہیں۔(قرآن: ۶۴:۱۵۔۱۴) اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی زندگی کی طرح یہ مال اور اولاد بھی آزمائش اور فانی ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو چھوڑ کر ان کی محبت میں سرگرداں رہنا جہنم کا راستہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مطابق اپنے مال اور اولاد سے محبت کرنا جنت کا راستہ ہے۔اس صورت میں یہی مال اور اولاد ایسا صدقہ جاریہ بن جاتے ہیں کہ آخرت میں ثواب وامید کا بہترین ذریعہ ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: کھیتی کی دو قسمیں ہیں: دنیا کی کھیتی تو مال اور اولاد ہے اور آخرت کی کھیتی نیک اعمال ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کبھی بعض لوگوں کو یہ دونوں چیزیں عطا کر دیتا ہے۔ (تفسیر قرطبی)

[۴۰] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قیامت کے دن اس زمین و آسمان کو نئے زمین و آسمان سے بدل دیا جائے گا۔(قرآن: ۱۴:۴۸) لہٰذا قیامت کے دن سے پہلے ہی یہ پہاڑ تو دھنی ہوئی روئی اور بادلوں کی طرح اڑ کر غائب ہو چکے ہوں گے بلکہ موجودہ ساری کائنات فنا ہو جائے گی اور ایک صاف میدان کی طرح نئی زمین وجود میں آ جائے گی۔اس دن اللہ تعالیٰ تمام اولین اور آخرین کو دوبارہ زندہ فرمائے گا اور حساب کے لئے سب کو اس میدان میں اکٹھا فرمائے گا۔اس دن کوئی بھی کہیں چھپ نہیں سکے گا اور ہر ایک کو انصاف کی عدالت میں اپنے اعمال کا حساب دینا پڑے گا۔

[۴۱] اس دن جب ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صفیں باندھے کھڑی ہوگی تو اللہ تعالیٰ منکرین قیامت سے فرمائے گا: میرے انبیاء کرام علیہم السلام نے تمہیں بتایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے پہلی بار پیدا فرمایا اسی طرح وہ قیامت کے دن دوبارہ تمہیں زندہ کرے گا مگر تم اس کا انکار کرتے تھے حالانکہ آج تم دوبارہ زندہ ہو چکے ہو۔اب بتاؤ میرے رسولوں کا پیغام سچا تھا یا تمہارا خام خیال؟

وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ يَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اور (ان کے سامنے) اعمال نامہ رکھ دیا جائے گا، پھر آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ جو کچھ اس میں (لکھا ہوا) ہے، اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے: ہائے افسوس! اس اعمال نامہ کو کیا ہوا ہے اس نے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا ہے اور نہ بڑا مگر سب کا احاطہ کر لیا ہے، اور جو عمل انہوں نے کئے تھے سب کو اپنے سامنے پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ فرمائے گا۔ [۴۲]

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾

۵۰۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، وہ جنات میں سے تھا، پس اس نے اپنے رب کے حکم سے نافرمانی کی، کیا تم پھر بھی مجھے چھوڑ کر ابلیس کو اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں، ظالموں کے لئے بہت برا بدلہ ہے۔ [۴۳]

---

[۴۲] ہر ایک کا اعمال نامہ اس کے سامنے پیش کیا جائے گا اور جب مجرم لوگ اپنے اعمال ناموں میں سارے چھوٹے اور بڑے گناہ لکھے ہوئے پائیں گے تو ان کی سزا کے تصور سے خوف زدہ ہو جائیں گے، مگر اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں فرمائے گا بلکہ ہر ایک کو اس کے گناہوں کے مطابق سزا دے گا۔

مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ قیامت میں کوئی شخص بے پڑھا نہ ہوگا۔ سب پڑھ سکیں گے اور سب عربی سے واقف ہوں گے کیونکہ اعمال نامہ کی تحریر عربی میں ہوگی، بلکہ مرتے ہی سب کی زبان عربی ہو جاتی ہے کہ قبر میں سوالات عربی میں ہوتے ہیں اور سارے لوگ عربی میں جواب دیتے ہیں۔ (تفسیر نور العرفان) جنت کی زبان بھی عربی ہوگی جیسا کہ رسول اللہ نے فرمایا: تین وجوہ سے اہل عرب سے محبت کرو کیونکہ میں عربی ہوں، قرآن کی زبان عربی ہے اور اہل جنت کی زبان عربی ہوگی۔ (مستدرک: جلد ۴: ص ۹۸)

[۴۳] اس آیت میں تصریح ہے کہ ابلیس فرشتہ نہیں بلکہ جنات میں سے تھا کیونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے۔ (قرآن ۶۶:۶) جبکہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، نیز فرشتے نوری مخلوق ہیں جبکہ ابلیس آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور فرشتوں کی اولاد نہیں ہوتی جبکہ جنات کا قبیلہ اور ان کی اولاد ہوتی ہے، البتہ فرشتوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ابلیس کو فرشتوں میں شمار کیا جاتا تھا، اسی لئے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے حکم میں وہ بھی شامل تھا۔

مَآ اَشۡهَدۡتُّهُمۡ خَلۡقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَا خَلۡقَ اَنۡفُسِهِمۡ ۖ وَمَا كُنۡتُ مُتَّخِذَ الۡمُضِلِّيۡنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾

۵۱۔ میں نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے وقت ان (شیطانوں) کو نہیں بلایا تھا اور نہ خود ان (شیطانوں) کی تخلیق کے وقت اور نہ میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو بنانے والا ہوں۔[۴۴]

وَيَوۡمَ يَقُوۡلُ نَادُوۡا شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ زَعَمۡتُمۡ فَدَعَوۡهُمۡ فَلَمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَهُمۡ وَجَعَلۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّوۡبِقًا ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اور جس دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: انہیں پکارو جن کو تم میرے شریک گمان کرتے تھے، سو وہ انہیں پکاریں گے مگر وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کا ایک گڑھا بنا دیں گے۔[۴۵]

وَرَاَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ النَّارَ فَظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ مُّوَاقِعُوۡهَا وَلَمۡ يَجِدُوۡا عَنۡهَا مَصۡرِفًا ﴿۵۳﴾ ع

۵۳۔ اور مجرم لوگ (جہنم کی) آگ کو دیکھیں گے تو جان لیں گے کہ وہ یقیناً اس میں گرنے والے ہیں اور وہ اس سے نجات کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے۔

ابلیس نے ایک تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی۔ دوسرا تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی تعظیم سے انکار کیا۔ نیز وہ تمہارا بھی کھلا دشمن ہے کہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ترغیب دیتا ہے۔ کیا تمہیں زیب دیتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ابلیس اور اس کی اولاد کو دوست بناؤ جو تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا دشمن، تمہارے رب اللہ تعالیٰ کا دشمن اور خود تمہارا بھی دشمن ہے، پھر بھی اگر تم نے ابلیس کو ہی دوست بنائے رکھا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سرگرم رہے تو پھر تم بھی ظالموں میں شمار ہو گے اور قیامت کے دن ظالموں کو ان کے مظالم کا بہت برا اور دردناک بدلہ دیا جائے گا۔ نیز ظالموں نے اللہ تعالیٰ کی دوستی کو چھوڑ کر ابلیس کی دوستی کو اختیار کر رکھا ہے تو یہ بھی بہت برا بدل ہے جو ظالموں نے اختیار کر رکھا ہے۔ ابلیس کے متعلق مزید تفصیل کے لئے سورہ اعراف (۷) کی آیت نمبر ۱۲ اور حاشیہ نمبر ۱۰ ملاحظہ کریں۔

[۴۴] جن شیاطین کو تم میرا شریک اور اپنا کارساز خیال کرتے ہو میں نے زمین و آسمان کی تخلیق میں ان سے کوئی مدد نہیں لی اور نہ ہی مجھے ان کی مدد کی ضرورت ہے بلکہ یہ تو اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ بعد میں جب میں نے ان شیاطین کو پیدا کیا تو بھی میں نے ان سے کوئی مشورہ نہیں کیا۔ میں جب ان کی مدد کے بغیر ان کو پیدا کر سکتا ہوں تو مجھے خواہ مخواہ ان کو اپنا شریک بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور بفرض محال اگر میں کسی کو شریک بناتا بھی تو میں ان شیاطین کو کیوں بناتا جو میرے ہی نافرمان ہیں۔

[۴۵] قیامت کے دن اللہ تعالیٰ منکرین سے فرمائے گا کہ انہیں پکارو جن کو تم میرا شریک گمان کرتے تھے تاکہ وہ میرے عذاب سے تمہیں بچائیں، سو وہ انہیں پکاریں گے مگر وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے بلکہ ان کے درمیان جہنم کا گڑھا بنا دیا جائے گا

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اور بے شک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثالیں بار بار بیان کی ہیں، اور انسان ہر چیز سے زیادہ جھگڑالو ہے۔[۴۶]

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾

۵۵۔ اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آگئی تو انہیں اس پر ایمان لانے اور اپنے رب سے مغفرت طلب کرنے سے کس چیز نے روکا سوائے اس کے کہ ان کے پاس پہلے لوگوں کا دستور آئے یا عذاب ان کے سامنے آجائے۔[۴۷]

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْۤا اٰيٰتِيْ وَمَاۤ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوش خبری سنانے والے اور (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والے اور کافر لوگ باطل (دلائل) کے سہارے جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ حق کو زائل کردیں اور انہوں نے میری آیتوں کو اور جس (عذاب) سے وہ ڈرائے گئے مذاق بنالیا ہے۔[۴۸]

اور مجرم لوگ جب اس جہنم کی آگ کو دیکھیں گے تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ اب وہ اس آگ میں گرنے والے ہیں اور اس سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

[۴۶] اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسلامی عقائد کو مختلف مثالوں کے ذریعہ بار بار بیان کیا ہے تاکہ لوگوں کو اپنے اپنے ذوق کے مطابق بات سمجھنے میں آسانی ہو مگر سرکش انسان بڑا جھگڑالو واقع ہوا ہے اور حق کو قبول کرنے کے بجائے سیدھی اور سادی باتوں میں بھی کٹ حجتی کرنے لگتا ہے۔

[۴۷] اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل کر کے ہدایت کا راستہ بالکل واضح کر دیا لیکن اس کے باوجود انہیں ایمان لانے سے کس چیز نے روک رکھا ہے؟ کیا وہ یہ چاہتے ہیں کہ پہلی قوموں کی طرح اچانک عذاب آئے اور انہیں تباہ و برباد کر دے یا عذاب بالکل ان کے سامنے آجائے اور اس عذاب کو دیکھنے کے بعد توبہ کی قبولیت کا وقت ہی ختم ہو جائے۔

[۴۸] اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو صرف اس لئے بھیجا تاکہ وہ حق پرستوں کو جنت کی خوش خبری سنائیں اور باطل پرستوں کو برے انجام سے ڈرائیں۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ باطل پرست اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے اور حق کا راستہ اختیار کرتے لیکن اس کے برعکس وہ الٹا حق کو مٹانے کے لئے باطل دلائل کے سہارے جھگڑا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

۵۷۔ اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس کو اپنے رب کی آیات سے نصیحت کی گئی تو اس نے ان سے روگردانی کی اور بھول گیا ان (اعمال بد) کو جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجے تھے، بے شک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تا کہ وہ قرآن کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی، اور اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ کبھی بھی ہدایت پر نہیں آئیں گے۔ [۴۹]

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور آپ کا رب تو بہت بخشنے والا، بہت رحمت والا ہے، اگر وہ ان کے کئے پر ان کا مؤاخذہ کرتا تو ان پر جلد عذاب بھیج دیتا لیکن ان کے لئے (عذاب کا) ایک وقت مقرر ہے، (جب وہ وقت آجائے گا تو وہ) اللہ تعالیٰ کے سوا ہرگز کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے۔ [۵۰]

وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾ ع

۵۹۔ اور یہ بستیاں ہیں جب ان کے باشندوں نے ظلم کیا تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کی ہلاکت

عذاب کا مذاق اڑاتے ہیں۔

[۴۹] جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیات کے ذریعہ نصیحت کی گئی اور انہوں نے اس سے روگردانی کی، نیز وہ اپنے اعمال بد اور ان کے انجام بد کو بھی بھول گئے، یہ لوگ بہت بڑے ظالم ہیں اور ان کے مظالم کی سزا کے طور پر ان کے دلوں پر ایسے پردے ڈال دیئے گئے اور ان کے کانوں میں ایسی گرانی پیدا کر دی گئی، جس سے قرآن کا سمجھنا، سننا اور اس سے نصیحت قبول کرنا ان کے لئے ناممکن ہوگیا، لہٰذا اب ان کو کیسی ہی دعوت دی جائے یہ کبھی بھی ہدایت کا راستہ اپنانے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ تقدیر کے مسئلہ پر تفصیل جاننے کے لئے سورہ بقرہ (۲) کی آیت نمبر ۷ اور حاشیہ نمبر ۱۰ ملاحظہ کریں۔

[۵۰] اگر اللہ تعالیٰ گناہوں پر گرفت فرماتا تو ظالموں پر جلدی عذاب آجاتا مگر وہ بہت مہربان ہے اور ایک وقت مقرر تک ظالموں کو مہلت دیتا ہے تا کہ وہ توبہ کر کے اپنے گناہوں کو بخشوالیں لیکن اگر وہ باز نہ آئے اور وقت مقرر آگیا تو پھر ان پر عذاب آکے رہے گا اور ان کے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

کے لئے ایک وقت مقرر کر رکھا تھا۔[۵۱]

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾

۶۰۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا: میں چلتا رہوں گا یہاں تک کہ میں دو سمندروں کے سنگم تک پہنچ جاؤں یا مدت دراز تک چلتا رہوں گا۔[۵۲]

---

[۵۱] اہل عرب اپنے تجارتی سفروں میں قوم عاد وثمود وغیرہ کی تباہ شدہ بستیوں کا مشاہدہ کر چکے تھے۔ جب ان بستیوں کے باشندوں نے ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک وقت مقرر تک مہلت دی لیکن جب وہ باز نہ آئے تو بستیوں سمیت انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔

اس آیت کے ذریعہ اہل مکہ کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تمہیں جو وقت مقرر تک مہلت مل رہی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی بلکہ اس سے فائدہ اٹھا کر اپنی اصلاح کر لو ورنہ جب وقت مقرر آ گیا تو تمہارا حشر بھی وہ ہو سکتا ہے جو پہلی قوموں کا ہوا تھا۔

[۵۲] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے لئے عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ دو سمندروں کے سنگم پر جائیں وہاں ان سے ملاقات ہو جائے گی، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم یوشع بن نون سے کہا کہ ہمیں دو سمندروں کے سنگم تک پہنچنے کے لئے اپنا سفر جاری رکھنا ہے خواہ ہمیں سالہا سال تک چلنا پڑے۔ اس آیت سے لے کر آیت نمبر ۸۲ تک حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں اس واقعہ کا خلاصہ پیش کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت خضر علیہ السلام اور دو سمندروں کے سنگم کا تعارف پیش کیا جائے۔

حضرت خضر علیہ السلام

حضرت خضر علیہ السلام کا نام بلیا بن ملکان ہے اور آپ کا لقب خضر ہے کیونکہ آپ جہاں تشریف فرما ہوتے وہ جگہ سرسبز ہو جاتی تھی۔ (تفسیر بغوی)

حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے یا ولی؟

علامہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے کیونکہ اولیاء اللہ کو کشف اور الہام کے ذریعہ جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ظنی ہوتا ہے اور اس میں خطا کا احتمال ہوتا ہے۔ اب اگر حضرت خضر علیہ السلام کو ولی مانا جائے تو محض کشف اور الہام کی وجہ سے معصوم لڑکے کو قتل کرنا جائز نہیں ہو سکتا، اس لئے آپ کو نبی ہی ماننا پڑے گا کیونکہ نبی کا علم یقینی ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری) علامہ ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں: جمہور علماء کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں۔ (بحر محیط) علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ جمہور علماء کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ایک نیک بندے تھے حالانکہ قرآن مجید کی

آیتیں شہادت دیتی ہیں کہ وہ نبی تھے کیونکہ باطنی امور کو وحی کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔

(تفسیر قرطبی: سورہ کہف: زیر آیت نمبر ۶۵)

علامہ فخر الدین رازی اس سورت کی آیت نمبر ۶۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اکثر علماء کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے اور اس کی چند وجوہات بھی بیان کی ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام اب زندہ ہیں یا نہیں

علامہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں اہل علم کے اقوال مختلف ہیں مگر اس کا حل حضرت مجدد الف ثانی کے کلام کے بغیر ناممکن ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ سے جب حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پا گئے ہیں تو آپ حقیقت حال کے انکشاف کے لئے بارگاہ الٰہی میں متوجہ ہوئے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی نے مراقبہ میں دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام آپ کے سامنے کھڑے ہیں۔ آپ نے ان سے ان کی حقیقت حال دریافت کی تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: میں اور الیاس دونوں زندہ نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو ایسی طاقت عطا فرما دی ہے جس سے ہم مجسم ہو جاتے ہیں اور زندوں کے سے کام کرتے ہیں مثلاً جب اللہ تعالیٰ چاہے تو ہم گمراہوں کی رہنمائی کرتے ہیں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں۔ علم لدنی کی تعلیم دیتے ہیں اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو اسے روحانی نسبت بھی دیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری) علامہ ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں: جمہور علماء اس پر ہیں کہ بے شک خضر علیہ السلام کی وفات ہو گئی۔

(بحر محیط)

مجمع البحرین

دو سمندروں کا سنگم کہاں ہے اس کے متعلق بھی علماء کے مختلف اقوال ہیں لیکن زیادہ قرین قیاس وہ جگہ ہے جہاں خلیج عقبہ اور خلیج سویس دونوں آکر ملتے ہیں اور بحر احمر میں ضم ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر تبیان القرآن) بہر حال اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں سب سے بڑا عالم ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا کہ انہوں نے علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیوں نہیں کیا۔ (اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ قیامت تک آنے والے سب اہل ایمان کو یہ درس دیا گیا ہے کہ وہ ایسی صورت میں یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سب سے بڑا عالم ہے) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ میرا ایک بندہ (خضر) مجمع البحرین میں ہے اور وہ تم سے زیادہ عالم ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میری ان سے کیسے ملاقات ہو گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک ٹوکری میں مچھلی رکھ لو، جب وہ

مچھلی (زندہ ہوکر) گم جائے وہیں وہ بندہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم یوشع بن نون مچھلی لے کر چل پڑے، حتیٰ کہ وہ ایک چٹان کے پاس آئے اور اس پر سر رکھ کر سو گئے۔ مچھلی اچانک حرکت میں آکر ٹوکری سے نکلی اور سمندر میں سرنگ کی طرح راستہ بناتی ہوئی چلی گئی۔ یوشع بن نون نے مچھلی کو جاتے ہوئے دیکھ لیا مگر انہوں نے اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا اور دل میں سوچا کہ جب وہ بیدار ہوں گے تو ان کو بتا دوں گا اور پھر وہ بتانا بھول گئے۔ جب وہ اس چٹان سے روانہ ہوئے تو ایک دن کے سفر کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا کہ ناشتہ لاؤ۔ اس وقت یوشع بن نون نے کہا کہ ہم چٹان کے پاس سوئے تھے تو مچھلی سمندر میں چلی گئی تھی اور میں آپ کو بتانا بھول گیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہی تو وہ جگہ ہے جس کو ہم تلاش کر رہے تھے، پھر وہ دونوں واپس اس چٹان کے پاس آئے تو دیکھا وہاں حضرت خضر علیہ السلام موجود ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام کرنے کے بعد انہیں کہا: کیا میں آپ کے ساتھ اس شرط پر رہ سکتا ہوں کہ جو رشد و ہدایت کا علم آپ کو سکھایا گیا ہے آپ اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھا دیں؟ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا علم سکھایا ہے جو آپ نہیں جانتے اور آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا علم سکھایا جس کو میں نہیں جانتا (کیونکہ تمام علوم اور کمالات اللہ تعالیٰ نے صرف ایک ہستی میں جمع فرمائے ہیں اور وہ ہے ذات پاک مصطفی علیہ التحیۃ والثناء)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں سوال نہ کرنا یہاں تک کہ میں خود آپ سے اس کا ذکر کروں۔ چنانچہ وہ سمندر کے کنارے کنارے چلنے لگے، اتنے میں ایک کشتی گزری، کشتی والوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور بغیر کرایہ کے ان کو کشتی میں سوار کر لیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کے تختوں میں سے ایک تختے کو اکھاڑ کر پھینک دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ان لوگوں نے بغیر کرایہ کے ہم کو کشتی میں سوار کیا اور آپ نے کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا تا کہ آپ اس میں بیٹھنے والوں کو غرق کر دیں، یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں بھول گیا تھا، لہٰذا مجھ سے درگزر کریں۔ اس اثنا میں ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی، اس نے دریا میں سے ایک چونچ بھر پانی لیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میرا علم اور آپ کا علم دونوں مل کر بھی اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں اتنی حیثیت بھی نہیں رکھتے جتنی اس چڑیا کی چونچ کے پانی کو اس سمندر کے ساتھ ہے۔

پھر وہ کشتی سے نکل کر ساحل سمندر پر جا رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک لڑکا دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس لڑکے کو قتل کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ نے ایک بے قصور لڑکے کو ناحق قتل کر دیا، یہ تو آپ نے اچھا نہیں کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آئندہ ایسا نہیں کروں گا، پھر وہ ایک بستی میں آئے اور بستی والوں سے کھانا مانگا مگر اہل بستی نے مہمان

فَلَمَّا بَلَغَا مَجۡمَعَ بَیۡنِهِمَا نَسِیَا حُوۡتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِیۡلَهٗ فِی الۡبَحۡرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾

۶۱۔ پھر جب وہ دونوں دو سمندروں کے سنگم پر پہنچے تو وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، پس مچھلی نے سمندر میں سرنگ کی طرح اپنا راستہ بنالیا۔ [۵۳]

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدۡ لَقِیۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾

۶۲۔ پھر جب وہ دونوں آگے بڑھے تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا: ہمارا ناشتہ ہمارے پاس لے آؤ، بے شک ہمیں اپنے اس سفر سے بڑی تھکاوٹ پہنچی ہے۔ [۵۴]

قَالَ اَرَءَیۡتَ اِذۡ اَوَیۡنَاۤ اِلَی الصَّخۡرَةِ فَاِنِّیۡ

۶۳۔ خادم نے کہا: کیا آپ نے دیکھا جب ہم اس چٹان

نوازی سے انکار کر دیا۔ ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار کو گرتے دیکھا تو انہوں نے اس دیوار کو درست کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: بستی والوں نے ہمیں کھانا تک نہیں دیا، اگر آپ چاہتے تو اس کام پر ان سے اجرت لیتے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: اب ہمارے اور تمہارے درمیان جدائی ہے۔ (بخاری: کتاب تفسیر القرآن: سورہ کہف: باب ۲)

پھر حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: آیئے جانے سے پہلے میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت بتا دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔ وہ کشتی چند غریب لوگوں کی تھی اور آگے ایک ظالم بادشاہ تھا جو اچھی کشتیوں کو غصب کر رہا تھا۔ میں نے اس کشتی کو اس لئے ناقص کر دیا تا کہ بادشاہ اس کو غصب نہ کرے اور ان غریب لوگوں کا روزگار چلتا رہے۔ قتل ہونے والے لڑکے کے والدین اہل ایمان تھے، اگر یہ زندہ رہتا تو ان کو کفر پر مجبور کر دیتا۔ اب اللہ تعالیٰ ان کو اس سے بہتر لڑکا عطا فرمائے گا اور وہ گرنے والی دیوار دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا جو کہ ان کے نیک باپ نے ان کے لئے دفن کیا تھا تا کہ جب وہ جوان ہو جائیں تو اس خزانہ کو نکال لیں اور اگر وہ دیوار گر جاتی تو دوسرے لوگ یہ خزانہ لوٹ لیتے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ علم کی طلب کے لئے اور بڑے عالم کی زیارت کے لئے جانا اور طویل سفر کرنا انبیاء کی سنت ہے۔

[۵۳] حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون جب دو سمندروں کے سنگم پر پہنچے تو چٹان پر سر رکھ کر سو گئے۔ اس دوران مچھلی زندہ ہو کر سرنگ کی طرح راستہ بناتے ہوئے سمندر میں چلی گئی۔ اگرچہ یوشع بن نون نے مچھلی کو سمندر میں جاتے ہوئے دیکھ لیا مگر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتانا بھول گئے۔

[۵۴] چٹان کے پاس آرام کرنے کے بعد وہ دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے اور ایک دن کے سفر کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خادم سے کہا کہ ناشتہ لے آؤ اب تو بہت تھکاوٹ ہو گئی ہے۔

نَسِیۡتُ الۡحُوۡتَ ۫ وَ مَاۤ اَنۡسٰنِیۡهُ اِلَّا الشَّیۡطٰنُ اَنۡ اَذۡکُرَهٗ ۚ وَ اتَّخَذَ سَبِیۡلَهٗ فِی الۡبَحۡرِ ٭ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾

کے پاس ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی کو بھول گیا تھا اور شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں (آپ سے) مچھلی کا ذکر کروں اور مچھلی نے تو سمندر میں عجیب طریقہ سے اپنا راستہ بنالیا تھا۔[۵۵]

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبۡغِ ٭ۖ فَارۡتَدَّا عَلٰۤی اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾

۶۴۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہی تو وہ جگہ ہے جس کو ہم تلاش کررہے تھے، پھر دونوں اپنے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے واپس لوٹے۔[۵۶]

فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ اٰتَیۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَ عَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا ﴿۶۵﴾

۶۵۔ تو ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے (خضر علیہ السلام) کو وہاں پایا جس کو ہم نے اپنے پاس سے (خصوصی) رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اسے اپنے پاس سے (خصوصی) علم سکھایا تھا۔[۵۷]

---

[۵۵] خادم نے کہا: جب ہم چٹان کے پاس سوئے تھے تو مچھلی زندہ ہوکر سمندر میں چلی گئی تھی اور شیطان نے مجھے بھلا دیا کہ میں آپ سے مچھلی کا ذکر کرتا۔

[۵۶] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہی تو وہ جگہ ہے جس کو ہم تلاش کررہے تھے، چنانچہ وہ اپنے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے واپس اسی چٹان کی طرف روانہ ہوگئے۔

[۵۷] جب وہ واپس اس چٹان کے پاس پہنچے تو دراصل یہی وہ جگہ تھی جس کو مجمع البحرین کہا گیا تھا اور حضرت خضر علیہ السلام وہاں موجود تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام کہا تو حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا: اے بنی اسرائیل کے نبی! تم پر بھی سلام ہو۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: آپ کو میرا تعارف کس نے کرایا؟ خضر علیہ السلام نے جواب دیا: جس نے آپ کو میری طرف بھیجا ہے اسی نے مجھے آپ کا تعارف بھی کرایا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو اپنے پاس سے خصوصی رحمت اور خصوصی علم یعنی علم لدنی عطا فرمایا۔

علم لدنی کی تعریف

ملا علی قاری لکھتے ہیں: علم ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ مؤمن کے دل میں ڈالتا ہے۔ یہ علم نبی کے اقوال، افعال اور احوال سے مستفاد ہوتا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اس کے افعال اور اس کے احکام کی ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ علم کسی بشر کے واسطے سے حاصل ہو تو علم کسبی ہے اور اگر یہ علم کسی واسطے کے بغیر حاصل ہو تو یہ علم لدنی ہے اور علم لدنی کی تین قسمیں ہیں: وحی، الہام اور فراست۔ (مرقاۃ المفاتیح: جلد اول: ص ۴۴۵: کتاب العلم)

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾

۶۶۔ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا: کیا میں آپ کی اس شرط پر پیروی کر سکتا ہوں کہ جو رشد و ہدایت کا علم آپ کو سکھایا گیا ہے آپ اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھا دیں۔ [۵۸]

انبیائے کرام اور اولیائے کاملین کو اللہ تعالیٰ علم لدنی عطا فرماتا ہے مگر ان کے درجات اور مراتب مختلف ہوتے ہیں۔ وحی انبیائے کرام کے ساتھ خاص ہے اور اس سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے جو شریعت میں حجت ہے، البتہ الہام اور فراست اولیائے کاملین کی عظمت کی نشانی ہے لیکن اس سے ظنی علم حاصل ہوتا ہے جو حجت شرعی نہیں ہے۔

علم لدنی سے مراد

اس آیت میں مفسرین نے علم لدنی سے علم غیب مراد لیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو علم غیب عطا فرمایا، مثلاً:

۱۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: ہم نے حضرت خضر علیہ السلام کو علم غیب کی تعلیم دی۔ (تفسیر قرطبی)

۲۔ قاضی بیضاوی لکھتے ہیں: ہم نے خضر علیہ السلام کو ان علوم میں سے تعلیم دی جو ہمارے ساتھ مختص ہیں اور جن کا علم ہماری توفیق کے بغیر نہیں ہوتا اور وہ علم الغیوب ہے۔ (تفسیر بیضاوی)

۳۔ علامہ محمد علی صابونی لکھتے ہیں: ہم نے خضر علیہ السلام کو اس علم کی تعلیم دی جو ہمارے ساتھ خاص ہے جس کا علم ہماری توفیق کے بغیر نہیں ہوتا اور وہ علم الغیوب ہے۔ (صفوۃ التفاسیر)

۴۔ علامہ شوکانی لکھتے ہیں: ہم نے خضر علیہ السلام کو اس علم غیب سے تعلیم دی جو ہمارے ساتھ خاص ہے۔ (تفسیر فتح القدیر)

۵۔ علامہ ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں: ہم نے خضر علیہ السلام کو وہ علم سکھایا جو ہمارے ساتھ مختص ہے اور وہ غیوب کی خبریں دینے کا علم ہے۔ (تفسیر بحر محیط)

۶۔ علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں: ہم نے خضر علیہ السلام کو وہ علم سکھایا جس کی تہ تک نہیں پہنچا جا سکتا اور نہ اس کی مقدار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور وہ علم الغیوب اور مخفی علوم کے اسرار ہیں۔ (تفسیر روح المعانی)

۷۔ علامہ ابو مسعود لکھتے ہیں: ہم نے خضر علیہ السلام کو وہ خاص علم سکھایا جس کی حقیقت کو معلوم نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کی مقدار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور وہ علم الغیوب ہے۔ (تفسیر ابی السعود)

۸۔ علامہ ابن جریر لکھتے ہیں: حضرت خضر علیہ السلام ایسے انسان تھے جو علم الغیب جانتے تھے۔ (تفسیر ابن جریر طبری)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب

قرآن و حدیث اور اہل علم کی مذکورہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو علم غیب بلکہ علم غیوب عطا فرمایا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ سب انبیاء کے امام اور سردار ہیں ان کا علم غیب اور علم غیوب تو بہت زیادہ ہوگا۔

[۵۸] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے بڑے ادب اور احترام کے ساتھ درخواست کی کہ آپ مجھے اجازت دیں گے

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾

۶۷۔ خضر علیہ السلام نے کہا: بے شک آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے۔ [۵۹]

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾

۶۸۔ اور آپ اس چیز پر صبر کیسے کر سکتے ہیں جس کی آپ کو پوری طرح خبر نہیں۔

کہ میں کچھ عرصہ آپ کے ساتھ رہ کر آپ سے کچھ علم حاصل کروں، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا اپنا رتبہ خواہ کتنا ہی بلند ہو، استاد کا ادب واحترام بہر صورت لازم ہے۔ ہر طالب علم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس اسوۂ حسنہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں: یہ آیت بتاتی ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کم درجے والے انسان کو اپنے سے اعلیٰ انسان پر کسی ایک کمال میں برتری حاصل ہو جاتی ہے۔ جب ایسی صورت حال پیدا ہو تو اعلیٰ درجے والے کو چاہئے کہ وہ اپنے سے کم درجے والے انسان سے وہ کمال حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کو اپنے لئے کسر شان نہ سمجھے۔ (تفسیر مظہری) جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دانائی کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے، جہاں ملے مؤمن اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔
(ترمذی: ابواب العلم: باب ۱۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان کیا: علم حاصل کرو اور علم کے لئے سکون اور وقار سیکھو، نیز جس سے علم حاصل کرو اس کے سامنے تواضع اختیار کرو۔ (کنز العمال: جلد ۱۰: ص ۱۴۱)

ایک دن عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے اہل دربار سے پوچھا: مجھے یہ بتاؤ کہ اس مملکت میں سب سے محترم اور معزز کون ہے؟ سب نے کہا: اے امیر المومنین! آپ۔ خلیفہ وقت نے اپنا یہ سوال تین مرتبہ دہرایا۔ حاضرین نے یہی جواب دیا جس کو ہر بار خلیفہ نے غلط قرار دیا۔ حاضرین دربار نے پوچھا: اگر ہمارا جواب درست نہیں تو آپ فرمائیے۔ ہارون الرشید نے فرمایا: کہ میرے بیٹوں مامون اور امین کا استاد اصمعی اس ساری مملکت میں سب سے زیادہ محترم ہے کیونکہ میرے دونوں بیٹے اپنے استاد کے جوتے اٹھانے میں سبقت لے جانے میں کوشاں ہوتے ہیں لیکن میرے جوتے اٹھانے میں انہوں نے کبھی اس کشمکش کا مظاہرہ نہیں کیا۔ (ماہنامہ ضیائے حرم: سر دلبراں: جولائی ۱۹۸۹ء)

[۵۹] حضرت خضر علیہ السلام کو معلوم تھا کہ ایسے واقعات پیش آئیں گے جو بظاہر شریعت کے خلاف نظر آئیں گے اور کوئی نبی خلاف شرع امور پر اس وقت تک خاموش نہیں رہتا جب تک ان کے جواز کی کوئی وجہ اس پر ظاہر نہ ہو جائے، اس لئے حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے اور ساتھ وجہ بھی بیان کر دی کہ جس خلاف شرع کام کی حکمت آپ کو معلوم نہ ہو ظاہر ہے آپ اس پر صبر نہ کر سکیں گے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کیا کہ ان شاء اللہ وہ ضرور صبر کریں گے اور نافرمانی نہیں کریں گے۔

قَالَ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا وَّ لَاۤ اَعۡصِیۡ لَکَ اَمۡرًا ﴿۶۹﴾

۶۹۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعۡتَنِیۡ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِیۡ عَنۡ شَیۡءٍ حَتّٰۤی اُحۡدِثَ لَکَ مِنۡہُ ذِکۡرًا ﴿۷۰﴾ ع ۱۱ ۲۱

۷۰۔ خضر علیہ السلام نے کہا: اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو مجھ سے کسی چیز کے بارے سوال نہ کرنا یہاں تک کہ میں خود آپ سے اس کا ذکر کروں۔ [۶۰]

فَانۡطَلَقَا ٝ حَتّٰۤی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیۡنَۃِ خَرَقَہَا ؕ قَالَ اَخَرَقۡتَہَا لِتُغۡرِقَ اَہۡلَہَا ۚ لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡـًٔا اِمۡرًا ﴿۷۱﴾

۷۱۔ پھر وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب وہ دونوں ایک کشتی میں سوار ہوئے تو خضر علیہ السلام نے کشتی میں شگاف کر دیا، موسیٰ علیہ السلام نے کہا: کیا آپ نے کشتی میں اس لئے شگاف کیا ہے کہ آپ کشتی والوں کو غرق کر دیں، بے شک یہ تو آپ نے بڑا خطرناک کام کیا ہے۔ [۶۱]

---

[۶۰] حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: جب میں کوئی ایسا کام کروں جس کی حکمت آپ کو معلوم نہ ہو تو آپ صبر کرنا اور اس کے متعلق فوراً استفسار نہ کرنا یہاں تک کہ میں خود اس کی حکمت آپ سے بیان کر دوں۔

[۶۱] حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں سمندر کے کنارے کنارے چلنے لگے، اتنے میں ایک کشتی گزری، کشتی والوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور بغیر کسی معاوضہ کے ان دونوں کو کشتی میں سوار کر لیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کے تختوں میں سے ایک تختے کو اکھاڑ کر پھینک دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ان لوگوں نے بغیر کسی معاوضہ کے ہم کو کشتی میں سوار کیا اور آپ نے کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا، اس طرح تو یہ سواریاں پانی میں ڈوب جائیں گی، یہ تو آپ نے بڑا خطرناک کام کیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: مجھ سے بھول ہو گئی ہے، لہٰذا آپ مجھ پر سختی نہ کریں اور درگزر کریں۔

مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں: حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کا وہ تختہ توڑا تھا جو پانی میں رہتا تھا لیکن پھر بھی پانی کشتی میں نہ بھرا۔ (تفسیر نور العرفان) اس سے حضرت خضر علیہ السلام کے دو معجزات کا اشارہ ملتا ہے یعنی آپ نے ایسے معجزانہ انداز میں کشتی کا تختہ اکھاڑا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی کو احساس نہ ہوا۔ نیز کشتی میں سوراخ ہو جانے کے باوجود کشتی میں پانی داخل نہ ہوا۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾

۷۲۔ خضر علیہ السلام نے کہا: کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کرسکیں گے۔

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾

۷۳۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ میری بھول پر گرفت نہ کریں اور میرے معاملہ میں مجھ پر زیادہ سختی نہ کریں۔

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً ۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

۷۴۔ پھر وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب وہ ایک لڑکے سے ملے تو حضرت خضر علیہ السلام نے اس کو قتل کر ڈالا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: کیا آپ نے ایک معصوم جان کو کسی نفس کے بدلہ کے بغیر قتل کر دیا، بے شک آپ نے بڑا نازیبا کام کیا۔ [۶۲]

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾

۷۵۔ خضر علیہ السلام نے کہا: کیا میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کرسکیں گے؟

قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾

۷۶۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اگر اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے بارے سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں، بے شک آپ میری طرف سے حد عذر کو پہنچ گئے ہیں۔

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِۨ اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا

۷۷۔ پھر وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب وہ دونوں ایک بستی والوں کے پاس آئے اور ان سے کھانا طلب کیا تو بستی والوں نے ان کی میزبانی سے انکار کر دیا،

---

[۶۲] پھر وہ کشتی سے نکل کر ساحل سمندر پر جا رہے تھے، انہوں نے دیکھا کہ ایک لڑکا دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس لڑکے کو قتل کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ نے ایک بے قصور لڑکے کو ناحق قتل کر دیا، یہ تو آپ نے بڑا ہی نازیبا کام کیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کرسکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ایک موقع اور دے دیں اگر اس کے بعد بھی میں سوال کروں تو پھر آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں اور اس فیصلے میں آپ حق بجانب ہوں گے اور مجھے بھی آپ پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُّرِيدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾

پھر انہوں نے اس بستی میں ایک دیوار دیکھی جو گرا ہی چاہتی تھی تو خضرؑ نے اسے درست کر دیا، موسیٰؑ نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس پر مزدوری لے لیتے۔ [۶۳]

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾

۷۸۔ حضرت خضرؑ نے کہا: بس اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے، اب میں آپ کو ان باتوں کی حقیقت سے آگاہ کئے دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے تھے۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾

۷۹۔ وہ جو کشتی تھی وہ چند غریب لوگوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے، میں نے چاہا کہ میں اسے عیب دار کر دوں کیونکہ ان کے آگے ایک (ظالم) بادشاہ (کھڑا) تھا جو ہر (بے عیب) کشتی کو غصب کر رہا تھا۔ [۶۴]

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿۸۰﴾

۸۰۔ اور وہ جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ مومن تھے، پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ انہیں سرکشی اور کفر میں مبتلا کر دے گا۔ [۶۵]

---

[۶۳] پھر وہ ایک بستی میں آئے اور بستی والوں سے کھانا مانگا مگر اہل بستی نے میزبانی سے انکار کر دیا، پھر انہوں نے اس بستی میں ایک دیوار دیکھی جو گرنے والی تھی تو حضرت خضرؑ نے اسے ہاتھ لگا کر معجزانہ طور پر درست کر دیا۔ موسیٰؑ نے کہا: اس بستی والوں نے ہمیں کھانا تک نہیں دیا، اگر آپ چاہتے تو اس کام پر ان سے اجرت طلب کرتے۔ حضرت خضرؑ نے کہا: بس اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا ہے کیونکہ آپ نے صبر نہیں کیا۔

[۶۴] پھر حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا: آیئے جانے سے پہلے میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت بتائے دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔ وہ کشتی چند غریب لوگوں کی تھی اور آگے ایک ظالم بادشاہ کھڑا تھا جو بے عیب کشتیوں کو غصب کر رہا تھا اور کشتی والوں کو اس کا علم نہیں تھا، میں نے اس کشتی کو اس لئے ناقص کر دیا تا کہ بادشاہ اس کو غصب نہ کرے اور ان غریبوں کا روزگار چلتا رہے۔

[۶۵] اور اس قتل ہونے والے کے والدین اہل ایمان تھے۔ اگر وہ زندہ رہتا تو ان کو کفر اور سرکشی پر مجبور کر دیتا۔ اب اللہ تعالیٰ

فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾

۸۱۔ پس ہم نے چاہا کہ ان کا رب انہیں (اس لڑکے کا ایسا) بدل عطا فرمائے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر ہو اور زیادہ مہربان ہو۔

وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَ يَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾

۸۲۔ اور وہ جو دیوار تھی وہ شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (مدفون) تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا، پس آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے رب کی رحمت سے اپنا خزانہ نکال لیں، [٦٦] اور میں نے (جو کچھ بھی کیا) وہ اپنی مرضی سے نہیں کیا، یہ ان (واقعات) کی حقیقت ہے جن پر آپ صبر نہ کر سکے تھے۔ [٦٧]

وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾

۸۳۔ اور وہ آپ سے ذوالقرنین کے متعلق دریافت کرتے ہیں، آپ فرمائیے: میں ابھی آپ کے سامنے اس کا کچھ حال پڑھ کر سناتا ہوں۔ [٦٨]

ان کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے گا جو اس سے زیادہ پاکیزہ اور والدین کے لئے زیادہ مہربان ہوگا۔

[٦٦] اور وہ گرنے والی دیوار دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا جو کہ ان کے نیک باپ نے ان کے لئے دفن کیا تھا تاکہ جب وہ جوان ہو جائیں تو اس خزانہ کو نکال لیں اور اگر وہ دیوار گر جاتی تو دوسرے لوگ ان یتیموں کا خزانہ لوٹ لیتے۔

[٦٧] آخر میں حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: میں نے یہ سارے کام اپنی مرضی سے نہیں کئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کئے تھے۔

[٦٨] مشرکین مکہ نے یہود مدینہ کے مشورہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوالقرنین کے متعلق دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو ملک فارس میں اقتدار بخشا اور اس کو ایسا علم و ہنر اور ایسا ساز و سامان عطا فرمایا جس کی وجہ سے اس نے نمایاں فتوحات حاصل کیں حتیٰ کہ مشارق و مغارب کا حکمران ہو گیا تھا۔ قرآن مجید کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین ایک سچا مومن اور صالح انسان تھا۔ وہ رعایا کا ہمدرد اور خیر خواہ بادشاہ تھا۔

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿۸۴﴾

۸۴۔ بے شک ہم نے اسے زمین میں اقتدار بخشا تھا اور بے شک ہم نے اس کو ہر چیز کا ساز و سامان دیا تھا۔

فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾

۸۵۔ پس وہ (مغرب کی طرف) ایک راستے پر روانہ ہوا۔

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۗ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾

۸۶۔ یہاں تک کہ جب وہ غروب آفتاب کی جگہ پہنچا تو اس نے سورج کو یوں پایا گویا وہ سیاہ کیچڑ کے چشمے میں ڈوب رہا ہے [۶۹] اور اس نے وہاں ایک قوم کو پایا، ہم نے کہا: اے ذوالقرنین! (تمہیں اختیار ہے) خواہ تم انہیں سزا دو یا ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ [۷۰]

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾

۸۷۔ ذوالقرنین نے کہا: جس نے ظلم کیا تو عنقریب ہم اس کو سزا دیں گے، پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ اسے بڑا ہی سخت عذاب دے گا۔ [۷۱]

---

[۶۹] ذوالقرنین نے سب سے پہلے مغرب کا رخ کیا اور مختلف ممالک فتح کرتا ہوا ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل تک پہنچ گیا جہاں زمین اور آبادی ختم ہوگئی اور تا حدِ نگاہ پانی ہی پانی تھا جو چھوٹی چھوٹی خلیجوں کی وجہ سے سیاہ کیچڑ کے چشمے کی طرح نظر آتا تھا اور اس کی لہروں میں سورج ڈوب رہا تھا۔ اگرچہ سورج تو زمین اور سمندر سے بہت بڑا ہے اور وہ اپنے مدار میں متحرک رہتا ہے اور کہیں ڈوبتا نہیں مگر سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر غروب آفتاب کا نظارا کرنے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا سورج پانی میں ڈوب رہا ہے۔

[۷۰] مغرب میں سمندر کے قریب وہ قوم آباد تھی جس نے ذوالقرنین کے ملک پر حملہ کیا تھا اور اس کا تاج و تخت چھیننے کی کوشش کی تھی، اب وہ قوم ذوالقرنین کے قبضہ میں آگئی تو اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے دل میں اس طرح بات ڈال دی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں ڈالی تھی۔ (قرآن: ۳۸:۲۰) یعنی تم موسیٰ کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دو، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے دل میں بھی یہ بات ڈال دی کہ چاہے تو اس قوم سے بدلہ لے کیونکہ اس نے ذوالقرنین کے ملک پر حملہ کیا تھا اور چاہے تو اسے معاف کر دے۔ (تفسیر ضیاء القرآن)

[۷۱] ذوالقرنین نے اس قوم کے گذشتہ قصور کو تو معاف کر دیا مگر آئندہ کے لئے وارننگ دے دی کہ اگر انہوں نے پھر ظلم و زیادتی کا راستہ اختیار کیا تو ہم اس دنیا میں ان کو سزا دیں گے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ بھی انہیں ان کے مظالم کی سخت سزا دے گا۔

وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾

۸۸۔ اور جو شخص ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کئے تو اس کے لئے اچھا بدلہ ہے اور ہم اسے اپنے احکام سے آسان بات کہیں گے۔ [۷۲]

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾

۸۹۔ پھر وہ (مشرق کی طرف دوسرے) راستے پر روانہ ہوا۔

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾

۹۰۔ یہاں تک کہ جب وہ طلوع آفتاب کی جگہ پر پہنچا تو اس نے سورج کو یوں پایا گویا وہ ایک ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جن کے لئے ہم نے سورج (کی گرمی) سے بچنے کی کوئی آڑ نہیں بنائی۔ [۷۳]

كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾

۹۱۔ واقعہ اسی طرح ہے، اور جو کچھ ذوالقرنین کے پاس تھا وہ سب ہمارے علم میں تھا۔ [۷۴]

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾

۹۲۔ پھر وہ (شمال کی طرف تیسرے) راستہ پر روانہ ہوا۔ [۷۵]

---

[۷۲] جو شخص ایمان لائے اور نیک عمل کرے اس کے لئے آخرت میں اچھا بدلہ ہوگا اور اس دنیا میں بھی ہم اس کے امور میں آسانیاں پیدا کریں گے۔

[۷۳] مغرب کی فتوحات کے بعد ذوالقرنین نے مشرق کی جانب انسانوں کی آخری آبادی کا رخ کیا کیونکہ وہاں پر بعض خانہ بدوش قبائل نے فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا رکھی تھی۔ یہ لوگ مکانوں اور کپڑوں کے بغیر وحشی جانوروں کی طرح جنگلوں اور پہاڑوں میں رہتے تھے۔ وہاں سے آگے مشرق کی طرف پہاڑوں کا ایک طویل اور اونچا سلسلہ تھا اور ان کے اوپر سے جب سورج نظر آتا تو ایسا محسوس ہوتا جیسا کہ ان ہی پہاڑوں سے سورج طلوع ہو رہا ہے۔

[۷۴] ذوالقرنین کے بارے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے واقعہ اسی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ ذوالقرنین کی ساری صلاحیتوں سے خوب باخبر ہے اور اس نے ذوالقرنین کو ایسے وسائل عطا فرمائے جن کی وجہ سے اس نے وقت کی معلوم دنیا کے مغرب سے لے کر مشرق تک غلبہ حاصل کر لیا۔

[۷۵] آیت نمبر ۹۲ سے لے کر آیت نمبر ۹۷ تک کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ ذوالقرنین نے مشرق سے شمال کا رخ کیا اور جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان ایک درہ میں پہنچا تو ان پہاڑوں کے پیچھے ایک ایسی قوم کے لوگوں کو پایا جو ذوالقرنین اور ان

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾

٩٣۔ یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا تو اس نے ان پہاڑوں کے پیچھے ایک ایسی قوم کو پایا جو (ان کی) کوئی بات نہیں سمجھ سکتی تھی۔

کے لشکر کی زبان نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے اپنی زبان میں ذوالقرنین سے فریاد کی کہ ان پہاڑوں کی دوسری جانب یاجوج اور ماجوج رہتے ہیں اور انہوں نے ہماری زندگی اجیرن بنا رکھی ہے۔ وہ اس درے سے آتے ہیں اور ہماری بستیوں میں تباہی اور بربادی پھیلاتے ہیں اور ہمارے مال لوٹ کر لے جاتے ہیں۔ ہم آپ کو خراج کی صورت میں سرمایہ دینے کو تیار ہیں۔ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک بلند دیوار بنا دیں تاکہ ہم ان کے شر اور ظلم سے محفوظ ہو جائیں۔ ذوالقرنین نے اپنے خداداد علم کے ذریعہ ان کی زبان اور بات سمجھ لی اور انہیں کہا: مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو علم و ہنر عطا فرمایا ہے وہ تمہارے مال سے بہتر ہے، لہٰذا تم اپنی محنت سے میری مدد کرو اور لوہے کی چادریں لے آؤ۔ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک بلند دیوار بنا دیتا ہوں، چنانچہ اس نے دونوں پہاڑوں کی بلندی کے برابر لوہے کی دیوار بنا دی، پھر آگ جلا کر اس لوہے کو تپایا اور اس کے اوپر پگھلا ہوا تانبا ڈال کر اس کو ایسا مضبوط اور چکنا کر دیا کہ پھر یاجوج اور ماجوج نہ تو اس دیوار پر چڑھ سکے اور نہ ہی اس میں سوراخ کر سکے۔ یاجوج اور ماجوج آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں مگر آدم خور اور بڑے ظالم ہیں۔

یاجوج اور ماجوج اب کہاں ہیں؟

یاجوج اور ماجوج کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ وہ اس پہاڑی درہ کے پیچھے بند ہیں، قیامت کے قریب وہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور یاجوج اور ماجوج وہاں سے نکل کر ساری دنیا میں قتل و غارت اور تباہی کا میدان گرم کر دیں گے۔

رہا یہ سوال کہ وہ پہاڑ کہاں ہے جس میں یاجوج اور ماجوج بند ہیں۔ اس کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی تصریح نہیں اور نہ ہی اس کی تحقیق پر کسی اسلامی حکم کا دار و مدار ہے۔ ہزاروں سال گزرنے کے بعد وہ لوہے کی دیوار اب مٹی اور پتھروں سے مل کر پہاڑ کا حصہ بن چکی ہوگی اور یہ بھی ضروری نہیں کہ یاجوج اور ماجوج کسی بڑے وسیع علاقہ میں موجود ہوں کیونکہ ان کو طویل عمریں اور کثیر اولاد دینا اللہ تعالیٰ کی سنت نہیں بلکہ اس کی قدرت کا اظہار ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس طرح وہ قیامت کے ایک دن کو پھیلا کر پچاس ہزار سال کے برابر کر سکتا ہے اسی طرح وہ اربوں کی تعداد میں یاجوج اور ماجوج کو چیونٹیوں کی طرح چھوٹا کر کے ایک چھوٹی سی غار میں بند کر سکتا ہے اور قیامت کے قریب پھر اصلی حالت کے مطابق پہاڑ سے اتار سکتا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک دفعہ ابلیس نے ایک عالم سے پوچھا: کیا تمہارا رب ساری دنیا کو ایک انڈے میں بند کر سکتا ہے؟ عالم نے جواب دیا: ہاں، تو ابلیس نے پوچھا: وہ کیسے؟ عالم نے کہا: میرا رب جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے: ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔

(جامع بیان العلم وفضلہ: ص ۴۲؛ روایت نمبر ۱۱۶)

قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾

۹۴۔ انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین! بے شک یاجوج اور ماجوج نے اس علاقہ میں فساد برپا کر رکھا ہے کیا ہم آپ کے لئے کچھ خراج مقرر کر دیں تا کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک بلند دیوار بنا دیں۔

قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾

۹۵۔ ذوالقرنین نے کہا: مجھے میرے رب نے اس بارے میں جو اختیار دیا ہے وہ بہتر ہے، پس تم محنت سے میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا۔

اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾

۹۶۔ تم میرے پاس لوہے کی چادریں لے آؤ، یہاں تک کہ جب اس نے دونوں پہاڑوں کے درمیان (اس دیوار کو) برابر کر دیا تو اس نے کہا: دھونکو! یہاں تک کہ جب اس نے اس لوہے کو آگ بنا دیا تو اس نے کہا: میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ جو میں اس پر انڈیل دوں۔

فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾

۹۷۔ پھر یاجوج اور ماجوج نہ تو اس دیوار پر چڑھ سکے اور نہ ہی اس میں سوراخ کر سکے۔

یاجوج اور ماجوج کے متعلق دوسری رائے یہ ہے کہ آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے قرب قیامت کا دور شروع ہو چکا ہے اور ممکن ہے کہ یاجوج اور ماجوج کا خروج عمل میں آچکا ہو جیسا سید قطب شہید لکھتے ہیں: ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ گزر گیا ہو اور وہ دیوار ٹوٹ چکی ہو اور یاجوج اور ماجوج سے مراد تاتاری ہوں جنہوں نے عالم اسلام پر حملہ کیا اور زمین میں پھیل کر تباہی و بربادی مچادی۔ (تفسیر فی ظلال القرآن)

علامہ عبدالحق لکھتے ہیں: یاجوج اور ماجوج وہی تاتاری اور چینی تاتار کے لوگ ہیں جن کے بزرگوں کے روکنے کے لئے ذوالقرنین نے دیوار بنائی تھی اور یہی قومیں اخیر زمانے میں ملکوں پر یورش کریں گی یا کر چکی ہیں۔ واللہ اعلم۔

(تفسیر حقانی)

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَ كَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ﴿۹۸﴾

۹۸۔ ذوالقرنین نے کہا: یہ میرے رب کی رحمت ہے، پھر جب میرے رب کا وعدہ (مقررہ وقت) آئے گا تو وہ اس دیوار کو ریزہ ریزہ کردے گا اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے۔[۷۶]

وَ تَرَكْنَا بَعْضَهُمْ یَوْمَىٕذٍ یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾

۹۹۔ اور اس دن ہم ان کو چھوڑ دیں گے کہ وہ (سمندر کی موجوں کی طرح) ایک دوسرے میں گھس جائیں گے اور صور پھونکا جائے گا تو ہم ان سب کو جمع کردیں گے۔

وَّ عَرَضْنَا جَهَنَّمَ یَوْمَىٕذٍ لِّلْكٰفِرِیْنَ عَرْضَا ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰۔ اور اس دن ہم جہنم کو کفار کے سامنے ظاہر کردیں گے۔[۷۷]

الَّذِیْنَ كَانَتْ اَعْیُنُهُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِیْ وَ كَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ ع

۱۰۱۔ وہ کافر جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں تھیں اور وہ (میرا ذکر) سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔

اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْۤ اَوْلِیَآءَ ؕ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ کیا کافر لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا دوست بنالیں گے، بے شک ہم نے کافروں کی مہمانی کے لئے جہنم کو تیار کر رکھا ہے۔[۷۸]

---

[۷۶] ذوالقرنین نے کہا: یہ میرے رب کی مہربانی ہے کہ یہ مضبوط دیوار بن گئی ہے اور مقررہ وقت کے بعد یہ دیوار ٹوٹ جائے گی تو یہ لوگ سمندر کی موجوں کی طرح ٹھاٹھیں مارتے ہوئے نکلیں گے اور زمین پر قتل وغارت اور فساد کا بازار گرم کردیں گے۔

[۷۷] یہاں سے قیامت کا ایک منظر بیان کیا جارہا ہے یعنی جب صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ قبروں سے اٹھ کر ایک وسیع میدان میں جمع ہوجائیں گے اور وہ کافر جو آخرت کے منکر تھے اور جنہوں نے اپنی آنکھوں کو اور اپنے کانوں کو میرے ذکر سے محروم کر رکھا تھا انہیں جہنم بالکل سامنے نظر آرہا ہوگا جس میں انہیں پھینکا جائے گا۔

[۷۸] وہ کافر لوگ جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر فرشتوں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں اور ان سے امید رکھتے ہیں کہ وہ انہیں قیامت کے عذاب سے بچالیں گے تو یہ ان کی جہالت ہے بلکہ روز قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود ان کی کفریہ حرکات سے بیزاری کا اظہار فرمائیں گے، لہٰذا اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والوں کو تو قیامت کے دن انبیائے کرام اور اللہ والوں کی دوستی ضرور کام آئے گی مگر کفار کو ان کے کفر کی وجہ سے کسی کی دوستی کام نہیں آئے گی اور انہیں جہنم میں

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾

۱۰۳۔ آپ فرمایئے! کیا ہم تمہیں ایسے لوگوں کی خبر دیں جو اعمال کے لحاظ سے زیادہ خسارے میں ہیں۔[۷۹]

الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾

۱۰۴۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ بڑا اچھا کام کر رہے ہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾

۱۰۵۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس سے ملاقات کا انکار کیا، سو ان کے اعمال ضائع ہوگئے اور ہم قیامت کے دن ان کے لئے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔[۸۰]

ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿١٠٦﴾

۱۰۶۔ یہ جہنم ہی ان کی جزا ہے اس لئے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ

۱۰۷۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک

ہی جانا پڑے گا۔

[۷۹] ان آیات میں ان لوگوں کی خبر دی گئی ہے جو اعمال کے لحاظ سے خسارے میں ہوں گے یعنی ان کے پاس اعمال تو ہوں گے مگر بے کار، اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جد وجہد صرف دنیاوی زندگی کو بہتر بنانے میں ضائع ہوگئی اور وہ اس کو اچھا کام سمجھتے رہے اور آخرت کو فراموش کرنے کا جو انہیں نقصان ہو رہا تھا اس کا انہیں احساس نہ ہوا یا ان سے مراد کافر اور ریاکار ہیں جن کے اچھے اعمال بھی قیامت کے دن انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔

[۸۰] جو لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے کہ انہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے دنیاوی اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی کیونکہ ان کے اعمال کفر کی وجہ سے بے وزن اور بے اثر ہوں گے۔ نیز قیامت کے دن ان کے لئے میزان کا انتظام بھی نہیں کیا جائے گا کیونکہ میزان کی ضرورت تو اس کے لئے ہوگی جس کے اعمال میں نیکیاں اور برائیاں دونوں ہوں گی اور جس کے نامۂ اعمال میں ایک بھی نیکی نہیں ہوگی اس کے وزن کی کیا ضرورت ہے۔

لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾

عمل کئے ان کی مہمانی کے لئے فردوس کے باغات ہیں۔[٨١]

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾

١٠٨۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ اس جگہ کو بدلنا نہیں چاہیں گے۔[٨٢]

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا

١٠٩۔ آپ فرمایئے! اگر میرے رب کے کلمات (لکھنے) کے لئے سمندر سیاہی ہو جائے تو میرے رب

[٨١] جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کو جنت الفردوس میں داخل کیا جائے گا۔

جنت کے لئے دعا

١۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: اور مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنا دے۔ (قرآن:٢٦:٨٥)

٢۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اور میں تجھ سے جنت کے بلند درجات کا سوال کرتا ہوں۔ آمین

(المعجم الکبیر للطبرانی: جلد ٢٣: ص ٣١٧: روایت نمبر ٧١٧)

اہل جنت کے احوال

١۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں اہل جنت اس حال میں داخل ہوں گے کہ ان کے چہروں اور جسموں پر بال نہیں ہوں گے اور ان کی عمریں تیس یا تینتیس سال ہوں گی۔ (ترمذی: حدیث نمبر ٢٥٤٥: ابواب صفۃ الجنۃ: باب نمبر ١٢)

٢۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی اور ان میں سے ٨٠ صفیں اس امت کی ہوں گی اور چالیس صفیں باقی امتوں کی ہوں گی۔ (ترمذی: حدیث نمبر ٢٥٤٦: ابواب صفۃ الجنۃ: باب نمبر ١٣)

٣۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم شخص وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے چہرے کا صبح اور شام دیدار کرے گا۔ (ترمذی: حدیث نمبر ٢٥٥٣: ابواب صفۃ الجنۃ: باب نمبر ١٧)

جنت الفردوس

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے اور فردوس جنت کا سب سے بلند درجہ ہے اور اس سے جنت کی چاروں نہریں جاری ہوتی ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے، پس جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو۔ (ترمذی: حدیث نمبر ٢٥٣١: ابواب صفۃ الجنۃ: باب نمبر ٤)

[٨٢] اہل جنت ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور وہ جنت کی نعمتوں پر اس قدر مطمئن ہوں گے کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور جگہ منتقل ہونے کی خواہش نہیں کریں گے اور فی الواقع جنت سے بہتر کوئی جگہ ہی نہیں ہوگی تو آخر کوئی خواہش کرے گا تو کس کی؟

بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾

کے کلمات ختم ہونے سے پہلے وہ سمندر ختم ہو جائے گا اگرچہ ہم اس کی مدد کے لئے اتنا ہی سمندر اور لے آئیں۔[۸۳]

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۲

۱۱۰۔ آپ فرمایئے ! بے شک میں تمہاری ہی مثل بشر ہوں[۸۴] میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

[۸۳] اللہ تعالیٰ کے اوصاف وکمالات اور اس کی قدرت وحکمت کے کلمات کو اگر لکھا جائے اور سمندر اس کے لئے سیاہی ہو جائے تو ایک سمندر کیا دو بھی ہوں تو ختم ہو جائیں گے مگر اللہ تعالیٰ کے کلمات کو لکھا نہیں جا سکتا کیونکہ سمندر کا پانی کتنا ہی وسیع و عریض کیوں نہ ہو وہ بہر حال محدود ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمات اور کمالات غیر محدود ہیں، لہٰذا یہ بالکل بدیہی امر ہے کہ کوئی بھی محدود ہستی غیر محدود کلمات کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ نیز سورہ لقمان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: زمین کے تمام درخت اگر قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائے اور اس کے علاوہ سات سمندر اسے مزید سیاہی مہیا کریں پھر بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ (قرآن:۳۱:۲۷)

[۸۴] نبی کریم ﷺ کی بشریت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور کمالات کو دیکھ کر لوگوں نے ان کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیا۔ اب جب کہ سارے نبیوں کے سردار اور سراپا معجزہ حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کیا گیا جن کو پتھروں اور درختوں نے بھی سلام پیش کیا تو خطرہ تھا کہ کہیں آپ کی امت بھی آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا نہ قرار دے تو اس غلط فہمی کے سد باب کے لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: پیارے نبی ﷺ ! آپ کہیے: بے شک میں تمہاری ہی مثل بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ (قرآن: ۱۸: ۱۱۰) یعنی خدا نہ ہونے میں میں بھی تم جیسا ہوں، نہ تم خدا ہو اور نہ میں خدا ہوں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ دوسرے انسانوں ہی کی مثل بشر ہیں۔ بلاشبہ ہر نبی انسان اور بشر ہوتا ہے مگر نبی کی بشریت میں وحی وصول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ دوسرے انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے اور نبی کریم ﷺ چونکہ تمام انبیائے کرام کے سردار ہیں اس لئے آپ کی بشریت تمام انسانوں میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی صوم وصال (یعنی روزے کے ساتھ روزہ ملانا اور درمیان میں کچھ نہ کھانا) شروع کئے تو

صحابہ کرام کے لئے بہت مشکل ہوا۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے صوم وصال رکھنے سے منع فرمایا، لوگوں نے عرض کیا: آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اَیُّکُمْ مِثْلِیْ تم میں مجھ جیسا کون ہے؟ اور دوسری روایت میں فرمایا: اِنِّی لَسْتُ مِثْلَکُمْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِی رَبِّی وَیَسْقِیْنِی۔ یقیناً میں تمہاری مثل نہیں ہوں، میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ (مسلم: کتاب الصیام: باب ۱۱، بخاری: کتاب الصوم: باب ۲۰)

نبی کریم ﷺ کی نورانیت

نبی کریم ﷺ کی بے مثال بشریت کے ساتھ ساتھ آپ کی نورانیت بھی لاجواب ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا۔ (تفسیر روح المعانی سورت انعام (۶): زیر آیت نمبر ۱۶۳)

۲۔ میں خلق کے اعتبار سے تمام نبیوں میں اول ہوں اور بعثت کے اعتبار سے سب نبیوں کے آخر میں ہوں۔

(کنز العمال: جلد ۱۱: حدیث نمبر ۳۲۱۲۶)

۳۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ ؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے لئے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا: جس وقت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (ترمذی: ابواب المناقب: باب ۱)

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں: محب قادر وہ ہے جو کسی شئ سے عاجز نہیں۔ اس نے اپنے حبیب ﷺ کو اپنے نور سے پیدا فرمایا اور (شب معراج) اپنی زیارت کے لئے بلایا۔

(تفسیر روح المعانی: سورہ بنی اسرائیل (۱۷): زیر آیت نمبر ۱)

علامہ طبری لکھتے ہیں: نبی کریم ﷺ نور ہیں مگر اس کے لئے جو اس نور سے روشنی حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

(تفسیر ابن جریر طبری: سورۃ مائدۃ (۵): زیر آیت نمبر ۱۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: میں نے حفصہ بنت رواحۃ سے سوئی اُدھار مانگی، میں اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سی رہی تھی کہ وہ سوئی میرے ہاتھ سے گرگئی، میں نے اس کو تلاش کیا لیکن وہ مجھے نظر نہ آئی، اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ اندر داخل ہوئے تو آپ کے چہرے کے نور کی شعاع سے وہ سوئی مجھے نظر آگئی۔

(کنز العمال: روایت نمبر ۳۵۴۹۲: جلد ۱۲: ص ۴۲۹)

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعہ الکرم، ایٹن ہال، انگلینڈ

سورہ کہف کی تفسیر آج بروز جمعرات ۳۱ مئی ۲۰۰۷ء بمطابق ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ

تقریباً ۲۵ دنوں میں تکمیل پذیر ہوئی۔

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ مریم (١٩)

یہ سورت مکی ہے۔ اس کا نام مریم ہے کیونکہ اس میں سیدہ مریم علیہا السلام کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول

یہ سورت بعثت نبوی کے پانچویں سال سے پہلے نازل ہوئی اور اس کا ثبوت ہجرتِ حبشہ کا درجِ ذیل واقعہ ہے جس میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اس سورت کا ایک حصہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے سامنے تلاوت کیا، اور ہجرت حبشہ نبوت کے پانچویں سال میں ہوئی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سورت اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔

ہجرتِ حبشہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ کفار مکہ کے مظالم بڑھتے جا رہے ہیں تو آپ نے اپنے جاں نثار غلاموں کو اجازت دی کہ وہ ہجرت کر کے حبشہ چلے جائیں کیونکہ وہاں کا بادشاہ نجاشی بڑا رحم دل اور انصاف پسند ہے، نہ خود کسی پر ظلم کرتا ہے اور کسی کو کمزوروں پر ظلم کی اجازت دیتا ہے۔ چنانچہ بعثت کے پانچویں سال مہاجرین کا پہلا قافلہ اپنے وطن کو چھوڑ کر حبشہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ قافلہ بارہ مردوں اور چار خواتین پر مشتمل تھا۔ قافلہ سالار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر حضرت رقیہ زوجہ عثمان رضی اللہ عنہما بھی اس ہجرت میں شامل تھیں۔ راہِ حق کے یہ مسافر جب حبشہ پہنچے تو نجاشی نے انہیں بڑے احترام سے خوش آمدید کہا اور ٹھہرنے کے لئے پر امن جگہ فراہم کی۔ تین ماہ بڑے سکون سے گزرے، اتنے میں یہ خبر پھیل گئی کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں اس لئے اکثر مسلمان حبشہ سے واپس مکہ آ گئے مگر یہاں آ کر معلوم ہوا کہ یہ محض افواہ تھی یہاں تو مسلمانوں کے حالات پہلے سے بھی زیادہ خراب ہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ اس دفعہ اس قافلہ میں جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور دیگر مسلمان بھی شامل ہوئے اور اس قافلہ کی تعداد ٨٣ ہو گئی۔

جب مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد مکہ کو چھوڑ کر حبشہ چلی گئی تو کفار مکہ کو یہ فکر لاحق ہو گئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہاں مسلمان اپنی طاقت جمع کر کے ہم پر دھاوا بول دیں۔ چنانچہ انہوں نے باہمی مشورہ کر کے دو سفیر نجاشی کے پاس بھیجے تا کہ وہ نجاشی سے ملاقات کریں اور ہر ممکن طریقہ سے اس کو ایسا متاثر کریں کہ وہ ان لوگوں کو حبشہ سے نکال دے اور مکہ واپس آنے پر مجبور کر دے۔ اس سفارت کو مؤثر بنانے کے لئے انہوں نے بڑے نفیس اور قیمتی تحائف بھی دیئے تا کہ بادشاہ اور درباریوں کو دے کر ان کی حمایت حاصل کریں۔ چنانچہ حبشہ پہنچ کر قریش کے سفیروں نے نجاشی سے کہا:

ہمارے شہر کے چند بے وقوف آپ کے ملک میں آ کر رہائش پذیر ہو گئے ہیں۔ ان احمقوں نے اپنی قوم کا دین ترک کر دیا ہے اور آپ کا دین بھی قبول نہیں کیا بلکہ انہوں نے ایک نیا دین گھڑا ہے۔ ہمیں قریش کے سرداروں نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تا کہ آپ انہیں اپنے ملک سے نکل جانے کا حکم دیں اور انہیں فرمائیں کہ وہ اپنے وطن میں اپنے اہل و عیال کے پاس چلے جائیں۔

چنانچہ نجاشی نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا اور پوچھا: وہ کیا دین ہے جس کے لئے تم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ دیا ہے؟ اس پر حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے بادشاہ! ہم جاہل قوم تھے، بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایسا رسول بھیجا جس کے نسب اور صداقت وامانت سے ہم اچھی طرح آگاہ ہیں، اس نے ہمیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی۔

اس کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم کی چند آیات تلاوت کیں جن کے سننے سے نجاشی پر رقت طاری ہوگئی اور کہنے لگا: یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا ایک ہی سورج کی کرنیں ہیں۔

چنانچہ نجاشی نے قریش کے سفیروں سے کہا: آپ یہاں سے چلے جائیں، میں ان لوگوں کو آپ کے حوالے کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ جس نبی پر یہ ایمان لائے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور یہ وہی رسول ہیں جن کی آمد کا مژدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیا تھا۔ خدا کی قسم! اگر مجھے حکومت کی مجبوریاں نہ ہوتیں تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان کو وضو کرانے کی سعادت حاصل کرتا۔ چنانچہ جب نجاشی فوت ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس کی نماز جنازہ پڑھی اور دعائے مغفرت فرمائی۔

مضامین سورہ مریم

اس سورت کی ابتدا میں پہلے حضرت زکریا علیہ السلام کو اس وقت ان کے بیٹے یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خوش خبری سنائی گئی جب بڑھاپے کی وجہ سے حضرت زکریا علیہ السلام کے سارے بال سفید ہو چکے تھے اور ان کی اہلیہ محترمہ بانجھ ہو چکی تھیں اور پھر مقدس کنواری مریم علیہا السلام سے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر کر کے اس حقیقت کو عیاں کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور ظاہری اسباب کا محتاج نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کو دیکھ کر بعض نے آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا قرار دیا اور بعض نے حضرت مریم علیہا السلام کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا مگر اللہ تعالیٰ نے اس افراط وتفریط کو اس طرح ختم کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں کلام کر کے ایک طرف اپنی ماں کی پاک دامنی بیان کی اور دوسری طرف اپنی نبوت کا اعلان کیا کہ میں خدا نہیں ہوں بلکہ خدا کا بندہ اور نبی ہوں اور اس نے مجھے لوگوں کی ہدایت کے لئے کتاب بھی دی ہے۔ (قرآن: ۱۹: ۳۰)

اس کے بعد چند دیگر عظیم انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے خصوصی کمالات کا ذکر کیا، پھر ان کی اولاد کا ذکر فرمایا کہ ان میں سے جو نماز نہیں پڑھیں گے اور اپنی خواہشات کی پیروی کریں گے انہیں اللہ تعالیٰ سزا دے گا اور جو نیک اعمال کریں گے انہیں اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعۃ الکرم، انگلینڈ

بارہ جون ۲۰۰۷ء بروز منگل بمطابق ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ

اٰیاتھا ۹۸ | ۱۹ سُورَۃُ مَرْیَمَ مَکِّیَّۃٌ ۴۴ | رکوعاتھا ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿١﴾

۱۔ کاف ہا یا عین صاد۔[۱]

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿٢﴾

۲۔ یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر فرمائی تھی۔[۲]

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿٣﴾

۳۔ جب اس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا۔[۳]

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿٤﴾

۴۔ اس نے عرض کی: اے میرے رب! بے شک میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور بڑھاپے کی وجہ سے سر بالکل سفید ہوگیا ہے اور اے میرے رب! میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا۔[۴]

---

[۱] یہ حروف مقطعات ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز کی باتیں ہیں۔ ان کی تشریح کے لئے سورہ بقرہ (۲) کا حاشیہ نمبر ایک ملاحظہ کریں۔

[۲] پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ان آیات میں جو واقعہ بیان کیا جا رہا ہے اس میں آپ کے رب کریم کی اس رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندے حضرت زکریا علیہ السلام پر فرمائی تھی یعنی بڑھاپے میں حضرت یحیٰ علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمایا۔

[۳] حضرت زکریا علیہ السلام نے چپکے چپکے دعا کی۔ دعا خواہ بلند آواز سے کی جائے یا چپکے چپکے، دونوں طرح درست ہے مگر آہستہ دعا کرنے میں زیادہ اخلاص ہے اور یہ ریا سے دور ہے۔ اسی طرح ذکر بھی دونوں طرح درست ہے مگر آہستہ کرنے میں زیادہ اخلاص ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، لوگ بلند آواز سے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو، تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے، بے شک تم اس کو پکار رہے ہو جو سننے والا اور قریب ہے اور تمہارے ساتھ ہے۔

(مسلم: حدیث نمبر ۲۷۰۴: کتاب الذکر: باب ۱۳)

[۴] حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں اولاد نہیں تھی۔ ایک دن انہوں نے بڑے عجز و نیاز کے ساتھ دھیمی آواز میں دعا کی: اے میرے رب! بلاشبہ میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور اب میں اتنا بوڑھا ہوگیا ہوں کہ بظاہر اولاد کا کوئی امکان نہیں ہے مگر تو

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّاۙ۝

۵۔ اور مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے (بے دین) رشتہ داروں سے خطرہ ہے اور میری بیوی بانجھ ہے، پس تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما دے۔[۵]

یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا۝

۶۔ جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو اور اے میرے رب! تو اسے (اپنا) پسندیدہ بنا دے۔

قادر مطلق ہے، کسی سبب کا محتاج نہیں ہے، اس لئے میں تیرے حضور دعا کرتا ہوں کہ مجھے اپنی قدرت سے بیٹا عطا فرما اور میں تیری رحمت سے مایوس نہیں ہوں کیونکہ پہلے بھی جب کبھی میں نے دعا کی تو نے اپنے فضل و کرم سے اسے قبول فرمایا اور اب بھی مجھے تیری رحمت پر یقین ہے کہ یہ دعا بھی قبول ہوگی۔

[۵] حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں اولاد نہیں تھی۔ وہ خود بھی بوڑھے تھے اور ان کی بیوی بھی بانجھ تھی اور ان کے رشتہ دار بے دین تھے اور انہیں خطرہ تھا کہ ان کی وفات کے بعد علوم نبوت کی تبلیغ کون کرے گا، اس لئے انہوں نے ایک نیک بیٹے کے لئے دعا کی جو ان کے اور آل یعقوب کے علوم کا وارث بنے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی پسندیدہ ہو۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی وراثت

انبیائے کرام علیہم السلام کی وراثت مال نہیں بلکہ علم ہوتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا ہم نے جو چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔

(بخاری: حدیث نمبر ۶۷۲۷: کتاب الفرائض: باب ۳)

بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء دینار اور درہم کی میراث نہیں چھوڑتے، وہ صرف علم کی میراث چھوڑتے ہیں، سو جس شخص نے علم کو حاصل کیا اس نے بہت بڑا حصہ حاصل کر لیا۔ (ترمذی: حدیث نمبر ۲۶۸۲: ابواب العلم: باب ۱۹)

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں: اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء کی وراثت مال نہیں ہوتا اور شیعہ حضرات سے بھی کچھ اس طرح مروی ہے جیسا کہ شیخ کلینی نے کافی میں روایت کیا ہے کہ ابو عبداللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ انبیاء درہم اور دینار کی میراث نہیں چھوڑتے، وہ صرف اپنی احادیث (علم کی باتیں) چھوڑتے ہیں اور جس شخص نے ان احادیث کو حاصل کیا اس نے بہت بڑا حصہ حاصل کر لیا۔ (تفسیر روح المعانی)

علامہ غلام رسول سعیدی بھی کافی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث تھے اور ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں۔ (تبیان القرآن) اس سے ظاہر ہوا کہ انبیائے کرام کی وراثت سے مراد علوم نبوت کی وراثت ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حضرت سلیمان علیہ السلام کی مالی وراثت کا تو کوئی امکان اور احتمال نہیں ہے۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ⑦	۷۔ اے زکریا! بے شک ہم تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ علیہ السلام ہوگا ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا۔[٦]
قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ⑧	۸۔ زکریا علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔
قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ⑨	۹۔ فرمایا: ایسا ہی ہوگا، آپ کے رب نے فرمایا: یہ میرے لئے آسان ہے اور اس سے پہلے میں تمہیں پیدا کر چکا ہوں حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے۔[۷]
قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ⑩	۱۰۔ زکریا علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرمادے، فرمایا: تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تم بالکل تندرست ہونے کے باوجود تین (دنوں اور تین) راتوں تک لوگوں سے بات نہیں کرسکو گے۔[۸]
فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى	۱۱۔ پھر زکریا علیہ السلام اپنے (عبادت کے) حجرے سے نکل کر اپنی

[٦] حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ انہیں بیٹے کی بشارت دی اور اس کے لئے یحییٰ علیہ السلام نام تجویز فرمایا اور یہ نام آپ سے پہلے کسی کو نہیں دیا گیا۔

[۷] حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میری بیوی بانجھ ہے اور میں انتہائی بوڑھا ہو چکا ہوں تو پھر میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا؟ کیا ہمیں دوبارہ جوان کیا جائے گا یا اسی بڑھاپے میں بیٹا دیا جائے گا؟ اس کا جواب ملا: اسی بڑھاپے کی حالت میں آپ کے ہاں بیٹا ہوگا اور یہ میرے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔ میں جس طرح تمہیں عدم سے وجود میں لایا تھا اسی طرح بڑھاپے میں بیٹا بھی دوں گا۔

[۸] حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی اور علامت مقرر فرمادے جس سے میں جان لوں کہ اب خوش خبری کا وقت قریب آ گیا ہے۔ تو یہ نشانی بتائی گئی کہ تم تین دنوں اور تین راتوں تک لوگوں سے بات نہ کرسکو گے اور انہیں اشاروں سے سمجھاؤ گے اور یہ خاموشی کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہوگی بلکہ تیرے اطمینان کے لئے بطور علامت ایسا ہوگا۔ یہ واقعہ پہلے سورہ آل عمران (۳) کی آیات نمبر ۳۸ تا ۴۱ میں گزر چکا ہے۔

اِلَیۡهِمۡ اَنۡ سَبِّحُوۡا بُكۡرَةً وَّعَشِیًّا ﴿۱۱﴾

قوم کے پاس آئے اور اشارے سے انہیں سمجھایا کہ تم صبح و شام (اللہ تعالیٰ کی) پاکی بیان کیا کرو۔[۹]

یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَیۡنٰهُ الۡحُكۡمَ صَبِیًّا ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اے یحییٰ! اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑلو اور ہم نے انہیں بچپن ہی میں حکمت (نبوت) عطا فرمادی۔[۱۰]

وَّحَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِیًّا ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور اپنے پاس سے نرم دلی اور پاکیزگی بھی (عطا فرمائی)، اور وہ بڑے پرہیزگار تھے۔[۱۱]

---

[۹] حضرت زکریا علیہ السلام کا معمول یہ تھا کہ مخصوص اوقات میں وہ اپنے عبادت خانہ سے باہر آتے اور لوگوں کو وعظ ونصیحت فرماتے، خاموشی کے ان تین دنوں میں بھی تبلیغ کا سلسلہ تو جاری رہا مگر صرف اشاروں سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام ہر حال میں تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔

[۱۰] علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے یحییٰ! اس کتاب یعنی تورات کو مضبوطی سے پکڑلو، اس کو حفظ کرو اور اس پر عمل کرو۔ مقاتل نے کہا: اس وقت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی عمر تین سال تھی۔ معمر نے بیان کیا ہے کہ بچے جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کھیلنے کے لئے بلاتے تو آپ فرماتے: میں کھیلنے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ (تفسیر قرطبی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا ہوتے ہی نبوت دی گئی، حضرت یحییٰ علیہ السلام کو تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی۔ (تفسیر منیر) علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں ہی نبوت سے سرفراز فرمایا۔ (تفسیر کبیر) اور ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے جب آدم علیہ السلام روح اور جسد کے درمیان تھے۔ (ترمذی: ابواب المناقب: باب ا۔ کنز العمال: حدیث نمبر ۳۱۹۱۷) جب کہ اکثر انبیائے کرام علیہم السلام کو چالیس سال کی عمر سے پہلے نبوت نہیں دی گئی۔

(تفسیر روح المعانی)

اعلان نبوت سے پہلے بھی نبی معصوم ہوتا ہے

مفتی امجد علی لکھتے ہیں: انبیاء علیہم السلام شرک وکفر اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لئے باعث نفرت ہو جیسے کذب وخیانت وجہل وغیرہا صفات ذمیمہ سے نیز ایسے افعال سے جو وجاہت اور مروت کے خلاف ہیں، قبل نبوت اور بعد نبوت بالاجماع معصوم ہیں اور کبائر سے بھی مطلقاً معصوم ہیں اور حق یہ ہے کہ تعمد صغائر سے بھی قبل نبوت اور بعد نبوت معصوم ہیں۔

(بہار شریعت: جلد اول: ص۱۱)

[۱۱] اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو نرم دلی اور پاکیزگی عطا فرمائی۔ آپ لوگوں پر بڑی شفقت اور نرمی فرماتے۔ نیز آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے۔

وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾

۱۴۔ اور وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور وہ سرکش و نافرمان نہ تھے۔

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَ يَوْمَ يَمُوْتُ وَ يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾

۱۵۔ اور یحیٰی علیہ السلام پر سلام ہو جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن ان کی وفات ہوگی اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ [۱۲]

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾

۱۶۔ اور اس کتاب میں مریم علیہا السلام کا (حال لوگوں سے) ذکر کیجئے، جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر مشرقی جگہ میں چلی گئیں۔ [۱۳]

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۪ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾

۱۷۔ پس انہوں نے لوگوں کی طرف سے ایک پردہ بنالیا، پھر ہم نے ان کی طرف اپنی روح (جبریل علیہ السلام) کو بھیجا، پس وہ ان کے سامنے ایک مکمل انسان کی صورت میں ظاہر ہوا۔

قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾

۱۸۔ مریم علیہا السلام نے کہا: بے شک میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو (اللہ تعالیٰ سے) ڈرنے والا ہے۔

---

[۱۲] امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ یہاں سلام کا معنیٰ ہے: امان، ہر شخص جب پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو ضرر پہنچاتا ہے لیکن حضرت یحیٰی علیہ السلام اس کے ضرر سے سلامت رہیں گے اور جب وہ فوت ہوں گے تو عذاب قبر سے مامون رہیں گے۔

(تفسیر ابن جریر طبری)

یہ تینوں دن نہایت ہی وحشت ناک ہیں کیونکہ ان میں ہر شخص وہ دیکھتا ہے جو اس نے پہلے نہیں دیکھا ہوتا مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت یحیٰی علیہ السلام پر فضل و کرم فرمایا اور انہیں سلامتی کی خوش خبری سنائی۔ اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام بھی ان تینوں مواقع پر سلامتی سے ہمکنار ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اور مجھ پر سلام ہو جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میری وفات ہوگی اور جس دن مجھے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ (قرآن: ۱۹:۳۳)

[۱۳] میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ قرآن مجید سے پڑھ کر لوگوں کو سنائیں کہ جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر بیت المقدس کی مشرقی جانب گئیں اور لوگوں کی نگاہوں سے بچنے کے لئے درمیان میں پردہ بنالیا۔ اس تنہائی میں اللہ تعالیٰ نے جبریل امین علیہ السلام کو انسانی شکل میں حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بھیجا۔ حضرت مریم علیہا السلام نے جب ایک انسان کو اپنے قریب دیکھا تو آپ نے گھبرا کر کہا: میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں، اگر تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے تو تیرا یہاں کیا کام ہے؟

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾

۱۹۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: میں تو صرف تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ میں تمہیں ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔ [۱۴]

قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾

۲۰۔ مریم علیہا السلام نے کہا: میرے ہاں بیٹا کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور نہ ہی میں بدکار ہوں۔ [۱۵]

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَ لِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾

۲۱۔ جبریل امین علیہ السلام نے کہا: ایسا ہی ہوگا، آپ کے رب نے فرمایا ہے: یہ کام میرے لئے آسان ہے تا کہ ہم اسے لوگوں کے لئے نشانی اور اپنی طرف سے رحمت بنا دیں اور اس کام کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ [۱۶]

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾

۲۲۔ پس مریم علیہا السلام اس بچہ سے حاملہ ہو گئیں اور وہ اس حمل کے ساتھ ایک دور جگہ پر چلی گئیں۔ [۱۷]

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ

۲۳۔ پھر دردِ زہ انہیں ایک کھجور کے تنے کے پاس لے آیا، مریم

---

[۱۴] جبریل امین علیہ السلام نے کہا: آپ گھبرائیں نہیں، میں انسان نہیں بلکہ رب کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں اور تمہیں ایک پاکیزہ بیٹے کی خوش خبری دینے آیا ہوں۔

[۱۵] حضرت مریم علیہا السلام نے کہا: میں ایک کنواری لڑکی ہوں، مجھے کسی انسان نے ہاتھ تک نہیں لگایا اور نہ ہی میں بدکار رہوں تو پھر میرے ہاں بیٹا کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔

[۱۶] جبریل امین علیہ السلام نے جواب دیا: ایسا ہی ہوگا کیونکہ یہ تیرے رب کا حکم ہے اور بغیر باپ کے بیٹا پیدا کرنا اس کے لئے آسان ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا، اسی طرح بغیر باپ کے آپ کے بیٹے کی پیدائش کا فیصلہ ہو چکا ہے اور یہ کوئی عام قسم کا بچہ نہیں ہوگا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی رحمت کی نشانی ہوگا۔

[۱۷] حضرت جبریل امین علیہ السلام نے پھونک ماری اور حمل قرار پا گیا۔ حضرت مریم علیہا السلام خود تو منشائے خداوندی پر مطلع ہو کر مطمئن ہو گئیں مگر یہ بات لوگوں کی سمجھ سے بالاتر تھی اس لئے ان کی بہتان تراشیوں سے بچنے کے لئے دور جگہ یعنی بیت لحم کے جنگل میں چلی گئیں۔ اس جگہ پر معراج کی شب جبریل امین علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہاں دو رکعت نماز پڑھ لیں یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی جگہ ہے۔ (تفسیر روح البیان) اس فقیر نے جنوری ۲۰۰۱ء میں مسجد اقصیٰ کی زیارت کے بعد بیت لحم کی بھی زیارت کی تھی۔

قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝٢٣	کہنے لگیں: اے کاش! میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اور بالکل بھولی بسری ہوگئی ہوتی۔[١٨]
فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝٢٤	٢٤- پھر جبریل امین نے مریم کو ان کے نیچے سے آواز دی کہ آپ غمزدہ نہ ہوں بے شک آپ کے رب نے آپ کے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔[١٩]
وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝٢٥	٢٥- اور آپ اس کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلائیں وہ آپ کے اوپر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرادے گا۔[٢٠]
فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝٢٦	٢٦- پس آپ کھائیں اور پئیں اور آنکھیں ٹھنڈی کریں، پھر اگر آپ کسی انسان کو دیکھیں تو (اشارہ سے اسے) کہیں کہ میں نے رحمٰن کے لئے (خاموشی کے) روزہ کی نذر مانی ہوئی ہے اس لئے میں آج کسی انسان سے ہرگز بات نہیں کروں گی۔[٢١]

---

[١٨] جب وضع حمل کا درد شروع ہوا تو حضرت مریم علیہا السلام ایک کھجور کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں اور دل میں خیال آیا کہ اس پیدا ہونے والے بچے کو دیکھ کر لوگ مجھ پر بدکاری کا الزام لگائیں گے تو میں انہیں کیسے مطمئن کرسکوں گی، اس لئے بدنامی کے خوف سے بے اختیار یہ الفاظ زبان پر آگئے کہ اے کاش! میں اس بچے کی پیدائش سے پہلے مرگئی ہوتی اور بالکل بھولی بسری ہوگئی ہوتی۔

[١٩] جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوگئی تو اس جنگل میں نہ تو آپ کے پاس کوئی دائی تھی اور نہ ہی کھانے پینے کا کوئی سامان، اس پریشان کن عالم میں نیچے وادی سے جبریل امین علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کو آواز دی کہ آپ غمزدہ نہ ہوں اور نیچے دیکھیں آپ کے رب نے آپ کے نیچے وادی میں ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔

[٢٠] یعنی کھجور کے تنے کو حرکت دیں اس سے تازہ پکی ہوئی کھجوریں گریں گی، لہٰذا آپ چشمہ کا پانی پئیں اور کھجوریں کھائیں اور اپنے نومولود بیٹے کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں یعنی دل کو سکون پہنچائیں۔

[٢١] ظاہر ہے کنواری مریم علیہا السلام کے پاس بچے کو دیکھ کر ہر ایک نے اس بچے کے بارے میں سوال کرنا تھا اس لئے حضرت مریم علیہا السلام کو ہدایت کی گئی کہ تم خاموشی کے روزہ کی نیت کرلو اور اگر کوئی آدمی آپ سے سوال کرے تو آپ اشارہ سے اسے بتادیں کہ میں نے خاموشی کا روزہ رکھا ہوا ہے اس لئے میں آپ سے بات نہیں کرسکتی۔ خاموشی کا روزہ بنی

فَاَتَتۡ بِهٖ قَوۡمَهَا تَحۡمِلُهٗ ؕ قَالُوۡا يٰمَرۡيَمُ لَقَدۡ جِئۡتِ شَيۡـًٔـا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾

۲۷۔ پھر مریم اس بچے کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں تو انہوں نے کہا: اے مریم! تو نے بہت ہی برا کام کیا ہے۔[۲۲]

يٰۤاُخۡتَ هٰرُوۡنَ مَا كَانَ اَبُوۡكِ امۡرَاَ سَوۡءٍ وَّ مَا كَانَتۡ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿ۖۚ۲۸﴾

۲۸۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدچلن تھی۔

فَاَشَارَتۡ اِلَيۡهِ ؕ قَالُوۡا كَيۡفَ نُكَلِّمُ مَنۡ كَانَ فِى الۡمَهۡدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اس پر مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا، وہ کہنے لگے: ہم اس سے بات کیسے کریں جو ابھی گہوارہ میں بچہ ہے۔[۲۳]

قَالَ اِنِّىۡ عَبۡدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰٮنِىَ الۡكِتٰبَ وَ جَعَلَنِىۡ نَبِيًّا ﴿ۙ۳۰﴾

۳۰۔ وہ بچہ بول پڑا: بے شک میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔

وَّجَعَلَنِىۡ مُبٰرَكًا اَيۡنَ مَا كُنۡتُ ۖ وَاَوۡصٰنِىۡ

۳۱۔ اور میں جہاں کہیں بھی ہوں اس نے مجھے بابرکت بنایا

اسرائیل کی شریعت میں جائز تھا اب جائز نہیں ہے۔

[۲۲] وہب بن منبہ نے کہا: حضرت مریم علیہا السلام جب اس بچہ کو لے کر اپنی قوم کے پاس آئیں تو بنی اسرائیل کی عورتیں اور مرد جمع ہو گئے۔ ایک عورت نے حضرت مریم علیہا السلام کو مارنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اس کا آدھا جسم سوکھ گیا، پھر اس کو اسی طرح اٹھا کر لے جایا گیا۔ ایک اور شخص نے کہا: حضرت مریم نے یقیناً زنا کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو گونگا کر دیا، پھر لوگ حضرت مریم علیہا السلام کو مارنے اور اذیت پہنچانے سے ڈر گئے اور آہستہ سے ذرا نرم لہجے میں کہنے لگے: اے مریم! تو نے بہت ہی برا کام کیا ہے۔ (تفسیر قرطبی) حالانکہ تیرے ماں باپ بڑے اچھے آدمی تھے اور جس ہارون علیہ السلام کی تو بہن ہے وہ بھی بڑا نیک آدمی ہے یعنی تمہارا سارا خاندان بڑا نیک ہے تو پھر تم نے یہ غلط کام کیوں کیا۔

[۲۳] بنی اسرائیل نے جب اس بچے کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس بچے کی طرف اشارہ کرو، یہ بچہ اُن کے سوال کا جواب دے گا۔ جب حضرت مریم علیہا السلام نے بچے کی طرف اشارہ کیا تو وہ کہنے لگے: ہم اس معصوم اور چھوٹے بچے سے کیسے بات کریں جو ابھی ماں کی گود میں ہے؟ اس پر وہ بچہ خود بول پڑا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے، گویا آپ نے واضح کر دیا کہ میری پیدائش کسی غلط کاری کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور میری ماں کی عفت کی نشانی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس بندے کو نبوت کے لئے منتخب فرماتا ہے اس کی ولادت اور اس کا نسب نہایت طیب اور طاہر ہوتا ہے۔

بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾

[۲۴] اور جب تک میں زندہ رہوں اس نے مجھے نماز اور زکوۃ کا حکم دیا ہے۔

وَّ بَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَ لَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾

۳۲۔ اور مجھے اپنی والدہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا (بنایا ہے) اور اس نے مجھے سرکش (اور) بدبخت نہیں بنایا۔[۲۵]

وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَ يَوْمَ اَمُوْتُ وَ يَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾

۳۳۔ اور مجھ پر سلام ہو جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میری وفات ہوگی اور جس دن میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔[۲۶]

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿٣٤﴾

۳۴۔ یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں (اور یہی وہ) سچی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔[۲۷]

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٣٥﴾

۳۵۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ (کسی کو اپنا) بیٹا بنائے، وہ پاک ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے پس اسے صرف یہی حکم دیتا ہے کہ "ہوجا" تو وہ ہوجاتا ہے۔[۲۸]

---

[۲۴] اللہ تعالیٰ نے مجھے بابرکت بنایا ہے کیونکہ میری دعا کے سبب سے مردے زندہ ہوں گے اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی تندرست ہوں گے۔

[۲۵] اس آیت سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی کیونکہ اگر آپ کے باپ ہوتے تو صرف والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر نہ ہوتا بلکہ ماں باپ دونوں کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر ہوتا، اور دوسرا یہ معلوم ہوا کہ جو شخص والدہ کا خدمت گزار نہیں ہوتا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سرکش اور بدبخت شمار ہوتا ہے۔

[۲۶] اس آیت کی تفسیر کے لئے آیت نمبر ۱۵ اور حاشیہ نمبر ۱۲ ملاحظہ کریں۔

[۲۷] گزشتہ چار آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزانہ کلام ہے جو آپ نے ماں کی گود میں بیان کیا اور پھر عمر گویائی تک دوسرے بچوں کی طرح بات نہیں کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت وہی ہے جو ان آیات میں بیان ہوئی ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور نبی ہیں اور یہی سچی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں اور خواہ مخواہ ان کی شان میں افراط و تفریط کا شکار ہیں۔

[۲۸] اللہ تعالیٰ کو اولاد کی ضرورت نہیں، وہ قادر مطلق ہے، وہ جو بھی کام کرنا چاہے صرف ارادہ کرنے یا لفظ "کن" کہنے سے وہ کام ہوجاتا ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور بے شک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، سو تم اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔[۲۹]

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ پھر (عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں) کئی گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے،[۳۰] پس کافروں کے لئے (قیامت کے) بڑے دن کی حاضری سے ہلاکت ہے۔[۳۱]

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْیَوْمَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ جس دن وہ ہمارے پاس حاضر ہوں گے اس دن تو وہ خوب سنتے اور دیکھتے ہوں گے لیکن یہ ظالم لوگ آج کھلی گمراہی میں ہیں۔[۳۲]

وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُ

۳۹۔ اور آپ انہیں حسرت کے دن سے ڈرایئے جب ہر بات کا فیصلہ کر دیا جائے گا (مگر آج) یہ لوگ غفلت میں ہیں اور

[۲۹] یہ کلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی ہو سکتا ہے اور آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی کیونکہ ہر نبی کا اصل پیغام تو ایک ہی تھا یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ہی میرا اور تمہارا رب ہے، لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راستہ ہے۔

[۳۰] اہل کتاب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ یہود کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام جادوگر اور ناجائز اولاد ہیں، عیسائی فرقہ نسطوریہ (protestant) کے نزدیک وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، عیسائی فرقہ ملکانیہ (catholic) کے نزدیک وہ تین خداؤں میں سے تیسرے ہیں اور عیسائی فرقہ یعقوبیہ (orthodox) کے نزدیک وہ اللہ ہیں، پس یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں تفریط کی اور عیسائی آپ کے بارے میں افراط کا شکار ہوئے۔

(تفسیر قرطبی)

[۳۱] قیامت کا دن اپنی ہولناکی اور شدت کے اعتبار سے بڑا سخت دن ہوگا اور طوالت و مدت کے اعتبار سے بھی بڑا لمبا دن ہوگا۔ اس دن منکرین حق جب حساب و کتاب کے لئے حاضر ہوں گے تو ان کے انکار حق کی سزا کے طور پر ان کے لئے تباہی و بربادی کا فیصلہ ہوگا۔

[۳۲] یعنی آج تو یہ لوگ حق کو دیکھنے سے اندھے اور پیغام حق کو سننے سے بہرے بنے ہوئے ہیں اور کھلی گمراہی میں بھٹک رہے ہیں، انہیں لاکھ سمجھاؤ یہ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے لیکن قیامت کے دن جب حق سر چڑھ کر بولے گا تو یہ لوگ خوب سنتے اور دیکھتے ہوں گے اور حق کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں گے مگر اس وقت کا اعتراف ان کو کوئی فائدہ نہیں دے گا، کاش وہ آج احساس کر لیں۔

وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۹﴾

ایمان نہیں لاتے۔[۳۳]

إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَ مَنْ عَلَيْهَا وَ إِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿۴۰﴾ ع

۴۰۔ بے شک ہم ہی زمین کے اور اس پر رہنے والوں کے وارث ہوں گے اور وہ سب ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے۔[۳۴]

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِبْرٰهِيْمَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اور آپ اس کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیجیے، بے شک وہ بہت ہی سچے نبی تھے۔[۳۵]

إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ يٰٓأَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾

۴۲۔ جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا: اے میرے باپ! تم اس کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔[۳۶]

يٰٓأَبَتِ إِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ

۴۳۔ اے میرے باپ! بے شک میرے پاس وہ علم آیا ہے جو

[۳۳] روز قیامت کو حسرت کا دن اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ اس دن بدکار بھی حسرت کریں گے کہ کاش! وہ برائیاں نہ کرتے اور نیکوکار بھی حسرت کریں گے کہ انہوں نے اور زیادہ نیکیاں کیوں نہ کیں۔ (تفسیر مظہری) الغرض قیامت کے دن ہر ایک کے لئے جنت یا دوزخ کا فیصلہ کر دیا جائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے مگر آج یہ لوگ قیامت سے غافل ہیں اور اس پر ایمان نہیں لاتے۔

[۳۴] اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو کچھ زمین اور کچھ چیزوں کی عارضی ملکیت دے رکھی ہے جن میں وہ تصرف بھی کر سکتے ہیں مگر قیامت کے دن زمین اور اہلیان زمین کا براہ راست مالک اور حاکم صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوگا اور سارے لوگ حساب وکتاب کے لئے اس کی بارگاہ میں پیش کئے جائیں گے۔

[۳۵] عرب ایک طرف تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا باپ کہتے اور دوسری طرف بت پرستی کی دلیل یہ دیتے کہ چونکہ ان کے باپ دادا بت پرست تھے اس لئے وہ بت پرستی نہیں چھوڑ سکتے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جو بیان ہوا ہے آپ اہل عرب کو سنائیں کہ تمہارے سب سے زیادہ مکرم و محترم باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے، انہوں نے تو بت پرستی کی تردید کی تھی، لہٰذا تم بھی بت پرستی سے باز آ جاؤ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرو، یقیناً وہ بہت ہی سچے اور اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔

[۳۶] یہاں باپ سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا آزر ہے جس کو آپ نے بت پرستی سے منع فرمایا۔ اس کی تفصیل کے لئے سورۂ انعام (۶) کی آیت نمبر ۷۴ اور حاشیہ نمبر ۷۰ ملاحظہ کریں۔

يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾

تمہارے پاس نہیں آیا، اس لئے تم میری پیروی کرو میں تمہیں سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔[۳۷]

يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾

۴۴۔ اے میرے باپ! تم شیطان کی عبادت نہ کرو بے شک شیطان (خدائے) رحمٰن کا نافرمان ہے۔[۳۸]

يٰٓاَبَتِ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اے میرے باپ! میں ڈرتا ہوں کہ تمہیں (خدائے) رحمٰن کی طرف سے عذاب پہنچے اور تم شیطان کے ساتھی بن جاؤ۔

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اس (آزر) نے کہا: اے ابراہیم علیہ السلام! کیا تم میرے خداؤں سے روگردانی کرنے والے ہو؟ اگر تم (ان کی مخالفت سے) باز نہ آئے تو میں تمہیں ضرور سنگسار کردوں گا اور تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے الگ ہو جاؤ۔[۳۹]

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾

۴۷۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا: تم کو سلام ہے،[۴۰] میں اپنے رب سے تمہارے لئے بخشش طلب کروں گا، بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔

---

[۳۷] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر سے کہا: تم اگرچہ عمر میں مجھ سے بڑے ہو مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کے ذریعہ وہ علم عطا فرمایا ہے جو تمہارے پاس نہیں ہے، اس لئے تم میری پیروی کرو میں تمہیں سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔

[۳۸] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے کہا: شیطان اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے اور وہی لوگوں کو بتوں کی عبادت کی ترغیب دیتا ہے، اس طرح بتوں کی عبادت دراصل شیطان ہی کی عبادت ہے، لہٰذا تم شیطان کی عبادت سے باز آجاؤ اور اگر اسی کفر کی حالت میں تمہاری موت آگئی تو تم شیطان کے ساتھی بن جاؤ گے اور ہمیشہ عذاب الٰہی میں مبتلا رہو گے۔

[۳۹] آزر نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا: معلوم ہوتا ہے تم ہمارے خداؤں کو تسلیم نہیں کرتے اس لئے تم مجھے بھی ان کی عبادت سے منع کرتے ہو مگر یاد رکھو اگر تم ان کی مخالفت سے باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا، لہٰذا تم ہمیشہ کے لئے میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔

[۴۰] سلام کی دو قسمیں ہیں: ایک تو ملاقات کا تحفہ اور سلامتی کی دعا ہے جو سلام کا اصل مقصد ہے اور دوسرا کسی سے گفتگو ختم کرنے اور اس سے جان چھڑانے کے لئے سلام کرنا۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے لئے سلام

وَ اَعۡتَزِلُكُمۡ وَمَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَ اَدۡعُوۡا رَبِّیۡ ۖ عَسٰۤی اَلَّاۤ اَكُوۡنَ بِدُعَآءِ رَبِّیۡ شَقِیًّا ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور میں تم سے بھی اور ان سے بھی جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو کنارہ کش ہوتا ہوں اور اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں، امید ہے میں اپنے رب کی عبادت کی برکت سے نامراد نہیں رہوں گا۔ [۴۱]

فَلَمَّا اعۡتَزَلَهُمۡ وَمَا یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ ؕ وَ كُلًّا جَعَلۡنَا نَبِیًّا ﴿۴۹﴾

۴۹۔ پھر جب ابراہیم ان لوگوں سے اور ان کے (بتوں) سے جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے تھے الگ ہو گئے تو ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے، اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا۔ [۴۲]

وَ وَهَبۡنَا لَهُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِنَا وَ جَعَلۡنَا لَهُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِیًّا ﴿۵۰﴾ ع

۵۰۔ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے نوازا اور ہم نے ان کا ذکر خیر بلند کیا۔ [۴۳]

کہا یعنی میرا آخری سلام قبول ہو اب میں یہاں سے ہجرت کرنے والا ہوں، البتہ تمہاری ناقدری کے باوجود میں تمہارے لئے ہدایت کی دعا کرتا رہوں گا تاکہ تمہاری مغفرت ہو جائے مگر جب آزر کی موت کفر پر ہو گئی تو آپ نے اس کے لئے دعائے مغفرت ترک کر دی۔ اس کے لئے سورہ توبہ (۹) کی آیت نمبر ۱۱۴ اور حاشیہ نمبر ۹۲ ملاحظہ کریں۔

کفار کو سلام کرنے کے متعلق علامہ قرطبی لکھتے ہیں: امام اوزاعی سے پوچھا گیا کہ جب کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کے پاس سے گزرے تو کیا وہ اس کو سلام کرے؟ انہوں نے جواب دیا: اگر تم سلام کرو تو بھی حرج نہیں کیونکہ تم سے پہلے کئی صالحین ان کو سلام کرتے تھے اور اگر تم سلام نہ کرو تو بھی درست ہے کیونکہ تم سے پہلے کئی صالحین ان کو سلام کرنے سے اجتناب کرتے تھے۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے، آپ نے فرمایا: جب تم ایسی مجلس کے پاس سے گزرو جس میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں موجود ہوں تو ان کو سلام کیا کرو۔ (تفسیر قرطبی)

[۴۱] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اقارب اور بستی والوں سے فرمایا: جب تم میری نصیحت قبول نہیں کرتے بلکہ الٹا مجھے سنگساری کی دھمکیاں دیتے ہو تو میرے یہاں رہنے کا کوئی فائدہ نہیں اس لئے میں تم کو اور تمہارے خداؤں کو چھوڑ کر یہاں سے ہجرت کرتا ہوں تاکہ یکسو ہو کر اپنے رب کی عبادت کر سکوں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مجھے کامل امید ہے کہ میں اس کی عبادت کی برکت سے نامراد نہیں رہوں گا۔

[۴۲] جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہجرت کرتا ہے وہ نامراد اور ناکام نہیں رہتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنے وطن سے ہجرت کر کے شام آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت اسحاق علیہ السلام جیسا بیٹا اور حضرت یعقوب علیہ السلام جیسا پوتا عطا فرمایا اور ان دونوں کو نبوت سے بھی سرفراز فرمایا۔

[۴۳] اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر خصوصی فضل و کرم فرمایا اور ان کے ذکر خیر کو اتنا بلند فرمایا کہ آج یہودی، عیسائی اور

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اور آپ اس کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیجیے، بے شک وہ برگزیدہ تھے اور رسول نبی تھے۔ [۴۴]

وَ نَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اور ہم نے انہیں طور کی دائیں جانب سے پکارا اور راز کی باتیں کرنے کے لئے انہیں قرب خاص سے نوازا۔ [۴۵]

وَ وَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو نبی بنا کر انہیں عطا کیا۔ [۴۶]

مسلمان باہمی اختلافات کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت اور تقدس کے قائل ہیں اور ہماری تو اس وقت تک نماز ہی مکمل نہیں ہوتی جب تک ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر نہ کریں اور حج میں تو اکثر مقامات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے اعمال کی پیروی کی جاتی ہے۔

ان آیات میں مہاجرین کے لئے بھی تسلی کا سامان ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہجرت کر کے برباد نہ ہوئے بلکہ سرفراز ہوئے اسی طرح تم بھی ہجرت کے بعد سرفرازی اور سربلندی سے ہمکنار ہوگے اور تاریخ شاہد ہے کہ مکہ سے ہجرت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے وہ عزت و عظمت عطا فرمائی جس کا کفار قریش تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

[۴۴] نبی اور رسول کا مشن ایک ہی ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کی مخلوق تک پہنچانا۔ عام طور پر یہ دونوں الفاظ ہم معنیٰ استعمال ہوتے ہیں، البتہ ان میں ایک فرق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جس نبی کے پاس نئی کتاب اور نئی شریعت آئے وہ نبی رسول بھی ہوتا ہے اور جو نبی اپنے سے پہلے نبی کی کتاب اور شریعت کی تبلیغ کرے وہ صرف نبی ہے رسول نہیں ہوتا، لہٰذا ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر ضروری نہیں کہ ہر نبی رسول ہو۔

[۴۵] حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر جا رہے تھے، راستہ میں جب آپ کوہ طور کے پاس سے گزرے تو پہاڑ آپ کی دائیں جانب تھا، اس طرف سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ندا دی اور آپ سے کلام فرما کر خصوصی قرب عطا فرمایا۔ راز کی باتوں سے مراد یہ ہے کہ یہ گفتگو براہ راست تھی، درمیان میں فرشتے کا واسطہ نہیں تھا اور اسی لئے آپ کو کلیم اللہ کا لقب دیا گیا۔

[۴۶] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی: میری مدد کے لئے میرے بڑے بھائی ہارون علیہ السلام کو نبی بنا دے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کی اعانت و تقویت کے لئے حضرت ہارون علیہ السلام کو نبوت عطا فرما دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے پیاروں کی دعا سے اگر نبوت جیسی وہبی نعمت مل سکتی ہے تو پھر اولاد یا دنیا کی اور کون سی نعمت ہے جو ان کی دعا سے نہیں مل سکتی۔

وَ اذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ اِسۡمٰعِيۡلَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الۡوَعۡدِ وَكَانَ رَسُوۡلًا نَّبِيًّا ۚ‏ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اور آپ اس کتاب میں اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کیجیے، بے شک وہ وعدے کے سچے تھے اور رسول نبی تھے۔[۴۷]

وَكَانَ يَاۡمُرُ اَهۡلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۖ وَكَانَ عِنۡدَ رَبِّهٖ مَرۡضِيًّا‏ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک بڑے پسندیدہ تھے۔[۴۸]

وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ اِدۡرِيۡسَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا نَّبِيًّا ۙ‏ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اور آپ اس کتاب میں ادریس علیہ السلام کا ذکر کیجیے، بے شک وہ بہت ہی سچے نبی تھے۔

وَّرَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا‏ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ اور ہم نے انہیں بڑے اونچے مقام تک بلند کیا تھا۔[۴۹]

اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنۡ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ وَّمِنۡ ذُرِّيَّةِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَ

۵۸۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے نبیوں میں سے انعام فرمایا جو آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور ان (کی اولاد) سے ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا اور جو ابراہیم اور یعقوب (کی اولاد) سے ہیں اور جو ان میں سے

[۴۷] حضرت اسماعیل علیہ السلام رسول نبی تھے، سارے نبی وعدے کے سچے ہوتے ہیں مگر حضرت اسماعیل علیہ السلام اس میں زیادہ مشہور تھے۔ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ایک آدمی سے ایک جگہ ملاقات کا وعدہ کیا، پس حضرت اسماعیل علیہ السلام اس جگہ آ گئے اور ایک دن اور ایک رات اس کا انتظار کیا، جب وہ دوسرے دن آیا تو آپ نے فرمایا: میں کل سے یہاں تیرا انتظار کر رہا ہوں۔ (تفسیر قرطبی)

عبداللہ بن ابی الحمساء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بعثت سے پہلے نبی کریم سے کچھ خرید و فروخت کی اور آپ کا کچھ بقایا میرے ذمہ رہ گیا۔ میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ میں آپ کے پاس اسی جگہ آپ کا بقایا لے آتا ہوں، پھر میں بھول گیا اور مجھے تین دن بعد یاد آیا، میں آیا تو آپ اسی جگہ پر میرا انتظار کر رہے تھے، آپ نے فرمایا: اے شخص تم نے مجھے مشقت میں ڈالا، میں تین دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ (ابو داؤد: حدیث نمبر ۴۹۹۶: کتاب الادب: باب ۹۰)

[۴۸] اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو تبلیغ کا آغاز اپنے اہل خانہ سے کرنا چاہیے اور جو انسان ایسا کام کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا پسندیدہ شخص ہوگا۔

[۴۹] اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو نبی بنایا اور انہیں بڑے بلند مرتبے اور مقام تک پہنچایا۔ اگرچہ بعض روایات میں ہے کہ آپ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے مگر ان سب روایات کا ماخذ اسرائیلیات ہیں جن پر کسی عقیدہ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔

اِسۡرَآءِيۡلَ ۡ وَمِمَّنۡ هَدَيۡنَا وَاجۡتَبَيۡنَا ؕ اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُ الرَّحۡمٰنِ خَرُّوۡا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۩ ﴿۵۸﴾

ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی اور چن لیا، جب ان کے سامنے (خدائے) رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔[۵۰]

فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ۙ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ پھر ان کے بعد ایسے ناخلف جانشین بنے جنہوں نے نماز کو ضائع کردیا اور (نفسانی) خواہشات کے پیچھے پڑ گئے، پس عنقریب وہ گمراہی (کی سزا) سے دوچار ہوں گے۔[۵۱]

---

[۵۰] اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر خصوصی انعام فرمایا، انہیں ہدایت دی اور ان کو نبوت کے لئے چن لیا۔ اس عظیم مرتبہ کے باوجود ان کی شانِ بندگی اور عاجزی و انکساری کا عالم یہ ہے کہ جب بھی ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ سجدے کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔

قرآن پڑھتے یا سنتے وقت جب خدا خوفی کی آیات آئیں تو ہر انسان کو رونے کی کوشش کرنی چاہیے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم قرآن پڑھو تو رویا کرو اور رونا نہ آئے تو رونے والی صورت بنایا کرو۔ (ابن ماجہ: حدیث نمبر ۱۳۳۷: ابواب اقامۃ الصلاۃ: باب ۱۷۶) اس آیت کو پڑھنے کے بعد سجدہ کرنا واجب ہے۔

☆ حضرت علی ؓ نے فرمایا: تم میں سے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے خوف سے روئے تو وہ اپنے کپڑے سے اپنے آنسو صاف نہ کرے بلکہ انہیں اپنے دونوں رخساروں پر بہنے دے یہاں تک کہ وہ انہی آنسوؤں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا۔
(شعب الایمان: ۸۰۸: جلد اول: ص ۴۹۳)

☆ حضرت عمر فاروق ؓ کے چہرے پر رونے کی وجہ سے دو سیاہ لکیریں بن گئی تھیں۔
(شعب الایمان: ۸۰۶: جلد اول: ص ۴۹۳)

[۵۱] انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد ایسے ناخلف جانشین بھی آئے جنہوں نے نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور نماز جیسے اہم فرض سے غفلت اختیار کی۔ ان نافرمان لوگوں کو اپنی گمراہی کی سزا ضرور بھگتنا پڑے گی۔

نماز کے متعلق چند احادیث

۱۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا: بے شک میں نے آپ کی امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور میں نے اپنی بارگاہ میں یہ عہد کیا ہے کہ جو ان نمازوں کو ان کے اوقات میں پابندی سے ادا کرے گا اسے جنت میں داخل کردوں گا اور جو ان کو پابندی سے ادا نہیں کرے گا اس کے لئے میرا کوئی وعدہ نہیں۔
(ابو داؤد: کتاب الصلاۃ: باب ۹)

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا ﴿٦٠﴾	٦٠۔ سوائے اس شخص کے جس نے توبہ کرلی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کئے تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا۔[۵۲]
جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا ﴿٦١﴾	٦١۔ سدا بہار جنتیں ہیں جن کا (خدائے) رحمٰن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ کر رکھا ہے، بے شک اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔
لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا ۖ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ﴿٦٢﴾	٦٢۔ وہ جنت میں کوئی بے ہودہ بات نہیں سنیں گے مگر صرف سلام (سنیں گے)، اور ان کے لئے وہاں صبح وشام ان کا رزق ہوگا۔
تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾	٦٣۔ یہ وہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے اس کو وارث بنائیں گے جو متقی ہوگا۔
وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۖ لَهُ مَا بَيْنَ	٦٤۔ اور ہم (فرشتے) صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن بندے کے اعمال سے جس چیز کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ اس کی نماز ہے، اگر نماز کا معاملہ ٹھیک نکلا تو وہ کامیاب و کامران ہوگیا اور اگر نماز کا معاملہ غلط نکلا تو وہ ناکام ونامراد ہوگیا۔ اگر اس کے فرائض میں کوئی کمی نکلی تو رب تعالیٰ فرمائے گا: دیکھو میرے بندے کے پاس کوئی نفل نماز ہے، اگر ہوئی تو فرائض کی کمی کو اس نفل نماز سے پورا کر دیا جائے گا، پھر اس کے باقی تمام اعمال کا حساب بھی اسی طرح ہوگا۔ (ترمذی: ابواب الصلاۃ: باب ۳۰۵)

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بڑا چور وہ ہے جو نماز میں چوری کرتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ اپنی نماز میں چوری کیسے کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ اپنی نماز کا رکوع اور سجدہ پورا نہیں کرتا۔

(سنن دارمی: کتاب الصلاۃ: باب ۷۸)

۴۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی طہارت ہے۔
(مسند احمد: جلد ۳: ص ۳۴۰)

[۵۲] جو گناہ گار لوگ سچے دل سے توبہ کرکے ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کرلیں، اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق انہیں سدا بہار جنتوں میں داخل فرمائے گا جہاں ہر طرف امن وسلامتی کا ماحول ہوگا، کہیں بھی ناخوشگوار بات سننے کو نہیں ملے گی۔

اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾

ہوتے ہیں، جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب اسی کا ہے اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے۔[۵۳]

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۗ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾

۶۵۔ وہ (اللہ ہی) آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے، پس اس کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہو، کیا تم اس کا کوئی ہم نام (ہم مثل) جانتے ہو؟[۵۴]

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾

۶۶۔ اور انسان کہتا ہے کہ کیا جب میں مرجاؤں گا تو پھر زندہ کرکے (قبر سے) نکالا جاؤں گا؟

اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾

۶۷۔ کیا انسان یاد نہیں کرتا کہ ہم نے ہی اسے اس سے پہلے پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا؟[۵۵]

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾

۶۸۔ پس آپ کے رب کی قسم! ہم ضرور ان سب کو اور شیطانوں کو جمع کریں گے، پھر ہم ان سب کو جہنم کے گرد حاضر کریں گے اس طرح کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔[۵۶]

[۵۳] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا: تم جتنا ہمارے پاس آیا کرتے ہو اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (بخاری: سورۃ مریم: باب ۳) یعنی جبریل امین علیہ السلام نے جواب دیا: ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہوتے۔ وہ جس وقت مناسب سمجھتا ہے ہمیں اترنے کا حکم دیتا ہے، وہ ساری کائنات کا مالک ہے، ہر کام برمحل اور بروقت کرتا ہے وہ نسیان اور غفلت سے پاک ہے۔

[۵۴] اس کائنات کا خالق، مالک اور پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہ اپنی ذات اور صفات میں بے مثل ہے، اس لئے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

[۵۵] جو شخص قیامت پر ایمان نہیں رکھتا اسے مرنے کے بعد قبر سے زندہ کرکے نکالا جانا ناممکن نظر آتا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا انسان کو یاد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب اسے پہلی بار پیدا کیا تو اس سے پہلے وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ اب تو ایک دفعہ وہ انسانی شکل میں زندگی گزار چکا ہے، لہٰذا دوسری دفعہ اس جیسا انسان بنانا کیا مشکل ہے۔ کسی چیز کو ایجاد کرنا مشکل ہوتا ہے، دوبارہ بنانا مشکل نہیں ہوتا۔

[۵۶] اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قیامت کے منکرین اور ان کو گمراہ کرنے والے شیاطین کو جمع فرمائیں گے اور جب انہیں جہنم کے

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿۶۹﴾	۶۹۔ پھر ہم ہر گروہ سے ہر اس شخص کو الگ کرلیں گے جو (خدائے) رحمٰن کا سب سے زیادہ نافرمان ہوگا۔[۵۷]
ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿۷۰﴾	۷۰۔ پھر ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو جہنم میں جھونکے جانے کے زیادہ مستحق ہیں ۔[۵۸]
وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿۷۱﴾	۷۱۔ اور تم میں سے ہر شخص کا دوزخ پر سے گزر ہونے والا ہے، یہ آپ کے رب کے نزدیک قطعی (اور) فیصل شدہ امر ہے۔[۵۹]

گردلایا جائے گا تو وہ عذاب الٰہی کی ہولناکیوں کو دیکھ کر کھڑے نہیں رہ سکیں گے بلکہ گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے۔

[۵۷] پھر ہم منکرین کے ہر گروہ سے جو زیادہ سرکش اور نافرمان تھے ان کو الگ کردیں گے تاکہ انہیں پہلے جہنم میں پھینکا جائے اور ان کی زیادہ تذلیل ہو۔

[۵۸] یعنی اللہ تعالیٰ ان سرکشوں کو خوب جانتا ہے جو جہنم میں جھونکے جانے کے زیادہ مستحق ہیں۔

[۵۹] دوزخ جنت کے راستے میں ہے۔ اس پر ایک پل ہے جس کو اردو میں پل صراط کہا جاتا ہے۔ قیامت کے دن ہر شخص کو اس پل سے گزرنا ہوگا۔ متقی لوگ اس پل سے سلامتی کے ساتھ گزر جائیں گے اور ظالم لوگ اس پل سے پھسل کر گھٹنوں کے بل دوزخ میں گر پڑیں گے۔

حضرت ابوسعید خدری ؓ سے امام مسلم نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے کہ پھر دوزخ کے اوپر ایک پل رکھا جائے گا اور شفاعت کی اجازت مل جائے گی اور انبیائے کرام کہیں گے: اے اللہ! سلامت رکھ، سلامت رکھ! ـــ بعض اہل ایمان اس پل سے پلک جھپکنے میں گزر جائیں گے، بعض بجلی کی طرح، بعض ہوا کی طرح، بعض پرندوں کی طرح، بعض تیز رفتار گھوڑوں کی طرح اور بعض اونٹوں کی طرح، یہ سب سلامتی کے ساتھ گزر جائیں گے اور بعض جہنم میں گر جائیں گے، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! جو مومن نجات پا کر جنت میں چلے جائیں گے وہ اپنے ان اہل ایمان بھائیوں کو جہنم سے چھڑانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور اس شخص سے بھی زیادہ جھگڑا کریں گے جو اپنا حق مانگنے کے لئے کسی سے جھگڑا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کریں گے: اے ہمارے رب! یہ لوگ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے، ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، ہمارے ساتھ حج کرتے تھے، ان سے کہا جائے گا: جن لوگوں کو تم پہچانتے ہو ان کو دوزخ سے نکال لو اور ان پر دوزخ کی آگ حرام کردی جائے گی، پھر جنت والے کثیر تعداد میں ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے جن میں سے بعض کی نصف پنڈلیوں کو اور بعض کو گھٹنوں تک دوزخ کی آگ نے

ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِیۡنَ فِیۡهَا جِثِیًّا ﴿۷۲﴾

۷۲۔ پھر ہم پرہیزگاروں کو بچالیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گراہوا چھوڑ دیں گے۔

وَ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا ۙ اَیُّ الۡفَرِیۡقَیۡنِ خَیۡرٌ مَّقَامًا وَّ اَحۡسَنُ نَدِیًّا ﴿۷۳﴾

۷۳۔ اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں: (ہم) دونوں گروہوں میں سے کس کی رہائش گاہ بہتر اور مجلس زیادہ اچھی ہے۔[۶۰]

وَ کَمۡ اَهۡلَکۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ هُمۡ اَحۡسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءۡیًا ﴿۷۴﴾

۷۴۔ اور ہم ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ساز و سامان اور ظاہری شان و شوکت میں (ان سے) بہتر تھیں۔[۶۱]

قُلۡ مَنۡ کَانَ فِی الضَّلٰلَةِ فَلۡیَمۡدُدۡ لَهُ الرَّحۡمٰنُ مَدًّا ۬ۚ حَتّٰۤی اِذَا رَاَوۡا مَا یُوۡعَدُوۡنَ

۷۵۔ آپ فرما دیجئے: جو شخص گمراہی میں مبتلا ہو، رحمٰن اس کو خوب ڈھیل دیئے رکھتا ہے یہاں تک کہ جب وہ لوگ اس

جلا ڈالا تھا۔۔۔۔(مسلم: حدیث نمبر ۳۰۲: کتاب الایمان: باب ۸۱) اس سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کی سنگت اور دوستی قیامت کے دن جہنم سے نجات کا ذریعہ ہوگی۔

[۶۰] کفار مکہ کو جب اسلام کی دعوت دی جاتی اور انہیں جہنم کے عذاب سے ڈرایا جاتا تو وہ اہل ایمان سے کہتے: تم ہمیں کس خستہ حالی اور بے چارگی کی طرف بلاتے ہو جبکہ ہماری رہائش گاہیں اور ہماری جلسہ گاہیں تم سے بہتر ہیں۔ جس طرح ہم اس دنیا میں تم سے بہتر معیار زندگی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اسی طرح اگر آخرت میں بقول تمہارے کوئی جنت ہوگی تو وہ بھی ہمارے ہی حصہ میں آئے گی۔

[۶۱] اس آیت میں کفار مکہ کی غلط فہمی کو دور کیا جا رہا ہے کہ ان سے پہلے کئی قومیں ایسی گزر چکی ہیں جو دنیاوی ساز و سامان اور ظاہری شان و شوکت میں کفار مکہ سے بھی بڑھ کر تھیں مگر ان کی سرکشی کی پاداش میں انہیں ہلاک کر دیا گیا، لہٰذا کفار مکہ بھی اپنی ظاہری دولت اور شوکت پر مغرور نہ ہوں بلکہ پہلی قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کریں اور سرکشی سے باز آجائیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیاوی مال و دولت اور شان و شوکت کسی کے برحق ہونے کا ثبوت نہیں اور نہ ہی کسی کی غربت اور ناداری اس کے باطل ہونے کی دلیل ہے۔ مثال کے طور پر کئی انبیائے کرام علیہم السلام ایسے تھے جو دنیاوی مال و دولت کے اعتبار سے تنگ دست تھے مگر وہ برحق تھے اور کئی کافر جیسے قارون اور فرعون بڑے دولت مند تھے مگر وہ حق پر نہیں تھے۔ اس کی مزید تفصیل کے لئے سورہ رعد (۱۳) کی آیت نمبر ۲۶ اور حاشیہ نمبر ۳۵ بھی ملاحظہ کریں۔

إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضْعَفُ جُندًا ۝

چیز کو دیکھ لیں گے جس کا (ان سے) وعدہ کیا جاتا رہا یعنی عذاب یا قیامت، تو اس وقت وہ جان لیں گے کہ کس کا مکان زیادہ برا تھا اور کس کا لشکر زیادہ کمزور تھا۔[۶۲]

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝

۷۶۔ اور اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اضافہ فرماتا ہے،[۶۳] اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے بہتر ہیں اور انجام کے لحاظ سے خوب تر ہیں۔[۶۴]

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ

۷۷۔ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا

---

[۶۲] جو لوگ دانستہ گمراہی کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور اپنے دنیاوی مکان اور حمایتی لشکر کو بہتر سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ فوراً ان کی گرفت نہیں فرماتا بلکہ انہیں توبہ کرنے کے لئے مہلت دیتا ہے مگر جب مہلت کی گھڑیاں ختم ہو جاتی ہیں اور وہ کسی عذاب دنیا میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا عذاب قیامت آجاتا ہے تو عذاب کو دیکھ کر انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کا مکان ولشکر ہی برا تھا مگر اس دن کا پچھتاوا بے سود ہوگا کیونکہ وہاں اس کے ازالے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

[۶۳] جو لوگ خلوص نیت کے ساتھ ہدایت کا راستہ اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے نور ہدایت میں اور اضافہ فرماتا ہے، اور اگر بیماری یا کسی مجبوری کی وجہ سے وہ نیک اعمال جاری نہ رکھ سکیں تو جب تک ان کی بیماری یا مجبوری موجود رہتی ہے ان کے نامہ اعمال میں نیکیوں کا سلسلہ بدستور جاری رہتا ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک جب کوئی بندہ اچھے طریقہ سے عبادت کر رہا ہو، پھر وہ بیمار ہو جائے تو جو فرشتہ اس پر مقرر کیا جاتا ہے اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ بندہ اپنی صحت کے ایام میں جو عمل کرتا تھا اس کے اس عمل کو بدستور لکھتے رہو یہاں تک کہ وہ دوبارہ صحت مند ہو جائے۔ (مسند احمد: جلد ۲: ص ۲۰۳)

☆ حضرت انس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی مسلمان بندے کو کسی مرض میں مبتلا فرماتا ہے تو فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ اس کے اس نیک عمل کو لکھتے رہو جو یہ کیا کرتا تھا۔ اگر وہ اس بندے کو اس مرض سے شفا دے دے تو اس کو گناہوں سے دھو کر پاک کر دیتا ہے اور اگر اس کی روح قبض کر لے تو اس کو بخش دیتا ہے اور اس پر رحم فرماتا ہے۔ (مسند احمد: جلد ۳: ص ۲۵۸)

[۶۴] اس میں غریب اور نادار مسلمانوں کے لئے تسلی کا سامان ہے کہ کفار جس دولت اور شوکت پر فخر کرتے ہیں وہ سب فنا ہونے والی ہیں اور تم جو نیکیاں کرتے ہو وہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں اور ثواب اور انجام کے اعتبار سے بہت ہی بہتر ہیں۔

لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٧٧﴾

انکار کیا اور کہا: مجھے (قیامت کے دن بھی) مال اور اولاد ضرور دیئے جائیں گے۔[٦٥]

اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾

٧٨۔ کیا وہ غیب پر مطلع ہے یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟

كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَ نَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾

٧٩۔ ہرگز نہیں! جو کچھ وہ کہتا ہے ہم اسے لکھ لیں گے اور اس کے عذاب میں خوب اضافہ کرتے رہیں گے۔

وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾

٨٠۔ جو کچھ وہ کہتا ہے ہم اس کے وارث ہوں گے اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾

٨١۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود بنا لئے ہیں تاکہ وہ ان کے مددگار رہوں۔

كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾

٨٢۔ ہرگز نہیں! وہ (معبود) خود ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور وہ ان کے مخالف ہو جائیں گے۔[٦٦]

ع ٧

[٦٥] حضرت خبابؓ بیان کرتے ہیں کہ میں عاص بن وائل کے پاس اپنا قرض واپس مانگنے گیا، اس نے کہا: جب تک تو محمد ﷺ کے ساتھ کفر نہیں کرے گا میں تجھے تیرا قرض واپس نہیں کروں گا۔ میں نے کہا: میں آپ ﷺ کے ساتھ کفر نہیں کروں گا حتیٰ کہ تو مر جائے اور پھر تجھے اٹھایا جائے۔ اس نے کہا: کیا میں مر جاؤں گا اور پھر زندہ کیا جاؤں گا؟ میں نے کہا: ہاں! اس نے کہا: میرے لئے وہاں بھی مال اور اولاد ہوں گے تو میں وہاں تمہارا قرض ادا کر دوں گا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (بخاری: کتاب تفسیر القرآن: سورہ مریم: باب ٣) یعنی یہ منکر جو دعویٰ کر رہا ہے کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے یا اس نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لے رکھا ہے کہ قیامت کے دن بھی اس کے پاس مال اور اولاد ہوں گے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ جس مال اور اولاد کی یہ بات کر رہا ہے اس کے وارث تو ہم ہیں، مرنے کے ساتھ ہی ان سے اس کا تعلق ختم ہو جائے گا اور وہ قیامت کے دن ہمارے پاس تنہا آئے گا، نہ اس کے پاس مال ہوگا اور نہ اولاد، البتہ وہ اپنی سرکشی کے عذاب میں مبتلا ہوگا جس میں ہم خوب اضافہ کرتے رہیں گے۔

[٦٦] جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیروں کو معبود بناتے ہیں تاکہ وہ ان کی مدد کر سکیں حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ قیامت کے دن وہ باطل معبود خود ان کے مخالف ہوں گے اور ان کی عبادت سے بیزاری کا اعلان کر دیں گے یعنی نہ ہم نے کبھی ان سے کہا

اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾

۸۳۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے جو انہیں (اسلام کے خلاف) خوب اکساتے رہتے ہیں۔ [٦٧]

فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾

۸۴۔ سو آپ ان پر (نزول عذاب کے لئے) جلدی نہ کریں، ہم تو خود ہی ان کے لئے دن گن رہے ہیں۔ [٦٨]

یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾

۸۵۔ جس دن ہم پرہیز گاروں کو رحمٰن کے حضور معزز مہمانوں کی طرح جمع کریں گے۔ [٦٩]

کہ تم ہماری عبادت کرو اور نہ ہی ہم عبادت کے لائق تھے۔

[٦٧] یعنی پیارے نبی ﷺ! جو لوگ آپ کو صادق سمجھتے ہیں مگر تعصب اور ضد کی وجہ سے آپ پر ایمان نہیں لاتے، اس تکذیب کی وجہ سے ہم نے ان پر شیطانوں کو مسلط کر رکھا ہے جو انہیں اسلام کے خلاف مزید اکساتے رہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا شیطان کسی کو برائی پر مجبور نہیں کرتا بلکہ وہ وسوسوں کے ذریعہ برائی کی ترغیب دیتا ہے اور یہ انسان کی اپنی حماقت ہے جو انجام کی پرواہ کئے بغیر شیطان کے پیچھے چل پڑتا ہے۔

[٦٨] پیارے نبی ﷺ! آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا اس کے باوجود اگر کفار اسلام قبول نہیں کرتے تو آپ کبیدہ خاطر نہ ہوں اور ان پر نزول عذاب کے لئے جلدی نہ کریں کیونکہ ہم خود ان کی زندگی کے دن گن رہے ہیں۔ جونہی ان کی زندگی کا وقت پورا ہوا ان پر عذاب کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

[٦٩] جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت علی ؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! میں نے بادشاہوں کو اور ان کے مہمانوں کو دیکھا ہے وہ سب سوار ہو کر آتے ہیں تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے مہمان کیسے آئیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ بھی پیدل نہیں آئیں گے اور نہ ہی ان کو جانوروں کی طرح ہنکایا جائے گا بلکہ وہ جنت کی ایسی اونٹنیوں پر سوار ہوں گے کہ لوگوں نے ان جیسی اونٹنیاں نہیں دیکھی ہوں گی، ان کے پالان سونے کے ہوں گے اور ان کی مہاریں زمرد کی ہوں گی، پرہیز گار لوگ ان پر سوار ہوں گے حتیٰ کہ جنت کے دروازوں تک پہنچ جائیں گے۔ (تفسیر قرطبی)

عمرو بن قیس ؒ بیان کرتے ہیں کہ مومن جب قبر سے نکلے گا تو اس کا عمل خوب صورت اور خوش بودار صورت میں اس کا استقبال کرے گا اور مومن سے کہے گا: تو مجھے پہچانتا ہے؟ مومن کہے گا: نہیں لیکن بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے پاکیزہ خوشبو دی اور تیری شکل بڑی خوب صورت بنائی ہے، تو وہ کہے گا: میں تیرا نیک عمل ہوں، میں دنیا میں بہت عرصہ تجھ پر سوار رہا آج تو مجھ پر سوار ہو جا۔ پھر عمرو بن قیس نے یہ آیت تلاوت کی۔ (تفسیر طبری، تفسیر قرطبی)

وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾

۸۶۔ اور ہم مجرموں کو پیاسے جانوروں کی طرح جہنم کی طرف ہانک کرلے جائیں گے۔[۷۰]

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾

۸۷۔ (اس دن) لوگوں کو شفاعت کا اختیار نہیں ہوگا سوائے اس کے جس نے رحمٰن سے کوئی وعدہ لے لیا ہے۔[۷۱]

اس آیت کی تفسیر میں سید محمود آلوسی لکھتے ہیں کہ متقی لوگ قبروں سے نکلنے کے بعد سواریوں پر سوار ہو کر جنت کے دروازوں پر چلے جائیں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کا حساب وکتاب نہیں ہوگا (تفسیر روح المعانی) جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھ پر تمام امتیں پیش کی گئیں، میں نے دیکھا کہ بعض نبیوں علیہم السلام کے ساتھ دس سے کم امتیوں کی جماعت تھی اور کسی نبی علیہ السلام کے ساتھ ایک یا دو امتی تھے اور کسی نبی علیہ السلام کے ساتھ کوئی ایک امتی بھی نہ تھا، پھر مجھے ایک عظیم جماعت دکھائی گئی، میں نے خیال کیا شاید یہ میری امت ہو، پھر مجھے بتایا گیا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت ہیں، البتہ آپ آسمان کے کنارے کی طرف دیکھیں، میں نے اس طرف دیکھا تو وہ بھی ایک عظیم جماعت تھی، پھر مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار اشخاص ایسے ہیں جو بلا حساب و عذاب جنت میں داخل ہوں گے۔ (مسلم: حدیث نمبر ۳۷۴: کتاب الایمان: باب ۹۴)

عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے رب نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا کہ میری امت سے ستر ہزار کو بلا حساب جنت میں داخل فرمائے گا۔ میں نے اپنے رب سے اس تعداد میں اضافہ کی درخواست کی: پس میں نے اپنے رب کو بڑا عظیم اور کریم پایا اور اللہ تعالیٰ نے ان ستر ہزار سے ہر ہر شخص کے ساتھ ستر ستر ہزار مزید عطا فرمائے۔ (تفسیر روح المعانی) بعض روایات کے مطابق جنت میں بغیر حساب کے داخل ہونے والوں میں درج ذیل اشخاص شامل ہوں گے:

۱۔ جو خوش حالی اور تنگ دستی دونوں احوال میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے۔
۲۔ جو راتوں کو جاگ کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔
۳۔ جو دنیاوی کاروبار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں ہوتے۔
۴۔ طالب علم
۵۔ اپنے خاوند کی فرماں بردار عورت
۶۔ اپنے والدین کی فرماں بردار اولاد وغیرہ۔ (تفسیر روح المعانی)

[۷۰] عمرو بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کافر جب قبر سے نکلے گا تو اس کا عمل ایک بدصورت اور بدبودار حالت میں اس کا استقبال کرے گا اور کافر سے کہے گا: کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ کافر کہے گا: نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بدصورت اور بدبودار بنایا ہے تو وہ کہے گا: میں تیرا برا عمل ہوں، تو دنیا میں بہت عرصہ مجھ پر سوار رہا آج میں تجھ پر سواری کروں گا۔ (تفسیر قرطبی)

[۷۱] قیامت کے دن کسی کو شفاعت کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، البتہ وہ اہل ایمان شفاعت کریں گے جن کو اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے کی اجازت عطا فرمائے گا۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾

۸۸۔ اور کفار کہتے ہیں کہ رحمٰن نے (اپنا) بیٹا بنالیا ہے۔

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿۸۹﴾

۸۹۔ بے شک تم نے بہت سخت بات کی ہے۔[۷۲]

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾

۹۰۔ کچھ بعید نہیں کہ اس (گستاخی) کے باعث آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہوجائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر گر پڑیں۔[۷۳]

أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾

۹۱۔ کہ انہوں نے رحمٰن کے لئے بیٹے کا دعویٰ کیا ہے۔

وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾

۹۲۔ حالانکہ رحمٰن کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔

إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾

۹۳۔ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب رحمٰن کی بارگاہ میں بندوں کی حیثیت سے حاضر ہونے والے ہیں۔[۷۴]

لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾

۹۴۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان سب کو احاطہ میں لے رکھا ہے اور انہیں پوری طرح گن بھی رکھا ہے۔[۷۵]

---

[۷۲] جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹا ثابت کرتے ہیں انہیں براہ راست خطاب کیا جارہا ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں سخت معیوب اور ناممکن بات کی ہے کیونکہ بیٹے کے لئے ضروری ہے کہ وہ باپ کا ہم جنس ہو جب کہ اللہ تعالیٰ جنس اور نظیر سے پاک ہے۔

[۷۳] اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹا قرار دینا اتنی بڑی گستاخی ہے کہ اگر اس کا غضب جوش میں آجائے تو زمین وآسمان پھٹ جائیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں مگر وہ بڑا حلیم ہے جلد گرفت نہیں فرماتا بلکہ لوگوں کو توبہ اور اصلاح کے لئے وقت دیتا ہے جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص اذیت پہنچانے والی بات سن کر اس پر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا نہیں، لوگ اس کی طرف بیٹا منسوب کرتے ہیں اس کے باوجود وہ ان کو عافیت دیتا ہے اور رزق عطا فرماتا ہے۔
(بخاری: کتاب التوحید: باب ۳)

[۷۴] جب زمین وآسمان کے سارے فرشتے، جن اور انسان آج بھی اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے ہیں اور کل روزِ قیامت بھی اس کے عاجز بندوں کی حیثیت سے حاضر ہوں گے تو پھر اسے کسی ایک کو بیٹا بنانے کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی یہ اس کی شان کے لائق ہے کیونکہ وہ اولاد سے پاک ہے۔

[۷۵] اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو اپنی قدرت کے احاطہ میں لے رکھا ہے اور وہ ان کے اعمال اور ان کی تعداد سے پوری طرح باخبر ہے، کوئی بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾

٩٥۔ اور ان میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے سامنے تنہا پیش ہوگا۔[٧٦]

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾

٩٦۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے عنقریب رحمٰن ان کے لئے (لوگوں کے دلوں میں) محبت پیدا فرمادے گا۔[٧٧]

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾

٩٧۔ بے شک ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے تا کہ آپ اس کے ذریعہ پرہیز گاروں کو خوش خبری سنائیں اور اس کے ذریعہ جھگڑالو قوم کو ڈرائیں۔[٧٨]

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾ ع

٩٨۔ اور ہم ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، کیا آپ ان میں سے کسی کو محسوس کرتے ہیں یا ان کی کوئی آہٹ سنتے ہیں؟[٧٩]

---

[٧٦] قیامت کے دن ہر شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تنہا پیش ہوگا، نہ تو دنیا کا مال ومتاع اس کے ساتھ ہوگا اور نہ ہی کوئی مددگار، البتہ اہل ایمان وتقویٰ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

[٧٧] جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے، اللہ تعالیٰ خود بھی ان سے محبت فرماتا ہے اور عام لوگوں کے دلوں میں بھی ان کی محبت پیدا فرمادیتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے: میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو، پس جبریل علیہ السلام اس سے محبت کرتا ہے پھر وہ آسمان میں ندا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، پس آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں، پھر اہل زمین میں اس کے لئے مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔
(بخاری: حدیث نمبر ٧٤٨٥: مسلم: حدیث نمبر ٢٦٣٧)

اہل ایمان کو حق کی سربلندی کے لئے اگرچہ باطل قوتوں سے ٹکرانا پڑتا ہے اور کئی دفعہ ظاہری شکست سے بھی واسطہ پڑ جاتا ہے مگر آخر ایک دن حق ظاہر ہو جاتا ہے اور لوگ اہل حق کی عظمت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

[٧٨] یعنی ہم نے قرآن مجید کو آپ کی عربی زبان میں نازل فرمایا اور اس کی تعلیمات کو بالکل واضح اور آسان کر دیا تا کہ پرہیز گاروں کو خوش خبری سنانے اور جھگڑالو قوم کو ڈرسنانے میں کوئی ابہام اور شک باقی نہ رہے۔

[٧٩] اس آیت میں اہل مکہ کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ ان سے پہلے کئی قومیں اپنی سرکشی کی پاداش میں ہلاک ہو چکی ہیں، آج نہ وہ خود باقی ہیں اور نہ ہی ان کا کوئی نشان باقی ہے، لہٰذا اہل مکہ کو ان سے عبرت حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آجانا چاہیے۔

فقیر : محمد امداد حسین پیرزادہ : جامعۃ الکرم : انگلستان

۴ نومبر ۲۰۰۷ء بروز اتوار بمطابق ۲۴ شوال ۱۴۲۸ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ طٰہٰ (۲۰)

یہ سورت مکی ہے، یہ ان ۲۹ سورتوں میں سے ہے جن کی ابتدا میں حروف مقطعات نازل ہوئے ہیں۔ اس سورت کا پہلا کلمہ طٰہٰ ہے اور اسی کلمہ کی وجہ سے اس سورت کا نام بھی "طٰہٰ" ہے۔

اس سورت کی ابتدا میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ یہ قرآن آپ پر اس لئے نازل نہیں کیا گیا کہ آپ کو کسی مشقت میں ڈالا جائے یا سب کافروں کو مسلمان بنانا آپ کی ذمہ داری ہے بلکہ آپ کا کام صرف ان کو نصیحت کرنا اور ان تک اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانا ہے۔

اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کیونکہ انہیں بھی کفار مکہ کی طرح ایک متکبر اور متعصب قوم سے واسطہ پڑا تھا تا کہ نبی کریم ﷺ کو تسلی ہو کہ پہلے انبیاء کو بھی ایسی متعصب قوموں سے واسطہ پڑتا رہا ہے۔

اس سورت کے آخر میں احکام قرآن سے اعراض کرنے والوں کی سزا کا ذکر ہے اور مسلمانوں کو کفار کی اذیتوں پر صبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

یہ سورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے نازل ہوئی کیونکہ اس کی ابتدائی آیات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب بنی تھیں۔ اسی لئے اکثر مفسرین نے اس سورت کی ابتدا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ یہ واقعہ حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں تفصیل سے مذکور ہے، میں یہاں ان کا خلاصہ پیش کرتا ہوں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: اے اللہ تعالیٰ! ان دو آدمیوں یعنی ابوجہل اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ میں سے جو تمہیں زیادہ پسند ہے اس سے اسلام کو عزت عطا فرما۔ (ترمذی: حدیث نمبر ۳۶۸۱: ابواب المناقب: باب ۱۸) کیونکہ یہ دونوں اہل مکہ کے مقبول اور بارعب لیڈر ہیں، اگر ان میں سے ایک بھی مسلمان ہو جائے تو مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ ہو جائے گا۔ بہر حال نبی کریم ﷺ نے بدھ کے روز یہ دعا مانگی اور دوسرے ہی روز یعنی جمعرات کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا۔

(البدایۃ والنہایۃ: جلدنمبر ۲: ص ۳۱)

نبی کریم ﷺ نے مکہ میں جب اسلام کی اعلانیہ تبلیغ شروع کی تو جو لوگ اسلام قبول کرتے ان کے خاندان میں اختلاف پیدا ہو جاتا جس سے پورے شہر میں انتشار پیدا ہو گیا۔ اس پر حضرت عمر نے اپنے دل میں فیصلہ کیا کہ وہ محمد (ﷺ) کو شہید کر دیں تا کہ شہر کا سکون لوٹ آئے۔ چنانچہ اس ارادے سے ایک دن وہ تلوار لے کر گھر سے نکلتے ہیں۔ گلی میں حضرت نعیم بن

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کے تیور دیکھ کر پوچھا: اے عمر! کہاں جارہے ہو؟ حضرت عمر نے تکبر سے جواب دیا کہ میں مسلمانوں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سرقلم کرنے جارہا ہوں۔ اس نے میرے شہر کا سکون چھین لیا ہے اور گھر گھر نفرت کی آگ لگادی ہے۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا: ادھر بعد میں جانا، پہلے اپنے گھر کی خبرلو، تیری بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا اور بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہ اس نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھ چکے ہیں۔ یہ سن کر مکہ کے ۲۶ سالہ پڑھے لکھے اور جوشیلے نوجوان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اوسان خطا ہو گئے، آگے بڑھنے کے بجائے اپنے بہنوئی کے گھر کا رخ کیا۔ اس وقت حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے گھر میں سورہ طٰہٰ پڑھی جارہی تھی جس کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مزید آگ بگولا ہو گئے اور دروازہ کھولنے کی ندا دی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سورہ طٰہٰ کے صحیفہ کو چھپا کر دروازہ کھولا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت غضب ناک ہو کر بولے: مجھے پتہ چل گیا ہے آپ لوگوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ دیا ہے اور اس قدر پیٹا کہ ان کی بہن اور بہنوئی لہولہان ہو گئے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دست درازی حد سے تجاوز کر گئی تو بہن نے گرج کر کہا: اے بھائی! جتنا جی چاہے مار لے، جسم کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں مگر اسلام نہیں چھوڑ سکتے۔ خون میں لت پت بہن کا یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل پسیج گیا اور کہنے لگے: مجھے وہ صحیفہ دکھاؤ جو تم پڑھ رہے تھے۔ بہن نے جواب دیا: ہمیں خطرہ ہے کہ تم اس صحیفہ کی توہین کروگے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بتوں کی قسم کھا کر کہا کہ وہ اس صحیفہ کو پڑھ کر واپس کر دیں گے۔ چنانچہ بہن نے یہ صحیفہ ان کو دے دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب سورہ طٰہٰ کی ابتدائی آیات پڑھیں تو بے ساختہ پکار اٹھے: یہ تو بڑا خوب صورت اور فضل و کرم والا کلام ہے، مجھے اس نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو تا کہ میں اسلام قبول کرسکوں۔ (البداية والنهاية: جلدنمبر ۲: ص ۸۰)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنے جاں نثاروں کے ساتھ دارارقم میں تشریف فرما تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ننگی تلوار لے کر دروازہ پر پہنچے تو صحابہ کرام نے دروازہ کھولنے سے جھجک محسوس کی مگر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دروازہ کھول دو۔ اگر عمر رضی اللہ عنہ اندر داخل ہو کر بارگاہ رسالت کے آداب ملحوظ رکھیں گے تو ہم ان کو خوش آمدید کہیں گے ورنہ اسی تلوار سے ان کا سر اڑا دیا جائے گا۔

(السيرة الحلبية: جلداول: ص ٤٦٧)

دروازہ کھولا گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے قریب بٹھایا اور فرمایا: اے خطاب کے بیٹے! اسلام قبول کر لے۔ (السيرة الحلبية: جلداول: ص ٤٦٦) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اسلام قبول کرلیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب سنا تو فرط مسرت سے نعرۂ تکبیر بلند کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعرہ کے بعد تمام مسلمانوں نے اس زور سے نعرۂ تکبیر لگایا کہ مکہ کی گلیاں اور فضائیں اس نعرہ سے گونج اٹھیں۔ (البداية والنهاية: جلدنمبر ۲: ص ۳۱) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے اس وقت جبریل امین علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے آسمان والے بہت خوش ہوئے ہیں۔ (ابن ماجة: حديث نمبر ۱۰۳: مقدمة: باب ۱۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار اپنا ہاتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سینے پر مارا اور دعا کی: اے اللہ! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سینے سے کینہ نکال دے اور اس کو ایمان سے بدل دے۔

(مستدرک للحاکم: حديث نمبر ۴۴۹۲: جلدنمبر ۳: ص ۹۱)

حضرت عمر ﷛ نے اسلام قبول کرنے کے بعد عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! تم حق پر ہو خواہ تم مرو یا زندہ رہو مگر ابھی ہماری تعداد کم ہے اس لیے ہم خاموشی سے تبلیغ کر رہے ہیں۔ حضرت عمر ﷛ نے عرض کی: اب آپ اس دین کو ظاہر فرمائیے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ مسلمانوں کی معیت میں دار ارقم سے باہر تشریف لائے۔ حضرت عمر ﷛ اپنی تلوار لے کر آگے آگے چل رہے تھے اور بلند آواز سے لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کا ورد کر رہے تھے یہاں تک کہ مسجد حرام میں داخل ہوئے اور کفار قریش سے کہا: خبردار! اگر تم میں سے کسی نے حرکت کی کوشش کی تو میں تلوار سے اس کا سر اڑا دوں گا۔ نبی کریم ﷺ نے کعبہ کا طواف کیا اور حضرت عمر ﷛ تلوار لے کر نبی کریم ﷺ کی حفاظت کرتے رہے اور اسی دن نبی کریم ﷺ نے عمر ﷛ کو فاروق کا لقب عطا فرمایا۔

(السیرۃ الحلبیۃ: جلداول: ص ۴۷۳)

☆ ابی بن کعب ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جبریل امین میرے سامنے عمر ﷛ کی فضیلت بیان کرتے تھے تو ایک دفعہ میں نے پوچھا: اے جبریل! عمر ﷛ کی فضیلت کتنی ہے؟ اس نے کہا: اے محمد ﷺ! اگر میں آپ کے سامنے اتنا عرصہ رہوں جتنا عرصہ نوح ؑ اپنی قوم میں رہے تھے (یعنی ساڑھے نو سو سال) تو پھر بھی میں عمر ﷛ کی فضیلت کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ (تفسیر قرطبی: سورہ العنکبوت: زیر آیت نمبر ۱۴: جز ۱۳: ص ۳۳۴)

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعہ الکرم، انگلستان

بروز جمعہ بعد از نماز جمعہ ۹ نومبر ۲۰۰۷ء بمطابق ۲۸ شوال ۱۴۲۸ھ

آیاتہا ۱۳۵ — ۲۰ سورۃ طٰہٰ مکیۃ ۴۵ — رکوعاتہا ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

طٰهٰ ﴿۱﴾

۱۔ طا ھا۔[۱]

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿۲﴾

۲۔ ہم نے آپ پر یہ قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔[۲]

اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۳﴾

۳۔ بلکہ یہ تو نصیحت ہے اس کے لئے جو (اپنے رب سے) ڈرتا ہے۔

تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ﴿۴﴾

۴۔ یہ (قرآن) اس کی طرف سے اتارا ہوا ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا فرمایا۔[۳]

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿۵﴾

۵۔ وہ بہت ہی مہربان ہے (اور مطلق حکمرانی کے) عرش پر جلوہ فرما ہے۔[۴]

---

[۱] محمد علی صابونی لکھتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے اسمائے گرامی میں سے ایک طٰہٰ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا میں آپ کو طٰہٰ کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ (صفوۃ التفاسیر)

[۲] نزول قرآن کی ابتدا میں نبی کریم ﷺ ساری رات نوافل اور تلاوت قرآن میں کھڑے کھڑے گزار دیتے یہاں تک کہ قدم مبارک سوج جاتے اور دن بھر اہل مکہ کو قرآن کی تبلیغ کرتے، اس کے باوجود جب کفار مکہ کی غالب اکثریت ایمان نہ لائی تو آپ ان کی گمراہی پر بہت غمگین رہتے۔ اس آیت میں ان دونوں مشقتوں سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پیارے نبی ﷺ! ہم نے قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ وہ نیند و آرام بھی چھوڑ دیں جو انسانی زندگی کے لئے ضروری ہے۔ نیز کفار مکہ اگر قرآنی تعلیمات کو تسلیم نہیں کرتے تو آپ مشقت میں نہ پڑیں کیونکہ قرآن سے صرف وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جن کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر ہو۔

[۳] اس آیت میں قرآن مجید کی حقیقت اور فضیلت بیان کی گئی ہے یعنی یہ کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ اس اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا فرمایا۔

[۴] قرآن مجید کی آیت کے مطابق ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی شان کے لائق عرش پر جلوہ فرما ہے لیکن اس کی حقیقت اور

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ⑥

٦۔ اس کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے۔

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ⑦

۷۔ اور اگر آپ بلند آواز سے بات کریں تو بے شک وہ پوشیدہ اور پوشیدہ ترین باتوں کو بھی خوب جانتا ہے۔[۵]

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ⑧

۸۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کے لئے سب سے زیادہ خوب صورت نام ہیں۔[۶]

کیفیت کیا ہے یہ ہمارے ادراک سے بالاتر ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ صرف خالق کائنات ہی نہیں بلکہ مطلق حاکم اعلیٰ ہے اور کائنات کی بلندیوں اور پستیوں میں اسی کا حکم نافذ ہے۔

[۵] انسان بلند آواز سے بات کرے یا آہستہ سے، اللہ تعالیٰ دونوں صورتوں میں خوب جانتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تو وہ بات بھی جانتا ہے جو انسان نے اپنے دل میں چھپا رکھی ہے اور وہ بات بھی جانتا ہے جس کا ابھی اس انسان کو بھی علم نہیں ہے بلکہ وہ مستقبل میں اسے کرنے والا ہے۔ (تفسیر قرطبی)

[۶] یعنی جو ساری کائنات کا خالق، مالک اور حاکم مطلق ہے اور لوگوں کے پوشیدہ ترین رازوں سے باخبر ہے وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور سب سے بہترین نام اسی کے ہیں جن سے اس کو پکارا جائے۔

☆ حضرت ابوہریرہ ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، جو ان کو یاد کرلے وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (بخاری: حدیث نمبر ۲۷۳۶: کتاب الشروط: باب ۱۸)

☆ حضرت زید بن ارقم ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ پوچھا گیا: اخلاص کیا ہے؟ فرمایا: جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے ان سے باز رہے۔
(معجم اوسط: حدیث نمبر ۱۲۵۷: جلد ۲: ص ۱۳۷)

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری امت کے ایک شخص کو منتخب کر کے الگ کھڑا کر دے گا، پھر اس کے سامنے اس کے گناہوں کے ننانوے رجسٹر کھولے جائیں گے، ہر رجسٹر حد نگاہ تک بڑا ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: کیا تجھ کو ان میں سے کسی چیز کا انکار ہے؟ کیا میرے لکھنے والے محافظ فرشتوں نے تجھ پر کوئی ظلم کیا ہے؟ وہ کہے گا: نہیں یارب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تیرا کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا: نہیں یارب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے، آج تجھ پر بالکل ظلم نہیں ہوگا، پھر کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا جائے

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝۹

۹۔ اور کیا آپ کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی خبر پہنچی ہے؟

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝۱۰

۱۰۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے ایک آگ دیکھی تو انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا: تم (یہیں) ٹھہرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید میں اس سے تمہارے لئے کوئی چنگاری لے آؤں یا میں آگ سے (راستہ کے متعلق) کوئی راہنمائی پالوں۔ [۷]

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝۱۱

۱۱۔ پھر موسیٰ علیہ السلام جب اس آگ کے پاس پہنچے تو انہیں ندا دی گئی: اے موسیٰ علیہ السلام! [۸]

گا جس پر لکھا ہوگا: اشھدان لا الہ الا اللہ واشھدان محمداعبدہ ورسولہ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اب تم میزان پر حاضر ہو جاؤ۔ وہ کہے گا: اے میرے رب! ان رجسٹروں کے سامنے کاغذ کے اس ٹکڑے کی کیا حیثیت ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر میزان کے ایک پلڑے میں اس کے گناہوں کے (ننانوے) رجسٹر رکھے جائیں گے اور دوسرے پلڑے میں وہ کاغذ کا ٹکڑا رکھا جائے گا، پھر گناہوں کے رجسٹروں والا پلڑا ہلکا ہو جائے گا اور کاغذ کے پرزے والا پلڑا بھاری ہو جائے گا، سو اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز وزنی نہیں ہو سکتی۔

(ترمذی: ۲۶۳۹: ابواب الایمان: باب ۱۷)

[۷] یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کی یاددہانی فرمائی ہے تاکہ آپ کو اطمینان ہو جائے کہ صرف آپ ہی مشکلات کا شکار نہیں بلکہ پہلے انبیائے کرام کو بھی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین تشریف لائے، کئی سال حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں گزارے، اس دوران حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے آپ کی شادی بھی ہوگئی اور پھر اپنی بیوی کو ساتھ لے کر واپس مصر روانہ ہوگئے۔ سردی کا موسم تھا، کوہ طور کے قریب ایک اندھیری رات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دور ایک آگ دیکھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہلیہ سے فرمایا: تم یہاں ٹھہرو میں اس آگ کے پاس جاتا ہوں، شاید میں وہاں سے آگ کی چنگاری لے آؤں تاکہ ہم آگ جلا کر سردی سے بچ سکیں یا وہاں کوئی ایسا آدمی مل جائے جو ہمیں مصر جانے والا صحیح راستہ بتادے تاکہ ہم اندھیری رات میں ادھر ادھر بھٹکتے نہ پھریں۔

[۸] حضرت موسیٰ علیہ السلام جب وہاں پہنچے تو بڑا عجیب منظر دیکھا۔ ایک سرسبز وشاداب درخت ہے جس کو ایک عجیب قسم کی سفید نورانی آگ نے گھیر رکھا ہے۔ درخت کی سبزی اور آگ کی سفیدی دونوں اپنی اپنی جگہ بالکل نمایاں تھیں، نہ درخت کی سبزی آگ کی روشنی میں رکاوٹ تھی اور نہ آگ کی روشنی درخت کی سبزی سے مانع تھی۔ (تفسیر مظہری)

اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾

۱۲۔ بے شک میں ہی تمہارا رب ہوں، پس تم اپنے جوتے اتار دو، بے شک تم طویٰ کی مقدس وادی میں ہو۔

وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰى ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور میں نے تمہیں (اپنی رسالت کے لئے) چن لیا ہے، پس جو وحی کی جائے اسے پوری توجہ سے سنو۔[۹]

اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، پس تم میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لئے نماز قائم رکھو۔[۱۰]

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰى

۱۵۔ بے شک قیامت کی گھڑی آنے والی ہے میں اسے

اس اثناء میں اچانک ایک غیبی آواز آئی: اے موسیٰ علیہ السلام! یہ جو آگ تمہیں نظر آرہی ہے یہ آگ نہیں بلکہ میری تجلی ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ اب تم طویٰ کی مقدس وادی میں اپنے رب تعالیٰ سے ہم کلام ہو، لہٰذا اس مقدس وادی کے ادب و احترام میں اپنے جوتے اتار دو تا کہ آپ کے قدموں کو برکت حاصل ہو۔ (تفسیر المراغی)

[۹] یعنی میں نے آپ کی قوم میں سے آپ کو نبی اور رسول بنانے کے لئے منتخب کر لیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یقین تھا کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نبی کے اندر ایک ایسا ملکہ پیدا فرما دیتا ہے جس کی وجہ سے نبی کو کلام الٰہی اور ملک الوحی کے پہچاننے میں کوئی شک نہیں رہتا۔ اس کی تفصیل کے لئے سورہ یونس (۱۰) کا حاشیہ نمبر ۷۵ ملاحظہ کریں۔

نیز علامہ غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں کہ تمام متقدمین اور متاخرین کا اس پر اجماع ہے کہ نبی پیدائشی مومن ہوتا ہے اور وہ ایک آن کے لئے بھی ایمان کے بغیر نہیں ہوتا۔ (تفسیر تبیان القرآن)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت ایک وہبی چیز ہے، کوئی انسان عبادت اور ریاضت کے ذریعے نبی نہیں بن سکتا بلکہ یہ محض عطائے الٰہی ہے، جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے عطا فرما دیتا ہے۔

[۱۰] یہاں نماز کی ایک حکمت بیان کی جا رہی ہے یعنی تھوڑے تھوڑے وقفے کے ساتھ نماز قائم کر کے اللہ تعالیٰ کی یاد کو تازہ رکھو اور اس سے غافل نہ ہو جاؤ کیونکہ غافل لوگوں کو شیطان آسانی سے گمراہ کر لیتا ہے۔

اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ نماز قائم کرو تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں یاد کرے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ بھی اسے اپنی یاد سے سرفراز فرماتا ہے۔ اس سے بڑی خوش بختی اور کیا ہو گی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے بندے کو یاد کرے۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ⑮

پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر شخص کو اس کی کوشش کا بدلہ دیا جائے۔[١١]

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ⑯

١٦۔ پس وہ شخص جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے تمہیں قیامت (کو ماننے) سے ہرگز نہ روکے ورنہ تم بھی ہلاک ہو جاؤ گے۔[١٢]

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ⑰

١٧۔ اور اے موسیٰ! یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟[١٣]

قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ⑱

١٨۔ موسیٰ نے کہا: یہ میرا عصا ہے، میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور میں اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لئے کئی اور فائدے بھی ہیں۔[١٤]

قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ⑲

١٩۔ فرمایا: اے موسیٰ! اس کو (زمین پر) ڈال دو۔

---

[١١] موت اور قیامت ایک حقیقت ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے وقت کو پوشیدہ رکھا ہے تا کہ لوگ ہر وقت ڈرتے رہیں کہ خدا جانے کب قیامت بپا ہو جائے۔ اگر موت اور قیامت کا وقت بتا دیا جاتا تو لوگ اس لئے برائیوں میں مبتلا رہتے کہ ابھی بہت زندگی باقی ہے، جب موت اور قیامت کا وقت قریب آئے گا تو چند گھنٹے پہلے توبہ کر لیں گے اور عذاب سے بچ جائیں گے۔

[١٢] جو شخص قیامت پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے وہ ہلاکت کی طرف بڑھ رہا ہے اور قیامت کے دن جہنم رسید ہوگا، لہٰذا تم ایسے لوگوں کی بات ہرگز نہ مانو ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

[١٣] اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں عصا ہے مگر پوچھا اس لئے تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس عصا کی حقیقت اور اس کے خواص کو ذہن میں حاضر کر لیں اور پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کریں کہ کس طرح ایک بے جان لکڑی سے دوڑنے والا سانپ بن جاتا ہے۔

[١٤] اس سوال کے جواب میں صرف اتنا کہنا ہی کافی تھا کہ یہ میرا عصا ہے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب کو لمبا کیا تا کہ زیادہ دیر اپنے رب سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا رہے اور یہ انسانی فطرت ہے کہ جب وہ کسی عظیم اور محبوب ہستی سے ہم کلام ہوتا ہے تو بہت لطف اندوز ہوتا ہے اور گفتگو کو طول دینے کی کوشش کرتا ہے۔

فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی ⑳

٢٠۔ پس موسیٰ نے اس کو ڈال دیا تو اچانک وہ سانپ بن کر (ادھر ادھر) دوڑنے لگا۔[١٥]

قَالَ خُذْهَا وَ لَا تَخَفْ ٚ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی ㉑

٢١۔ فرمایا: اس کو پکڑ لو اور مت ڈرو، ہم اسے ابھی اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔

وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً اُخْرٰی ㉒

٢٢۔ اور اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دباؤ تو وہ بغیر کسی بیماری کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا، یہ دوسری نشانی ہے۔[١٦]

لِنُرِیَكَ مِنْ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰی ㉓

٢٣۔ تاکہ ہم آپ کو اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں۔

اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ㉔ ع

٢٤۔ تم فرعون کی طرف جاؤ، بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے۔[١٧]

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ㉕

٢٥۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میرے لئے میرا سینہ کشادہ فرما دے۔[١٨]

---

[١٥] اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا کے سانپ بن جانے کا مشاہدہ کرایا اور فرمایا: اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، جونہی آپ اس کو پکڑیں گے ہم اس کو پہلے کی طرح عصا بنا دیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سانپ کے منہ میں ہاتھ ڈال کر اس کے جبڑوں سے اسے پکڑا تو وہ پھر عصا بن گیا۔ تورات میں بھی اس معجزہ کا ذکر کیا گیا ہے۔
(دی لیونگ بائبل: خروج: ٤: ٤-٢)

[١٦] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں سے دو کا یہاں ذکر کیا گیا ہے، گزشتہ آیات میں عصا کا ذکر فرمایا اور اس آیت میں ید بیضا کا ذکر فرمایا یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ہاتھ کو بغل میں دبا کر باہر نکالتے تو وہ بغیر کسی بیماری کے چمکتا ہوا نکلتا اور ماحول کو روشن کر دیتا اور جب دوبارہ اپنے ہاتھ کو بغل میں دبا کر باہر نکالتے تو وہ اپنی پہلی حالت پر آ جاتا۔

[١٧] اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ دو معجزات عطا فرمانے کے بعد حکم دیا کہ تم فرعون کو حق کی طرف دعوت دو کیونکہ وہ سرکش ہو گیا ہے حتیٰ کہ اس نے سب سے بڑا رب ہونے کا دعویٰ بھی کر دیا ہے۔ (قرآن: ٧٩: ٢٤)

[١٨] فرعون صرف مصر کا حکمران ہی نہیں تھا بلکہ اپنے آپ کو سب سے بلند رب بھی سمجھتا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا مانگی جو گیارہ آیات پر مشتمل ہے یعنی اے میرے رب! میرے سینہ میں وہ وسعت، جرأت اور حوصلہ پیدا فرما جو رسالت کے لئے درکار ہے، اس مشن کے راستے میں

وَيَسِّرۡ لِيۤ اَمۡرِيۡ ﴿۲۶﴾	۲۶۔اور میرے لئے میرا کام آسان فرمادے۔
وَاحۡلُلۡ عُقۡدَةً مِّنۡ لِّسَانِيۡ ﴿۲۷﴾	۲۷۔اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔
يَفۡقَهُوۡا قَوۡلِيۡ ﴿۲۸﴾	۲۸۔تاکہ وہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ سکیں۔
وَاجۡعَلۡ لِّيۡ وَزِيۡرًا مِّنۡ اَهۡلِيۡ ﴿۲۹﴾	۲۹۔اور میرے لئے میرے گھر والوں میں سے ایک وزیر بنادے۔
هٰرُوۡنَ اَخِيۡ ﴿۳۰﴾	۳۰۔یعنی ہارون جو میرا بھائی ہے۔
اشۡدُدۡ بِهٖۤ اَزۡرِيۡ ﴿۳۱﴾	۳۱۔اس سے میری کمر کو مضبوط فرمادے۔
وَاَشۡرِكۡهُ فِيۡۤ اَمۡرِيۡ ﴿۳۲﴾	۳۲۔اور اس کو میرے کام میں میرا شریک بنادے۔
كَيۡ نُسَبِّحَكَ كَثِيۡرًا ﴿۳۳﴾	۳۳۔تاکہ ہم دونوں کثرت سے تیری پاکی بیان کریں۔
وَّنَذۡكُرَكَ كَثِيۡرًا ﴿۳۴﴾	۳۴۔اور ہم کثرت سے تیرا ذکر کریں۔
اِنَّكَ كُنۡتَ بِنَا بَصِيۡرًا ﴿۳۵﴾	۳۵۔بے شک تو ہمیں خوب دیکھنے والا ہے۔
قَالَ قَدۡ اُوۡتِيۡتَ سُؤۡلَكَ يٰمُوۡسٰى ﴿۳۶﴾	۳۶۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! تمہارا سوال پورا کردیا گیا۔[۱۹]

جو مشکلات ہیں ان کو آسان فرمادے اور میری زبان کی گرہ کھول دے یعنی میری لکنت دور کردے اور میری زبان میں روانی اور فصاحت پیدا فرمادے تاکہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ سکیں۔ دعا کے دوسرے حصہ میں عرض کرتے ہیں: میرے حوصلوں کو بلند رکھنے کے لئے میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو میرا وزیر اور میرے کام میں میرا شریک بنادے، اور دعا کے آخری حصہ میں عرض کرتے ہیں: اس دعا کا مقصد یہ ہے کہ ہم دونوں کثرت سے تیری پاکی بیان کریں۔ نیز تو ہماری ضرورتوں کو خوب جانتا ہے، اپنے فضل وکرم سے ہماری تمام ضرورتوں کو پورا فرمادے تاکہ ہم اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہو سکیں۔

[۱۹] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خوش خبری سنائی کہ ان کی ساری دعائیں قبول ہوگئی ہیں۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ﴿٣٧﴾

٣٧۔ اور بے شک ہم نے تم پر ایک بار پہلے بھی احسان فرمایا تھا۔[٢٠]

إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ﴿٣٨﴾

٣٨۔ جب ہم نے تمہاری ماں کو الہام کیا جو اب کیا جا رہا ہے۔[٢١]

أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ﴿٣٩﴾

٣٩۔ کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ دے، پھر اس (صندوق) کو دریا میں ڈال دے، پھر دریا اسے ساحل پر پھینک دے گا اور اسے وہ شخص اٹھا لے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس بچے کا بھی دشمن ہے، اور میں نے آپ کے اوپر اپنی طرف سے خاص محبت ڈال دی اور تاکہ تمہاری پرورش میری آنکھ کے سامنے کی جائے۔

---

[٢٠] قبولیت دعا کی خوش خبری سنانے کے بعد اب ایک ایسے احسان کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بن مانگے آپ کو عطا فرمایا تھا یعنی پیدائش کے وقت آپ کو قتل ہونے سے بچا لیا جس کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

[٢١] فرعون کو نجومیوں نے بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے جو اس کے اقتدار کے زوال کا سبب بنے گا۔ اس لئے فرعون نے بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ہر بچے کو قتل کرنے کا حکم جاری کر دیا تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ انہی دنوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو الہام فرمایا یعنی اس کے دل میں یہ تدبیر ڈال دی کہ اس بچے کو صندوق میں ڈال کر دریائے نیل میں ڈال دے اور فکر نہ کرے۔ دریا اس کو ساحل پر لے آئے گا اور فرعون اس کو اٹھا لے گا جو اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں کا دشمن ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن اس لئے تھا کہ وہ مشرک تھا بلکہ اپنے آپ کو خدا کہلاتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دشمن اس لئے کہا گیا کیونکہ مستقبل میں وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دشمنی کرنے والا تھا اور اب بھی حقیقت میں تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دشمن تھا مگر اسے علم نہیں تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی وہ بچے ہیں جو اس کے اقتدار کے زوال کا سبب بنیں گے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت اسے علم ہو جاتا تو وہ آپ کو ضرور قتل کراتا مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کے ایسے اسباب پیدا کر دیئے جو فرعون کی سمجھ سے بالاتر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی خاص محبت اور رحمت سے ایسا خوبصورت بنایا کہ جو بھی آپ کو دیکھتا آپ کے

اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ یَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤى اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ ؕ۬ وَ قَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۫۬ فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ ۙ۬ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ یّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾

۴۰۔ اور یاد کرو جب تمہاری بہن چلتی ہوئی (فرعون کے محلات میں) آئی اور کہنے لگی: کیا میں تمہیں وہ شخص بتاؤں جو اس بچے کی پرورش کرے، پھر ہم نے آپ کو آپ کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو، [۲۲] اور (یاد کرو جب) آپ نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا، پھر ہم نے آپ کو اس غم سے بھی نجات دی [۲۳] اور آپ کو اچھی طرح آزمالیا، [۲۴] پھر آپ کئی سال اہل

حسن کا گرویدہ ہو جاتا۔ ایک دن فرعون اپنی بیوی کے ساتھ دریائے نیل کا نظارہ کر رہا تھا۔ جب اس نے دریا میں ایک صندوق تیرتا ہوا دیکھا تو اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ اس صندوق کو میرے پاس لے آؤ۔ جب صندوق کھولا گیا تو اس میں ایک حسین اور دلکش بچہ نظر آیا جس کو فرعون نے اپنی بیوی آسیہ کی خواہش پر شاہی محلات میں رکھنے اور پرورش کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی خصوصی حفاظت اور نگرانی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پرورش پائی۔

[۲۲] حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے اپنے بیٹے کو دریا میں ڈالنے کے بعد اپنی بیٹی سے کہا کہ اس صندوق پر نگاہ رکھے یہ کہاں جاتا ہے؟ جب یہ صندوق فرعون کے محلات میں پہنچ گیا اور فرعون کی بیوی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کے لئے کئی عورتوں کو بلایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن بھی آگئی اور دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کا دودھ نہیں پیتے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے فرعون کی بیوی سے کہا: میں تمہیں ایک عورت بتاتی ہوں جس کا دودھ یہ بچہ پی لے گا۔ چنانچہ وہ اپنی ماں کو بلا لائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کی بیوی بڑی خوش ہوئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں سے کہا: تم یہاں محلات میں رہ کر اس بچے کی پرورش کرو، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے کہا: میں اپنے خاوند اور بچوں کو چھوڑ کر یہاں نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ وہ بچے کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے جائے، وہیں اس کی پرورش کرے اور اس کی اجرت شاہی خزانہ سے دی جائے گی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واپس اپنی ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے اجرت اس لئے قبول کی تاکہ اس کا راز فاش نہ ہو کہ یہ تو بچہ کی اصلی ماں ہے۔

[۲۳] یہ ایک دوسرا احسان ہے جس کا ذکر آگے سورہ قصص (۲۸) کی آیت نمبر ۱۵ میں آئے گا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بارہ سال کی عمر میں غیر ارادی طور پر ایک قبطی مارا گیا اور قبطیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مصر سے نکال کر مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچا دیا۔

[۲۴] اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کئی بار آزمایا اور ان آزمائشوں میں کامیابی سے سرفراز فرمایا مثلاً پیدائش کے وقت قتل

مدین میں ٹھہرے رہے، پھر اے موسیٰ! آپ ایک مقررہ وقت پر یہاں آگئے۔[۲۵]

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝ ۴۱

۴۱۔ اور میں نے آپ کو اپنے (پیغام کے) لئے چن لیا ہے۔[۲۶]

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝ ۴۲

۴۲۔ آپ اور آپ کے بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جائیں اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔[۲۷]

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ ۴۳

۴۳۔ آپ دونوں فرعون کے پاس جائیں بے شک وہ سرکش ہوگیا ہے۔

ہونے سے بچایا، جب ماں نے صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا تو پانی میں ڈوبنے سے بچایا اور جب آپ سے قبطی قتل ہوگیا تو آپ کو قبطیوں سے بچا کر مدین میں لے آیا۔

[۲۵] جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر چالیس برس ہوگئی تو آپ کوہ طور کے پاس آگئے جو آپ کے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے اور آپ کو نبوت عطا کرنے کے لئے مقدر تھا۔

نبوت کے لئے عمومی عمر چالیس سال ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ نبی کو چالیس سال کی عمر کے بعد مبعوث کیا جاتا ہے۔ اگرچہ بعض انبیائے کرام یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر سے پہلے نبوت عطا کی گئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے لیکن اس کی سنت یہ ہے کہ نبوت چالیس سال کی عمر پوری ہونے کے بعد عطا کی جاتی ہے، جیسا کہ اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین کی طرف گئے تو ان کی عمر بارہ سال تھی، پھر دس سال وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چراتے رہے، پھر حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی کے ساتھ شادی ہوجانے کے بعد مزید ۱۸ سال اپنی بیوی کے ساتھ مدین میں رہے اور ان کا ایک بیٹا ہوا۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر مکمل چالیس سال ہوگئی اور یہ وہ مدت ہے جس کے پورے ہونے پر انبیاء کو مبعوث کرنے کی اللہ تعالیٰ کی عادت مبارکہ ہے۔ (بحر محیط)

[۲۶] اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا نبی اور رسول بنانے کے لئے منتخب فرمالیا۔

[۲۷] اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام سے فرمایا: تم دونوں میری آیات یعنی معجزات، دلائل اور تورات کے احکام لے کر فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ وہ سرکش ہوگیا ہے، لیکن مشکلات پر قابو پانے اور اپنے حوصلوں کو بلند

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾

۴۴۔ آپ دونوں اس سے نرمی سے گفتگو کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرے یا (میرے غضب سے) ڈرے۔

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾

۴۵۔ ان دونوں نے عرض کیا: اے ہمارے رب! بے شک ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا سرکشی کرے گا۔

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں ڈرو نہیں بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں (سب کچھ) سنتا اور دیکھتا ہوں۔ [۲۸]

فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾

۴۷۔ پس تم دونوں اس کے پاس جاؤ اور (اسے) کہو: بے شک ہم دونوں تیرے رب کے رسول ہیں، پس تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور ان کو تکلیف نہ دے، بے شک ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں، اور اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ [۲۹]

رکھنے کے لئے کثرت سے مجھے یاد کرنا اور اس میں کبھی سستی نہ کرنا۔ نیز فرعون سے اس امید پر نرمی سے گفتگو کرنا کہ شاید وہ نصیحت قبول کرے یا میرے غضب سے ڈرے۔

ان آیات میں مُبلّغ کے لئے درس ہدایت ہے کہ جب وہ کسی غیر مسلم کو اسلام پیش کرنا چاہے تو پوری تیاری، تحقیق اور دلائل کے ساتھ جائے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے اور گفتگو میں سختی نہ کرے بلکہ نرم رویہ اختیار کرے کیونکہ سخت کلامی سے لوگ نفرت کرتے ہیں اور نرم گفتگو سے مانوس ہوتے ہیں اور بات کو سننے میں دلچسپی ظاہر کرتے ہیں۔

[۲۸] حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے فرعون کی سرکشی کے پیش نظر عرض کیا: اے ہمارے رب! جب ہم فرعون کو ہدایت کی دعوت دیں گے تو ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ فرعون کے ہر قول و فعل کو خوب سنتا اور دیکھتا ہوں، لہٰذا تم فرعون سے مت ڈرو، میں تمہاری حفاظت کروں گا اور فرعون کے ہر حربے کو ناکام بنادوں گا۔

[۲۹] یعنی تم دونوں فرعون کے پاس جاکر کہو: ہم تیرے رب کے رسول ہیں اور اس کی طرف سے نبوت کی نشانی یعنی معجزات لے

اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴿۴۸﴾	۴۸۔ بے شک ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ اسی پر عذاب ہوگا جس نے (کلام الٰہی کو) جھٹلایا اور اس سے روگردانی کی۔
قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا یٰمُوْسٰی ﴿۴۹﴾	۴۹۔ فرعون نے پوچھا: اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟[۳۰]
قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ﴿۵۰﴾	۵۰۔ موسیٰ نے فرمایا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کا مخصوص وجود بخشا، پھر اس کی راہنمائی کی۔[۳۱]
قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی ﴿۵۱﴾	۵۱۔ فرعون نے کہا: تو پہلی قوموں کا کیا حال ہوا؟[۳۲]
قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ ۚ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی ﴿۵۲﴾	۵۲۔ موسیٰ نے فرمایا: ان کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں ہے، میرا رب نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔[۳۳]

کر آئے ہیں۔ تم بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ واپس شام جانے کی اجازت دے دو اور مزید ایذا نہ پہنچاؤ۔ اور تم لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا پیغام یہ ہے کہ جس نے ہدایت کی پیروی کی اس پر سلامتی ہوگی اور جس نے کلام الٰہی کو جھٹلایا اور اس سے روگردانی کی اس پر عذاب ہوگا۔

[۳۰] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا کہ ہم تیرے رب کے رسول ہیں تو فرعون حیران ہو کر کہنے لگا میں تو خود اہل مصر کا رب ہوں، میرا کوئی رب نہیں ہے اور اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو بتاؤ تمہارا رب کون ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟

[۳۱] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کا ایک مخصوص وجود بخشا جو اس کے ماحول کے مطابق ہے اور پھر اس کی فطرت میں ایسی ہدایت رکھ دی جو اس کے مقصد حیات اور ذریعہ معاش کے مطابق ہے یعنی انسان، حیوان اور نباتات وغیرہ کو اللہ تعالیٰ نے ماحول کے مطابق وجود بخشا اور ضرورت کے مطابق فطری صلاحیتیں عطا فرمائیں۔

[۳۲] اس مسکت جواب کے بعد فرعون نے گفتگو کا رخ بدلنے کے لئے کہا: اچھا آپ یہ بتائیں کہ پہلی قوموں میں جو اللہ تعالیٰ کی منکر تھیں ان کا کیا حال ہوا تھا؟

[۳۳] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ توحید کا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے فرعون کے اس غیر متعلقہ سوال کو ٹال دیا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے پہلی قوموں کے احوال کسی حکمت کے پیش نظر لوح محفوظ میں لکھ دیئے ہیں اور قیامت کے دن ان کے مطابق انہیں جزا

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾

۵۳۔ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور اس میں تمہارے چلنے کے لئے راستے بنائے اور آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ مختلف نباتات کے جوڑے پیدا کئے۔[۳۴]

كُلُوْا وَ ارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى ﴿۵۴﴾ؑ

۵۴۔ تم کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ، بے شک اس میں عقل والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾

۵۵۔ اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ تمہیں نکالیں گے۔[۳۵]

وَ لَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَ اَبٰى ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اور بے شک ہم نے فرعون کو اپنی ساری نشانیاں دکھائیں، پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کر دیا۔

اور سزا دے گا، لیکن اللہ تعالیٰ کا علم لوح محفوظ کا محتاج نہیں ہے بلکہ وہ ہر چیز کا ایسا کامل اور ابدی علم رکھتا ہے جس میں کسی خطا اور بھول کا امکان نہیں ہے۔

[۳۴] یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو ہموار بنایا تاکہ تم اس میں اپنے ٹھکانے بنا سکو، اس زمین کے پہاڑوں اور اس کی خشکی اور تری میں تمہارے لئے راستے بنائے تاکہ تم اپنی ضروریات کے لئے ان میں سفر کر سکو اور بارش کے پانی کے ذریعہ اس زمین سے تمہارے لئے مختلف قسم کی نباتات پیدا فرمائیں تاکہ تم اپنی اور اپنے مویشیوں کی خوراک کا انتظام کر سکو۔ ان چیزوں میں عقل والوں کے لئے ایسی واضح نشانیاں موجود ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کی نشاندہی کرتی ہیں۔

[۳۵] سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن سے نسل انسانی کا سلسلہ شروع ہوا اور ان کو مٹی سے پیدا کیا گیا، اس لئے اصل کا اعتبار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے تمہیں اس زمین سے پیدا کیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد نسل انسانی کا سلسلہ نطفہ کے ذریعہ جاری ہوا تو چونکہ انسان کا بدن اور اس میں نطفہ جن غذاؤں سے پرورش پاتا ہے وہ زمین سے پیدا ہوتی ہیں اس لئے انسان کی نسبت بھی زمین کی طرف کر دی گئی ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے سورہ انعام (۶) کی آیت نمبر ۲ حاشیہ نمبر ۲ ملاحظہ کریں) پھر مرنے کے بعد اسی زمین میں دفن ہوتا ہے اور قیامت کے دن بھی زمین ہی سے دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

قَالَ اَجِئۡتَنَا لِتُخۡرِجَنَا مِنۡ اَرۡضِنَا بِسِحۡرِكَ يٰمُوۡسٰى ۝۵۷

۵۷۔ اس نے کہا: اے موسیٰ! کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ تم اپنے جادو کے ذریعہ ہمیں ہمارے ملک سے نکال دو؟

فَلَنَاۡتِيَنَّكَ بِسِحۡرٍ مِّثۡلِهٖ فَاجۡعَلۡ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكَ مَوۡعِدًا لَّا نُخۡلِفُهٗ نَحۡنُ وَلَاۤ اَنۡتَ مَكَانًا سُوًى ۝۵۸

۵۸۔ سو ہم بھی تمہارے مقابلے میں ضرور ایسا ہی جادو لائیں گے، پس تم اپنے اور ہمارے درمیان وقت مقرر کرلو کہ نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں اور نہ ہی تم، (یہ مقابلہ) کھلے میدان میں ہو۔ [۳۶]

قَالَ مَوۡعِدُكُمۡ يَوۡمُ الزِّيۡنَةِ وَاَنۡ يُّحۡشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝۵۹

۵۹۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: جشن کا دن تمہارے وعدے کا دن طے ہوگیا اور یہ کہ چاشت کے وقت سارے لوگ جمع ہو جائیں۔

فَتَوَلّٰى فِرۡعَوۡنُ فَجَمَعَ كَيۡدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ۝۶۰

۶۰۔ پھر فرعون واپس گیا، اپنے مکر و فریب کو جمع کیا اور پھر آ گیا۔ [۳۷]

قَالَ لَهُمۡ مُّوۡسٰى وَيۡلَكُمۡ لَا تَفۡتَرُوۡا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسۡحِتَكُمۡ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدۡ خَابَ مَنِ افۡتَرٰى ۝۶۱

۶۱۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا: تم پر افسوس ہے، اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان نہ باندھو ورنہ اللہ تعالیٰ عذاب کے ذریعہ تمہارا نام و نشان مٹا دے گا اور جس نے بھی (اللہ تعالیٰ پر) بہتان باندھا وہ نامراد ہی رہا۔ [۳۸]

---

[۳۶] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب نبوت کی نشانی یعنی ید بیضا اور عصا کے معجزات دکھائے تو فرعون نے نہ صرف آپ کی نبوت کا انکار کیا بلکہ آپ کے معجزات کو جادو قرار دیا اور کہنے لگا: تم اس جادو کے ذریعہ ہمیں مصر سے نکال کر یہاں قبضہ کرنا چاہتے ہو، لہٰذا ہم تمہارے جادو کا مقابلہ کریں گے۔ آؤ کھلے میدان میں اعلانیہ مقابلے کا دن اور وقت مقرر کریں اور اس کی کوئی بھی خلاف ورزی نہ کرے۔

[۳۷] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: مقابلے کے لئے آنے والا وہی دن مقرر کر لیتے ہیں جس میں تمہاری قوم چاشت کے وقت کھلے میدان میں جمع ہو کر جشن مناتی ہے تا کہ سارے لوگ دن کی روشنی میں حق و باطل کا مشاہدہ کرسکیں۔ چنانچہ فرعون اپنے ملک کے نامور جادوگروں کو لے کر وقت مقررہ پر کھلے میدان میں آ گیا۔

[۳۸] اس کھلے میدان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو وعظ فرمایا کہ تم فرعون کو رب مان کر اور معجزات کو جادو کہہ کر اللہ

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَ اَسَرُّوا النَّجْوٰى ⑫

٦٢۔ پس وہ (جادوگر) اپنے معاملہ میں باہم جھگڑ پڑے اور چپکے چپکے مشورے کرنے لگے۔[٣٩]

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ⑬

٦٣۔ وہ کہنے لگے: بے شک یہ دونوں جادوگر ہیں جو چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے ذریعہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دیں اور تمہارے مثالی طریق زندگی کو مٹادیں۔

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ⑭

٦٤۔ پس تم اپنی ساری تدبیریں جمع کرلو اور قطار باندھ کر (اکٹھے میدان میں) آؤ اور آج کے دن وہی کامیاب ہوگا جو غالب رہا۔[٤٠]

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ⑮

٦٥۔ جادوگر بولے: اے موسیٰ! کیا تم پہلے ڈالو گے یا ہم پہلے ڈالنے والے ہو جائیں؟

قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ⑯

٦٦۔ موسیٰ نے فرمایا: بلکہ تم ہی پہلے ڈالو، پس اچانک موسیٰ کو خیال ہوا کہ ان کے جادو سے ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں۔[٤١]

تعالیٰ پر جھوٹا بہتان نہ باندھو ورنہ اللہ تعالیٰ عذاب کے ذریعہ تمہارا نام ونشان مٹادے گا اور تم سے پہلے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا وہ نامراد ہی رہے۔

[٣٩] حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وعظ سننے کے بعد جادوگروں میں باہم اختلاف ہوگیا اور وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے، بعض نے کہا: یہ جادوگر ہے اور بعض نے کہا: یہ نبی لگتا ہے کیونکہ اس کی گفتگو جادوگروں والی نہیں مگر فرعون کے ڈر سے سارے کہنے لگے: یہ دونوں نبی نہیں بلکہ جادوگر ہیں جو تمہیں مصر سے نکال کر تمہارے مذہب اور تمدن کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔

[٤٠] پس تم اپنے سارے کرتب اور تدبیریں یکجا کرو اور قطار باندھ کر اس طرح اکٹھے میدان میں نکلو کہ وہ دونوں تمہیں دیکھ کر گھبرا جائیں اور یاد رکھو اگر آج وہ غالب آ گئے تو ہمیشہ وہی کامیاب رہیں گے۔

[٤١] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے فرمایا: پہلے تم سارے مل کر اپنی طاقت دکھالو، پھر میں نبوت کی طاقت دکھاؤں گا، چنانچہ جادوگروں نے جب اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسے محسوس ہونے لگا جیسے سانپ دوڑ رہے ہوں۔

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰى ﴿٦٧﴾

٦٧۔ تو موسیٰ نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔ [٤٢]

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿٦٨﴾

٦٨۔ ہم نے فرمایا: مت ڈرو، یقیناً تم ہی غالب رہو گے۔

وَ اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ وَ لَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰى ﴿٦٩﴾

٦٩۔ اور جو تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے اس کو ڈال دو وہ ان کی تمام کاریگری کو نگل جائے گا، انہوں نے جو کاریگری کی ہے وہ فقط جادوگر کا فریب ہے، اور جادوگر جہاں بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا۔ [٤٣]

فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى ﴿٧٠﴾

٧٠۔ چنانچہ سب جادوگر بے اختیار سجدہ میں گر گئے اور کہنے لگے: ہم ہارون علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے رب پر ایمان لے آئے۔ [٤٤]

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ وَ لَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبْقٰى ﴿٧١﴾

٧١۔ فرعون نے کہا: تم اس پر ایمان لے آئے اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دوں، بے شک یہی تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے، پس میں ضرور تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف جانب سے کاٹوں گا اور تم کو ضرور کھجور کے تنوں میں سولی چڑھاؤں گا اور تم ضرور جان لو گے کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیر پا ہے۔ [٤٥]

[٤٢] ہر چند کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یقین تھا کہ یہ لاٹھیاں اور رسیاں ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہے مگر بشری تقاضوں کے پیش نظر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب خوف محسوس ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے تسلی دی: ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے۔

[٤٣] اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنا عصا ڈال دیں۔ چنانچہ آپ کا عصا ایک اژدھا بن کر جادوگروں کی رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل گیا کیونکہ وہ جادو کا فریب تھا اور معجزہ کے مقابلہ میں جادو کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

[٤٤] حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر جادوگروں کو یقین ہو گیا کہ آپ جادوگر نہیں، لہٰذا انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رب پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا اور وہ اس طرح بے اختیار سجدے میں گر پڑے جیسے معجزۂ عصا اور عرفان حق نے انہیں سجدہ ریز ہونے پر مجبور کر دیا ہو۔

[٤٥] فرعون نے کہا: میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں، تم میری اجازت کے بغیر اس پر ایمان کیوں لائے۔ لگتا ہے جیسے تم نے

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ﴿۷۲﴾

۷۲۔ انہوں نے کہا: ہمیں اس اللہ کی قسم ہے جس نے ہمیں پیدا کیا! ہم تجھے ان واضح دلائل پر ہرگز ترجیح نہیں دیں گے جو ہمارے پاس آچکے ہیں، پس تو ہمارے بارے میں جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے کرلے، تو صرف اسی دنیا کی زندگی کے بارے میں ہی فیصلہ کرسکتا ہے۔[۴۶]

اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾

۷۳۔ بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لائے ہیں تاکہ وہ ہماری خطائیں بخش دے اور اس جادو کو بھی جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا، [۴۷] اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

اسی سے جادو سیکھا ہے اور تم نے میری حکومت کے خلاف سازش کرتے ہوئے اپنے بڑے استاد کے سامنے دانستہ شکست تسلیم کرلی ہے، لہٰذا میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ کر تمہیں سولی پر چڑھادوں گا، پھر تمہیں یقین ہوجائے گا کہ موسیٰ کے رب کا عذاب زیادہ سخت ہے یا میرا عذاب زیادہ سخت ہے۔

[۴۶] فرعون کی طرف سے سخت دھمکی کے باوجود جادوگروں نے اسے کہا: معجزات کا مشاہدہ کرنے کے بعد ہم تجھے اس رب پر ترجیح نہیں دے سکتے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے اور ہمیں ہدایت نصیب فرمائی ہے، لہٰذا تم ہمیں جو سزا دینا چاہتے ہو دے لو اور یاد رکھو تم صرف اس دنیا میں ہمیں تکلیف پہنچا سکتے ہو، تیرے مرنے کے بعد تیرا اختیار ختم ہوجائے گا اور تو خود اپنے کفر کے عذاب میں مبتلا ہوجائے گا لیکن اللہ تعالیٰ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، اگر ہم اپنے خالق حقیقی کے نافرمان رہے تو وہ ہمیں مرنے کے بعد بھی سزا دینے پر قادر ہے۔

[۴۷] جادوگر پہلے تو انعام کے لالچ میں مقابلہ کے لئے تیار تھے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھنے کے بعد انکار کرنے لگے جیسا کہ علامہ سید محمود آلوسی روایت کرتے ہیں کہ فرعون نے جب جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے بلایا تو جادوگروں نے فرعون سے کہا کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلے سوتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہیں ایسا موقع فراہم کیا گیا۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سو رہے ہیں اور ان کا عصا ان پر پہرا دے رہا ہے۔ یہ دیکھ کر جادوگروں نے فرعون سے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگر نہیں ہیں کیونکہ جادوگر جب سوتا ہے تو اس وقت اس کا جادو کام نہیں کرتا مگر فرعون نے انہیں مقابلہ کرنے پر مجبور کیا۔ (تفسیر روح المعانی) پھر مقابلے کے میدان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وعظ سننے کے بعد بھی جادوگروں کو مزید احساس ہوگیا تھا کہ آپ جادوگر نہیں بلکہ نبی ہیں اور نبی کا مقابلہ کرنا درست نہیں مگر فرعون کے ڈر سے مجبور ہوکر انہیں مقابلہ کرنا پڑا اور جب عصا کا معجزہ بالکل روز روشن کی طرح ان کی رسیاں نگل گیا تو جادوگر ایمان لے آئے تاکہ

إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ ۖ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ﴿٧٤﴾

۷۴۔ بے شک جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم بن کر آئے گا تو یقیناً اس کے لئے جہنم ہے جس میں نہ وہ مرے گا اور نہ جیئے گا۔[۴۸]

اللہ تعالیٰ ان کی خطائیں بخش دے اور خاص کر اس جادو کی خطا کو بخش دے جو انہیں معجزہ کے مقابلہ میں کرنا پڑی تھی۔

فرعون کی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہا کا ایمان لانا

اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ فرعون کی بیوی لوگوں سے پوچھتی رہی کہ اس معرکہ میں کون غالب آیا؟ جب اس کو بتایا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام غالب آگئے تو اس نے فوراً اعلان کر دیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لے آئی۔ فرعون نے بعض درباریوں کو اپنی بیوی کے پاس بھیجا کہ اگر وہ اپنے ایمان سے رجوع نہ کرے تو اس کے اوپر پتھر کی ایک بھاری چٹان گرا دو۔ جب وہ لوگ اس کے پاس آئے تو آسیہ رضی اللہ عنہا نے آسمان کی طرف اپنی نظر اٹھائی، ان کو جنت میں اپنا مکان نظر آیا، وہ اپنے ایمان پر قائم رہیں اور اسی حال میں ان کی روح قبض کر لی گئی اور جب ان کے جسم پر وہ بھاری چٹان گرائی گئی تو ان کے جسم سے روح پہلے ہی پرواز کر چکی تھی اور چٹان ان کے بے جان جسم پر گری۔ (تفسیر قرطبی)

اسلام میں خواتین کا کردار

۱۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا: سب اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت محمد ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والی ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔

(الکامل: ابن اثیر: جلد دوم: ص ۳۷، السیرۃ النبویۃ: ابن ہشام: جلد اول: ص ۲۲۴)

صحابہ کرام میں دو ہستیاں ایسی گزری ہیں جنہوں نے اپنی ساری دولت اسلام کی تبلیغ میں خرچ کر دی۔ وہ دو ہستیاں حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے یہ دونوں بڑے دولت مند تھے اور جب انہوں نے وفات پائی تو ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ (ضیاء النبی: جلد دوم: ص ۴۳۰)

۲۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا: اسلام میں سب سے پہلے شہادت کی سعادت حاصل کرنے والی حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کی شہادت کی تفصیل کے لئے سورہ نحل (۱۶) کی آیت نمبر ۱۰۶ کا حاشیہ نمبر ۹۷ ملاحظہ کریں۔

[۴۸] اللہ تعالیٰ کے مجرم یعنی کافر کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور شدید عذاب کے باعث جہنم میں اس کی زندگی ایسی نہیں ہوگی جس سے اسے کوئی نفع حاصل ہو بلکہ اس زندگی کے بجائے مرجانا ہزار درجے بہتر ہوگا تاکہ عذاب سے چھٹکارا مل جائے لیکن وہاں موت بھی نہیں آئے گی، لہٰذا جہنمی کا حال بڑا عجیب ہوگا، نہ وہ مرے گا اور نہ ہی جینے کی خواہش کرے گا بلکہ موت و حیات کی کشمکش میں ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گا۔

وَ مَنۡ يَّاۡتِهٖ مُؤۡمِنًا قَدۡ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓـئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الۡعُلٰىۙ ﴿۷۵﴾

۷۵۔ اور جو شخص اس کے پاس مومن بن کر حاضر ہوگا اس حال میں کہ اس نے نیک عمل کئے ہوں تو ان ہی لوگوں کے لئے بلند درجات ہیں۔ [۴۹]

جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا‌ ؕ وَذٰ لِكَ جَزٰٓؤُا مَنۡ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾

۷۶۔ یعنی سدا بہار باغات جن کے نیچے نہریں رواں ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ صلہ ہے ہر اس شخص کا جس نے پاکیزگی اختیار کی۔

وَلَقَدۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰٓىۙ اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِىۡ فَاضۡرِبۡ لَهُمۡ طَرِيۡقًا فِى الۡبَحۡرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخۡشٰى ﴿۷۷﴾

۷۷۔ اور بے شک ہم نے موسیٰؑ کی طرف وحی بھیجی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے کر چل پڑو، پھر ان کے لئے سمندر میں (عصا کی ضرب سے) خشک راستہ بنالو، نہ تمہیں پیچھے سے پکڑے جانے کا خوف ہوگا اور نہ (ڈوبنے کا) اندیشہ ہوگا۔ [۵۰]

فَاَتۡبَعَهُمۡ فِرۡعَوۡنُ بِجُنُوۡدِهٖ فَغَشِيَهُمۡ مِّنَ الۡيَمِّ مَا غَشِيَهُمۡؕ ﴿۷۸﴾

۷۸۔ پھر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کیا تو سمندر (کی موجوں) نے ان کو ڈھانپ لیا جیسا کہ ڈھانپ لیا۔

وَاَضَلَّ فِرۡعَوۡنُ قَوۡمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾

۷۹۔ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کردیا اور انہیں سیدھا راستہ نہ دکھایا۔ [۵۱]

[۴۹] جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور نیک عمل کئے یعنی غلط عقائد اور برے اعمال سے دور رہے، ان کے لئے بلند درجات اور سدا بہار باغات ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

[۵۰] جب فرعون ایمان بھی نہ لایا اور بنی اسرائیل کو بھی آزاد کرنے پر آمادہ نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ تم مسلمانوں کو لے کر رات کے وقت مصر سے ہجرت کر جاؤ اور جب سمندر کے کنارے پر پہنچو تو اس میں اپنے عصا کی ضرب لگانا، سمندر میں خشک راستہ بن جائے گا تم بے خوف ہو کر اس راستہ کے ذریعہ سمندر پار کر لینا، چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے ایسا ہی کیا اور جب فرعون اور اس کا لشکر بھی اس راستہ پر چلے تو وہ سمندر میں غرق ہو گئے۔

[۵۱] اس سے معلوم ہوا جو لیڈر خود گمراہ ہو وہ اپنی قوم اور اپنے پیچھے چلنے والوں کو بھی گمراہ کر دیتا ہے جس طرح فرعون خود بھی ڈوب گیا اور اپنی قوم کو بھی لے ڈوبا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾

۸۰۔ اے بنی اسرائیل! بے شک ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور ہم نے تم سے (کوہ) طور کی دائیں جانب کا وعدہ کیا اور ہم نے تم پر من وسلوٰی اتارا۔ [۵۲]

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾

۸۱۔ ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں دی ہیں اور اس میں حد سے تجاوز نہ کرو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب نازل ہوتا ہے تو وہ یقینا (تباہی کے گڑھے میں) گر جاتا ہے۔ [۵۳]

وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾

۸۲۔ اور بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں اس شخص کو جس نے توبہ کی، ایمان لایا اور نیک عمل کیا، پھر ہدایت پر (قائم) رہا۔ [۵۴]

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾

۸۳۔ اور اے موسیٰ! کیا چیز تمہیں اپنی قوم سے (پہلے کوہ طور پر) جلدی لے آئی؟ [۵۵]

---

[۵۲] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنے احسان یاد کرائے یعنی تمہیں فرعون کے مظالم سے نجات دی، تمہاری ہدایت کے لئے کوہ طور پر حضرت موسیٰ کو تورات دینے کا وعدہ کیا اور تمہاری خوراک کے لئے من وسلوٰی اتارا تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ من وسلوٰی کے لئے سورہ بقرہ (۲) کی آیت نمبر ۵۷ اور حاشیہ نمبر ۷۴ ملاحظہ کریں۔

[۵۳] پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور حد سے تجاوز نہ کرو یعنی پاکیزہ چیزیں کھانے میں اسراف نہ کرو اور حرام کھانے سے اجتناب کرو، ورنہ تم تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔

[۵۴] اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے مگر اس کی بخشش کا مستحق وہ شخص قرار پاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے توبہ کرے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور اس ہدایت پر ہمیشہ قائم رہے۔

[۵۵] فرعون سے نجات پانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لینے کے لئے جلدی سے کوہ طور پر پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا: اے موسیٰ علیہ السلام! تم اپنی قوم سے پہلے جلدی کیوں آ گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: میری قوم بھی میرے پیچھے قریب ہی ہے، میں نے تیری ملاقات کے شوق میں جلدی کی تاکہ تیری رضا اور خوشنودی حاصل کروں۔

قَالَ هُمْ أُولَآءِ عَلَىٰٓ أَثَرِى وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ﴿٨٤﴾

٨٤۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: وہ بھی میرے پیچھے ہی ہیں اور اے میرے رب! میں نے تیرے حضور آنے میں جلدی اس لئے کی تا کہ تو راضی ہو جائے۔

قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنۢ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ ٱلسَّامِرِىُّ ﴿٨٥﴾

٨٥۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ہم نے تمہارے بعد تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا اور انہیں سامری نے گمراہ کر دیا۔[٥٦]

فَرَجَعَ مُوسَىٰٓ إِلَىٰ قَوْمِهِۦ غَضْبَٰنَ أَسِفًا ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ ٱلْعَهْدُ أَمْ أَرَدتُّمْ

٨٦۔ پس موسیٰ علیہ السلام غصے اور غم سے بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف لوٹے اور فرمایا: اے میری قوم! کیا تمہارے رب نے تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ پھر کیا تم پر طویل مدت گزر گئی تھی یا تم نے یہ چاہا کہ تم

[٥٦] اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: تمہارے یہاں آنے کے بعد تمہاری قوم فتنہ میں مبتلا ہو گئی ہے اور اس کو سامری نے گمراہ کر دیا ہے۔

سامری کی پرورش

مشہور یہ ہے کہ سامری کا نام موسیٰ بن ظفر تھا، علامہ سید محمود آلوسی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ موسیٰ سامری جب پیدا ہوا تو مصر میں فرعون نے تمام اسرائیلی نومولود لڑکوں کو قتل کر دینے کا حکم دے رکھا تھا۔ سامری کی والدہ نے اپنے بیٹے کو قتل سے بچانے کے لئے اسے جنگل کے ایک غار میں رکھا اور غار کا منہ پتھر سے بند کر دیا (تا کہ کوئی اسے نہ دیکھ سکے اور خود گاہے گاہے اس کی خبر گیری کرتی رہے)۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل امین علیہ السلام سامری کو غار میں خوراک پہنچاتا رہا، اس طرح وہ غار میں پروان چڑھا۔ (تفسیر روح المعانی) مگر بڑا ہو کر وہ ایسا بد بخت نکلا کہ پوری قوم کو گمراہ کرنے کا سبب بن گیا۔ کسی شاعر نے اس کو یوں بیان کیا ہے:

اذا المرء لم یُخلق سعیداً تحیرت عقولُ مربّیه وخاب المؤمّل

فموسی الذی ربّاه جبریل کافرٌ وموسی الذی ربّاه فرعون مُرسَل

جب کوئی شخص اصل تخلیق میں نیک بخت نہ ہو تو اس کی پرورش کرنے والوں کی عقلیں دنگ و حیران رہ جاتی ہیں اور اس سے امید کرنے والا محروم رہتا ہے۔ دیکھو جس موسیٰ کو جبریل امین علیہ السلام نے پالا تھا وہ تو کافر ہو گیا اور جس موسیٰ علیہ السلام کو فرعون لعین نے پالا تھا وہ خدا کا رسول بن گیا۔ (تفسیر روح المعانی)

اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾

پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو؟ سو اس لئے تم نے میرے وعدہ کی خلاف ورزی کی۔ [۵۷]

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ انہوں نے کہا: ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ قوم کے زیورات کے بوجھ ہم پر لاد دیئے گئے تھے تو ہم نے ان کو (آگ میں) ڈال دیا، پھر اسی طرح سامری نے بھی (اپنے حصے کے زیور) ڈال دیئے۔ [۵۸]

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾

۸۸۔ پھر سامری نے ان کے لئے بچھڑے کا ایک مجسمہ بنا دیا جس سے بچھڑے کی سی آواز نکلتی تھی تو لوگ کہنے لگے: یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود، لیکن موسیٰ علیہ السلام بھول گئے۔

اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا

۸۹۔ کیا وہ اتنا بھی نہیں دیکھتے کہ وہ بچھڑا انہیں کسی بات کا

[۵۷] اللہ تعالیٰ نے چالیس دن کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی اور فرمایا کہ تمہارے یہاں آنے کے بعد تمہاری قوم نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی ہے تو آپ بڑے سخت غضب ناک اور رنجیدہ ہو کر اپنی قوم کی طرف لوٹے اور اپنی قوم سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کے لئے تورات دینے کا وعدہ فرمایا اور میں جب کوہ طور پر تورات لینے گیا تو تم سے وعدہ لیا تھا کہ تم میرے بعد حضرت ہارون علیہ السلام کی قیادت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہنا مگر بہت افسوس ہے کہ صرف چالیس دنوں کے اندر ہی تم نے میرے وعدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ کیا مجھے گئے ہوئے اتنا عرصہ گزر گیا تھا کہ تم میرے واپس آنے سے مایوس ہو گئے تھے یا تم پر بدبختی غالب آ گئی اور تم نے خود یہ چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو؟

[۵۸] بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ہم نے دانستہ آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی دراصل سامری کے بہکانے سے ہم نے زیورات آگ میں ڈال دیئے، سامری نے ان سے بچھڑے کا ایک مجسمہ بنا دیا اور اس میں ایسے سوراخ رکھے کہ جب ان سے ہوا گزرتی تو بچھڑے کی سی آواز نکلتی تھی، سورہ اعراف (۷) کا حاشیہ نمبر ۷۵ بھی ملاحظہ کریں۔ اس بے جان مجسمہ سے آواز سن کر وہ بے اختیار پکار اٹھے کہ اصل معبود تو یہ ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام تو بھولے ہوئے ہیں جو کوہ طور پر معبود کو تلاش کر رہے ہیں۔

يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾

جواب نہیں دے سکتا اور نہ ہی ان کے لئے کسی نقصان اور نفع کا اختیار رکھتا ہے۔[۵۹]

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾

۹۰۔ اور بے شک ہارون علیہ السلام نے (موسیٰ علیہ السلام کی واپسی سے) پہلے ہی انہیں کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم! اس بچھڑے کی وجہ سے تم کو آزمائش میں ڈالا گیا ہے اور بے شک تمہارا رب تو وہ ہے جو رحمٰن ہے، پس تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔[۶۰]

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾

۹۱۔ انہوں نے جواب دیا: ہم تو اسی (بچھڑے) کی عبادت پر جمے رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام ہماری طرف لوٹ آئیں۔[۶۱]

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾

۹۲۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے ہارون! جب تم نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا تو تمہیں کس چیز نے روکا۔[۶۲]

---

[۵۹] وہ بنی اسرائیل بڑے عجیب لوگ تھے، انہوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ جس بے جان مجسمہ کو انہوں نے معبود بنایا ہے وہ نہ ان کو کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ہی انہیں نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے۔

[۶۰] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر جانے کے بعد بنی اسرائیل نے جب بچھڑے کی پرستش شروع کی تو حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں فرمایا: تم بچھڑے کی وجہ سے آزمائش میں ڈالے گئے ہو، یہ تمہارا رب نہیں ہے، تمہارا رب وہی ہے جو رحمٰن ہے اور اسی نے تم کو فرعون کی غلامی سے نجات دی ہے۔

[۶۱] بنی اسرائیل نے حضرت ہارون علیہ السلام کو جواب دیا کہ فی الحال تو وہ اسی بچھڑے کی عبادت پر قائم ہیں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو پھر دیکھا جائے گا۔

[۶۲] حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور سے واپس آئے اور بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پرستش کرتے دیکھا تو غیرت دینی کی وجہ سے جلال میں آ گئے اور حضرت ہارون علیہ السلام کے سر اور داڑھی کو پکڑ کر فرمایا: جب تم نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا تو تم ان کو چھوڑ کر میرے پیچھے کیوں نہ چلے آئے؟ اگر میری موجودگی میں یہ لوگ گمراہی اختیار کرتے اور میرے منع کرنے کے باوجود باز نہ آتے تو میں ان سے جنگ کرتا اور اگر جنگ کی طاقت نہ ہوتی تو ان سے علیحدہ ہو جاتا مگر تم نے یہ دونوں کام نہ کر کے میری امیدوں کی خلاف ورزی کی۔

اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾

۹۳۔ کہ تم میرے پیچھے نہ چلے آئے، کیا تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی؟

اس آیت کی تفسیر میں حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں: اس سے پتہ چلا کہ داڑھی ایک مشت ہونی چاہیے یعنی چار انگل جو پکڑنے میں آسکے، یہ ہی سنت انبیاء ہے۔ حضور اکرم وضو میں داڑھی کا خلال فرماتے تھے اور داڑھی میں خلال جب ہی ہوسکتا ہے کہ بڑی ہو۔ (تفسیر نور العرفان)

☆ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کتاؤ۔'' اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی کو پکڑتے اور مٹھی سے جو بال زائد ہوتے انہیں کاٹ دیتے۔

(بخاری: ۵۸۹۲: کتاب اللباس: باب ۶۴)

☆ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کے بال بہت زیادہ تھے۔ (مسلم: ۶۰۸۴: کتاب الفضائل: باب ۳۰) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک گھنی تھی۔

☆ حضرت یزید فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک نے یہاں سے یہاں تک بھر لیا تھا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا مبارک اور سینہ مبارک کا اوپر والا حصہ بھر لیا تھا۔ (مسند احمد: جلد اول: ص ۳۶۱)

☆ حضرت شعیب رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی مبارک کے طول وعرض سے لے لیتے تھے۔ (ترمذی: ۲۷۶۲: ابواب الادب: باب ۱۷) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی مبارک کی چوڑائی اور لمبائی سے کاٹ لیتے تھے۔

☆ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی میں خلال فرمایا کرتے تھے۔

(ترمذی: ۳۱: ابواب الطہارۃ: باب ۲۳)

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو اپنی ہتھیلی میں پانی لیتے اور اس کو اپنی ٹھوڑی کے نیچے کی جانب سے (بالوں میں) داخل کرتے اور اس کے ساتھ اپنی داڑھی کا خلال فرماتے اور فرماتے: میرے رب تعالیٰ نے مجھے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ (ابوداؤد: ۱۴۵: کتاب الطہارۃ: باب ۵۷)

☆ حضرت ابو معمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی نماز میں قراءت فرماتے تھے؟ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! ہم نے پوچھا: آپ کو اس کا کیسے علم ہوتا تھا؟ (جبکہ ان دونوں نمازوں میں بلند آواز سے قراءت نہیں کی جاتی) تو حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کے ہلنے سے۔ (ابوداؤد: ۸۰۱: کتاب الصلاۃ: باب ۱۲۴) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کی حرکت سے ہم سمجھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت فرما رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک قبضہ سے کم نہ تھی کیونکہ اس سے چھوٹی داڑھی قراءت سے حرکت نہیں کرتی۔

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَ لَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿٩٤﴾

٩٤۔ ہارون نے کہا: اے میری ماں کے بیٹے! آپ میری داڑھی اور میرے سر کو نہ پکڑیں، بے شک مجھے اندیشہ تھا کہ آپ کہیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرے حکم کا انتظار نہ کیا۔ [٦٣]

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾

٩٥۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے؟

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَ كَذٰلِكَ

٩٦۔ سامری نے کہا: میں نے وہ چیز دیکھی جو ان لوگوں نے نہیں دیکھی تھی، پس میں نے رسول (جبریل علیہ السلام) کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی، پھر میں نے اسے (بچھڑے

☆ سنت یہ ہے کہ داڑھی مٹھی کے برابر ہو۔ (الدر المختار: کتاب الحظر والاباحۃ) حضرت محمد رحمۃ اللہ علیہ کتاب الآثار میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ داڑھی کے جو بال مٹھی سے زیادہ ہوں ان کو کاٹ دیا جائے۔ (حاشیۃ الطحطاوی: باب الجمعۃ)

[٦٣] حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے ان الفاظ سے اپنے جواب کا آغاز کیا: اے میری ماں کے بیٹے! یعنی میں آپ کا مخالف نہیں بلکہ آپ کا بھائی ہوں، میں نے بنی اسرائیل کو توحید پر واپس لانے کی پوری کوشش کی، میں نے کہا کہ تم میری پیروی کرو اور بچھڑا پرستی سے باز آجاؤ۔ اس پر اکثریت میرے قتل کے درپے ہوگئی اور میرے ساتھ ایک چھوٹا سا گروہ رہ گیا۔ اب اگر میں ان سے لڑائی کرتا یا چھوٹا سا گروہ لے کر آپ کے پاس چلا آتا تو بنی اسرائیل دو گروہوں میں بٹ جاتے اور پھر آپ ہی مجھے کہتے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا۔ اس لئے میں نے حکمت اسی میں سمجھی کہ آپ کے آنے کا انتظار کیا جائے، ممکن ہے آپ کے سمجھانے سے یہ توحید پر واپس آجائیں۔ اس معاملہ کو حل کرنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی آراء میں اگرچہ اختلاف تھا مگر دونوں کا مقصد اور مشن ایک ہی تھا کہ بنی اسرائیل بچھڑے کی پرستش چھوڑ دیں اور توحید پر واپس آجائیں۔ اہل علم کے اجتہادی اختلافات عموماً اسی طرح کے ہوتے ہیں اس لئے ان میں سے کسی کو غلط نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب حضرت ہارون علیہ السلام کا تفصیلی جواب سنا تو ان کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگے: اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو اپنی رحمت میں داخل فرما۔ (قرآن: ٧: ١٥١)

اس دعا کا مقصد یہ تھا کہ بھائی کے ساتھ جس سخت رویہ کا مظاہرہ کیا گیا اس کی تلافی ہو جائے اور دشمنوں کو بھی طعنہ کا موقع نہ ملے کہ بھائی آپس میں دست و گریباں ہیں۔

سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿٩٦﴾

کے مجسمہ میں) ڈال دیا اور اس طرح میرے لئے میرے نفس نے یہ بات آراستہ کردی۔[۶۴]

قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ أَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۖ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ إِلٰٓى إِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۖ لَّنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿٩٧﴾

۹۷۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اچھا جا (دور ہو)، پس تیرے لئے اس زندگی میں تو یہ (سزا) ہے کہ تو کہتا پھرے گا "مجھے مت چھونا" اور بے شک تیرے لئے (آخرت میں عذاب کا) ایک اور وعدہ بھی ہے جس کی ہرگز خلاف ورزی نہ ہوگی، [۶۵] اور (اب ذرا) اپنے اس (خود ساختہ) معبود کی طرف دیکھ جس (کی عبادت) پر تو جما بیٹھا تھا، ہم اسے جلا ڈالیں گے، پھر ہم اس کو سمندر میں بکھیر دیں گے۔[۶۶]

---

[۶۴] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے پوچھا: تو نے یہ کیا فتنہ کھڑا کر دیا ہے؟ سامری نے جواب دیا: ایک دفعہ میں نے جبریل امین علیہ السلام کو گھوڑی پر سوار دیکھا، جب ان کی گھوڑی خشک مٹی پر قدم رکھتی تو وہاں پر سبزہ اگ آتا، اتفاق سے یہ کرامت میں نے ہی دیکھی دوسرے لوگوں کی توجہ ادھر نہیں تھی تو میں نے جان لیا کہ اس گھوڑی کی خاک قدم میں خصوصی شان ہے۔ (تفسیر روح المعانی) پس میں نے اس خاک سے ایک مٹھی بھر کر اپنے پاس محفوظ کر لی اور جب میں نے وہ مٹی اس مجسمہ میں ڈالی تو اس سے بچھڑے کی سی آواز آنے لگی جو اس فتنے کا باعث بن گئی۔ (تفسیر ابن جریر طبری)

سامری کے اس جواب کو قرآن مجید نے نقل کر دیا ہے مگر اس کی تصدیق نہیں کی۔ بچھڑے کی آواز کی ایک توجیہ پہلے گزر چکی ہے کہ سامری نے اس مجسمے میں ایسے سوراخ رکھے کہ جب ان سے ہوا گزرتی تو بچھڑے کی سی آواز نکلتی تھی۔ کاریگر ہر زمانے میں ایسے طور طریقے ایجاد کرتے رہتے ہیں جن سے بے جان مجسموں میں آواز پیدا ہو سکتی ہے۔ آج بھی سینکڑوں ایسے کھلونے موجود ہیں جو مختلف جانوروں اور پرندوں کی سی آوازیں نکالتے ہیں۔

[۶۵] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو دردناک انجام کی خبر دی اور اسے اپنے دربار سے نکال دیا۔ چنانچہ اس زندگی میں اس پر یہ عذاب نازل ہوا کہ جب کوئی شخص اس کو ہاتھ لگاتا یا وہ کسی کو ہاتھ لگاتا تو وہ شخص اور سامری دونوں بخار میں مبتلا ہو جاتے، اس لئے سامری عمر بھر یہی کہتا رہا: مجھ سے دور رہو ورنہ بخار میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ چنانچہ لوگوں نے اس کے ساتھ میل ملاپ اور لین دین ختم کر دیا اور اس نے جنگلوں میں جانوروں کے ساتھ رہتے ہوئے اپنی زندگی کے دن پورے کئے، یعنی جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ویسا ہی ہو کر رہا اور اسی طرح وہ آخرت کے عذاب سے بھی ہرگز نہ بچ سکے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سامری کے انجام کا علم تھا کہ وہ کفر پر ہی مرے گا اور عذاب سے دوچار ہوگا۔

[۶۶] اس آیت کے پہلے حصہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو اس کے اپنے انجام بد سے آگاہ فرمایا اور دوسرے حصہ میں اس

اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

۹۸۔ تمہارا معبود تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَیْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿ۖۚ۹۹﴾

۹۹۔ اس طرح ہم آپ پر گزشتہ خبریں بیان کرتے ہیں اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک ذکر عطا فرمایا ہے۔[٦٧]

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ یَحْمِلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰۔ جس شخص نے اس سے روگردانی کی تو بے شک وہ قیامت کے دن سخت بوجھ اٹھائے گا۔[٦٨]

خٰلِدِیْنَ فِیْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ یہ لوگ ہمیشہ اس بوجھ تلے دبے رہیں گے، اور قیامت کے دن یہ بوجھ ان کے لئے بہت تکلیف دہ ہوگا۔

یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَىٕذٍ زُرْقًا ﴿ۚۖ۱۰۲﴾

۱۰۲۔ جس دن صور پھونکا جائے گا اور اس دن ہم مجرموں کو اس طرح جمع کریں گے کہ (خوف سے) ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔[٦٩]

کے خود ساختہ معبود کی تباہی سے آگاہ فرمایا کہ ابھی تیری آنکھوں کے سامنے اسے توڑ پھوڑ کر جلا دیا جائے گا اور پھر اسے سمندر میں پھینک دیا جائے گا تاکہ اس کے پجاریوں کو معلوم ہو جائے کہ جو معبود خود اپنی حفاظت نہیں کر سکا وہ دوسروں کو کیا فائدہ پہنچا سکتا تھا۔

[٦٧] میرے پیارے نبی ﷺ! ہم نے آپ کو ذکر یعنی قرآن مجید عطا فرمایا جس میں اسلامی عقائد اور اعمال کے علاوہ گزشتہ اقوام کے قصے بھی بیان کئے گئے ہیں تاکہ آپ کی امت ان سے نصیحت اور عبرت حاصل کرے۔

[٦٨] جن لوگوں نے قرآن مجید سے روگردانی کی اور اس پر ایمان نہ لائے، قیامت کے دن ان پر اس کفر و نافرمانی کا سخت بوجھ لادا جائے گا جو ان کے لئے بہت تکلیف دہ ہوگا اور وہ ہمیشہ اس کے نیچے دبے رہیں گے۔

[٦٩] اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت اسرافیل علیہ السلام جب پہلی دفعہ صور پھونکیں گے تو سب پر موت طاری ہو جائے گی اور جب دوسری دفعہ صور پھونکیں گے تو سب زندہ ہو کر میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے۔ اس دن خوف و ہراس کی وجہ سے مجرموں یعنی کافروں کے چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلی پڑ جائیں گی اور وہ سخت پریشان اور شرمندہ ہوں گے۔

يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿١٠٣﴾

١٠٣۔ وہ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے کہ تم (دنیا میں) صرف دس ہی دن رہے تھے۔ [٧٠]

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾ ع

١٠٤۔ ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہیں گے جبکہ ان میں سب سے زیادہ زیرک انسان کہے گا: تم تو صرف ایک ہی دن ٹھہرے تھے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿١٠٥﴾

١٠٥۔ اور لوگ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں تو آپ فرما دیجئے: میرا رب انہیں ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا۔ [٧١]

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾

١٠٦۔ پھر زمین کو کھلا ہموار میدان بنا دے گا۔ [٧٢]

لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿١٠٧﴾

١٠٧۔ جس میں آپ نہ کوئی موڑ دیکھیں گے اور نہ کوئی ٹیلا۔

يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾

١٠٨۔ اس دن لوگ پکارنے والے (فرشتے) کی پیروی کریں گے جس (کی پیروی) سے کوئی روگردانی نہ کر سکے گا، اور رحمٰن کے سامنے سب آوازیں پست ہو جائیں گی، پس تم معمولی سی آہٹ کے سوا کچھ نہ سنو گے۔ [٧٣]

[٧٠] میدان حشر کے ہولناک ماحول میں وہ حواس باختہ ہو جائیں گے، دنیا کی طویل زندگی کو قلیل محسوس کریں گے اور آپس میں چپکے چپکے کہیں گے کہ تم دنیا میں صرف دس دن رہے تھے جب کہ ان کا زیرک ترین شخص کہے گا کہ دس روز نہیں بلکہ تم تو صرف ایک ہی دن ٹھہرے تھے۔ دراصل اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اصل مدت کتنی تھی اور وہ کتنا اندازہ لگائیں گے۔

[٧١] کفار کو بتایا جاتا کہ قیامت کے دن ہر چیز فنا ہو جائے گی تو وہ سوال کرتے کہ یہ بلند و بالا اور بھاری بھرکم پہاڑ کہاں جائیں گے؟ اس آیت میں اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اور اس کے ادنیٰ اشارے سے یہ پہاڑ روئی کے گالوں اور مٹی کے ذروں کی طرح ریزہ ریزہ ہو کر اڑ جائیں گے اور ان کا نام و نشان باقی نہیں رہے گا۔

[٧٢] قیامت کے دن جب پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر غبار اور دھول کی طرح اڑ جائیں گے اور سمندروں، دریاؤں اور چشموں کا پانی خشک ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ زمین کو بالکل ہموار اور چٹیل میدان کی طرح بنا دے گا اور کہیں بھی کوئی اونچ نیچ نہیں رہے گی۔

[٧٣] قیامت کے دن اس چٹیل میدان میں ایک فرشتہ آواز دے گا تو سارے لوگ اس کے پیچھے چل پڑیں گے اور کوئی بھی ادھر

یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹۔ اس دن کسی کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی سوائے اس کی شفاعت کے جس کو رحمٰن نے اجازت دی اور جس کی بات سے راضی ہوا۔ [۷۴]

ادھر نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے جلال اور خوف کی وجہ سے ہر طرف خاموشی اور سناٹا ہوگا۔ قدموں کی آہٹ اور معمولی سرگوشی کے سوا کچھ سنائی نہیں دے گا۔

[۷۴] قیامت کے دن صرف وہی شفاعت کر سکے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی اور صرف انہی کے حق میں شفاعت کی جائے گی جن کا کلمہ شہادت اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول تھا۔ اس دن جن کو شفاعت کرنے کی اجازت ہوگی ان میں انبیاء، علماء، شہداء، حفاظ، نیک مومن، قرآن، رمضان، کم سن بچے اور کم سن بچیاں وغیرہ شامل ہوں گے۔

شفاعت کے متعلق چند احادیث۔

۱۔ حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کی ایک دعا قبول ہوتی ہے، پس ہر نبی نے وہ دعا جلد مانگ لی اور میں نے اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لئے چھپا رکھا ہوا ہے اور یہ ان شاء اللہ میری امت میں سے ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جو اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو۔

(مسلم: ۳۳۸: کتاب الایمان: باب ۸۶)

۲۔ حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے یہ سوال کیا کہ قیامت کے دن آپ میرے لئے شفاعت کریں گے: آپ ﷺ نے فرمایا: میں شفاعت کروں گا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم سب سے پہلے مجھے صراط پر تلاش کرنا۔ میں نے عرض کیا: اگر میں صراط پر آپ سے ملاقات نہ کرسکوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تم مجھے میزان کے پاس تلاش کرنا۔ میں نے عرض کیا: اگر میں میزان کے پاس بھی آپ سے ملاقات نہ کرسکوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: پھر مجھے حوض کے پاس تلاش کرنا کیونکہ میں ان تین مقامات سے تجاوز نہیں کروں گا۔ (ترمذی: ۲۴۳۳: ابواب صفۃ الجنۃ: باب ۹)

۳۔ حضرت ابوامامہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ سے میرے رب نے یہ وعدہ کیا ہے کہ میری امت سے ستر ہزار کو جنت میں داخل فرمائے گا جن سے نہ کوئی حساب ہوگا اور نہ ہی ان کو عذاب ہوگا اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار مزید ہوں گے۔ (ترمذی: ۲۴۳۷: ابواب صفۃ الجنۃ: باب ۱۲)

۴۔ حضرت عثمان بن عفان ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن تین لوگ شفاعت کریں گے: سب سے پہلے انبیاء پھر علماء اور پھر شہداء۔ (ابن ماجۃ: ۴۳۱۳: ابواب الزھد: باب ۳۷)

۵۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن عثمان بن عفان ؓ قبیلہ ربیعۃ اور قبیلہ مضر کے افراد کے برابر لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ (ترمذی: ۲۴۳۹: ابواب صفۃ الجنۃ: باب ۱۲)

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿١١٠﴾

١١٠۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے آنے والے اور گزرے ہوئے احوال کو جانتا ہے اور لوگ (اپنے) علم سے اللہ تعالیٰ (کے علم) کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ [٧٥]

وَ عَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَ قَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾

١١١۔ اور سب (لوگوں کے) چہرے حی و قیوم (اللہ تعالیٰ) کے سامنے جھک جائیں گے، اور جس شخص نے ظلم (شرک) کا بوجھ اٹھایا وہ یقیناً نامراد ہوگا۔ [٧٦]

٦۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن روزہ اور قرآن بندہ کی شفاعت کریں گے، روزہ کہے گا: اے میرے رب! اس کو کھانے اور شہوت پوری کرنے سے میں نے روک دیا تھا، اس کے لئے میری شفاعت قبول فرما اور قرآن کہے گا: اس کو رات کی نیند سے میں نے روک دیا تھا، اس کے لئے میری شفاعت قبول فرما۔ پس ان دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ (مسند احمد: جلد ٢: ص ١٧٤)

٧۔ بعض صحابہ کرام ﷢ نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن بچوں سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمارے آباء اور امہات بھی! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ اور تمہارے آباء بھی۔ (مسند احمد: جلد ٤: ص ١٠٥)

٨۔ حضرت عمر فاروق ﷜ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری قبر کی زیارت کی میں اس کی شفاعت کرنے والا اور شہادت دینے والا ہوں اور جس شخص کی موت حرمین میں سے کسی ایک میں واقع ہوگئی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو امن و سلامتی والوں سے اٹھائے گا۔ (کنز العمال: ١٢٣٧١: جلد ٥: ص ١٣٥)

شفاعت کے متعلق سورہ یوسف (١٢) کا حاشیہ نمبر ٨٧، سورہ حجر (١٥) کا حاشیہ نمبر ٧، سورہ بنی اسرائیل (١٧) کا حاشیہ نمبر ١٨١ اور سورہ مریم (١٩) کا حاشیہ نمبر ٥٩ بھی ملاحظہ کریں۔

[٧٥] اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون اس قابل ہے کہ اسے شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے کیونکہ اس کا علم لوگوں کے ماضی اور مستقبل کے سارے احوال کو محیط ہے جب کہ لوگوں کا علم بالکل محدود ہے اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

[٧٦] قیامت کے دن جب ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والے قادر مطلق اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی تو اس کی عظمت اور کبریائی کے سامنے سب لوگوں کے چہرے جھکے ہوئے ہوں گے، کسی میں تکبر نہیں ہوگا۔ اس دن وہ شخص یقیناً نامراد ہوگا جس نے اس دنیا میں ظلم یعنی شرک اختیار کیا ہوگا کیونکہ شرک ایک ایسا ظلم عظیم ہے جس کی معافی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلۡمًا وَّلَا هَضۡمًا ﴿١١٢﴾

١١٢۔ اور جو شخص نیک اعمال کرتا ہے اور وہ ایمان دار بھی ہے تو اسے نہ کسی ظلم کا خوف ہوگا اور نہ نقصان کا۔ [٧٧]

وَكَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفۡنَا فِيۡهِ مِنَ الۡوَعِيۡدِ لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ اَوۡ يُحۡدِثُ لَهُمۡ ذِكۡرًا ﴿١١٣﴾

١١٣۔ اور اسی طرح ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے اور ہم نے اس میں مختلف طریقوں سے وعید بیان کی ہے تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں یا (یہ وعید) ان کے دلوں میں سمجھ پیدا کر دے۔ [٧٨]

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الۡمَلِكُ الۡحَقُّ ۚ وَلَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يُّقۡضٰٓى اِلَيۡكَ وَحۡيُهٗ ۫ وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِىۡ عِلۡمًا ﴿١١٤﴾

١١٤۔ پس بلند شان والا ہے اللہ تعالیٰ جو حقیقی بادشاہ ہے اور قرآن کے پڑھنے میں جلدی نہ کیا کریں اس سے پہلے کہ آپ کی طرف اس کی وحی پوری نازل ہو جائے [٧٩] اور آپ دعا مانگا کریں کہ اے میرے رب! میرے علم کو اور زیادہ کر دے۔ [٨٠]

---

[٧٧] جو شخص نیک اعمال کرتا ہے اور ایمان دار بھی ہے قیامت کے دن اسے کسی زیادتی اور نقصان کا خوف نہیں ہوگا کیونکہ وہ عدل و انصاف کا دن ہے اور اس دن کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔

[٧٨] ہم نے قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل کیا تاکہ اس کے اولین مخاطبین یعنی عرب لوگ اس کو آسانی سے سمجھ سکیں۔ نیز اس میں ہم نے کئی طریقوں سے مختلف جرائم کی سزائیں بیان کی ہیں تاکہ لوگ ان جرائم کی حقیقت کو سمجھیں اور ان کے ارتکاب سے اجتناب کریں۔

[٧٩] ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جبریل امین علیہ السلام جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی سورت یا آیت لے کر نازل ہوتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی تلاوت کرتے، ابھی جبریل امین علیہ السلام وہ پوری سورت یا آیت ختم نہ کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا سے پڑھنا شروع کر دیتے اس خوف سے کہ کہیں آپ اس کو بھول نہ جائیں تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر زاد المسیر لابن جوزی) یعنی آپ جلدی نہ کیا کریں، جبریل امین علیہ السلام کو پوری سورت یا آیت پڑھنے دیں اور آپ غور سے سنیں ہم اس کو آپ کے دل میں محفوظ کر دیں گے کیونکہ ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (قرآن: ١٥: ٩)

[٨٠] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا عبادت کا مغز ہے۔
(ترمذی: ٣٣٧١: ابواب الدعا: باب ١)

وَلَقَدۡ عَهِدۡنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنۡ قَبۡلُ فَنَسِىَ وَلَمۡ نَجِدۡ لَهٗ عَزۡمًا ﴿۱۱۵﴾

۱۱۵۔ اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم علیہ السلام کو حکم دیا تھا لیکن وہ بھول گئے اور ہم نے (اس لغزش میں) ان کا کوئی قصد نہیں پایا۔ [۸۱]

وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾

۱۱۶۔ اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کر دیا سوائے ابلیس کے، اس نے انکار کر دیا۔ [۸۲]

فَقُلۡنَا يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوۡجِكَ فَلَا يُخۡرِجَنَّكُمَا مِنَ الۡجَنَّةِ فَتَشۡقٰى ﴿۱۱۷﴾

۱۱۷۔ پس ہم نے فرمایا: اے آدم علیہ السلام! بے شک یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو یہ کہیں تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ دے، پھر تم مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ [۸۳]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا سب سے زیادہ بزرگی والی عبادت ہے۔
(الادب المفرد: امام بخاری: ص ۲۱۰)

اس آیت کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم میں اضافہ کے لئے دعا کی ترغیب دی ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا یہ بھی ہے: اے اللہ تعالیٰ! جو علم تو نے مجھے سکھایا ہے اس سے مجھے نفع پہنچا اور مجھے وہ علم عطا فرما جو مجھے فائدہ دے اور میرے علم میں اضافہ فرما اور ہر حال میں سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔
(ابن ماجۃ: المقدمۃ: باب ۲۳)

حافظ ابن کثیر نے ابن عیینہ کا قول نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں اضافہ ہوتا رہا۔ (تفسیر ابن کثیر) بلکہ آپ کا علم و فضل تو ہر لحظہ اور ہمیشہ ترقی پذیر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور بے شک آنے والی ہر گھڑی آپ کے لئے پہلی گھڑی سے بہتر ہے۔ (قرآن: ۹۳:۴)

[۸۱] اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی اگر دانستہ اور ارادہ کے ساتھ نافرمانی کی جائے تو اسے گناہ کہتے ہیں لیکن اگر نادانستہ اور بغیر ارادہ کے نافرمانی ہو جائے تو اسے گناہ نہیں کہتے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اس درخت کے قریب نہ جائیں مگر آپ اس کا پھل کھا بیٹھے، پھر بھی یہ گناہ نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود وضاحت فرما دی کہ حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے تھے اس نافرمانی میں ان کا ارادہ شامل نہیں تھا۔

[۸۲] ابلیس جن تھا یا فرشتہ اور اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے کیوں انکار کیا؟ اس کی تفصیل کے لئے سورہ اعراف (۷) کی آیت نمبر ۱۱ کا حاشیہ نمبر ۱۰ ملاحظہ کریں۔

[۸۳] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم علیہ السلام! شیطان تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے، لہٰذا تم اس سے محتاط رہنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ

إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ﴿١١٨﴾

١١٨۔ بے شک جنت میں نہ تمہیں بھوک لگے گی اور نہ تم ننگے ہو گے۔[٨٤]

وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ ﴿١١٩﴾

١١٩۔ اور بے شک جنت میں نہ تمہیں پیاس لگے گی اور نہ دھوپ ستائے گی۔

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَٰنُ قَالَ يَٰٓـَٔادَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ ﴿١٢٠﴾

١٢٠۔ پس شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اور کہا: اے آدم! کیا میں تمہیں دائمی زندگی کے درخت کا پتہ بتاؤں اور ایسی بادشاہی کا جس کو کبھی زوال نہ ہو۔[٨٥]

فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْءَٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِن وَرَقِ الْجَنَّةِ ۚ وَعَصَىٰٓ ءَادَمُ رَبَّهُۥ فَغَوَىٰ ﴿١٢١﴾

١٢١۔ چنانچہ ان دونوں نے اس درخت (کے پھل) سے کچھ کھا لیا، پس ان دونوں پر ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے (جسم) پر جنت کے پتے چپکانے لگے اور آدم علیہ السلام سے اپنے رب کی نافرمانی ہو گئی، سو وہ خطا میں مبتلا ہو گئے۔[٨٦]

دھوکہ دے کر تمہیں جنت سے نکلوا دے، جنت میں تو خوراک، لباس، اور رہائش کے لئے آپ کو مشقت نہیں کرنا پڑتی ہر چیز تیار موجود ہوتی ہے لیکن اگر تم زمین پر گئے تو پھر تمہیں ان بنیادی ضروریات زندگی کے لئے مشقت اور تکلیف اٹھانا پڑے گی۔

[٨٤] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم علیہ السلام! جنت میں نہ تمہیں بھوک لگے گی اور نہ تم ننگے ہو گے، یہاں نہ تمہیں پیاس لگے گی اور نہ دھوپ ستائے گی بلکہ جس وقت جو چاہو گے فوراً حاضر کر دیا جائے گا۔

[٨٥] شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ اگر تم اس درخت کا پھل کھا لو تو تمہیں ایسی زندگی مل جائے گی جو کبھی ختم نہ ہو اور ایسی بادشاہی مل جائے گی جس کو کبھی زوال نہ ہو۔

[٨٦] چنانچہ ان دونوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا جس کے نتیجہ میں ان کا جنتی لباس اتر گیا اور ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اور وہ جنتی درختوں کے پتوں سے اپنی شرمگاہیں چھپانے لگے۔ اس طرح شیطان کے وسوسے میں آ کر حضرت آدم علیہ السلام اپنے رب کی نافرمانی کر بیٹھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام شیطان کے وسوسے میں کیسے آئے۔ اگر یہ گناہ نہیں تھا تو پھر شرمگاہیں کیوں ظاہر ہوئیں اور انہیں جنت سے کیوں نکالا گیا؟ اس کے جواب کے لئے سورہ الاعراف (٧) کی آیت نمبر ١٩ اور حاشیہ نمبر ١٤ ملاحظہ کریں۔

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾

۱۲۲۔ پھر ان کے رب نے انہیں چن لیا، ان کی توبہ قبول فرمائی اور ہدایت بخشی۔ [۸۷]

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾

۱۲۳۔ فرمایا: تم دونوں اکٹھے جنت سے اتر جاؤ! تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے، پھر جب میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ بدنصیب ہوگا۔ [۸۸]

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾

۱۲۴۔ اور جس نے میرے ذکر سے اعراض کیا تو اس کی زندگی تنگی میں گزرے گی [۸۹] اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے۔

[۸۷] غیر ارادی خطا کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نادم ہوئے اور مغفرت کے لئے روتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پھر اپنے قرب کے لئے چن لیا، ان کی توبہ قبول فرمائی اور ہدایت پر ہمیشہ قائم رہنے کی توفیق سے نوازا۔

[۸۸] اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے فرشتوں سے فرمایا تھا: میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ (قرآن: ۲: ۳۰) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے دراصل حضرت آدم علیہ السلام کو اس لئے پیدا فرمایا تھا کہ آپ زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بنیں مگر ایک وقتی آزمائش کے لئے پہلے آپ کو جنت میں ٹھہرایا اور پھر زمین پر بھیج دیا اور ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ تمہاری اولاد میں سے بعض ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی کریں گے لیکن ان میں سے جو میری طرف سے نازل ہونے والی ہدایت کی پیروی کریں گے وہ دنیا میں گمراہی سے بچے رہیں گے اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہیں گے اور بالآخر جنت میں پہنچ جائیں گے۔

[۸۹] اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے احکام سے اعراض کرتا ہے وہ ظاہری نعمتوں اور اپنی پسند کی خوراک و پوشاک کے باوجود اطمینان قلب کی دولت سے محروم رہتا ہے۔ اس کا سینہ تنگ اور اس کا دل بے چینی، حیرانی اور شکوک و شبہات میں ڈوبا رہتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) اسی لئے بہت سے امیر لوگ اس بے چینی سے نجات پانے کے لئے ڈرگز اور شراب کا سہارا لیتے ہیں اور بعض تو خودکشی تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دل کا سکون اور اطمینان، مال و دولت کی فراوانی سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے احکام کی پیروی میں ہے۔

دنیا میں تنگ زندگی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان اس دنیا میں غربت اور مصیبت کا شکار رہتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خواہ وہ تنگ دست ہو یا دولت مند اسے چین نصیب نہیں ہوتا کیونکہ ظاہری تنگ دستی اور تکلیف تو اللہ والوں کو بھی آتی رہتی ہے مگر ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں، مثال کے طور پر:

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿١٢٥﴾

١٢٥۔ وہ کہے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں (دنیا میں) بینا تھا۔

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿١٢٦﴾

١٢٦۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اسی طرح تیرے پاس ہماری نشانیاں آئی تھیں، سو تو نے انہیں بھلا دیا اور اسی طرح آج تجھے بھلا دیا جائے گا۔[٩٠]

وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿١٢٧﴾

١٢٧۔ اور ہم اسی طرح بدلہ دیں گے ہر اس شخص کو جس نے حد سے تجاوز کیا اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لایا، اور بے شک آخرت کا عذاب بڑا سخت اور بہت دیر پا ہوگا۔[٩١]

١۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ مصائب میں انبیاء مبتلا ہوتے ہیں پھر علماء پھر وہ جوان کے زیادہ قریب ہوں اور پھر وہ جوان کے زیادہ قریب ہوں۔

(مستدرک: امام حاکم: ٥٤٦٣: جلد ٣: ص: ٣٨٦)

٢۔ حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کون سے لوگ زیادہ مصائب میں مبتلا ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء، پھر جوان کے زیادہ قریب ہوں۔ انسان اپنے دین کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے، اگر وہ اپنے دین میں زیادہ مضبوط ہو تو اس کی مصیبت زیادہ سخت ہوگی اور اگر وہ اپنے دین میں نرم ہو تو وہ اپنے دین کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوگا۔ انسان پر اس طرح مصائب آتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ اس حال میں زمین پر چلے گا کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ (ترمذی: ٢٣٩٨: ابواب الزھد: باب ٥٦)

[٩٠] اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے احکام سے اعراض کرنے والے کو قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھایا جائے گا تو وہ کہے گا: اے میرے رب! میں تو دنیا میں بینا تھا آج مجھے اندھا کیوں اٹھایا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے یاد نہیں، میری قدرت کی نشانیاں تجھے دکھائی گئیں مگر تو دانستہ اندھا بنا رہا اور انہیں فراموش کر دیا، سو یہ اس کی سزا ہے کہ آج تجھے بھی فراموش کر دیا گیا ہے، لیکن وہ قبر سے حشر تک اندھا رہے گا، پھر اس کی بینائی لوٹا دی جائے گی تاکہ وہ اپنا اعمال نامہ پڑھ سکے جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے تجھ (یعنی تیری آنکھوں) سے پردہ ہٹا دیا ہے، پس آج تیری نگاہ تیز ہے۔ اس کا ساتھی فرشتہ کہے گا: یہ ہے (اس کا اعمال نامہ) جو میرے پاس تیار ہے۔ (قرآن: ٥٠: ٢٣-٢٢)

[٩١] جو شخص بھی حد سے تجاوز کرے گا اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہیں لائے گا وہ بھی دنیا میں اطمینان قلب کی دولت سے محروم رہے گا اور آخرت کا عذاب تو بڑا سخت اور دائمی ہوگا۔

اَفَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ ع

۱۲۸۔ کیا ان لوگوں کو اس بات نے ہدایت نہ دی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا جن کے مکانوں میں یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں، بے شک اس میں عقل والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ [۹۲]

وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ ؕ

۱۲۹۔ اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے ہی طے نہ ہو چکی ہوتی اور ایک وقت مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو (ان پر اسی وقت عذاب) نازل ہو جاتا۔ [۹۳]

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا یَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَ مِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾

۱۳۰۔ پس آپ ان کی باتوں پر صبر کریں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کریں سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اور رات کے بعض اوقات میں اور دن کے اطراف میں بھی تسبیح بیان کریں تا کہ آپ راضی ہو جائیں۔ [۹۴]

---

[۹۲] اہل مکہ جب تجارت کے لئے سفر کرتے اور پہلی قوموں کے برباد مکانات دیکھتے تو کیا وہ اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ اگر انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کی تو پہلی نافرمان قوموں کی طرح ان پر بھی عذاب آ سکتا ہے۔

[۹۳] اللہ تعالیٰ ہر ظالم قوم کو ایک خاص حد تک ڈھیل دیتا ہے تا کہ وہ اپنی اصلاح کر لے لیکن پھر بھی جو قوم سرکشی سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی سرکشی کے مطابق اس کی سزا کا وقت پہلے مقرر کر رکھا ہے۔ کسی کو اسی دنیا میں جلد سزا دے دیتا ہے اور کسی کی سزا قیامت تک کے لئے موخر کر دیتا ہے، تاہم اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے منکرین کی سزا کو آخرت کے لئے موخر کر دیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے: اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے جب کہ آپ ان میں موجود ہیں۔ (قرآن: ۸: ۳۳) کیونکہ آپ ﷺ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں اور عذاب کا نزول رحمت کے منافی ہے، اس لئے آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نازل نہیں ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی رحمت کے صدقے انہیں یہ مہلت نہ دیتا اور پہلے سے یہ وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر فوراً عذاب نازل ہو جاتا اور وہ تباہ و برباد کر دیئے جاتے۔

[۹۴] میرے پیارے حبیب ﷺ! آپ مشرکین مکہ کی تکذیب اور دل آزار باتوں پر صبر کریں اور اپنے رب کی حمد و ثنا میں مشغول رہیں۔ بہت جلد اسلام ترقی کرے گا اور آپ راضی ہو جائیں گے۔

علامہ رازی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اکثر مفسرین کے نزدیک تسبیح سے مراد نماز ہے اور یہ آیت پانچ نمازوں پر دلالت کرتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: طلوع شمس سے پہلے سے مراد نماز فجر ہے اور غروب شمس سے پہلے سے

وَ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۬ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾

۱۳۱۔ اور آپ زیب و زینت کی ان چیزوں کی طرف ہرگز نگاہ نہ اٹھائیں جو ہم نے مختلف لوگوں کو اس دنیوی زندگی میں لطف اندوزی کے لئے دی ہیں تاکہ ہم انہیں اس میں آزمائیں، اور آپ کے رب کا دیا ہوا رزق سب سے بہتر اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔[۹۵]

وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾

۱۳۲۔ اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی اس پر قائم رہیں، ہم آپ سے رزق طلب نہیں کرتے (بلکہ) ہم خود آپ کو رزق دیتے ہیں، اور اچھا انجام پرہیز گاری کا ہی ہے۔[۹۶]

مراد ظہر اور عصر کی نمازیں ہیں کیونکہ یہ دونوں نمازیں غروب آفتاب سے پہلے پڑھی جاتی ہیں اور رات کے اوقات سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں اور دن کے اطراف سے مراد فجر اور مغرب کی نمازوں کی تاکید ہے۔ (تفسیر کبیر)

[۹۵] ہر مسلمان کو قرآن مجید کی عظیم نعمت پر فخر کرنا چاہیے اور نافرمانوں کی ظاہری زیب و زینت کی طرف رغبت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ شان و شوکت اس لئے دی ہے تاکہ ان کی آزمائش کرے۔ نیز یہ چند روزہ بہار ہے اس کے بعد ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور مسلمانوں کو آخرت میں اللہ تعالیٰ جو نعمتیں عطا فرمائے گا وہ سب سے بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، آپ کے اور چٹائی کے درمیان اور کوئی چیز نہیں تھی (یعنی کوئی گدا یا چادر وغیرہ نہیں تھی) آپ کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی کھال بھری ہوئی تھی اور آپ کے پیروں کے پاس درخت کے پتوں کا ایک ڈھیر تھا۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں چٹائی کے نشانات دیکھے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! قیصر و کسریٰ کس قدر عیش و آرام میں ہیں (حالانکہ وہ کافر ہیں) اور آپ تو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں یہ پسند نہیں کہ ان کے حصہ میں دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت ہو۔

(مسلم: حدیث نمبر ۱۴۷۹)

[۹۶] اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ خود بھی نماز قائم کرے اور اپنے بیوی بچوں کو بھی نماز کا حکم دے اور روزی کمانے میں اتنا مصروف نہ ہو کہ نماز سے بھی محروم رہ جائے کیونکہ اصل رازق اللہ تعالیٰ ہے اور جو انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس کا انجام اچھا ہوتا ہے۔

جو مسلمان روزی کمانے کے بہانے سے نماز قائم نہیں کرتے انہیں وارننگ دی جا رہی ہے کہ رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ نیز فانی رزق کی خاطر باقی رہنے والی نماز کو چھوڑ دینا کوئی عقلمندی نہیں ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا یَاْتِیْنَا بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَیِّنَةُ مَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ۝۱۳۳

۱۳۳۔ اور کفار نے کہا: یہ (نبی) اپنے رب کی طرف سے ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں لے آتے؟ کیا ان کے پاس وہ واضح دلیل نہیں آچکی جو پہلی کتابوں میں ہے؟ [۹۷]

وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰی ۝۱۳۴

۱۳۴۔ اور اگر ہم ان کو اس سے پہلے ہی کسی عذاب سے ہلاک کردیتے تو وہ کہتے: اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوتے۔ [۹۸]

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِیِّ وَ مَنِ اهْتَدٰی ۝۱۳۵ ع ۸ ۱۷

۱۳۵۔ آپ فرمایئے: ہر شخص منتظر ہے، سو تم بھی انتظار کرو، پس عنقریب تم جان لوگے کہ کون سیدھے راستے والے ہیں اور کون ہدایت یافتہ ہیں۔

---

[۹۷] کفار مکہ کو قرآنی آیات سنائی جاتیں، معجزات دکھائے جاتے، اس کے باوجود کہتے کہ ہمیں تو کوئی نشانی نہیں دکھائی گئی حالانکہ ان کی پہلی کتابوں میں نبی کریم ﷺ کی نبوت کے متعلق واضح دلائل موجود ہیں۔ کیا وہ دلائل ان منکرین کے لئے کافی نہیں ہیں۔ نیز قرآن مجید بذات خود سب سے بڑا معجزہ ہے جو ان کی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے۔

[۹۸] اگر بالفرض ہم کفار مکہ کو نبی کریم ﷺ کے بھیجنے سے پہلے ہی ان کے کفر و شرک کی وجہ سے ہلاک کردیتے تو وہ یہ عذر پیش کرتے کہ ہماری طرف کوئی رسول نہیں بھیجا گیا۔ اگر ہماری طرف رسول بھیجا جاتا تو ہم بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرتے اور ذلیل و رسوا نہ ہوتے لیکن اب جب ان کے پاس رسول آگیا ہے تو طرح طرح کی من گھڑت نشانیوں کا مطالبہ کرتے ہیں۔ دراصل وہ ایمان لانا نہیں چاہتے صرف حجت بازیاں کرتے ہیں، لہٰذا پیارے نبی کریم ﷺ! ان کو وارننگ دے دو کہ اگر تم واضح نشانیوں کے باوجود ایمان نہیں لاتے تو تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں، عنقریب قیامت قائم ہوگی تو تم جان لوگے کہ کون سیدھے راستے والے ہیں اور کون گمراہ ہیں؟

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعہ الکرم

۱۱ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ بمطابق ۱۸ مارچ ۲۰۰۸ء بعد از نماز مغرب بروز منگل

جامعہ الکرم کی کچھ ناگہانی مصروفیات اور مشکلات کی وجہ سے گزشتہ چند ماہ میں تفسیر لکھنے کے لئے بہت کم وقت میسر ہوا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الانبیاء (۲۱)

یہ سورت مکی ہے، اس کا نام "الانبیاء" رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں بہت سے انبیائے کرام علیہم السلام کا تذکرہ ہے۔

اہل مکہ بت پرست اور مشرک تھے اس لئے اس سورت میں اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

اس سورت کی ابتدا قیامت کے ذکر سے کی گئی ہے تا کہ لوگ دنیاوی لہو ولعب اور نفسانی خواہشات سے اجتناب اور آخرت میں کام آنے والے اچھے کاموں کی طرف رغبت کریں کیونکہ ہر انسان موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔

کفار مکہ کا ایک اعتراض یہ تھا کہ آپ ان کی طرح بشر ہیں اور انہی کی طرح کھاتے اور پیتے ہیں، پھر آپ رسول کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس سورت میں انہیں بتایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے رسول بھیجے گئے ہیں وہ سب بشر تھے اور اگر تمہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یقین نہیں تو عیسائی اور یہودی علماء سے پوچھ لو وہ بھی اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ ان کے انبیائے کرام علیہم السلام یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بشر تھے۔ کفار کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اس سورت میں انہیں بتایا گیا ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں نہیں بلکہ اس کے فرماں بردار بندے ہیں۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے کہ اس نے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعۃ الکرم، انگلستان

بروز جمعہ بعد از نماز عشاء ۲۸ مارچ ۲۰۰۸ء بمطابق ۲۱ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

آیاتھا ۱۱۲ ۲۱ سُوْرَۃُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ ۷۳ رکوعاتھا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝ ۱ ۔ لوگوں کے لئے ان کے حساب کا وقت قریب آ گیا اور وہ پھر بھی غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں۔[۱]

[۱] ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام علیہم السلام کا طویل زمانہ گزر چکا اور آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا دور شروع ہو چکا ہے۔ اب کوئی اور نبی نہیں آئے گا بلکہ آپ کے بعد قیامت ہی آئے گی، جیسا کہ حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر فرمایا: میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح (ساتھ ساتھ) بھیجے گئے ہیں۔

(بخاری: ۶۵۰۴: کتاب الرقاق: باب ۳۹)

حساب کے وقت سے مراد قیامت یا موت ہے جو ہر گھڑی قریب سے قریب تر آ رہی ہے، جیسے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی خالق نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

موت کے ساتھ ہی حساب و کتاب کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جب کہ فائنل حساب قیامت کے دن ہوگا، جس کے بعد نیک لوگ جنت میں اور برے لوگ جہنم میں جائیں گے مگر یہ مشرک لوگ نفسانی خواہشات کی پیروی میں مستغرق ہیں اور قیامت سے غافل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت اور موت کا وقت معین نہیں فرمایا تا کہ انسان ہر وقت گناہ سے بچتا رہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گناہ کر رہا ہو اور اسی وقت موت آ جائے۔ گناہ سے بچنے کے لئے مندرجہ ذیل احادیث غور طلب ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا: دنیا میں ایک مسافر کی طرح رہو یا اس طرح جیسے کوئی شخص راستہ عبور کر رہا ہو۔ اور حضرت ابن عمر ؓ کہا کرتے تھے: جب تم شام کو پاؤ تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح کو پاؤ تو شام کا انتظار نہ کرو (کیا پتہ کس وقت موت آ جائے) اور اپنی صحت کے ایام میں بیماری کے ایام کے لئے نیک عمل کر لو اور اپنی زندگی میں موت کے لئے نیک عمل کر لو۔ (بخاری: ۶۴۱۶: کتاب الرقاق: باب ۳)

۲۔ حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں کے آنے سے پہلے غنیمت جانو: جوانی کو بڑھاپا آنے سے پہلے، صحت کو بیماری آنے سے پہلے، خوشحالی کو تنگ دستی آنے سے پہلے، فرصت کو مصروفیت سے پہلے اور زندگی کو موت کے آنے سے پہلے۔

(مستدرک: امام حاکم: ۷۸۴۶: جلد ۴: ص ۳۴۱)

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قبر ہر روز پکار کر کہتی ہے: میں پردیس، تنہائی، مٹی اور کیڑوں کا گھر ہوں۔ (ترمذی: ۲۴۶۰: ابواب القیامۃ: باب ۲۶) عبید ابن عمر ؓ نے کہا: بے شک قبر کہتی ہے: اے ابن آدم! کیا تو جانتا نہیں کہ میں

مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ ذِکۡرٍ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ مُّحۡدَثٍ اِلَّا اسۡتَمَعُوۡہُ وَ ہُمۡ یَلۡعَبُوۡنَ ۙ﴿۲﴾

٢۔ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی ہے تو وہ اسے اس حال میں سنتے ہیں جیسے وہ کھیل کود میں ہوتے ہیں۔[٢]

لَاہِیَۃً قُلُوۡبُہُمۡ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّجۡوَی ٭ۖ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ٭ۖ ہَلۡ ہٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ ۚ اَفَتَاۡتُوۡنَ السِّحۡرَ وَ اَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳﴾

٣۔ ان کے دل غافل ہوتے ہیں، اور یہ ظالم لوگ (آپس میں) سرگوشیاں کرتے ہیں کہ یہ تو محض تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہے، کیا تم پھر بھی جادو کے پاس جاتے ہو حالانکہ تم دیکھ رہے ہو۔[٣]

قٰلَ رَبِّیۡ یَعۡلَمُ الۡقَوۡلَ فِی السَّمَآءِ

٤۔ (نبی کریم ﷺ نے) فرمایا: میرا رب ہر اس بات کو جانتا

پردیس، کیڑوں اور تنہائی کا گھر ہوں، تو نے میرے لئے کیا تیار کیا ہے؟ (کتاب الخراج: امام ابو یوسف: ص ١٨)

٤۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو دن ابن آدم پر آتا ہے اس میں آواز دی جاتی ہے (یعنی دن خود آواز دیتا ہے) اے آدم زاد! میں نیا ہوں تو جو کچھ کرے گا کل میں تیرے لئے شہادت دوں گا اس لئے میرے اندر تو نیکی کرنا تا کہ کل میں تیرے لئے اچھی شہادت دوں۔ میں اگر گزر گیا تو پھر تو مجھے کبھی نہیں دیکھے گا اور رات بھی اسی طرح کہتی ہے۔ (تفسیر مظہری: سورہ ہود (١١): زیر آیت نمبر ١٨)

قبر کا عذاب

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی زوجہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دعا کی --- تو نبی ﷺ نے فرمایا: --- اگر تم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتیں کہ وہ تم کو دوزخ کے عذاب یا قبر کے عذاب سے اپنی پناہ میں رکھے تو یہ بہتر اور افضل ہوتا۔ (مسلم: ٦٧٧٠: کتاب القدر: باب ٧)

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ تعالیٰ! میں قبر کے عذاب اور دوزخ کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور زندگی اور موت کے فتنہ سے اور مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ (بخاری: ١٣٧٧: کتاب الجنائز: باب ٨٧)

[٢] جب کوئی نئی سورت یا آیت نازل ہوتی ہے اور مشرکین کو ان کی ہدایت کے لئے سنائی جاتی ہے تو وہ اس حال میں سنتے ہیں جیسے وہ اسے کھیل تماشا سمجھتے ہوں یعنی ایک تو اس میں غور و فکر نہیں کرتے اور دوسرا اس کا مذاق بھی اڑاتے ہیں۔

[٣] یہ ظالم لوگ آخرت سے بالکل غافل ہیں، نبی کریم ﷺ کے خلاف سرگوشیاں اور سازشیں کرتے ہیں اور جس کسی کو اسلام کی طرف مائل دیکھتے ہیں، اسے کہتے ہیں: محمد تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہے، یہ نبی نہیں بلکہ جادوگر ہے، پھر تم دانستہ اس کے جادو میں کیوں پھنستے جا رہے ہو؟

وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

ہے جو آسمان اور زمین میں کہی جائے اور وہ بہت سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔[۴]

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝

۵۔ بلکہ انہوں نے کہا: یہ (قرآن) پریشان خواب ہیں بلکہ اس کو (رسول) نے خود گھڑا ہے بلکہ یہ شاعر ہے، (اگر یہ سچا نبی ہے) تو ہمارے پاس کوئی نشانی لے آئے جیسے پہلے رسول (نشانیوں کے ساتھ) بھیجے گئے تھے۔[۵]

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝

۶۔ ان سے پہلے ہم نے جس بھی بستی والوں کو ہلاک کیا وہ (نشانیاں دیکھ کر بھی) ایمان نہیں لائے تھے تو کیا یہ ایمان لے آئیں گے؟[۶]

---

[۴] نبی کریم ﷺ نے مشرکین سے فرمایا: میرا رب زمین و آسمان کے کسی بھی کونے میں کہی جانے والی ہر ظاہر اور پوشیدہ بات کو خوب جانتا ہے۔ لہٰذا تمہاری کوئی سازش اس سے مخفی نہیں ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ان کی سازش سے مطلع فرمادیا اور نبی کریم ﷺ نے ان کو بتادیا کہ تم نے یہ سرگوشی کی ہے۔ (تفسیر قرطبی) نبی کریم ﷺ نے ان کی سرگوشی کو بے نقاب کر کے انہیں غیب کی خبر بتائی اور یہ آپ کا معجزہ تھا مگر اس کے باوجود ان عقل کے اندھے ظالموں کو ایمان لانے کی توفیق نہ ہوئی۔

[۵] نبی کریم ﷺ کی صداقت اور قرآن مجید کی حقانیت نے کفر و شرک کے قلعوں کو ہلا کر رکھ دیا، جو بھی قرآن مجید کو غور سے سنتا وہ مسلمان ہو جاتا۔ کفار مکہ نے لوگوں کو اسلام سے دور رکھنے کے لئے طرح طرح کے الزامات لگانے شروع کر دیے۔ کبھی کہتے: یہ قرآن ان کے پریشان خوابوں کا مجموعہ ہے۔ کبھی کہتے: یہ خدا کا کلام نہیں بلکہ انہوں نے خود گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا ہے اور کبھی کہتے: یہ شاعرانہ تخیلات ہیں ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، اور اگر یہ سچا نبی ہے تو پہلے رسولوں کی طرح عصا اور ید بیضا جیسے معجزے کیوں نہیں لاتا۔

اشعار کہنا اور اشعار سننا بذات خود کوئی معیوب بات نہیں بلکہ ان سے تو کسی حقیقت کا اثر دوگنا ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے خود اشعار پڑھے بھی ہیں اور صحابہ کرام ؓ سے سنے بھی ہیں لیکن وہ اشعار جن میں افراط و تفریط اور تخیلات کا بیان جھوٹ اور کفر کی حد تک پہنچ جائے ایسے اشعار کا کہنا اور سننا دونوں حرام ہیں۔ قرآن مجید میں ایسے اشعار کو گمراہی قرار دیا گیا ہے، لہٰذا ایسے اشعار سے نبی کریم ﷺ کا کوئی تعلق نہیں۔

[۶] ان سے پہلے جن قوموں کو ہلاک کیا گیا تھا وہ اپنی پسند کے معجزات دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہیں لائے تھے، اسی طرح اہل مکہ

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑦

۷۔ اور ہم نے آپ سے پہلے بھی مردوں ہی کو (رسول بنا کر) بھیجا تھا جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے، پس تم اہل علم سے پوچھ لو اگر تم خود نہیں جانتے۔ [۷]

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ⑧

۸۔ اور ہم نے ان انبیاء علیہم السلام کے ایسے جسم نہیں بنائے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔ [۸]

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ⑨

۹۔ پھر ہم نے ان سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، پس ہم نے ان کو اور جن کو ہم نے چاہا نجات دے دی اور ہم نے حد سے تجاوز کرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ [۹]

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ

۱۰۔ بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب نازل کی ہے

کو بھی اگر ان کی پسند کے معجزات دکھا دیے جاتے تو یہ بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں کیونکہ قرآن مجید ایک زندہ جاوید معجزہ کی حیثیت سے پہلے ہی ان کے سامنے موجود ہے۔ ماننے والوں کے لئے ایک ہی معجزہ کافی ہے اور نہ ماننے والوں کے لئے سینکڑوں معجزات بھی کافی نہیں ہیں۔

[۷] کفار مکہ کا ایک اعتراض یہ تھا کہ آپ ان کی طرح بشر ہیں اور انہی کی طرح کھاتے اور پیتے ہیں، پھر آپ رسول کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس آیت میں انہیں بتایا گیا کہ آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے گئے ہیں وہ سب بشر تھے اور اگر تمہیں آپ پر یقین نہیں ہے تو عیسائی اور یہودی علماء سے پوچھ لو، وہ بھی اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ ان کے انبیائے کرام یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بشر تھے۔

انسانوں کی ہدایت کے لئے جتنے انبیائے کرام علیہم السلام بھیجے گئے وہ سب مرد تھے۔ کسی فرشتے، جن یا عورت کو نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ اس سلسلہ میں سورہ آل عمران (۳) کی آیت نمبر ۴۲ اور حاشیہ نمبر ۲۱ ملاحظہ کریں۔

[۸] انبیائے کرام علیہم السلام کے جسم فرشتوں کی طرح نہیں تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ خدا کی طرح ہمیشہ رہنے والے تھے بلکہ وہ بشر تھے۔ وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور موت کا ذائقہ بھی چکھنے والے ہیں۔

[۹] اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جو وعدے فرمائے تھے وہ پورے کر دیے یعنی انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کو نجات دی اور تکذیب کرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔

اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰﴾	جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے، کیا تم نہیں سمجھتے ؟[۱۰]
وَ کَمۡ قَصَمۡنَا مِنۡ قَرۡیَۃٍ کَانَتۡ ظَالِمَۃً وَّ اَنۡشَاۡنَا بَعۡدَہَا قَوۡمًا اٰخَرِیۡنَ ﴿۱۱﴾	۱۱۔ اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو برباد کر دیا (کیونکہ) وہ ظالم تھیں اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوموں کو پیدا کر دیا۔[۱۱]
فَلَمَّاۤ اَحَسُّوۡا بَاۡسَنَاۤ اِذَا ہُمۡ مِّنۡہَا یَرۡکُضُوۡنَ ﴿۱۲﴾	۱۲۔ پھر جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا تو فوراً وہاں سے بھاگنے لگے۔
لَا تَرۡکُضُوۡا وَ ارۡجِعُوۡۤا اِلٰی مَاۤ اُتۡرِفۡتُمۡ فِیۡہِ وَ مَسٰکِنِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۱۳﴾	۱۳۔ (ان سے کہا گیا:) اب مت بھاگو بلکہ اپنی رہائش گاہوں اور آسائشوں کی طرف واپس جاؤ جو تمہیں دی گئی تھیں تا کہ تم سے باز پرس کی جائے۔[۱۲]
قَالُوۡا یٰوَیۡلَنَاۤ اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۱۴﴾	۱۴۔ کہنے لگے: ہائے ہماری بدبختی! بے شک ہم ظالم تھے۔
فَمَا زَالَتۡ تِّلۡکَ دَعۡوٰىہُمۡ حَتّٰی جَعَلۡنٰہُمۡ حَصِیۡدًا خٰمِدِیۡنَ ﴿۱۵﴾	۱۵۔ پھر وہ اسی طرح فریاد کرتے رہے یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹی ہوئی کھیتی اور بجھی ہوئی آگ کی طرح کر دیا۔[۱۳]

[۱۰] قرآن مجید میں تمہارے لئے نصیحت اور شریعت کا بیان ہے، لہٰذا تم اس میں غور وفکر کر کے اپنی دنیا اور آخرت کو بہتر بنانے کی کوشش کرو۔

[۱۱] اور ہم نے بہت سی بستیوں کو اس لئے برباد کیا کیونکہ اس کے رہنے والے ظالم تھے اور ان کی جگہ دوسری قوموں کو آباد کیا۔

[۱۲] پھر جب عذاب الٰہی کے آثار ظاہر ہوئے تو وہ بھاگنے لگے۔ اس وقت غیب سے ندا آئی: اب بھاگنے سے تمہاری جان نہیں بچ سکتی بلکہ اپنی آسائشوں اور رہائش گاہوں میں واپس چلو تا کہ تم سے خدا کی عطا کردہ نعمتوں کے بارے میں باز پرس کی جائے۔ یہ سوال بطور طنز اور مذاق کے ہے ورنہ عذاب کے شکنجے میں کسے جانے کے بعد کوئی سوائے ندامت کے اور کیا جواب دے سکتا ہے؟

[۱۳] جب عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو مجبوراً اپنے مظالم کا اعتراف کر کے توبہ کرنے لگے لیکن اب قبولیت توبہ کا وقت ختم ہو چکا تھا اس لئے انہیں کٹی ہوئی کھیتی کے ڈھیر اور بجھی ہوئی آگ کی راکھ کی طرح نیست و نابود کر دیا گیا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل تماشے کے طور پر نہیں بنایا۔

لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِیْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اگر ہم چاہتے کہ کوئی کھیل تماشہ بنائیں تو ہم اسے اپنے پاس سے ہی بنا لیتے مگر ہم ایسا کرنے والے نہیں ہیں۔ [۱۴]

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَیَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَیْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ بلکہ ہم حق سے باطل پر ضرب لگاتے ہیں، پس حق اسے کچل دیتا ہے اور وہ یکایک ناپید ہو جاتا ہے، اور تمہارے لئے ان باتوں کے باعث ہلاکت ہے جو تم بیان کرتے ہو۔ [۱۵]

وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ اور اسی کا ہے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، اور جو (فرشتے) اس کے پاس ہیں وہ نہ تو اس کی عبادت سے سرکشی کرتے ہیں اور نہ ہی وہ تھکتے ہیں۔ [۱۶]

---

[۱۴] اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو بے مقصد پیدا نہیں فرمایا بلکہ اس لئے پیدا فرمایا تاکہ لوگ اس میں غور و فکر کر کے اس کی توحید کا ادراک حاصل کریں۔ اگر وہ اس کائنات کو کھیل تماشے کا ذریعہ بنانا چاہتا تو اسے کوئی روکنے والا نہیں تھا مگر یہ اس کی شانِ حکمت کے خلاف تھا۔ (صفوۃ التفاسیر)

[۱۵] حق و باطل کی کشمکش اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ انسانی تاریخ پرانی ہے لیکن حق نے جب بھی پوری تیاری اور قوت کے ساتھ باطل پر حملہ کیا تو اسے نیست و نابود کر دیا۔ اس آیت میں کفار مکہ کو وارننگ دی جا رہی ہے کہ ایک قادر مطلق خدا کا وجود برحق ہے اور تم اس کے خلاف جو باطل باتیں کرتے ہو یہ تمہارے لئے ہلاکت کا باعث ہوں گی۔

[۱۶] فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا خصوصی قرب حاصل ہے اور وہ ہر وقت پورے خلوص اور شوق کے ساتھ اس کی تسبیح اور عبادت میں مصروف رہتے ہیں ذرا بھی سستی اور سرکشی نہیں کرتے۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فرشتوں کی تسبیح ہمارے سانس کی طرح ہے یعنی جس طرح ہم ہر وقت سانس لیتے ہیں اور دوسرے کام بھی کرتے ہیں اسی طرح فرشتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح بھی بیان کرتے ہیں اور اس کے دیگر احکام بھی بجا لاتے ہیں۔ (تفسیر کبیر)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ فرشتے اپنی جلالتِ شان اور عظمتِ شرافت کے باوجود اللہ تعالیٰ

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ⑳

۲۰۔ وہ رات دن (اس کی) تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں (اور) ذرا سی بھی سستی نہیں کرتے۔

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ㉑

۲۱۔ کیا ان لوگوں نے زمین میں جن کو معبود بنا رکھا ہے وہ (مردوں کو) زندہ کر سکتے ہیں؟ [۱۷]

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ㉒

۲۲۔ اگر زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو یہ دونوں درہم برہم ہو جاتے، پس اللہ تعالیٰ جو عرش کا رب ہے وہ ان (باتوں) سے پاک ہے جو یہ مشرکین بیان کرتے ہیں۔ [۱۸]

کی اطاعت سے سرکشی نہیں کرتے تو ایک کمزور بشر کو کیسے زیب دیتا ہے کہ وہ اس کی اطاعت سے سرکشی کرے۔ (تفسیر کبیر)

[۱۷] مشرکین نے جن چیزوں کو معبود بنا رکھا ہے کیا ان میں اتنی طاقت ہے کہ وہ کسی چیز کو زندگی دے سکیں یا کسی مردہ کو دوبارہ زندہ کر سکیں؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، جو خود بے جان ہیں وہ کسی کو زندہ کیسے کر سکتے ہیں حالانکہ معبود کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ زندہ کرنے اور مارنے پر قادر ہو۔ (صفوۃ التفاسیر) لہٰذا مشرکین کو چاہیے کہ وہ ان چیزوں کے بجائے صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں جو زندگی اور موت کا مالک ہے۔

[۱۸] اللہ تعالیٰ صرف ایک ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ قادر مطلق ہے اور وہی ساری کائنات کا خالق، مالک اور رازق ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ تو عرش اعظم کا بھی رب ہے اور ان شرکاء سے پاک ہے جو مشرکین نے بنا رکھے ہیں۔

توحید کے متعلق چند عقلی دلائل

۱۔ کائنات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے

اگر ایک سے زائد خدا مان لئے جائیں تو سوال پیدا ہوگا کیا اس کائنات کو ایک خدا نے پیدا کیا ہے یا سب نے ایک دوسرے کی امداد سے پیدا کیا ہے؟ اگر تو اس کائنات کو ایک خدا نے پیدا کیا ہے تو پھر دوسروں کو ماننے کی کیا ضرورت ہے اور اگر سب نے ایک دوسرے کی امداد سے پیدا کیا ہے تو ان میں سے ایک بھی اس قابل نہیں کہ اسے خدا کہا جائے کیونکہ جو خود دوسروں کی امداد کا محتاج ہے وہ مخلوق کی امداد کیا کرے گا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں

اگر ان میں سے ایک کامل قدرت کا مالک ہے اور دوسرے اس کی امداد کے محتاج ہیں تو جو کامل ہے اسے کیا ضرورت

ہے کہ اس عظیم الشان کائنات کی تخلیق میں دوسروں کو شریک کرے؟ مثال کے طور پر اگر ایک سائنسدان تنہا کوئی چیز ایجاد کرسکتا ہے تو وہ اس اعزاز میں کسی دوسرے کو شامل کرنا برداشت نہیں کرے گا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ طاقتور ہے

اگر سب یکساں قوت اور اختیار کے مالک ہیں تو ان میں باہمی اختلاف کا پیدا ہونا لازمی ہے اور جب ایک خدا دوسرے خدا کے مقابلے میں آئے گا تو کائنات درہم برہم ہو جائے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور خدا نہیں ہے ورنہ ہر خدا اپنی مخلوق کو الگ کرلیتا اور ہر ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتا۔ (قرآن:٢٣:٩١)

۴۔ اللہ تعالیٰ ہی نظام کائنات چلا رہا ہے

اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ سب اتفاق سے کام کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے اختلاف نہیں کرتے تو کیا نظام کائنات چلانے میں سب کی قوت صرف ہو رہی ہے یا ایک کی؟ اگر ایک کی قوت صرف ہو رہی ہے تو دوسرے بے کار ہوں گے اور اگر سب کی قوت صرف ہو رہی ہے تو پھر سوال یہ ہوگا کہ سب علیحدہ علیحدہ اس نظام کائنات کو چلا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں چلا سکتے تو سب عاجز اور محتاج ہوئے جو شان خداوندی کے خلاف ہے اور اگر ان میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ نظام کائنات چلا سکتا ہے اور پھر بھی سب مل کر چلا رہے ہیں تو یہ طاقت کا ضیاع اور اس کی بے جا نمائش ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ عاجز نہیں ہے

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: اگر زمین و آسمان میں دو خدا ہوں تو نظام کائنات برباد ہو جائے گا کیونکہ ان میں سے ایک اگر ایک چیز کا ارادہ کرے اور دوسرا اس کی مخالفت کا ارادہ کرے تو ان میں سے ایک عاجز آ جائے گا۔ (تفسیر قرطبی) یعنی ایک خدا اگر آج سورج کو مغرب سے طلوع کرنا چاہے اور دوسرا مشرق ہی سے طلوع کا ارادہ کرے، تو اگر آج سورج مغرب سے طلوع ہو جائے تو دوسرا خدا عاجز آ گیا اور اگر مغرب سے طلوع نہ ہو تو پہلا خدا عاجز آ گیا تو جو عاجز آ گیا وہ خدا نہیں ہوسکتا، لہٰذا خدا ایک ہی ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں: اگر ایک جسم میں دو دل، ایک بدن میں دو روح، اور ایک نظام شمسی میں دوسرا سورج نہیں سما سکتے تو اس جہان بالا و پست میں بھی ایک خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں سما سکتا۔ (تفسیر روح البیان) اور یہ ایک بدیہی حقیقت ہے جیسا کہ آج دنیا میں کوئی ایسا ملک، کارخانہ، سکول یا کالج نہیں ہے جس کے دو سربراہ ہوں۔ فیصلہ کن طاقت کا مالک ہمیشہ ایک ہی سربراہ ہوتا ہے وگرنہ وہ ادارہ فساد کا شکار ہو جاتا ہے۔

۷۔ خدا سے پہلے کون تھا؟

ایک دہریے (خدا کے منکر) نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: اگر خدا ایک ہے تو اس سے پہلے کون تھا؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر گنتی جانتے ہو تو بیان کرو؟ چنانچہ جب وہ ایک، دو اور تین پر پہنچا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: اب مجھے بتاؤ تین سے پہلے

کیا ہے؟ اس نے کہا: دو۔ اور دو سے پہلے؟ اس نے کہا: ایک۔ امام ابوحنیفہ ﷫ نے فرمایا: ایک سے پہلے کیا ہے؟ تو دہریہ کہنے لگا: صفر یعنی کچھ نہیں۔ اس پر امام ابوحنیفہ ﷫ نے فرمایا: یہی تو ہمارا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور ایک سے پہلے کچھ بھی نہیں ہوتا۔

۸۔ خدا ہر جگہ ہے

دہریہ نے امام ابوحنیفہ ﷫ سے پوچھا: ہر موجود کے لئے مکان کا ہونا ضروری ہے جس میں وہ قیام کرتا ہے تو خدا کہاں رہتا ہے؟ امام ابوحنیفہ نے دودھ سے بھرا ہوا ایک برتن منگایا اور دہریے کو کہا: کیا اس میں مکھن ہے؟ دہریے نے کہا: ہاں۔ امام ابوحنیفہ نے پوچھا: دودھ کے کون سے حصہ میں مکھن ہے؟ دہریہ کہنے لگا: کسی ایک گوشہ کو مختص نہیں کیا جاسکتا کیونکہ دودھ کے ہر ہر قطرہ میں مکھن موجود ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی ہر جگہ موجود ہے کسی ایک مکان کو مختص نہیں کر سکتے۔

۹۔ خدا موجود ہے

پرانے زمانے کی بات ہے کہ ایک بوڑھی عورت چرخہ کات رہی تھی یعنی روئی سے دھاگہ بنا رہی تھی اور ساتھ ساتھ کلمہ توحید کا ورد بھی کر رہی تھی۔ ایک مسافر نے پوچھا: جس خدا کا تو ذکر کر رہی ہے کیا تیرے پاس اس کے وجود کی کوئی دلیل بھی ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں! میرا یہ چرخہ خدا کے وجود کی دلیل ہے۔ مسافر کہنے لگا: یہ کیسے؟ اس بوڑھی خاتون نے کہا: اگر میں اس چرخہ کو چلاؤں تو یہ چلتا ہے اور اگر میں اس کو حرکت نہ دوں تو نہیں چلتا۔ چونکہ نظام کائنات سرگرم عمل ہے جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ کوئی اس کو چلا رہا ہے اور وہ صرف ایک ہی خدا ہے جو ساری کائنات کا خالق اور مالک ہے۔

۱۰۔ خدا صرف ایک ہے

مسافر نے پھر پوچھا: اس کا تیرے پاس کیا ثبوت ہے کہ ساری کائنات کو چلانے والا خدا صرف ایک ہے؟ اس بوڑھی خاتون نے جواب دیا: اس کا ثبوت بھی میرا چرخہ ہے۔ اگر میں تنہا اس کو چلاؤں تو یہ صحیح کام کرتا ہے اور اگر دو آدمی اس کو چلائیں تو دھاگہ ٹوٹ جاتا ہے۔ (جیسے کار کو ایک ڈرائیور چلائے تو کار صحیح چلتی ہے اور اگر ایک وقت میں دو ڈرائیور چلائیں تو حادثہ کا خطرہ ہوتا ہے) چونکہ نظام کائنات اپنی پوری رفتار اور ترتیب کے ساتھ چل رہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو چلانے والا ایک ہے۔ اور اگر دو یا تین خدا ہوتے تو اختلاف رائے سے نظام کائنات درہم برہم ہو جاتا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: اگر زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خدا ہوتے تو یہ دونوں (زمین و آسمان) برباد ہو جاتے۔
(قرآن: ۲۱: ۲۲)

۱۱۔ خدا نظر نہیں آتا

ایک دہریہ پرائمری سکول میں ایک کلاس کو کہہ رہا تھا: بچو! کیا میں تمہیں نظر آ رہا ہوں؟ بچوں نے ہاں میں جواب دیا تو استاد کہنے لگا: اس کا مطلب ہے کہ میں موجود ہوں۔ اسی طرح کرسی اور میز کے بارے سوال کرنے کے بعد پوچھا: کیا تمہیں خدا نظر آ رہا ہے؟ بچوں نے نفی میں جواب دیا تو استاد کہنے لگا: اس کا مطلب ہے کہ خدا موجود نہیں ہے، اگر ہوتا تو نظر آتا۔ ایک طالب علم اٹھ کر کلاس سے مخاطب ہوا: کیا تمہیں استاد صاحب کی عقل نظر آ رہی ہے؟ طلبہ نے نفی میں جواب دیا تو وہ طالب علم کہنے لگا: اس کا مطلب ہے کہ استاد صاحب میں عقل نہیں ہے۔ اسی طرح بے شمار چیزیں ہیں جن کو ہم مانتے ہیں لیکن

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے اس سے پرسش نہیں کی جا سکتی اور ان سے باز پرس کی جائے گی۔ [۱۹]

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ

۲۴۔ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود بنا لئے ہیں؟ آپ فرمایئے: اپنی دلیل لاؤ، یہ قرآن میرے ساتھ والوں کے

وہ ہمیں نظر نہیں آتیں جیسے روح، ہوا، آواز، اخلاص اور نفاق وغیرہ۔

۱۲۔ ایک مسلمان اور کافر کا مکالمہ

ایک کافر نے کسی مسلمان سے پوچھا کہ تم ایک ایسے خدا پر ایمان کیوں رکھتے ہو جو تمہیں نظر نہیں آتا؟ مسلمان نے اس سے اس کے پردادا کا نام پوچھا اور کہا: کیا تو نے اپنے پردادا کو دیکھا تھا؟ کافر نے کہا: میں نے تو اس کی قبر تک نہیں دیکھی کیونکہ وہ کسی اور ملک میں رہتا تھا۔ مسلمان نے کہا: جب تو نے اسے دیکھا نہیں تو تو اسے پردادا کیوں کہتا ہے؟ کافر کہنے لگا: اس نے اپنے والدین اور رشتہ داروں سے سنا ہے۔ مسلمان کہنے لگا: جن لوگوں سے تو سن کر پردادا پر ایمان رکھتا ہے یہ لوگ جھوٹ بول سکتے ہیں مگر ہم نے خدا کے متعلق ایک ایسے سچے اور سُچے انسان (حضرت محمد ﷺ) سے سنا ہے جس کی سچائی کی گواہی اس کے دشمن بھی دیتے تھے۔ اپنے اور بیگانے ان کو صادق اور امین کے نام سے یاد کرتے تھے۔

۱۳۔ خدا کی ضرورت ہے

ایک دفعہ مختلف مذاہب کے نوجوان بچے اور بچیاں بی بی سی ٹیلی ویژن پر ایک مباحثہ میں شریک تھے، موضوع سخن تھا: کیا خدا کی ضرورت ہے یا نہیں؟ ایک نوجوان بچی کہنے لگی: ہر انسان سے غلطی ہو سکتی ہے۔ جب انسان زندگی میں پہلی بار غلطی کرتا ہے تو اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہے، بعض دفعہ وہ غلطی اتنی سنگین اور شرمناک ہوتی ہے کہ انسان نہ تو والدین کو بتانا پسند کرتا ہے اور نہ ہی دوستوں سے اس کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہے اور تنہا پریشانی سے اس کا دماغ پھٹنے لگتا ہے۔ اب ایسی صورت حال میں انسان گھبرا کر خودکشی بھی کر سکتا ہے یا ہمیشہ کے لئے مجرمانہ زندگی کا راستہ اختیار کر سکتا ہے۔

لیکن اگر اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو تو تنہائی میں جا کر خدا کے سامنے روئے اور خوب روئے، اپنی غلطی کا اعتراف کرے، توبہ کر کے آئندہ غلطی نہ کرنے کا عزم مصمم کرے، خدا کی رحمت سے غلطی معاف ہونے کی امید رکھے اور اطمینان کے ساتھ نئی زندگی کا سفر شروع کرے، لہٰذا پریشانیوں سے نجات کے لئے ہر انسان کو خدا کی ضرورت ہے۔

[۱۹] اللہ تعالیٰ قادر مطلق اور مختار کل ہے، وہ ہر قسم کے نقص اور ظلم وستم سے پاک ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے، لہٰذا اس کے کسی قول یا فعل پر پرسش نہیں کی جا سکتی۔ نیز وہ سب کا حاکم ہے کوئی اس کا حاکم نہیں جو اس سے باز پرس کر سکے لیکن بنی نوع انسان اس کے بندے ہیں اور ان پر اس کی اطاعت لازم ہے اس لئے ان سے ان کے افعال واقوال کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔

قَبۡلِیۡ ؕ بَلۡ اَکۡثَرُهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۙ الۡحَقَّ فَهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۲۴﴾

لئے نصیحت ہے اور (دوسری کتب) مجھ سے پہلوں کے لئے نصیحت ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر حق کو نہیں جانتے اس لئے وہ روگردانی کئے ہوئے ہیں۔[۲۰]

وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۲۵﴾

۲۵۔اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا اس کی طرف یہی وحی کرتے تھے کہ بے شک میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، پس تم میری عبادت کرو۔[۲۱]

[۲۰] میرے پیارے نبی! ان مشرکین سے فرمایئے کہ تم نے توحید کی بڑی سادہ اور عام فہم دلیل ابھی سنی ہے لیکن تم نے اللہ تعالیٰ کے سوا جو معبود بنا رکھے ہیں اگر ان کے متعلق کوئی نقلی یا عقلی دلیل تمہارے پاس ہے تو پیش کرو، حالانکہ جو کتاب مجھ پر نازل کی گئی ہے اور جو کتابیں مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر نازل کی گئی ہیں ان میں تمہارے ان معبودوں کے متعلق کوئی اشارہ تک نہیں ہے۔ دراصل ان کے پاس ان کے معبودوں کے متعلق کوئی دلیل نہیں ہے صرف ضد اور جہالت کے باعث وہ حق سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔

[۲۱] آیت نمبر ۲۲ میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی عقلی دلیل بیان کی گئی ہے اب اس آیت میں ایک نقلی دلیل پیش کی جارہی ہے یعنی پہلے جتنے بھی انبیائے کرام علیہم السلام بھیجے گئے ان کی کتابوں میں یہی لکھا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں لہٰذا صرف اسی کی عبادت کرو۔

بائبل اور توحید

ہر آسمانی کتاب کی بنیادی اور مرکزی تعلیم یہی تھی کہ خدا ایک ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہ ہر حیثیت سے یکتا و بے مثال ہے۔ موجودہ بائبل میں بھی غور کیا جائے تو بے شمار مقامات پر ایک خدا کا تصور موجود ہے۔ اس وقت میرے سامنے The Living Bible کا برٹش ایڈیشن 1975ء ہے۔ اس سے چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

1). How great are you, Lord God! We have never heard of any other god like you. And there is no other god. (2 Samuel : 7 : 22 : P. 313)

اے پروردگار خدا! آپ اتنے بزرگ و بالاتر ہیں کہ ہم نے آپ جیسا کوئی دوسرا خدا کبھی سنا تک نہیں اور نہ ہی تیرے سوا کوئی اور خدا ہے۔(۲ سموئیل)

2) You alone are God. You have made the skies and the heavens, the earth and the seas, and every thing in them. You preserve it all; and all the angels of heaven worship you. (Nehemiah : 9 : 6 : P. 491)

تو اور صرف تو ہی اکیلا خدا ہے۔ تو نے ہی آسمان، جنت، زمین، سمندر اور ان کی وسعتوں میں بسنے والی ہر چیز پیدا فرمائی۔ توان سب کا پروردگار ہے اور سارے فرشتے تیری عبادت کرتے ہیں۔ (نحمیاہ)

3) Next Satan took him to the peak of a very high mountain and showed him the nations of the world and all their glory. "I 'll give it to you," he said, "if you will only kneel and worship me."

"Get out of here, Satan," Jesus told him, "The Scriptures say, "Worship only the Lord God. Obey only him." (Metthew : 4 : 8 to 10 : P. 886)

پھر شیطان انہیں (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو) ایک بہت اونچے پہاڑ کی چوٹی پر لے گیا، دنیا کی سب قومیں اور ان کی شان وشوکت انہیں دکھائی اور ان سے کہا: اگر آپ جھک کر صرف میری عبادت کریں تو یہ سب کچھ آپ کو دے دوں گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے کہا: دور ہو جا اے شیطان! کیونکہ مقدس صحیفے کہتے ہیں کہ تو صرف اپنے پروردگار خدا کی عبادت کر اور صرف اسی کی فرمانبرداری کر۔ (متی کی انجیل)

4) One of the teachers of religion asked, "Of all the commandments, which is the most important? "Jesus replied, "the one that says, 'Hear, O Israel! The Lord God is the one and only God. And you must love him with all your heart and soul and mind and strength ..."

The teacher of religion replied, "Sir, you have spoken a true word in saying that there is only one God and no other." (Mark : 12 : 28 to 32 : P. 941)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک مذہبی استاد نے پوچھا: سب حکموں میں زیادہ اہم کون سا حکم ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: اے اسرائیل سن! اول یہ ہے کہ پروردگار ہمارا خدا صرف ایک ہے اور تو اس خدا سے اپنے سارے دل، اپنی ساری جان، اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ ---- مذہبی استاد نے جواب دیا: جناب! بہت خوب! آپ نے سچ فرمایا کہ خدا صرف ایک ہے اور اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ (مرقس کی انجیل)

5) And this is the way to have eternal life - by knowing you, the only true God, and Jesus Christ, the one you sent to earth. (John : 17 : 3 : P. 1018)

(ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تقریر کے بعد آسمان کی طرف چہرہ اٹھایا اور بارگاہ خداوندی میں عرض گزار ہوئے:) دائمی زندگی حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ انسان تجھ کو ایک اور سچا خدا جانے اور مسیح کو زمین پر تیرا بھیجا ہوا (رسول یقین کرے)۔ (یوحنا کی انجیل)

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے (فرشتوں کو) اولاد بنا رکھا ہے، وہ (اس سے) پاک ہے بلکہ وہ (فرشتے تو اس کے) معزز بندے ہیں۔[۲۲]

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ وہ کسی بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ اسی کی شفاعت کریں گے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔[۲۳]

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ ع

۲۹۔ اور (بالفرض اگر) ان میں سے کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا میں معبود ہوں تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے، (اور) ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔[۲۴]

---

[۲۲] عرب کے بعض قبائل فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں تصور کرتے تھے۔ اس آیت میں انہیں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے اور فرشتے اس کی اولاد نہیں ہیں بلکہ اس کے معزز اور مقرب بندے ہیں اور بارگاہ خداوندی میں ان کے ادب و احترام کا عالم یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اجازت کے بغیر اس کے سامنے لب کشائیں ہوتے اور ہر وقت اس کے حکم پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے معصوم ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے۔

[۲۳] اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ماضی و مستقبل اور ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے۔ اس نے فرشتوں کو شفاعت کی اجازت دے رکھی ہے لیکن فرشتے اسی کی شفاعت کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔

علامہ قرطبی نقل کرتے ہیں کہ فرشتے ان کے لئے شفاعت کریں گے جنہوں نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کی شہادت دی ہوگی اور فرشتے جس طرح اس دنیا میں اہل ایمان کے لئے استغفار کرتے ہیں اسی طرح آخرت میں بھی ان کی شفاعت کریں گے۔ (تفسیر قرطبی) اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام، علماء اور شہداء وغیرہم کے علاوہ فرشتے بھی قیامت کے دن شفاعت کریں گے۔

[۲۴] فرشتے اگرچہ معصوم اور معزز بندے ہیں پھر بھی ان میں سے اگر کوئی سرکشی کرے اور خدا کے مقابلے میں آنے کی کوشش کرے تو اسے بھی جہنم کی سزا دی جائے گی جس طرح دوسرے ظالموں کو دی جاتی ہے۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٣٠

٣٠۔ اور کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین آپس میں ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں جدا کر دیا؟ [٢٥] اور ہم نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا فرمایا، کیا وہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے؟ [٢٦]

وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝٣١

٣١۔ اور ہم نے زمین میں بڑے بڑے پہاڑ بنا دیئے ہیں تا کہ وہ لوگوں کے ساتھ لرزتی نہ رہے، [٢٧] اور ہم نے ان میں کشادہ راستے بنا دیئے تا کہ لوگ راستہ پا سکیں۔ [٢٨]

حضرت قتادہ ﷺ کہتے ہیں: یہ آیت خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دشمن ابلیس کے متعلق نازل ہوئی ہے جب اس نے سرکشی کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے مردود قرار دیا۔ (تفسیر ابن جریر طبری) ابلیس اگرچہ جن تھا مگر فرشتوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے فرشتوں میں شمار ہوتا تھا۔

[٢٥] کیا کافر لوگ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت میں غور نہیں کرتے کہ ابتدا میں زمین و آسمان آپس میں ملے ہوئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔ اب ان دونوں کے درمیان خلا اور ہوا کا ایک مستحکم نظام ہے۔ آسمان پر سورج، چاند اور ستاروں نے رونق لگا رکھی ہے اور زمین پر پہاڑ، دریا، جانور، کھیت اور انسان خوبصورت مناظر پیش کر رہے ہیں۔ کیا یہ مشرکین ان عظیم الشان انتظامات کو دیکھنے کے بعد بھی خدا کی توحید پر ایمان نہیں لاتے۔

[٢٦] پانی اور جاندار کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہر زندہ چیز جو ہمیں نظر آتی ہے اس کی پیدائش کا ذریعہ نطفہ یعنی پانی کا ایک قطرہ ہے اور پھر اس چیز کی نشوونما اور بقا کا ذریعہ بھی پانی ہے یعنی جو چیزیں وہ کھاتی اور پیتی ہے ان میں براہ راست یا بالواسطہ پانی شامل ہوتا ہے۔

اس کے برعکس فرشتوں کی پیدائش نور سے اور جنوں کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے مگر وہ ہمیں نظر نہیں آتے، تاہم حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے، حضرت حوا کی پیدائش پسلی سے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پھونک سے ہوئی اور ان کی پیدائش میں پانی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ دراصل ان کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کی قدرت جلوہ گر ہے اور ہر قاعدہ میں کچھ مستثنیات ہوتی ہیں، لہٰذا اکثریت کے اعتبار سے اس پر کل کا حکم ہی صادق رہے گا۔

[٢٧] اللہ تعالیٰ نے زمین کا توازن برقرار رکھنے کے لئے اس پر پہاڑ نصب کئے۔ یہ پہاڑ زمین کو گردش سے نہیں روکتے، البتہ لرزنے اور کانپنے سے کسی حد تک روکتے ہیں اور زلزلوں کی شدت اور کثرت میں کمی کا باعث بنتے ہیں۔

[٢٨] اللہ تعالیٰ نے بلند و بالا پہاڑوں کو سنگین دیواروں کی طرح کھڑا نہیں کر دیا کہ ایک طرف کے لوگ دوسری طرف نہ جا سکیں

وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّ هُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۝۳۲

۳۲۔ اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا اور (اس کے باوجود) لوگ اس آسمان کی نشانیوں سے روگردانی کئے ہوئے ہیں۔ [۲۹]

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝۳۳

۳۳۔ اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے لیل ونہار اور شمس وقمر کو پیدا فرمایا، سب (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہے ہیں۔ [۳۰]

وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝۳۴

۳۴۔ اور ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کے لئے (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنا مقدر نہیں کیا، تو اگر آپ انتقال فرما جائیں تو کیا یہ لوگ (یہاں) ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ [۳۱]

بلکہ ان کے درمیان درے اور فاصلے چھوڑ دیئے تاکہ لوگ راستے بنا کر آپس میں رابطہ قائم رکھ سکیں۔

[۲۹] اللہ تعالیٰ نے زمین کے اوپر چھت کی طرح جو اتنا بڑا آسمان بنایا ہے اس کو سہارا دینے کے لئے نہ دیواریں ہیں اور نہ ستون لیکن اس کے باوجود وہ ہزار ہا سال سے محفوظ اور مستحکم کھڑا ہے، پھر شمس وقمر بھی اپنے اپنے مدار میں ایسے منظم طریقہ سے گردش کررہے ہیں جس میں کبھی خلل پیدا نہیں ہوا۔ یہ سب ایسی نشانیاں ہیں جو واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں لیکن یہ مشرکین ان میں غور وفکر نہیں کرتے۔

[۳۰] سورج، چاند اور دیگر سیارے اپنے اپنے فلک میں گردش کررہے ہیں۔ فلک کیا ہے؟ کیا آسمان اور فلک دونوں ایک ہی چیز ہیں؟

اکثر مفسرین کے نزدیک فلک اور آسمان دو مختلف چیزیں ہیں، آسمان اوپر ہیں اور افلاک نیچے ہیں، جیسا کہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: فلک ایک موج کا نام ہے جسے اس کے طبقہ میں روک دیا گیا ہے اور وہ آسمان کے نیچے ہے اور شمس وقمر اسی میں گردش کررہے ہیں اور ضحاک کا قول یہ ہے کہ فلک کسی ایسی چیز کا نام نہیں جس کا کوئی جسم ہو بلکہ جہاں یہ سیارے گردش کرتے ہیں ان کے مدار کا نام ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

[۳۱] کفار نے اسلام کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا اور جب کامیاب نہ ہوئے تو اپنے دلوں کو طفل تسلی دینے کے لئے کہنے لگے: کوئی بات نہیں، آخر ایک دن محمد ﷺ فوت ہو جائیں گے اور ان کی تحریک خود بخود ختم ہو جائے گی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جس میں کفار کو بتایا گیا: ٹھیک ہے آپ ﷺ سے پہلے بھی کسی بشر کے لئے ہمیشہ رہنا مقدر نہیں کیا گیا اور آپ ﷺ بھی ہمیشہ نہیں رہیں گے لیکن اس میں تمہارے لئے کوئی خوشی کی بات نہیں ہے کیونکہ تم بھی ہمیشہ رہنے والے نہیں ہو۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ ہر نفس موت (کا مزہ) چکھنے والا ہے، اور ہم تم کو برے اور اچھے حالات میں آزمائش کے لئے مبتلا کرتے ہیں، اور (آخرکار) تم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ [۳۲]

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور کافر لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں (اور کہتے ہیں:) کیا یہ ہے وہ شخص جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے حالانکہ وہ خود رحمٰن کے ذکر کا انکار کرتے ہیں۔ [۳۳]

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے، عنقریب میں تمہیں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا، سو تم مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کرو۔ [۳۴]

---

[۳۲] اس آیت میں تین چیزوں کی نشاندہی کی گئی ہے:

۱۔ ہر جاندار چیز کو جلد یا بدیر موت کا مزہ چکھنا ہے۔

۲۔ انسان جب تک زندہ ہے اس کی آزمائش کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

۳۔ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں واپس جا کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر انسان نے لازمی مرنا ہے اور قیامت کے دن اپنے اعمال کا حساب دینا ہے، لہٰذا کسی عقل مند کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اس چند روزہ زندگی کی خاطر آخرت کی دائمی زندگی کو برباد کردے۔ موت کے سلسلہ میں سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۸۵ اور حاشیہ نمبر ۱۳۱ بھی ملاحظہ کریں۔

[۳۳] کافر لوگ نبی کریم ﷺ کا مذاق اس لئے اڑاتے تھے کیونکہ آپ ان کے معبودوں کا انکار کرتے تھے جو انہیں کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچا سکتے حالانکہ مذاق اڑائے جانے کے مستحق تو وہ خود (کافر) ہیں کیونکہ وہ خدائے رحمٰن کا انکار کرتے ہیں جو ان کا خالق اور پروردگار ہے۔

[۳۴] انسان چونکہ جلد باز پیدا کیا گیا ہے اس لئے کفار سوال کرتے: اگر ہم انکار اسلام کی وجہ سے عذاب الٰہی کے مستحق ہیں تو وہ عذاب ہم پر کیوں نہیں آتا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت ہر عذاب کے لئے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے اور جب وہ وقت قریب آئے گا تو وہ تمہیں اس کی نشانیاں دکھائے گا پھر تم پچھتاؤ گے اور اس عذاب سے بچنے کا کوئی راستہ نہ پاؤ گے جیسا کہ جنگ بدر میں ان کے ساتھ ہوا۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور وہ کہتے ہیں: یہ (قیامت کا) وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ کاش! کافروں کو اس وقت کا علم ہوتا جب وہ اپنے چہروں سے اور اپنی پیٹھوں سے آگ کو نہ روک سکیں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ [۳۵]

بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ بلکہ وہ (قیامت) ان کے پاس اچانک آجائے گی اور انہیں بدحواس کر دے گی، پھر وہ نہ تو اسے لوٹا سکیں گے اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔ [۳۶]

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع

۴۱۔ اور بے شک آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا تھا، پس ان میں سے مذاق اڑانے والوں کو اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ [۳۷]

---

[۳۵] کافر لوگ قیامت کے منکر تھے اور ان کے خیال میں قیامت نام کی کوئی چیز آنے والی نہیں ہے، پس یہی زندگی ہے اور پھر کھیل ختم اس لئے ازراہ مذاق سوال کرتے: جس قیامت کے عذاب سے ہمیں ڈرایا جاتا ہے اگر تم سچے ہو تو وہ ابھی کیوں نہیں لے آتے، آخر وہ کب آئے گی؟ اس آیت میں اہل اسلام کو تسلی دی جارہی ہے کہ دراصل کفار کو قیامت کے عذاب کا علم نہیں اس لئے جلد بازی کی باتیں کر رہے ہیں، جب انہیں جہنم کی آگ آگے پیچھے سے گھیر لے گی اور کوئی ان کی مدد کو نہیں پہنچے گا تو وہ پچھتائیں گے مگر اس وقت انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

[۳۶] قیامت اچانک آئے گی جس سے ان کے ہوش اڑ جائیں گے۔ اس وقت نہ تو وہ قیامت کو لوٹا سکیں گے اور نہ ہی انہیں توبہ کی مہلت دی جائے گی، لہٰذا عذاب قیامت سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ اسی دنیا میں سرکشی سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بندے بن جائیں۔

[۳۷] کفار مکہ نبی کریم ﷺ کا مذاق اڑایا کرتے تھے، اس آیت میں آپ کو تسلی دی جارہی ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا تھا لیکن جس عذاب کی وجہ سے وہ رسولوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے بالآخر جب وقت مقرر آگیا تو اسی عذاب نے ان کافروں کو تباہ و برباد کر دیا۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ آپ فرمائیے کہ رات دن میں رحمٰن (کے عذاب) سے تمہاری حفاظت کون کرسکتا ہے؟ بلکہ وہ اپنے رب کے ذکر سے روگردانی کئے ہوئے ہیں۔[۳۸]

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ کیا ہمارے سوا ان کے کوئی اور معبود ہیں جو انہیں (ہمارے عذاب سے) بچاسکیں، وہ تو خود اپنی ہی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ انہیں ہماری تائید میسر ہے۔[۳۹]

بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو (دنیا کا بہت) ساز وسامان دیا یہاں تک کہ ان پر ایک لمبا عرصہ گزر گیا، کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم (ان پر) زمین کے کناروں کو گھٹاتے چلے آرہے ہیں، تو کیا وہ پھر بھی غالب آجائیں گے؟[۴۰]

---

[۳۸] مشرکین مکہ سے خطاب کیا جارہا ہے کہ تمہاری سرکشی کا تقاضا تو یہ ہے کہ تم پر عذاب نازل کردیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں مہلت دی تاکہ تم توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلو۔ اور اگر وہ رات یا دن کی کسی بھی گھڑی میں تم پر فوری عذاب لانا چاہے تو تمہیں کوئی نہیں بچاسکتا۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے اور اس کے احسان کا شکر ادا کرتے مگر تم عجیب ناشکرے ہو جو اپنے رب کا نام لینا بھی گوارا نہیں کرتے۔

[۳۹] مشرکین مکہ عذاب قیامت کے منکر تھے، ان کا خیال تھا کہ بالفرض اگر عذاب قیامت سے واسطہ پڑ گیا تو ان کے بت انہیں بچالیں گے۔ اس آیت میں انہیں جواب دیا گیا کہ یہ ان کی غلط فہمی ہے، بت تو خود اپنی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، ان کے اوپر مکھی بیٹھ جائے تو اسے بھی نہیں اڑا سکتے، وہ ان مشرکین کی کیا مدد کریں گے۔ نیز ان بتوں کو اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت بھی حاصل نہیں کہ وہ ان کی مدد کرسکیں۔ یہاں پر قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ انبیاء، فرشتے اور صالحین جو گناہ گار مومنوں کی شفاعت کریں گے انہیں اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت حاصل ہوگی لیکن بتوں کو حاصل نہیں ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

[۴۰] کعبہ کی وجہ سے عرب والے اہل مکہ کا احترام کرتے تھے جس کی وجہ سے اہل مکہ اور ان کے باپ دادا عرصہ دراز سے پر تعیش زندگی گزارتے چلے آرہے تھے لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس مہلت اور نعمت کا شکر ادا نہیں کیا بلکہ دنیاوی ساز و سامان کی وجہ سے اتنے مغرور ہوگئے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا بھی انکار کردیا اور مسلمانوں کو شکست دینے کے خواب دیکھنے

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ۝٤٥

۴۵۔ آپ فرمایئے: میں تو تمہیں صرف وحی کے ذریعہ ڈراتا ہوں اور بہرے لوگ پکار کو نہیں سنتے جب بھی انہیں ڈرایا جائے۔[۴۱]

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝٤٦

۴۶۔ اور اگر انہیں آپ کے رب کے عذاب کا ایک جھونکا بھی چھو جائے تو وہ ضرور کہیں گے: ہائے ہماری بد بختی! بے شک ہم ہی ظالم تھے۔[۴۲]

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۝٤٧

۴۷۔ اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھ دیں گے، پس کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا، اور اگر (کسی کا عمل) رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے بھی لے آئیں گے، اور ہم حساب کرنے کے لئے کافی ہیں۔[۴۳]

گے۔ اس آیت میں انہیں بتایا جا رہا ہے: ذرا عقل کے ناخن لو اور غور سے دیکھو کہ عرب کے قبائل ایک ایک کر کے مسلمان ہو رہے ہیں۔ دن بدن اسلام کی حدود بڑھ رہی ہیں اور کفر کی زمین کم سے کمتر ہوتی جا رہی ہے تو کیا اب بھی وہ اس خوش فہمی میں ہیں کہ وہ مسلمانوں پر غالب آ جائیں گے؟ اس سے معلوم ہوا یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے کیونکہ مدینہ میں آنے کے بعد عرب قبائل نے اسلام قبول کرنا شروع کیا تھا۔

[۴۱] نبی کا کام تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام سنا دے اور نافرمانی کے برے انجام سے آگاہ کر دے لیکن جو دل کے بہرے ہیں وہ اگر یہ پیغام نہ سنیں تو اس میں نبی کا کوئی قصور نہیں ہے۔

[۴۲] اب تو یہ پیغام الٰہی سے بہرے بنے ہوئے ہیں اور جلد عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں لیکن اگر انہیں عذاب کا ایک معمولی سا جھونکا بھی چھو گیا تو ان کی عقل ٹھکانے آ جائے گی اور بدحواس ہو کر چلائیں گے کہ واقعی وہ ظالم تھے۔

[۴۳] اللہ تعالیٰ ہر انسان کے اچھے اور برے عمل کو خوب جانتا ہے اور بغیر وزن کئے فیصلہ صادر فرما سکتا ہے لیکن وزن اس لئے کیا جائے گا تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اس کے عمل کیسے تھے اور اس کے ساتھ کوئی ظلم نہیں ہوا۔

حضرت انس ؓ سے مروی ہے، قیامت کے دن ابن آدم کو لایا جائے گا اور اس کو میزان کے دو پلڑوں کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور اس کے ساتھ ایک فرشتہ بھی مقرر ہوگا۔ اگر اس کے میزان کا پلڑا بھاری ہوگا تو فرشتہ بلند آواز سے کہے گا جس کو تمام مخلوق سنے گی کہ فلاں شخص ایسا کامیاب ہو گیا ہے کہ آئندہ کبھی ناکام نہیں ہوگا اور اگر اس کے میزان کا پلڑا ہلکا ہوگا تو فرشتہ بلند

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَ ضِیَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو (حق و باطل میں) فرق کرنے والی اور (سراپا) روشنی اور پرہیز گاروں کے لئے نصیحت (تورات) عطا فرمائی۔[۴۴]

الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَ هُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور وہ قیامت سے بھی ڈرنے والے ہیں۔[۴۵]

وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

۵۰۔ اور یہ (قرآن) برکت والا ذکر ہے جس کو ہم نے نازل فرمایا ہے، پھر کیا تم اس کا انکار کرتے ہو؟[۴۶]

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اور بے شک ہم نے اس سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو بھی ان کی دانائی عطا فرمائی تھی اور ہم ان کو خوب جانتے تھے۔[۴۷]

آواز سے کہے گا جس کو تمام مخلوق سنے گی کہ فلاں شخص ایسا نا کام ہوا ہے کہ آئندہ کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔ (تفسیر قرطبی)

اعمال کا اگرچہ کوئی ظاہری وجود یا جسم نہیں ہوتا مگر ایک روایت یہ ہے کہ نیک اعمال کو سفید اور حسین صورتوں میں مجسم کر دیا جائے گا اور برے اعمال کو سیاہ اور قبیح صورتوں میں مجسم کر دیا جائے گا اور ان مجسم صورتوں کا وزن کیا جائے گا۔ (تفسیر روح المعانی) بہرحال اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جیسے چاہے اعمال کا اظہار اور ان کا وزن کر سکتا ہے۔

[۴۴] اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو روشن کتاب یعنی تورات عطا فرمائی جو حق و باطل میں فرق کرنے والی اور پرہیز گاروں کے لئے نصیحت ہے۔

[۴۵] اس آیت میں پرہیز گاروں کی دو صفات بیان کی گئی ہیں یعنی اگرچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی نگاہوں سے غیب ہے اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور قیامت کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور اس ڈر کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔

[۴۶] اللہ تعالیٰ نے جس طرح تورات کو نصیحت بنا کر نازل فرمایا اسی طرح یہ قرآن بھی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور یہ بھی بڑی بابرکت نصیحت ہے، جب تم تورات کو اللہ تعالیٰ کی کتاب مانتے ہو تو پھر اس قرآن کو کیوں نہیں مانتے۔

[۴۷] حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا تھا

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝۵۲

۵۲۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: یہ کیسی مورتیاں ہیں جن (کی پرستش) پر تم جمے بیٹھے ہو۔

قَالُوْا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ ۝۵۳

۵۳۔ انہوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو ان ہی کی عبادت کرتے پایا تھا۔ [۴۸]

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۵۴

۵۴۔ (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا: بے شک تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں تھے۔

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ ۝۵۵

۵۵۔ انہوں نے کہا: کیا آپ ہمارے پاس سچا پیغام لائے ہیں یا یوں ہی مذاق کر رہے ہیں؟ [۴۹]

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۝۵۶

۵۶۔ (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا: بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان سب کو پیدا فرمایا ہے اور میں اس (توحید) پر گواہی دینے والوں ہی سے ہوں۔

اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبوت کا فریضہ سرانجام دینے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔

[۴۸] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی قوم والوں سے پوچھا کہ تم ان بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہو، تمہارے پاس ان کی سچائی کی کیا دلیل ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ انہوں نے اپنے باپ دادا کو ان کی پرستش کرتے پایا تھا۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: باپ دادا کی تقلید کسی چیز کی صداقت کی دلیل نہیں ہے بلکہ اس سے معلوم ہوا تمہارے باپ دادا بھی تمہاری طرح کھلی گمراہی میں تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کون تھے، اس کے لئے سورہ انعام (۶) کی آیت نمبر ۷۴ اور حاشیہ نمبر ۰ ۷ ملاحظہ کریں۔

[۴۹] وہ لوگ عرصہ دراز سے بتوں کی پرستش کرتے چلے آرہے تھے اور ان کے دلوں میں بت پرستی کے متعلق کوئی تردد نہیں تھا۔ جب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بتوں کے خلاف بات سنی تو وہ ششدر و حیران رہ گئے اور کہنے لگے: کیا تم واقعی سچی بات کہہ رہے ہو یا یوں ہی مذاق کر رہے ہو؟ آپ نے فرمایا: میں پورے وثوق سے گواہی دے رہا ہوں کہ تمہارا رب صرف ایک ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ تمہارا اور زمین و آسمان کا خالق اور پروردگار ہے۔

وَ تَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ اور اللہ تعالیٰ کی قسم! تمہارے پیٹھ پھیر جانے کے بعد میں تمہارے بتوں کے ساتھ ضرور ایک تدبیر کروں گا۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ پس ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بڑے بت کے سوا دوسرے سب بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔[۵۰]

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ انہوں نے کہا: ہمارے معبودوں کا یہ (حشر) کس نے کیا ہے؟ یقیناً وہ ظالموں میں سے ہے۔

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ انہوں نے کہا: ہم نے ایک نوجوان کو سنا ہے جو ان کا ذکر (برائی کے ساتھ) کرتا ہے اسے ابراہیم علیہ السلام کہا جاتا ہے۔[۵۱]

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْیُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ انہوں نے کہا: تو اسے لوگوں کے سامنے لے آؤ تا کہ سب دیکھ لیں۔

قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ لوگوں نے کہا: اے ابراہیم! کیا تم نے ہمارے معبودوں کا یہ حشر کیا ہے؟[۵۲]

---

[۵۰] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر اپنے دل میں عہد کیا کہ جب یہ مشرکین بت خانہ سے باہر چلے گئے اور مجھے موقعہ ملا تو میں ان بتوں کی خبر لوں گا۔ یہاں پر جمہور مفسرین لکھتے ہیں کہ ایک دن سارے لوگ اپنا تہوار منانے کے لئے شہر سے باہر چلے گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلہاڑے کے ساتھ سارے بت توڑ دیئے، البتہ سب سے بڑے بت کو چھوڑ دیا اور کلہاڑا اس کے کندھے پر رکھ دیا تا کہ لوگ سمجھیں کہ یہ حرکت اس بڑے بت نے کی ہے یا انہیں شرم آئے کہ یہ جب اپنے ساتھ والے چھوٹے بتوں کو نہیں بچا سکا تو اپنے پجاریوں کی کیا مدد کر سکے گا۔

[۵۱] شام کو جب وہ لوگ تہوار سے واپس آئے تو غضب ناک ہو کر کہنے لگے: ہمارے معبودوں کا یہ حشر کس ظالم نے کیا ہے؟ ان میں سے بعض نے کہا: ہم نے ایک نوجوان کو ان بتوں کے خلاف باتیں کرتے سنا ہے اور اس کا نام ابراہیم علیہ السلام ہے۔

[۵۲] لوگوں نے کہا: اس نوجوان کو لے آؤ۔ چنانچہ نمرود کے سپاہی جب ابراہیم علیہ السلام کو گرفتار کر کے لے آئے تو ان سے پوچھا گیا: کیا تم نے ہمارے معبودوں کا یہ حشر کیا ہے؟

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ کام کیا ہوگا، سوان سے پوچھ لواگر یہ بول سکتے ہوں۔

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ پس وہ اپنے دلوں کی طرف لوٹے اور کہنے لگے: بے شک تم خود ہی ظالم ہو۔[۵۳]

---

[۵۳] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: کلہاڑا تو بڑے کے کندھے پر ہے، لہٰذا اسی نے یہ کام کیا ہوگا یا ان ٹوٹے ہوئے بتوں سے پوچھو کہ تمہارا یہ حشر کس نے کیا ہے؟ بظاہر تو یہ جھوٹ نظر آتا ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود ان کو توڑا تھا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ کہہ کر دراصل ان بتوں کی بے بسی ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ جب یہ اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے اور نہ توڑنے والے کا پتہ بتا سکتے ہیں تو پھر یہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟ یہ جواب سن کر وہ آپس میں کہنے لگے کہ جب کلہاڑا بڑے بت کے پاس موجود ہے تو پھر ابراہیم علیہ السلام کو مجرم بنانا ظلم ہے اور اگر یہ اپنے آپ کو ہی نہیں بچا سکتے تو پھر ان کو معبود بنانا ظلم ہے۔ چنانچہ وہ شرمندہ ہو کر کہنے لگے: اے ابراہیم! تم تو جانتے ہو کہ بت بول نہیں سکتے اس لئے ہم ان سے کیا پوچھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور آپ اس کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیجئے۔ بے شک وہ بہت ہی سچے نبی تھے۔ (قرآن: ۱۹:۴۱) جن کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی سچا نبی فرمایا ہے ان سے جھوٹ کا امکان نہیں ہے البتہ حالات کے مطابق ایسے الفاظ بولنے کی اجازت ہے جس کے دو مفہوم ہو سکیں۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ کریں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کی تو اہل مکہ نے اعلان کر دیا کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع دے گا اسے ایک سو اونٹ انعام دیا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق سفر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ جب غار ثور سے روانہ ہوئے تو ایک آدمی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: یہ وہ شخص ہے جو مجھے راستہ دکھاتا ہے۔ پس سننے والا تو اس سے (دنیاوی) راستہ مراد لے گا مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مراد اسلام اور خیر کا راستہ تھا۔

(سبل الهدیٰ والرشاد: جلد ۳: ص ۳۵۸: تفسیر زاد المسیر)

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کو طلب کیا۔ آپ نے فرمایا: میں تم کو اونٹنی کے بچہ پر سوار کروں گا، اس نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اونٹنی کے بچہ کا کیا کروں گا؟ آپ نے فرمایا: تمام اونٹ اونٹنیوں کے بچے ہوتے ہیں۔ (ترمذی: ۱۹۹۱: ابواب البر: باب ۵۷) اس شخص نے سمجھا آپ اونٹ کا بچہ فرما رہے ہیں اور آپ کی مراد اونٹ کا بیٹا تھی۔

۳۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بوڑھی عورت آئی اور اس نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپ نے فرمایا: اے فلاں کی ماں! جنت میں کوئی بوڑھی عورت نہیں جائے گی، وہ عورت واپس جا کر رونے لگی۔ آپ نے فرمایا: اسے خبر دو کہ کوئی عورت بڑھاپے کی حالت میں

ثُمَّ نُكِسُوا عَلٰى رُءُوسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾

٦٥۔ پھر ان کے سر جھک گئے (ندامت سے اور کہنے لگے: اے ابراہیم علیہ السلام!) تم تو جانتے ہو یہ بت بولتے نہیں۔

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾

٦٦۔ (ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا: پھر کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہو جو نہ تمہیں کچھ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

٦٧۔ تف ہے تم پر اور جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، سو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ [۵۴]

جنت میں نہیں جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بے شک ہم نے ان (اہل جنت کی بیویوں) کو بنایا ہے، پھر ہم نے ان کو کنواریاں بنایا ہے جو محبت کرنے والیاں اور ہم عمر ہیں۔ (قرآن: ۵۶: ۳۵۔۳۷) (شمائل ترمذی: جلد ۲: ص: ۱۱۱: باب فی صفة رسول اللہ) اس بڑھیا نے سمجھا کہ آپ اس کے متعلق فرما رہے ہیں اس لئے رونا شروع کر دیا مگر آپ کی مراد یہ تھی کہ بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی کیونکہ جنت میں سب جوان ہوں گی اور ان کی عمریں ۳۰ یا ۳۳ سال ہوں گی۔

(ترمذی: ۲۵۴۵: ابواب صفة الجنة: باب ۱۲)

۴۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی آدمی جس کا نام زاہر رضی اللہ عنہ تھا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے گاؤں سے تحفے لاتا تھا اور جب وہ جانے لگتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو کچھ سامان دیتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: زاہر ہمارا دیہاتی ہے اور ہم اس کے شہری ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا تھا اور اس کی شکل اچھی نہیں تھی۔ ایک دن وہ اپنا سودا بیچ رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے سے آ کر اس سے اس طرح بغل گیر ہوئے کہ وہ دیکھ نہ سکا۔ اس نے کہا کون ہے؟ مجھے چھوڑ دے، پھر اس نے مڑ کر دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا پھر اس نے اپنی پیٹھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کے ساتھ (برکت کے لئے) چپکائے رکھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے یہ عبد کون خریدے گا؟ اس نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بخدا! تب آپ مجھے کھوٹا پائیں گے۔ آپ نے فرمایا: لیکن تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کھوٹے نہیں ہو بلکہ بہت قیمتی ہو۔ (مسند احمد: جلد ۳: ص ۱۶۱، شرح شمائل ترمذی: جلد ۲: ص ۱۰۷: باب فی صفة مزاح رسول اللہ) بظاہر عبد سے مراد غلام تھی لیکن وہ آزاد شخص تھا اور آپ کی اس سے مراد یہ تھی کہ وہ اللہ کا بندہ (عبداللہ) ہے۔

[۵۴] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جو کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتے کیا ان کو معبود بنانا بھی کوئی عقل مندی ہے؟ اگر تمہیں اتنی سادہ سی بات بھی سمجھ نہیں آتی تو پھر تف ہے تم پر بھی اور تمہارے معبودوں پر بھی۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ انہوں نے کہا: اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم (کچھ) کرنے والے ہو۔ [۵۵]

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾

۶۹۔ ہم نے حکم دیا: اے آگ! تو ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ [۵۶]

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾

۷۰۔ اور انہوں نے تو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا مگر ہم نے ان کو ناکام کر دیا۔ [۵۷]

---

[۵۵] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بتوں کی بے بسی پر حجت قائم کر دی اور وہ لاجواب ہو گئے تو وہ ضد اور عناد پر اتر آئے اور آپس میں کہنے لگے: ہمارے بتوں کی بہت توہین ہو گئی ہے اگر ہم ان کی کچھ مدد کر سکتے ہیں تو ہمیں ابراہیم علیہ السلام کو زندہ جلا دینا چاہیے تاکہ آئندہ کوئی بتوں کی توہین کی جرأت نہ کر سکے۔

[۵۶] مفسرین لکھتے ہیں کہ انہوں نے ایک مہینہ تک لکڑیاں جمع کیں اور ایک گڑھے میں ڈال کر انہیں آگ لگا دی اور اس آگ کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ اگر کوئی پرندہ اس کے اوپر سے گزرتا تو وہ بھی جل جاتا۔ پھر انہوں نے منجنیق کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس جلتی ہوئی آگ میں پھینکا۔ اس وقت جبریل امین علیہ السلام آئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کیا: کیا میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: مجھے تیری ضرورت نہیں ہے۔ جبریل امین علیہ السلام نے عرض کیا: اس مشکل گھڑی میں اپنے رب تعالیٰ سے ہی سوال کر لو تو آپ نے فرمایا: میرے سوال کرنے کی بجائے اس کو جو میرے حال کا علم ہے مجھے وہی کافی ہے۔ (کیونکہ امتحان کے موقعہ پر دعا کرنا امتحان سے بچنے کے مترادف ہوتا ہے) اس پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: اے آگ! تو ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ چنانچہ آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بال بھی بیکا نہیں کیا۔

(صفوۃ التفاسیر، تفسیر قرطبی)

تاریخی روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں سات روز تک رہے اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے عمر میں کبھی ایسی راحت نہیں ملی جتنی ان سات دنوں میں حاصل تھی۔ (تفسیر مظہری) ایک دن نمرود نے ایک اونچی عمارت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھانک کر دیکھا اور آپ کو باغ میں بیٹھا پایا جبکہ آپ کے چاروں طرف آگ ہی آگ تھی۔ یہ منظر دیکھ کر نمرود نے پکار کر کہا: اے ابراہیم علیہ السلام! تیرا معبود بہت بڑا ہے جس کی قدرت اس حد تک ہے کہ وہ تیرے اور اس آگ کے درمیان حائل ہے۔ اے ابراہیم علیہ السلام! کیا تو اس سے نکل بھی سکتا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! اور پھر آپ آگ میں قدموں سے چل کر باہر آ گئے۔ (تفسیر مظہری)

[۵۷] انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلانا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنی شدید آگ میں محفوظ رکھا اور یہ حضرت

وَ نَجَّیۡنٰہُ وَ لُوۡطًا اِلَی الۡاَرۡضِ الَّتِیۡ بٰرَکۡنَا فِیۡہَا لِلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۷۱﴾

۷۱۔ اور ہم ابراہیم علیہ السلام کو اور لوط علیہ السلام کو بچا کر اس سرزمین کی طرف لے گئے جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لئے برکت رکھی تھی۔ [۵۸]

وَ وَہَبۡنَا لَہٗۤ اِسۡحٰقَ ؕ وَ یَعۡقُوۡبَ نَافِلَۃً ؕ وَ کُلًّا جَعَلۡنَا صٰلِحِیۡنَ ﴿۷۲﴾

۷۲۔ اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام (جیسا بیٹا) اور مزید یعقوب علیہ السلام (جیسا پوتا) عطا فرمایا، اور ہم نے ان سب کو صالح بنایا تھا۔ [۵۹]

وَ جَعَلۡنٰہُمۡ اَئِمَّۃً یَّہۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡہِمۡ فِعۡلَ الۡخَیۡرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَ اِیۡتَآءَ الزَّکٰوۃِ ۚ وَ کَانُوۡا لَنَا عٰبِدِیۡنَ ﴿۷۳﴾

۷۳۔ اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا وہ ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے ان کی طرف نیک کام کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے کی وحی بھیجی اور وہ سب ہمارے عبادت گزار تھے۔ [۶۰]

وَ لُوۡطًا اٰتَیۡنٰہُ حُکۡمًا وَّ عِلۡمًا وَّ نَجَّیۡنٰہُ مِنَ الۡقَرۡیَۃِ الَّتِیۡ کَانَتۡ تَّعۡمَلُ الۡخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّہُمۡ

۷۴۔ اور ہم نے لوط علیہ السلام کو حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم نے انہیں اس بستی سے نجات دلائی جس کے باشندے

ابراہیم علیہ السلام کا بہت بڑا معجزہ ہے۔

[۵۸] حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور آپ پر ایمان لا چکے تھے، اس لئے عراق والے ان دونوں کو اذیت پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کو عراق سے ہجرت کر کے شام اور فلسطین جانے کا حکم دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فلسطین میں قیام فرمایا جبکہ حضرت لوط علیہ السلام کو سدوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔ شام کی سرزمین میں اللہ تعالیٰ نے دینی اور دنیاوی برکتیں رکھی ہیں، وہاں انبیائے کرام علیہم السلام کثرت سے ہوئے ہیں جن سے جہان والوں کو ہدایت کی برکتیں حاصل ہوئی ہیں اور وہاں کی زمین بھی سرسبز و شاداب اور وہاں کی آب و ہوا بھی خوشگوار ہے۔

[۵۹] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑھاپے میں بیٹے کے لئے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کے ساتھ مزید حضرت یعقوب علیہ السلام جیسا پوتا بھی عطا فرمایا اور وہ سب بڑے نیک تھے۔

[۶۰] اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو لوگوں کا پیشوا یعنی نبی بنایا۔ انہیں نیک کام کرنے اور نماز قائم کرنے کی وحی بھیجی۔ وہ سب عبادت گزار تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق لوگوں کی راہنمائی کرتے تھے۔

كَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فٰسِقِيۡنَ ۙ﴿۷۴﴾

بے حیائی کے کام کرتے تھے، بے شک وہ بڑے برے (اور) نافرمان لوگ تھے۔[۶۱]

وَاَدۡخَلۡنٰهُ فِىۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۧ﴿۷۵﴾

۷۵۔ اور ہم نے لوط علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل کرلیا، بے شک وہ صالحین میں سے تھے۔

وَنُوۡحًا اِذۡ نَادٰى مِنۡ قَبۡلُ فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَنَجَّيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗ مِنَ الۡكَرۡبِ الۡعَظِيۡمِ ۚ﴿۷۶﴾

۷۶۔ اور نوح علیہ السلام (کو یاد کیجئے) اس سے پہلے جب انہوں نے (ہمیں) پکارا تو ہم نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بہت بڑی مصیبت سے نجات دی۔[۶۲]

وَنَصَرۡنٰهُ مِنَ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۷۷﴾

۷۷۔ اور ہم نے ان لوگوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا، بے شک وہ بہت برے لوگ تھے، سو ہم نے ان سب کو غرق کردیا۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيۡمٰنَ اِذۡ يَحۡكُمٰنِ فِى الۡحَـرۡثِ اِذۡ نَفَشَتۡ فِيۡهِ غَنَمُ الۡقَوۡمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكۡمِهِمۡ

۷۸۔ اور داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام (کو یاد کیجئے) جب وہ دونوں ایک کھیت (کے بارے) میں فیصلہ کررہے تھے جب کچھ لوگوں کی بکریوں نے رات کے وقت

---

[۶۱] حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے لوگ سدوم میں آباد تھے، وہ بڑے بدکردار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو علم وحکمت اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں اس بدکرداری سے روکا اور جب وہ اپنی بے حیا حرکتوں سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں پتھروں کا مینہ برسا کر ہلاک کردیا مگر حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے اہل ایمان ساتھیوں پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی رحم وکرم فرمایا اور انہیں نزول عذاب سے پہلے ہی اس بستی سے نکال لیا۔

[۶۲] حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو تبلیغ کی۔ اتنی طویل مدت کے بعد بھی جب ان کی قوم ایمان نہ لائی بلکہ ان کی تکذیب اور ایذا رسانی میں سرگرم رہی تو آپ نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی: اے میرے رب! روئے زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا باقی نہ چھوڑ۔ (قرآن: ۷۱:۲۶) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی، کافروں کو پانی میں غرق کردیا اور حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اہل ایمان گھر والوں کو غرق ہونے اور کافروں کی ایذا رسانی سے نجات دی۔

شٰهِدِيْنَ ﴿٧٨﴾ اس کھیت کو روند ڈالا تھا اور ہم ان کے فیصلہ کا مشاہدہ کر رہے تھے۔[٦٣]

[٦٣] حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت اور حکمرانی عطا فرمائی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے صاحبزادے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کو بھی نبوت اور حکمرانی سے سرفراز فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں باپ بیٹا کو علم وحکمت سے نوازا۔ ایک دن حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش ہوا جس کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں: دو آدمی حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس مقدمہ لے کر آئے، ان میں سے ایک کی بکریوں نے رات کے وقت دوسرے کے کھیت میں داخل ہو کر اسے برباد کر دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ دیا کہ بکریاں کھیت والے کو دیدی جائیں (تا کہ اس کے نقصان کی تلافی ہو جائے) جب وہ دونوں آدمی باہر نکلے تو دروازے کے پاس حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی، انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو وہ فیصلہ سنایا جو ان کے والد گرامی نے دیا تھا۔ یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے باپ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس گئے اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی! جو فیصلہ آپ نے کیا ہے اس کے علاوہ بھی فیصلہ ہو سکتا ہے جو سب کے لئے زیادہ بہتر ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جواب دیا: کھیت والا عارضی طور پر بکریاں لے لے اور ان کے دودھ، اون اور بچوں سے استفادہ کرتا ہے اور بکریوں والا کھیت کی اصلاح کرے اور اس میں کاشت کرے حتیٰ کہ جب اتنی فصل ہو جائے جتنی بکریوں کے چرنے سے پہلے تھی تو کھیت والے کو اس کا کھیت واپس کر دیا جائے اور بکریوں والے کو اس کی بکریاں واپس کر دی جائیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے فیصلے کو پسند فرمایا اور اس کے مطابق فیصلہ کر دیا۔ (صفوة التفاسير)

حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ میں بکریوں والا اپنی بکریوں سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا گیا تھا لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کے مطابق کسی کو بھی اپنی چیز سے محروم نہیں ہونا پڑا، اس لئے دوسرا فیصلہ زیادہ بہتر تھا۔ اس فیصلہ میں دونوں انبیائے کرام علیہم السلام نے اجتہاد کیا، حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے رجوع کر لیا اور اپنے صاحبزادے کے اجتہاد کے مطابق فیصلہ کر دیا۔ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔ (تفسیر مظہری) اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچپن ہی سے غیر معمولی قوت فیصلہ عطا فرمائی تھی۔

جب کوئی مجتہد اخلاص کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے تو اس کا فیصلہ صحیح ہو یا غلط دونوں صورتوں میں اسے ثواب ملتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حاکم جب کسی مسئلہ میں اجتہاد کرے، اگر وہ درست فیصلہ دے تو اسے دو اجر ملتے ہیں اور اگر وہ خطا (غلط فیصلہ) کر بیٹھے تو پھر بھی اسے ایک اجر ملے گا۔ (بخاری: کتاب الاعتصام: باب ٢١) دو اجر سے مراد یہ ہے کہ ایک اجتہاد کرنے کا اور دوسرا صحیح حکم تک پہنچنے کا اور ایک اجر سے مراد یہ ہے کہ اسے اجتہاد کرنے کا ثواب تو ملے گا مگر صحیح حکم تک پہنچنے کا ثواب نہیں ملے گا۔

عصر حاضر میں اجتہاد

جن عصری مسائل کا فقہ کی سابقہ کتابوں میں ذکر نہیں ہے، مثلاً لاؤڈ سپیکر پر نماز، ریل گاڑی اور ہوائی جہاز میں نماز،

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۖ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾

۷۹۔ سو ہم نے سلیمان علیہ السلام کو وہ فیصلہ سمجھا دیا اور ہم نے ان (دونوں) کو حکمت اور علم عطا فرمایا تھا اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو داؤد علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا جو (داؤد علیہ السلام کے ساتھ) تسبیح کرتے تھے، اور ہم ہی (یہ سب کچھ) کرنے والے تھے۔ [۶۴]

وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

۸۰۔ اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو تمہارے فائدہ کے لئے زرہ بنانا سکھایا تاکہ وہ زرہ تمہیں تمہاری لڑائی کے ضرر سے بچائے، تو کیا تم شکر گزار بنو گے؟ [۶۵]

ریڈیو پر رویت ہلال کا اعلان، مردے کا پوسٹ مارٹم وغیرہا، ان کا حکم معلوم کرنے کے لئے اب بھی اجتہاد کرنا جائز ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن)

[۶۴] مفسرین لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز میں اتنا حسن اور اثر رکھا تھا کہ جب وہ زبور کی تلاوت کرتے تو پرندے ہوا میں ٹھہر جاتے اور ان کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کرتے حتیٰ کہ پہاڑ بھی ان کے ساتھ تسبیح کرتے اور یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا اور معجزہ کہتے ہی اسے ہیں جو انسانی عقل کو عاجز کر دے جیسے پتھروں، جانوروں اور درختوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کاش! تم مجھے گزشتہ رات اس وقت دیکھتے جب میں تمہاری قراءت سن رہا تھا۔ بے شک تمہیں آل داؤد کی بانسریوں میں سے ایک بانسری دی گئی ہے (یعنی آپ کو حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی کا ایک حصہ ملا ہے) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں آپ کے لئے اور زیادہ مزین کر کے پڑھنے کی کوشش کرتا۔ (تفسیر ابن کثیر، سنن کبریٰ: امام بیہقی: جلد ۱۰: ص ۲۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھانے اور سنانے کے لئے اعمال کو مزین کرنا ریاکاری نہیں ہے کیونکہ آپ کی خوشی اللہ تعالیٰ کی خوشی ہے۔

[۶۵] اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کے معجزۂ آواز کا ذکر فرمایا جس کو سن کر پرندے اور پہاڑ بھی آپ کے ساتھ ذکر میں شریک ہو جاتے اور اس آیت میں لوہے کے معجزہ کا ذکر ہے جو آپ کے ہاتھ میں اتنا نرم ہو جاتا کہ آپ اس سے نہایت ہلکی اور انتہائی مضبوط قسم کی زرہیں تیار کر لیتے جو لوگوں کو لڑائی میں دشمن کے وار سے محفوظ رکھتیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی قوم کو خطاب ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ذریعہ جو یہ جدید قسم کی زرہوں کا احسان فرمایا ہے کیا تم اس احسان کا شکر ادا کرتے ہو؟

مفسرین لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تھا اور وہ اس کو آگ میں پگھلائے بغیر اس طرح زرہ بنا لیتے تھے جیسے کوئی انسان مٹی سے برتن بنا تا ہے۔ (تفسیر کبیر)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حصول معاش کے لئے پیشوں کو حقیر سمجھنا، جہالت اور قرآن کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو پیشے سکھائے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام لوہے سے زرہ بناتے تھے اور اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کاشتکاری کرتے تھے، حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی تھے لکڑی سے چیزیں بناتے تھے، اسی طرح حضرت لقمان علیہ السلام درزی کا اور حضرت طالوت علیہ السلام رنگ ریز کا کام کرتے تھے۔

(تفسیر قرطبی)

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ خصوصیت کے ساتھ کوئی پیشہ نہیں اپنایا لیکن آپ نے بکریاں چرائی ہیں، پھٹے ہوئے کپڑوں کو سیا ہے، کپڑے دھوئے ہیں، جوتیوں کی مرمت کی ہے اور تجارت کی غرض سے شام کا سفر کیا ہے، لہٰذا کسی کام اور پیشہ کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے کاموں کو کیا ہے جن کو آج کل حقیر سمجھا جاتا ہے۔ رزق حلال کے حصول کے لئے جو بھی جائز کام اور حلال پیشہ اپنایا جائے وہ جائز بلکہ قابل تعریف ہے۔

رزق حلال کی طلب

١۔ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے ہاتھ سے کمائی کر کے کھاتا ہو اس سے بہتر کھانا کوئی نہیں کھاتا اور اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کمائی کر کے کھاتے تھے۔

(بخاری: حدیث نمبر ٢٠٧٢: کتاب البیوع: باب ١٥)

٢۔ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک شخص گزرا۔ رسول اللہ کے اصحاب نے اس کی قوت اور اطمینان کو دیکھ کر کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کاش یہ شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہوتا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ شخص اپنے چھوٹے بچوں کے لئے کسب معاش کر رہا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے اور اگر یہ اپنے بوڑھے ماں باپ کے لئے کسب معاش کر رہا ہے تو بھی یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے اور اگر یہ اپنے آپ کو مانگنے سے بچنے کے لئے کسب معاش کر رہا ہے تو بھی یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے اور اگر یہ دکھاوے اور فخر کے لئے نکلا ہے تو پھر یہ شیطان کے راستے میں ہے۔

(المعجم الکبیر: جلد ١٩: ص ١٢٩)

٣۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک ہزار پیشوں کا علم دیا اور فرمایا: اپنی اولاد سے کہنا کہ اگر تم صبر نہ کر سکو تو ان پیشوں کے ذریعہ دنیا حاصل کرو اور دین کے ذریعہ دنیا حاصل نہ کرو کیونکہ دین صرف میرے لئے خالص ہے۔ اس کے لئے خرابی اور جہنم ہے جو دین کے ذریعہ دنیا طلب کرتا ہے۔

(کنز العمال: ٢٩٠٩١: جلد ١٠: ص ٢٠٦، البدر المنیر: امام شعرانی: ١٥٠٧: ص ٢٨٩)

وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَ كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ اور ہم نے تیز ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا جو ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی تھی، اور ہم ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔ [٦٦]

وَ مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَ يَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ كُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾

۸۲۔ اور ہم نے کچھ شیطانوں کو بھی ان کے تابع کر دیا تھا جو ان کے لئے سمندر میں غوطے لگاتے اور اس کے سوا دیگر کام بھی کرتے تھے، اور ہم ان (شیطانوں) کی نگرانی کر رہے تھے۔ [٦٧]

وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ اور ایوب علیہ السلام کو یاد کریں جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ

۸۴۔ تو ہم نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انہیں جو تکلیف تھی دور کر دی اور ہم نے ایوب علیہ السلام کو ان کے اہل و عیال اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور اپنی رحمتِ خاص

---

[٦٦] اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا فرمایا کہ ہوا کو ان کے تابع کر دیا۔ آپ اپنے وزراء اور امراء کے ساتھ تخت پر بیٹھ جاتے اور جہاں بھی جانے کا ارادہ ہوتا، ہوا کو حکم دیتے اور وہ تخت کو اڑا کر لے جاتی۔ اس طرح آپ ایک ماہ کا سفر چند گھنٹوں میں طے کر کے منزل مقصود پر پہنچ جاتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا جو صبح کو ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتی اور شام کو بھی ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتی۔ (قرآن: ۳۴:۱۲) ہوائی سفر کے دوران حضرت سلیمان علیہ السلام دائیں بائیں نہیں دیکھتے تھے بلکہ سر جھکائے ہوئے اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کے شکر میں مشغول رہتے تھے۔

(تفسیر ابن کثیر)

[٦٧] شیاطین سے مراد سرکش جن ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ان سے وہ مشکل کام کراتے جو انسان نہیں کر سکتے تھے اور سمندر کی تہہ سے جواہرات وغیرہ نکالنے کے لئے بھی وہی غوطہ زنی کرتے تھے۔ یہ جن اگرچہ سرکش تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان پر نگران فرشتے مقرر کر رکھے تھے تاکہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نافرمانی نہ کر سکیں۔

عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

سے عطا فرمائے[۶۸] اور عبادت گزاروں کے لئے نصیحت ہے۔[۶۹]

وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۚۖ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ اور اسماعیل علیہ السلام اور ادریس علیہ السلام اور ذوالکفل علیہ السلام کو بھی یاد کریں، یہ سب صابر لوگ تھے۔

وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ اور ہم نے ان سب کو اپنی رحمت میں داخل فرمایا، بے شک وہ نیک لوگ تھے۔[۷۰]

وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖۗ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۚۖ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ اور ذوالنون علیہ السلام (یونس علیہ السلام) کو یاد کریں جب وہ (اپنی قوم پر) غضب ناک ہو کر چل دیے اور یہ خیال کیا کہ ہم ان پر کوئی گرفت نہیں کریں گے، پھر انہوں نے تاریکیوں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں[۷۱] تو پاک ہے، بے شک میں ہی زیادتی

[۶۸] مفسرین لکھتے ہیں: حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس مال و دولت اور اولاد کی کثرت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا مال لے لیا تو انہوں نے صبر کیا، پھر ان کی اولاد کو وفات دے دی تو بھی انہوں نے صبر کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم پر مصیبت اور بیماری مسلط کر دی تو بھی انہوں نے صبر کیا۔ ایک دن ان کی قوم کے بعض لوگوں نے کہا: ''ایوب نے کوئی بڑا گناہ کیا ہوگا تبھی یہ مصیبت میں مبتلا ہے'' یہ سن کر انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کی مصیبت دور کر دی حتیٰ کہ ان کی فوت شدہ اولاد بھی زندہ فرما دی اور اتنی اولاد مزید بھی عطا فرمائی۔ (صفوۃ التفاسیر)

[۶۹] حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ میں عبادت گزاروں کے لئے نصیحت ہے کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مصائب و مشکلات سے واسطہ پڑے تو وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی مصائب کو یاد کر کے صبر کریں۔

[۷۰] حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت ذوالکفل علیہ السلام پر بھی آزمائش کی مشکل گھڑیاں آئیں، انہوں نے بھی صبر کیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی خاص رحمت میں داخل فرمایا۔

[۷۱] اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو عراق میں نینویٰ کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔ انہوں نے اہل نینویٰ کو شرک سے روکا اور توحید کی دعوت دی مگر انہوں نے تکذیب کی اور ان کی ہٹ دھرمی اور سرکشی بڑھتی گئی۔ آپ نے انہیں عذاب کی وعید سنائی کہ تین دنوں تک ان پر عذاب آنے والا ہے اور خود ان لوگوں پر غضبناک ہو کر وہاں سے چل نکلے اور اس ہجرت کے لئے انہوں

کرنے والوں میں سے تھا۔[۷۲]

نے اللہ تعالیٰ کی وحی کا انتظار نہ کیا۔اگرچہ عام مومنوں کے لئے ایسے مشرک اور ہٹ دھرم لوگوں کا علاقہ چھوڑ کر ہجرت کر جانا اچھی بات ہے مگر ایک نبی کے شایان شان یہی تھا کہ آپ وحی کا انتظار کرتے۔

علامہ رازی لکھتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام لوگوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے اور جب کشتی ڈگمگانے لگی اور سب لوگوں کو ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہوگیا تو ملاحوں نے کہا: اس کشتی میں کوئی عاصی یا بھاگا ہوا غلام ہے کیونکہ ہوا کے بغیر کشتی اسی وقت ڈگمگاتی ہے جب اس میں کوئی عاصی انسان ہو اور ہماری روایت یہ ہے کہ جب ہم ایسی مصیبت میں مبتلا ہوں تو ہم قرعہ اندازی کرتے ہیں اور جس کے نام پر قرعہ نکل آئے اسے سمندر میں پھینک دیتے ہیں کیونکہ ایک آدمی کا غرق ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ کشتی کے سارے لوگ غرق ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے تین بار قرعہ اندازی کی اور ہر بار حضرت یونس علیہ السلام ہی کا نام نکلا۔ چنانچہ حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا: میں ہی عاصی بندہ اور بھاگا ہوا غلام ہوں اور پھر سمندر میں چھلانگ لگادی۔ پس ایک بڑی مچھلی آئی اور اس نے آپ کو نگل لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مچھلی سے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام کا بال بھی بیکا نہ ہو۔ میں نے تیرا پیٹ ان کے لئے قید خانہ بنایا ہے، ان کو تیرے لئے خوراک نہیں بنایا۔ (تفسیر کبیر)

حضرت یونس علیہ السلام وحی کا انتظار کئے بغیر چل نکلے تھے اور ان کا خیال یہ تھا کہ وہ کوئی غلطی نہیں کر رہے اس لئے ان پر کوئی گرفت نہیں ہوگی لیکن اب مچھلی کے پیٹ میں انہیں احساس ہوا کہ ہجرت کا حکم نازل ہونے سے پہلے چل نکلنا ان کی اجتہادی خطا تھی، لہٰذا انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور مچھلی کے پیٹ کی تاریکی میں دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور مچھلی نے سمندر کے کنارے آکر آپ کو اگل دیا۔

دعائے یونس علیہ السلام کی فضیلت

ا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت یونس علیہ السلام کی وہ دعا جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں مانگی تھی: لاالٰہ الاانت سبحانک انی کنت من الظالمین۔ جو مسلمان جس مشکل میں ان الفاظ سے دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا۔

(ترمذی:۳۵۰۵:کتاب الدعوات:باب ۸۲)

۲۔ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم میں سے کسی کو کوئی غم یا مصیبت لاحق ہو اور وہ اس سے دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کی مشکل آسان فرمادے گا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور ارشاد فرمائیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی دعا ارشاد فرمائی یعنی لاالٰہ الاانت سبحانک انی کنت من الظالمین۔

(مستدرک:امام حاکم:۱۸۶۴:جلداول:ص ۶۸۵)

[۷۲] اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ا۔ میرا (نبوت عطا کرنے کا) وعدہ ظالم لوگوں تک نہیں پہنچتا۔ (قرآن ۲:۱۲۴)

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۸۸

۸۸۔ پس ہم نے ان کی پکار کو قبول فرمایا اور ان کو غم سے نجات دے دی، اور ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیتے ہیں۔

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۸۹

۸۹۔ اور زکریا علیہ السلام کو یاد کریں جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا: اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (قرآن: ۳:۸۶)

۳۔ ظالم لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ (قرآن: ۷:۴۴)

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا، ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے اور ظالم نبی نہیں بن سکتا، لیکن اس آیت کے آخری حصہ میں حضرت یونس علیہ السلام کے الفاظ کا لفظی ترجمہ یہ ہے: بے شک میں ہی ظالموں میں سے تھا۔ (قرآن ۲۱:۸۷)

اب اگر کوئی مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت یونس علیہ السلام العیاذ باللہ ظالم تھے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے لئے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے تو پھر ہم کیوں نہیں کہہ سکتے؟

دراصل بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے لئے کوئی ایسا لفظ استعمال کرے جس کا ظاہری معنیٰ اس کے شایانِ شان نہ ہو تو اس کی تاویل کرنا پڑتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے لئے ہاتھ، منافقوں کا مذاق اڑانا اور ان کے ساتھ مکر و فریب کرنا کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ تو چونکہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہیں اس لئے ہم ان کا ظاہری معنیٰ چھوڑ کر وہ معنیٰ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ اسی طرح قرآن وحدیث میں جب اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کے لئے یا کسی نبی نے اپنے لئے کوئی ایسا لفظ استعمال کیا ہے جس کا ظاہری معنیٰ نبی کی شایانِ شان نہیں تو اس کی بھی تاویل کرنا پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا مالک ہے جو چاہے انہیں کہہ سکتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندے ہیں وہ اپنے رب تعالیٰ کے سامنے جس طرح چاہیں اپنی عاجزی اور انکساری کا اظہار کر سکتے ہیں مگر ہمارے لئے یہ جائز نہیں ہے کوئی ایسا معنیٰ کریں جو ان کے شایانِ شان نہ ہو۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے لئے اتنا بھاری لفظ کیوں استعمال کیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کا تقویٰ اتنا اعلیٰ ہوتا ہے کہ معمولی سی لغزش بھی اس کو بہت بڑی خطا محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے حضرت یونس علیہ السلام اپنی معمولی لغزش کو بہت بڑی خطا خیال کرتے ہوئے اپنے آپ کو ظالم کہیں تو یہ ان کی عاجزی و انکساری ہے جو ان کے کمال اور عظمت کی دلیل ہے اور اگر کوئی مسلمان انہیں ظالم کہے تو یہ اس کے کفر اور حماقت کی دلیل ہے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَ وَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ ﴿۹۰﴾

۹۰۔ تو ہم نے ان کی دعا قبول فرمالی اور ہم نے ان کو یحییٰ علیہ السلام عطا فرمایا، [۷۳] اور ہم نے ان کی خاطر ان کی بیوی کو تندرست کر دیا، بے شک وہ سب نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے، اور وہ ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔

وَالَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۱﴾

۹۱۔ اور اس عورت (مریم علیہا السلام) کو یاد کریں جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی، پھر ہم نے اس میں اپنی روح سے پھونک ماری اور ہم نے اسے اور اس کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کو سارے جہان والوں کے لئے (اپنی قدرت کی) نشانی بنا دیا۔ [۷۴]

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖؗ وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾

۹۲۔ بے شک یہ تمہاری امت ہے جو ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں، پس تم میری ہی عبادت کیا کرو۔ [۷۵]

---

[۷۳] حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی بانجھ تھی اور وہ بوڑھے ہو چکے تھے، ان کے ہاں اولاد نہیں تھی۔ ایک دن انہوں نے اولاد کے لئے دعا کی جو ان کے بعد علوم نبوت کی وارث بن سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، ان کی بیوی کا بانجھ پن دور کر دیا اور انہیں یحییٰ علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمایا۔ وہ سب نیک کاموں میں جلدی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کو پکارتے تو ایک طرف تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پر امید ہوتے اور دوسری طرف اس کے غضب سے ڈرتے رہتے۔ حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق مزید تفصیل کے لئے سورہ آل عمران (۳) کی آیات نمبر ۳۸ تا ۴۱ اور سورہ مریم (۱۹) کی آیات نمبر ۱ تا ۱۵ ملاحظہ کریں۔

[۷۴] حضرت مریم علیہا السلام پاکدامن خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل امین علیہ السلام کی پھونک کے ذریعہ بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا انتظام فرمایا اور اس طرح ماں بیٹا کو تمام جہان والوں کے لئے اپنی قدرت کی نشانی بنا دیا۔ حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مزید تفصیل کے لئے سورہ آل عمران (۳) کی آیات نمبر ۴۲ تا ۶۱ اور سورہ مریم (۱۹) کی آیات نمبر ۱۶ تا ۳۶ ملاحظہ کریں۔

[۷۵] اس آیت کی تفسیر میں علامہ صابونی لکھتے ہیں: اے لوگو! تمہارا دین اور تمہاری ملت جس پر تم کو قائم رہنا واجب ہے وہ

وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿٩٣﴾

۹۳۔ اور انہوں نے آپس میں اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، (آخر کار) وہ سب ہماری ہی طرف لوٹ کر آنے والے ہیں۔ [۷۶]

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿٩٤﴾

۹۴۔ پس جو شخص نیک عمل کرے اور وہ مومن بھی ہو تو اس کی کوشش رائیگاں نہیں جائے گی، اور بے شک ہم اس کے (اعمال کو) لکھنے والے ہیں۔ [۷۷]

وَ حَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٩٥﴾

۹۵۔ اور جس بستی والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ان کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ دنیا میں لوٹ کر آئیں۔ [۷۸]

صرف ایک ہے اور وہ ملت اسلام ہے۔ سب انبیائے کرام علیہم السلام توحید کا پیغام لائے، لہٰذا تمہارا رب ایک ہی ہے اور صرف اسی کی عبادت کرو۔ (صفوۃ التفاسیر)

[۷۶] تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے توحید کی تبلیغ کی مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں نے اپنے دین میں اختلاف کر کے مختلف فرقے بنا لئے۔ بالآخر ایک دن وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں جہاں انہیں صحیح اور غلط کا مشاہدہ ہو جائے گا۔

بہتر اور تہتر فرقے

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہود اکہتر یا بہتر فرقے تھے اور نصاریٰ کے بھی اتنے ہی فرقے تھے اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ (ترمذی: ۲۶۴۰: ابواب الایمان: باب ۱۸) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: ۔۔۔ بنی اسرائیل کے بہتر فرقے تھے اور میری امت کے تہتر (۷۳) فرقے ہوں گے اور ایک ملت کے سوا باقی تمام فرقے جہنم میں ہوں گے۔ مسلمانوں نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ کون سی ملت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: جس پر میں اور میرے اصحاب رضوان اللہ علیہم ہیں۔

(ترمذی: ۲۶۴۱: ابواب الایمان: باب ۱۸)

[۷۷] مومن جو بھی نیک کام کرے وہ رائیگاں نہیں جاتا بلکہ اس کے اعمالنامہ میں لکھ دیا جاتا ہے اور قیامت کے دن اسے اس کا اجر و ثواب ضرور ملے گا۔

[۷۸] جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر پر اصرار کی وجہ سے ہلاک کر دیا ان کے لئے توبہ اور مہلت کی گھڑیاں ختم ہو چکی

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾

۹۶۔ یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے۔

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾

۹۷۔ اور سچا وعدہ قریب آپہنچے گا تو اس وقت کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی (اور وہ پکار اٹھیں گے:) ہائے ہماری بدبختی! بے شک ہم تو اس سے غفلت میں تھے بلکہ ہم تو ظالم تھے۔[۷۹]

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾

۹۸۔ بے شک تم اور جن چیزوں کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہیں، تم اس میں داخل ہونے والے ہو۔[۸۰]

لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾

۹۹۔ اگر وہ واقعی عبادت کے لائق ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے، اور وہ سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تھیں، لہٰذا اب ان کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ دوبارہ دنیا میں آسکیں، البتہ قیامت کے دن حساب وکتاب کے لئے انہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یاجوج وماجوج کا خروج ہے جو بڑی تیزی اور کثرت کے ساتھ پوری دنیا میں پھیل جائیں گے اور ایسا معلوم ہوگا جیسے ہر ٹیلے اور پہاڑ سے یاجوج وماجوج کی فوجیں اتر رہی ہیں اور ہر طرف تباہی وبربادی مچادیں گے۔ یاجوج وماجوج کے متعلق تفصیل کے لئے سورہ کہف (۱۸) کی آیت نمبر ۹۴ اور حاشیہ نمبر ۷۵ ملاحظہ کریں۔

[۷۹] یاجوج وماجوج کے خروج کے بعد قیامت کا وعدہ بالکل قریب آجائے گا اور قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھ کر کافروں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور وہ پکار کر کہیں گے: کاش! ہم غفلت نہ کرتے۔ انبیائے کرام علیہم السلام نے تو ہر چیز کھول کر بیان کردی تھی ہم نے ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا اور ان کی باتوں سے نصیحت حاصل نہ کی۔

[۸۰] ان آیات میں مشرکین مکہ کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ خود بھی اور جن چیزوں کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہیں وہ سب جہنم میں جائیں گے۔ اگر ان کے خدا واقعی عبادت کے لائق ہوتے تو وہ خود جہنم میں نہ جاتے حالانکہ نہ صرف یہ کہ وہ جہنم رسید ہوں گے بلکہ جہنم کی آگ کے لئے ایندھن کا کام دیں گے اور جہنم میں ان کی چیخ وپکار سے اتنا شور ہوگا کہ کسی دوسرے کی کان پڑی آواز سنائی نہیں دے گی۔

لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰۔ وہ جہنم میں چیخ و پکار کریں گے اور وہ اس میں کچھ بھی نہ سن سکیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ بے شک وہ لوگ جن کے لئے ہماری طرف سے پہلے ہی بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔[۸۱]

لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ وہ جہنم کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ ہمیشہ ان (نعمتوں) میں رہیں گے جو ان کو پسند ہوں گی۔

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳۔ سب سے بڑی گھبراہٹ بھی ان کو پریشان نہیں کرے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے (اور کہیں گے:) یہی تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔[۸۲]

[۸۱] اسی سورت کی آیت نمبر ۹۸ جب نازل ہوئی تو مشرکین مکہ نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کی بھی عبادت کی جاتی ہے تو کیا وہ بھی جہنم میں جائیں گے؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام نے کسی کو اپنی عبادت کی ترغیب نہیں دی، لہٰذا وہ اس شرک کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ ان کی توحید پرستی اور پرہیزگاری کی وجہ سے ان کے لئے بھلائی اور جنت مقدر ہو چکی ہے اور وہ جہنم سے اتنا دور ہوں گے کہ انہیں جہنم کی آہٹ بھی سنائی نہیں دے گی، البتہ فرعون اور نمرود وغیرہ جو اپنے آپ کو خدا کہلاتے تھے وہ ضرور جہنم میں جائیں گے اور پتھروں کے ساتھ ایندھن کا کام دیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ (قرآن: ۲: ۲۴)

[۸۲] قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے جب قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو میدان حشر کی ہولناکی اور گھبراہٹ انہیں غمگین نہیں کرے گی بلکہ قبروں کے باہر اور پھر جنت کے دروازں پر فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور انہیں خوش خبری سنائیں گے کہ یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ آج تمہاری نیکیوں کا تمہیں اتنا بڑا اجر دیا جائے گا جس کو دیکھ کر تم خوش ہو جاؤ گے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن تین شخص مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے، سب سے بڑی گھبراہٹ سے وہ خوف زدہ نہیں ہوں گے۔ ایک وہ شخص جو لوگوں کا امام ہو اور لوگ اس سے راضی ہوں، دوسرا وہ شخص جو ہر روز اذان دے اور تیسرا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے مالکوں کا بھی۔ (تفسیر الدر المنثور)

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴۔ اس دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جیسے طومار میں کاغذات لپیٹ دیئے جاتے ہیں، جس طرح ہم نے پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے، یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے، بے شک ہم ضرور (اس کو پورا) کریں گے۔ [۸۳]

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵۔ اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ بے شک میرے نیک بندے ہی زمین کے وارث ہوں گے۔ [۸۴]

---

[۸۳] قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمان کو اس طرح لپیٹ دے گا جس طرح ایک کاتب اپنے تحریر کردہ کاغذات کو لپیٹ کر طومار میں بند کر دیتا ہے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پہلی بار پیدا فرمایا اسی طرح قیامت کے دن وہ دوبارہ پیدا فرمائے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جس کو وہ ضرور پورا فرمائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں کو ان کے اندر کی تمام مخلوقات کے ساتھ اور ساتوں زمینوں کو ان کی تمام مخلوقات کے ساتھ اس طرح لپیٹ دے گا کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ایک رائی کے دانے کی مثل ہوں گے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم)

[۸۴] اللہ تعالیٰ نے زبور میں پند و نصائح کے بعد یہ بھی لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث نیک بندے ہی ہوں گے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہاں زمین سے مراد جنت کی زمین ہے، کیونکہ اس سے پہلی دو آیات میں قبروں سے اٹھنے اور دوبارہ زندہ ہونے یعنی آخرت کا ذکر ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جس زمین کے بارے میں اب بات ہو رہی ہے وہ اس دنیا کی نہیں بلکہ دوبارہ زندہ ہونے کے بعد جنت کی زمین ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (جب متقی لوگ جنت میں داخل ہوں گے تو) کہیں گے: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور ہم کو (جنت کی) اس زمین کا وارث بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں قیام کریں، پس نیک کام کرنے والوں کے لئے کیا ہی اچھا اجر ہے۔ (قرآن: ۳۹: ۷۴) علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ بہتر قول یہی ہے کہ اس سے مراد جنت کی زمین لی جائے کیونکہ دنیا کی زمین پر تو مسلمان اور کافر ہر قسم کے لوگوں نے حکومت کی ہے۔ (تفسیر قرطبی)

نیز علامہ رازی ایک مشہور مقولہ لکھتے ہیں کہ شرک کے ساتھ دنیاوی حکومتیں چل سکتی ہیں لیکن ظلم اور فساد حکومتوں کو برباد کر دیتا ہے اور پہلی قوموں پر بھی عذاب اس لئے آئے کہ وہ مخلوق پر ظلم و زیادتی کرتی تھیں۔ (تفسیر کبیر: سورہ ہود (۱۱): زیر آیت نمبر ۱۱۷) یعنی یا تو وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق غصب کرتے تھے یا انبیائے کرام علیہم السلام اور

اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿١٠٦﴾

١٠٦۔ بے شک اس (قرآن) میں عبادت گزاروں کے لئے عظیم پیغام ہے۔[٨٥]

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾

١٠٧۔ اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔[٨٦]

اہل ایمان پر ظلم و زیادتی کرتے تھے۔ اس دنیا میں عذاب کی وجہ صرف کفر و شرک نہیں تھا کیونکہ کفر و شرک کی اصل اور پوری سزا جہنم کی آگ ہے جس پر آخرت میں عمل ہوگا۔ مسلمان جب تک اسلام پر عمل پیرا رہے یعنی لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف کرتے رہے تو وہ اس زمین پر غالب رہے اور جب انہوں نے عدل و انصاف سے روگردانی کی تو غلبہ بھی ان کا ساتھ چھوڑ گیا اور وہ زوال پذیر ہو گئے۔

[٨٥] اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا لیکن اس سے ہدایت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو پرہیز گار ہیں۔ اس آیت کا مفہوم بھی تقریباً یہی ہے کہ قرآن مجید میں ہدایت کا پیغام تو عام ہے لیکن اس پیغام سے ہدایت وہی حاصل کرتے ہیں جو عبادت گزار ہیں۔

[٨٦] الحمدللہ رب العالمین۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور اسی نے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا یعنی اللہ تعالیٰ جس جس چیز کے لئے رب ہے حضرت محمد ﷺ اس اس چیز کے لئے رحمت ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں: نبی کریم ﷺ کا تمام کائنات کے لئے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ عالم امکان کی ہر چیز کو اس کی استعداد کے مطابق جو فیض الٰہی ملتا ہے وہ نبی کریم ﷺ کے واسطہ سے ہی ملتا ہے۔ اسی لئے آپ کا نور تمام مخلوقات سے پہلے پیدا کیا گیا اور حدیث میں ہے کہ ''اے جابر رضی اللہ عنہ! سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا'' اور دوسری حدیث میں ہے ''اللہ تعالیٰ دینے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں''۔۔۔۔

لہٰذا آپ تمام جہانوں کے ہر فرد کے لئے رحمت ہیں خواہ وہ فرشتے ہوں یا انسان یا جنات اور جن و انس میں مومن اور کافر کی کوئی تفریق نہیں آپ سب کے لئے رحمت ہیں، البتہ آپ کی رحمت کا حصہ ہر فرد کو اس کی صلاحیت اور رغبت کے اعتبار سے ملتا ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

نبی کریم ﷺ کی رحمت کے متعلق چند احادیث

١۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ سے عرض کیا گیا کہ آپ مشرکین کے خلاف دعا مانگیں تو آپ نے فرمایا: مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (مسلم: کتاب البر: باب ٢٤) مشرکین کے خلاف دعا نہ کرنا ان کے لئے آپ کی رحمت کی دلیل ہے۔

۲۔ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کا فرشتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ اگر آپ حکم دیں تو اس ساری بستی (طائف) کو پہاڑوں کے درمیان کچل دیا جائے مگر آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے ایسے عبادت گزار پیدا فرمائے گا جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

(بخاری: کتاب بدء الخلق: باب ۷)

۳۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یعنی میں وہ رحمت ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بطور تحفہ عطا فرمائی ہے۔ (دلائل النبوۃ: امام بیہقی: جلد اول: ص ۱۵۸)

۴۔حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہانوں کے لئے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے۔ (مسند احمد: جلد ۵: ص ۲۵۷)

۵۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا سوال کیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں ''نہ'' کبھی نہیں فرمایا۔ (بخاری: ۶۰۳۴: کتاب الادب: باب ۳۹)

۶۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے سوا کبھی کسی کو نہیں مارا، کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا اور نہ کبھی کسی خادم کو مارا۔ (مسلم: ۲۳۲۸: کتاب الفضائل: باب ۲۰)

۷۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے زیادہ آسان چیز کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہوتا اور اگر گناہ ہوتا تو آپ سب سے زیادہ اس سے دور رہنے والے ہوتے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سے اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیا لیکن جب کوئی اللہ تعالیٰ کی حدود کی خلاف ورزی کرتا تو آپ اس سے اللہ تعالیٰ کے لئے انتقام لیتے۔ (بخاری: ۶۱۲۶: کتاب الادب: باب ۸۰)

۸۔حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ کے ساتھ ایک سفر سے واپس آ رہے تھے یہاں تک کہ ہم بنی نجار کے ایک باغ کے پاس آئے جس میں ایک اونٹ تھا اور جو شخص بھی اس باغ میں داخل ہوتا وہ اونٹ اس پر حملہ کر دیتا۔ لوگوں نے آپ کو اس اونٹ کی کیفیت بتائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں تشریف لے گئے اور اونٹ کو بلایا تو اونٹ اپنے ہونٹ زمین پر رکھتے ہوئے آیا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی نکیل لے آؤ، چنانچہ آپ نے اسے نکیل ڈالی اور اس کے مالک کے سپرد کر دیا۔ پھر آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: آسمان و زمین کے درمیان ہر چیز جانتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں سوائے سرکش جنوں اور انسانوں کے۔

(مسند احمد: جلد ۳: ص ۳۱۰، سنن دارمی: حدیث نمبر ۱۸: مقدمہ: باب ۴)

قُلۡ اِنَّمَا يُوۡحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـهُكُمۡ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ‌ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ آپ فرما دیجیے کہ میری طرف تو یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، تو کیا تم اسلام لاتے ہو۔ [۸۷]

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ اٰذَنۡتُكُمۡ عَلٰى سَوَآءٍ‌ ؕ وَاِنۡ اَدۡرِىۡۤ اَقَرِيۡبٌ اَمۡ بَعِيۡدٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو آپ فرما دیجیے: میں نے تمہیں پوری طرح آگاہ کر دیا ہے، اور میں نہیں جانتا کہ جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا دور ہے۔

اِنَّهٗ يَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ مِنَ الۡقَوۡلِ وَيَعۡلَمُ مَا تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰۔ بے شک وہ جانتا ہے جو بات بلند آواز سے کہی جائے اور وہ بھی جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو۔ [۸۸]

وَاِنۡ اَدۡرِىۡ لَعَلَّهٗ فِتۡنَةٌ لَّـكُمۡ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱۔ اور میں نہیں جانتا شاید اس (ڈھیل) میں تمہارے لئے آزمائش ہو اور تمہیں ایک معین وقت تک فائدہ پہنچانا مقصود ہو۔ [۸۹]

---

[۸۷] یعنی نبی کریم ﷺ نے مشرکین مکہ سے فرمایا کہ میری طرف جو وحی آتی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبادت کے لائق صرف ایک ہی خدا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے تو کیا تم اس ایک خدا پر ایمان لاتے ہو یا نہیں؟ اور اگر ایک خدا پر ایمان نہیں لاتے تو میں نے تمہیں پوری طرح آگاہ کر دیا ہے کہ تمہارے اس شرک اور مسلمانوں کو ایذا رسانی کی وجہ سے تم پر عذاب ضرور آئے گا لیکن وہ عذاب کب آئے گا؟ اسی دنیا میں جنگ بدر کی صورت میں یا آخرت میں حساب و کتاب کے بعد؟ میں از خود نہیں جانتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کا علم دے۔

[۸۸] یعنی اللہ تعالیٰ مشرکین کے اعلانیہ کفر اور مسلمانوں کے خلاف ان کی خفیہ سازشوں کو خوب جانتا ہے اور ان کے مطابق انہیں سزا دے گا۔

[۸۹] مشرکین کے ظلم و ستم کے باوجود جو ان پر عذاب الٰہی میں تاخیر ہو رہی ہے ممکن ہے یہ ان کی آزمائش کے لئے ہو تاکہ وہ اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کریں یا پھر ان کی گرفت کے لئے پہلے ہی سے ایک وقت مقرر ہو چکا ہے اس لئے اس معین وقت تک ان کا باقی رہنا اور دنیاوی فائدہ اٹھانا مقصود ہے۔

قُلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿١١٢﴾

١١٢۔ (نبی ﷺ نے) عرض کیا: اے میرے رب! حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے، ہمارا رب رحمٰن ہے اور اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں پر جو تم بیان کرتے ہو۔[٩٠]

[٩٠] پوری طرح تبلیغ کرنے کے بعد بھی جب مشرکین ایمان نہ لائے تو نبی کریم ﷺ نے دعا کی: اے میرے رب! یہ مشرکین دلیل کی زبان نہیں سنتے اب ان کی ہٹ دھرمی کے مقابلہ میں تیری ہی ذات اس لائق ہے کہ اس سے مدد طلب کی جائے، لہٰذا جیسے ہر معاملہ میں تیرا فیصلہ برحق ہوتا ہے اسی طرح اب میرے اور ان مشرکین کے درمیان بھی ایسا فیصلہ فرما دے کہ حق کو واضح غلبہ حاصل ہو جائے، چنانچہ غزوہ بدر کے بعد مشرکین کا ایسا زوال شروع ہوا کہ بالآخر انہیں کعبہ معظمہ اور مکہ مکرمہ مسلمانوں کے حوالے کرنا پڑا۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعہ الکرم، انگلستان

بروز جمعہ بعد از نماز عصر ٩ مئی ٢٠٠٨ء بمطابق ٣ جمادی الاولیٰ ١٤٢٩ھ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الحج (۲۲)

اس سورت کی کچھ آیات مکی ہیں جو مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئیں اور کچھ آیات مدنی ہیں جو ہجرت کے بعد مدینہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئیں۔ اس لئے بعض کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اور بعض کے نزدیک مدنی ہے لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکی آیات اور مدنی آیات دونوں کا مجموعہ ہے۔ (تفسیر قرطبی)

اس کا نام

اس سورت کا نام حج ہے کیونکہ اس کی آیت نمبر ۲۷ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ابراہیم ﷺ نے جب کعبہ کی تعمیر مکمل کر لی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوگوں میں حج کا اعلان کیا، چنانچہ ان کی آواز زمین کے ہر کونے میں پہنچی حتیٰ کہ پشتوں میں نطفوں نے اور رحموں میں بچوں نے بھی یہ آواز سنی اور اس کے جواب میں کہا: لبیک اللھم لبیک اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں۔
(تفسیر منیر)

مضامین

کفار آخرت اور دوبارہ زندگی کے قائل نہیں تھے۔ اس سورت کے آغاز میں انہیں سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح بنجر اور مردہ زمین کو پانی برسا کر زندہ کر دیتا ہے اسی طرح وہ مردہ انسانوں کو بھی زندہ کرنے پر قادر ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ آخرت کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے باز آئیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور آخرت کی زندگی پر ایمان لے آئیں۔

مسلمان تیرہ چودہ سال تک کفار کے مظالم کو صبر کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو طاقت کا جواب طاقت سے دینے کی اجازت دی ہے اور ساتھ ہی اپنی نصرت اور تائید کا وعدہ بھی فرمایا ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد فرماتا ہے۔

اگر ہمیشہ ایک ہی قوم غالب رہتی تو وہ اتنی متکبر ہو جاتی کہ دوسری قوموں کے عبادت خانوں یعنی خانقاہوں، گرجوں، کلیساؤں اور مساجد کو بھی تباہ و برباد کر دیتی اس لئے اللہ تعالیٰ نے قوموں کے درمیان توازن قائم رکھنے کے لئے طاقت کا جواب طاقت سے دینے کی اجازت دے دی تاکہ ساری قومیں اپنے اپنے عقائد کے مطابق اپنی اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کر سکیں اور کوئی کسی دوسرے کی عبادت گاہ کو برباد نہ کر سکے۔

اس سورت کی آیت نمبر ۴۱ میں مسلمان حکمرانوں کی بعض ذمہ داریوں کو بیان کیا گیا ہے یعنی انہیں زمین میں اقتدار ملتا ہے تو ان کی شان یہ ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔

اس سورت میں مختلف طریقوں سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت کا ذکر کیا گیا ہے اور مشرکین اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں ان کی بے بسی کا ذکر بھی کیا گیا ہے یعنی وہ سارے مل کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اور اگر مکھی ان کی کوئی چیز لے لے تو وہ واپس لینے کی بھی طاقت نہیں رکھتے تو ایسی بے بس اور مجبور چیزیں عبادت کے لائق نہیں ہو سکتیں۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعہ الکرم، انگلستان

بعد از نماز عصر بروز ہفتہ ۱۰ مئی ۲۰۰۸ء بمطابق ۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

آیاتہا ۷۸ | ۲۲ سورۃ الحج مدنیۃ ۱۰۳ | رکوعاتہا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ①

۱۔ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ②

۲۔ جس دن تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی (ماں) اس (بچے) کو بھول جائے گی جس کو وہ دودھ پلا رہی تھی اور ہر حمل والی عورت کا حمل ساقط ہو جائے گا اور تم کو لوگ مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہوگا۔[۱]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ

۳۔ اور لوگوں میں کوئی آدمی ایسا بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے

---

[۱] ان آیات کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر نے حضرت ابو ہریرہ ؓ کی طویل حدیث نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت اسرافیل علیہ السلام تین دفعہ صور پھونکیں گے۔ جب پہلی دفعہ صور پھونکا جائے گا تو پہاڑ مٹی بن جائے گا، زمین کانپنے لگی گے اور انسانوں پر گھبراہٹ طاری ہو جائے گی۔ دوسری دفعہ ساری کائنات فنا ہو جائے گی اور تیسری دفعہ سب اپنی قبروں سے اٹھ کر رب العالمین کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے۔ تاہم جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو زمین اس طرح جھٹکے کھانے لگے گی جس طرح کشتی سمندر میں ہچکولے کھاتی ہے اور چاروں طرف سے موجیں اسے تھپیڑے مارتی ہیں یا جس طرح کوئی لٹکی ہوئی قندیل تیز ہوا میں ادھر ادھر حرکت کرتی ہے۔ اس وقت جو مائیں بچوں کو دودھ پلا رہی ہوں گی انہیں اپنے بچے بھول جائیں گے اور جو عورتیں حاملہ ہوں گی خوف کے مارے ان کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔
(تفسیر ابن کثیر)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: جمہور کا قول یہ ہے کہ ان آیات میں جس زلزلہ کی ہولناکیوں کا تذکرہ ہے وہ اس وقت ہوگا جب قیامت سے پہلے اسی دنیا میں پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا۔ (تفسیر قرطبی) قرآن مجید نے اس زلزلہ کو بڑی سخت چیز قرار دیا ہے جس کی ہولناکیوں کو دیکھ کر لوگ اس طرح حواس باختہ ہو جائیں گے جیسے شراب کے نشہ میں ان کے حواس معطل ہو چکے ہوں حالانکہ وہ شراب کا نشہ نہیں بلکہ عذاب کا خوف و ہراس ہوگا۔

يَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝۳

بارے میں بغیر علم کے جھگڑا کرتا ہے اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتا ہے۔[۲]

كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَ يَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۴

۴۔ (حالانکہ) شیطان کے بارے میں یہ لکھا جاچکا ہے کہ جو اس کو دوست بنائے گا وہ اس کو گمراہ کر دے گا اور اسے دوزخ کے عذاب کا راستہ دکھائے گا۔[۳]

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ

۵۔ اے لوگو! اگر تمہیں دوبارہ جی اٹھنے میں کچھ شک ہے تو (اپنی تخلیق پر غور کرو کہ) ہم نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا، [۴] پھر نطفہ سے، پھر لٹکے ہوئے گاڑھے خون سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے جس کی شکل کبھی کامل ہوتی ہے اور کبھی ناقص، تاکہ ہم تمہارے لئے (اپنی

---

[۲] نضر بن حارث بڑا سخت جھگڑالو قسم کا کافر تھا اور اس کا دعویٰ یہ تھا کہ جب انسان مر کر مٹی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی) یعنی وہ بغیر کسی علمی دلیل کے جھگڑا کرتا ہے اور شیطان کی پیروی کرتا ہے۔ علامہ صابونی لکھتے ہیں کہ اس آیت کا حکم عام ہے اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے متعلق بغیر دلیل کے جھگڑا کرتا ہے وہ شیطان کا پیروکار ہے۔ (صفوۃ التفاسیر)

[۳] شیطان کی سرکشی کے باعث اللہ تعالیٰ نے اس کی لوحِ تقدیر میں لکھ دیا ہے کہ جو شخص بھی شیطان کو دوست بنائے گا یعنی شیطانی وساوس کی پیروی کرے گا شیطان اسے گمراہ کر کے جہنم کے راستے پر گامزن کر دے گا۔

[۴] اگر تمہیں آخرت اور دوبارہ زندہ ہونے میں شک ہے تو اپنی تخلیق پر ہی غور کرو، جس طرح اس نے تمہیں پہلے مٹی سے پیدا فرمایا اسی طرح وہ تمہیں دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔

انسان کو مٹی سے پیدا کرنے کا ایک معنی تو یہ ہے کہ انسانِ اول حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا اور تم انہی آدم علیہ السلام کی اولاد ہو، لہٰذا تمہاری اصل بھی مٹی ہے۔ اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ تم غذا کی صورت میں جو پھل اور سبزیاں کھاتے ہو وہ زمین سے پیدا ہوتی ہیں اور جن جانوروں کا تم گوشت کھاتے ہو وہ بھی زمینی پیداوار سے پرورش پاتے ہیں اور انہی غذاؤں سے نطفہ بنتا ہے جو رحمِ مادر میں جا کر انسان کی پیدائش کا سبب بنتا ہے، لہٰذا تمہاری اصل بھی مٹی ہے۔ بہرحال انسانِ اول کو اللہ تعالیٰ نے براہِ راست مٹی سے پیدا فرمایا اور اولادِ آدم کو بالواسطہ مٹی سے پیدا فرمایا، دونوں صورتوں میں ہر انسان کی اصل مٹی ہے۔

وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَآءُ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوٓا أَشُدَّكُمْ ۖ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰٓ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۚ وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً

قدرت کو) ظاہر کریں، اور ہم جسے چاہتے ہیں ایک مقررہ مدت تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں،[۵] پھر ہم تمہیں بچہ بنا کر نکالتے ہیں، پھر (تمہاری پرورش کرتے ہیں) تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ، البتہ تم میں سے بعض فوت ہوجاتے ہیں اور تم میں سے بعض کو (بڑھاپے کی) ناکارہ ترین عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے تا کہ وہ سب کچھ جاننے کے بعد اب کچھ بھی نہ جانے،

[۵] جب مرد کے نطفہ سے کوئی ایک تخم عورت کے انڈے سے ملتا ہے تو اس ملاپ سے انسان کی تخلیق کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ تخم کچھ عرصہ کے بعد معلق گاڑے خون کی شکل اختیار کر لیتا ہے، پھر گوشت کے لوتھڑے میں بدل جاتا ہے، اس کے بعد جب وہ انسانی شکل اختیار کرتا ہے تو تخم اور انڈے کے مختلف جینز کی وجہ سے کبھی تو بچے کے اعضاء کامل ہوتے ہیں اور وہ تندرست انسان بنتا ہے اور کبھی اس کے اعضاء ناقص ہوتے ہیں اور وہ معذور انسان بنتا ہے۔ (تفسیر منیر) ان تدریجی مراحل کے ذریعہ ہم اپنی قدرت کا مظاہرہ کرتے ہیں تا کہ تم سمجھ سکو کہ جس اللہ تعالیٰ نے پانی کے ایک بے جان قطرہ سے خون پھر گوشت اور پھر اس میں جان ڈال کر اسے زندہ انسان بنایا اسی طرح وہ مردہ انسان میں جان ڈال کر اسے دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔ نیز ہم جسے چاہتے ہیں ایک مقررہ مدت تک رحموں میں ٹھہرا کر ایک کامل بچے کی صورت میں پیدا کرتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں قبل از وقت گرا کر ضائع کر دیتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص پیدائش کے وقت اپنی ماں کے شکم میں چالیس دن تک (نطفہ) رہتا ہے، پھر علقہ (معلق گاڑھا خون) بن جاتا ہے، پھر چالیس دن گزرنے کے بعد وہ مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) ہو جاتا ہے، پھر چالیس دن گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور اس کو چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اس بچے کا عمل، اس کا رزق، اس کی موت کا وقت اور اس کا بد بخت یا نیک بخت ہونا لکھ دے، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ (بخاری: ۳۲۰۸: کتاب بدء الخلق: باب ٦) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے فرشتے کو علم ہوتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ دنیا میں آئے گا تو اس کا عمل کیسا ہوگا؟ اس کا رزق (مال و دولت اور علم و حکمت کا معیار) کیا ہوگا؟ وہ کب مرے گا؟ اور وہ بد بخت ہوگا یا نیک بخت؟ جس طرح اللہ تعالیٰ کے بتانے سے فرشتے کو ان چیزوں کا علم ہو جاتا ہے اسی طرح انبیائے کرام اور اولیائے کرام کو بھی غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے بتانے سے بطریق معجزہ و کرامت عطا ہوتا ہے۔ اس کے لئے مزید سورہ لقمان (۳۱) کی آیت نمبر ۳۴ کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

[٦] انسان اس دنیا میں ایک کمزور بچے کی صورت میں آتا ہے جو اپنی جسمانی اور ذہنی نشوونما کے لئے غیروں کا محتاج ہوتا ہے اور جب وہ جوان ہوتا ہے تو اس کے جسمانی اعضا مضبوط اور اس کی ذہنی صلاحیتیں اپنے عروج پر ہوتی ہیں، پھر بعض تو بچپن

فَاِذَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهَا الۡمَآءَ اهۡتَزَّتۡ وَرَبَتۡ وَاَنۡۢبَتَتۡ مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍۢ بَهِيۡجٍ ۝

[۶] اور تو دیکھتا ہے کہ زمین خشک پڑی ہے، پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ تر و تازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کے خوشنما جوڑے اگاتی ہے۔ [۷]

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَـقُّ وَاَنَّهٗ يُحۡىِ الۡمَوۡتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝

۶۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور بے شک وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور بلا شبہ وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيۡبَ فِيۡهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبۡعَثُ مَنۡ فِى الۡقُبُوۡرِ ۝

۷۔ اور بے شک قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ان سب کو (زندہ کر کے) اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيۡرٍ ۝

۸۔ اور لوگوں میں کوئی آدمی ایسا بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتا ہے۔

اور بڑھاپے کے درمیان فوت ہو جاتے ہیں اور بعض بڑھاپے کی اس ناکارہ ترین عمر تک پہنچ جاتے ہیں جہاں اس کے جسمانی اعضا اتنے کمزور ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنی ضروریات کے لئے بچپن کی طرح غیروں کا محتاج ہو جاتا ہے اور حافظہ بھی اتنا کمزور ہو جاتا ہے کہ اپنی معلومات بھی بھول جاتا ہے۔

[۷] اس آیت کے پہلے حصہ میں ماں کے پیٹ میں انسانی تخلیق کے مراحل کا ذکر کیا، دوسرے حصہ میں بچپن سے بڑھاپے تک کا ذکر کیا اور اب آخر میں روز قیامت دوبارہ زندہ ہونے کا بیان کیا جا رہا ہے یعنی جس طرح زمین خشک اور بنجر ہوتی ہے، اس میں فصل اور سبزہ کا نام و نشان نہیں ہوتا، پھر اللہ تعالیٰ اس بنجر اور مردہ زمین پر پانی برسا کر اسے سرسبز یعنی زندہ کر دیتا ہے، اسی طرح جو انسان مر کر مٹی ہو چکے ہوتے ہیں اور ان میں زندگی کے کوئی آثار نہیں ہوتے، پھر اللہ تعالیٰ ان انسانوں کو صور کی آواز کے ذریعہ حکم دیتا ہے اور وہ زندہ ہو جاتے ہیں، لہٰذا قیامت کا آنا اور دوبارہ زندہ ہونا برحق ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت ابو رزین عقیلی ﷜ نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تیرا گزر ایسی زمین سے ہوا جو غیر آباد اور بنجر ہو اور پھر دوبارہ تیرا گزر ہوا تو وہ سرسبز و شاداب ہو؟ اس نے ہاں میں جواب دیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مردوں کا دوبارہ زندہ ہونا بھی اسی طرح ہوگا۔

(مسند احمد: حدیث نمبر ۱۵۷۶۱: جلد ۴: ص ۱۱)

ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۹

۹۔ وہ (تکبر سے) اپنی گردن موڑے ہوئے ہے تا کہ (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے گمراہ کردے، اس کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور قیامت کے دن بھی ہم اسے جلانے والے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔[۸]

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۱۰ ع

۱۰۔ (اسے کہا جائے گا:) یہ تیرے ان کاموں کی سزا ہے جو تیرے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجے اور بے شک اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ٱطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ٱنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝۱۱

۱۱۔ اور لوگوں میں کوئی آدمی ایسا بھی ہے جو کنارے پر (کھڑا ہو کر) اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، پس اگر اسے کوئی (دنیاوی) بھلائی پہنچے تو اس (دین) سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اس پر کوئی آزمائش آجائے تو فوراً (دین سے) منہ پھیر لیتا ہے، اس نے دنیا اور آخرت میں نقصان اٹھایا، یہی تو کھلا نقصان ہے۔[۹]

---

[۸] یہ آیات ابوجہل کے حق میں نازل ہوئیں۔ (تفسیر کبیر) یعنی وہ علمی، عقلی اور کسی آسمانی دلیل کے بغیر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں جھگڑا کرتا ہے اور جب کوئی عقلی اور نقلی جواب نہیں دے سکتا تو بجائے اس کے کہ وہ شرمندہ ہو الٹا تکبر کے ساتھ اکڑ کر چلتا ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے میں سرگرم رہتا ہے، لہٰذا وہ اس دنیا میں رسوا ہوگا، چنانچہ جنگ بدر میں ابوجہل کو ذلت و رسوائی کے ساتھ ہلاک کر دیا گیا اور قیامت کے دن جب اس کو دوزخ کی آگ میں پھینکا جائے گا تو اسے کہا جائے گا کہ یہ تیرے اوپر ظلم نہیں ہو رہا کیونکہ اللہ تعالیٰ تو عادل ہے وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ دراصل یہ تیرے ان برے کاموں کی سزا ہے جو تو نے خود کئے تھے اور اگر تو نبی کریم ﷺ کی تکذیب نہ کرتا اور اچھے کام کرتا تو آج تجھے یہ عذاب نہ دیکھنا پڑتا لہٰذا یہ تیری اپنی لگائی ہوئی فصل ہے جو تو آج کاٹ رہا ہے۔

[۹] ان آیات میں اس متذبذب مسلمان کی مثال بیان کی گئی ہے جو دین اسلام پر کامل یقین نہیں رکھتا بلکہ شک کے کنارے پر کھڑا ہے، جب اسے کوئی دنیاوی فائدہ پہنچتا ہے تو وہ اسلام کی تعریف کرنے لگتا ہے اور جب اس پر کوئی آزمائش آجائے تو اسلام سے منہ پھیر کر کافر ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص دنیا میں مسلمانوں کے اعتماد سے محروم رہتا ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہتا ہے۔

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتا ہے جو نہ اس کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ اسے نفع پہنچا سکتا ہے، یہی تو انتہائی گمراہی ہے۔[۱۰]

يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ وہ اس کی عبادت کرتا ہے جس کی ضرر رسانی اس کی نفع رسانی سے زیادہ قریب ہے، وہ بہت برا دوست اور بہت برا ساتھی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ انہیں ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی دنیا اور آخرت میں ہرگز مدد نہیں کرے گا تو اسے چاہیے کہ بلندی کی طرف ایک رسی باندھ لے، پھر (اس سے لٹک کر اسے) کاٹ دے، پھر دیکھے کیا اس کی (خودکشی کی) تدبیر اس کے غصہ کو دور کرتی ہے؟[۱۱]

حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت اس لئے نازل ہوئی کہ ایک شخص مدینہ آتا، اگر اس کی بیوی کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا اور اس کے گھوڑوں کی نسل میں اضافہ ہوتا تو وہ کہتا: یہ اچھا دین ہے اور اگر اس کی بیوی کے ہاں اولاد نہ ہوتی اور اس کے گھوڑوں کی نسل میں اضافہ نہ ہوتا تو وہ کہتا: یہ برا دین ہے۔

(بخاری: ۴۷۴۲: کتاب تفسیر القرآن: سورۃ الحج: باب ۲)

[۱۰] قادر مطلق اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس کی بھی عبادت کی جائے وہ کسی نفع یا نقصان پہنچانے کا مالک نہیں ہے۔ پھر بھی جو شخص اس باطل معبود سے کسی نفع کی امید رکھتا ہے تو وہ انتہائی گمراہ ہے کیونکہ اس کی نفع رسانی تو ایک خیالی اور بہت دور کی بات ہے البتہ اس کی ضرر رسانی بالکل قریب اور واضح ہے یعنی دنیا میں مال غنیمت سے محروم اور آخرت میں جنت سے محروم۔ نیز قیامت کے دن جب وہ اپنے باطل معبود کو اپنے ساتھ جہنم میں جلتا دیکھے گا تو پکار اٹھے گا: تو کیسا برا دوست اور ساتھی ہے، خود بھی جہنم میں پڑا ہے اور مجھے بھی کھینچ لایا ہے۔

[۱۱] امام رازی نے اس آیت کی ایک تفسیر یہ بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے حاسدین اور دشمنوں کو یہ توقع تھی کہ اللہ تعالیٰ

وَ كَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يُّرِيۡدُ ﴿١٦﴾

١٦۔ اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو واضح دلائل کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔[١٢]

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَ الصّٰبِـِٕـيۡنَ وَالنَّصٰرٰى وَالۡمَجُوۡسَ وَالَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡٓا ‌ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفۡصِلُ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ﴿١٧﴾

١٧۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور ستارہ پرست اور عیسائی اور آتش پرست اور جو مشرک ہوئے، یقیناً اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب کے درمیان فیصلہ فرمائے گا، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔[١٣]

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسۡجُدُ لَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ وَالشَّمۡسُ

١٨۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سجدہ کرتے ہیں جو آسمان میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور

آپ کی مدد نہیں کرے گا اور آپ کو آپ کے دشمنوں پر غلبہ نہیں دے گا اور جب ان دشمنوں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کا سلسلہ شروع کر دیا ہے تو وہ غیظ و غضب میں جلنے لگے۔ (تفسیر کبیر) اب اگر ان میں سے ہر ایک اپنے اس غم و غصہ سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ کسی بلند جگہ پر لٹک کر خودکشی کر لے، اس طرح اختتامِ زندگی کے ساتھ اس کا غیظ و غضب بھی ختم ہو جائے گا اور اگر وہ زندہ رہا تو نبی کریم ﷺ کی دن دگنی اور رات چوگنی ترقیاں دیکھ کر اپنے غیظ و غضب میں جلتا رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو نبی کریم ﷺ کے ساتھ فتح و نصرت کا وعدہ کر رکھا ہے اور وہ اسے ضرور پورا فرمائے گا۔

[١٢] اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو واضح دلائل کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا مستحق وہ قرار پاتا ہے جو اس کو راضی کرنے کے لئے سرگرم عمل رہتا ہے۔ اس مفہوم کو ایک اور آیت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: اور جو لوگ ہماری رضا جوئی کے لئے پوری کوشش کرتے ہیں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھا دیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (قرآن: ٢٩:٦٩)

[١٣] آج تو مسلمان، یہود، ستارہ پرست، عیسائی، آتش پرست اور مشرکین میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ حق پر ہے اور دوسرے سارے باطل پر ہیں۔ قرآن و حدیث میں اسلام کی سچائی کے واضح دلائل موجود ہیں اس کے باوجود جو لوگ ان دلائل میں غور و فکر کر کے اسلام قبول نہیں کرتے۔ قیامت کے دن جب ان کی سزاؤں کا فیصلہ ہوگا تو ہر ایک کو معلوم ہو جائے گا کہ برحق مذہب صرف اسلام ہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ کوئی سنی سنائی باتوں پر نہیں ہوگا بلکہ وہ خود ہر چیز کا عینی شاہد ہے۔

وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۱۸﴾

چوپائے اور بہت سے انسان، [۱۴] اور بہت سے وہ بھی ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے، اور جس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کر دے تو اسے کوئی عزت دینے والا نہیں ہے، بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ [۱۵]

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ؗ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ

۱۹۔ یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا، [۱۶] پس جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے آتشِ

[۱۴] نحاس نے کہا: لغت میں سجدہ کرنے کا اصل معنیٰ اطاعت وفرمانبرداری ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا۔ (تفسیر قرطبی: سورۃ الرحمٰن (۵۵): زیر آیت نمبر ۶)

لغوی معنیٰ کے اعتبار سے زمین وآسمان کی ہر چیز کے سجدے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابند ہے اور اس کے لئے جو ضابطہ بنا دیا گیا ہے وہ اس سے تجاوز نہیں کرتی۔

اور اگر سجدے کا اصطلاحی معنیٰ مراد لیا جائے جیسے ہم نماز میں سجدہ کرتے ہیں تو یہ بھی ممکن ہے کہ ہر چیز اپنے اپنے انداز کے مطابق سجدہ کرتی ہو لیکن ہم اس کے سجدہ کی کیفیت کو سمجھ نہیں سکتے، جیسے زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن ہم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

[۱۵] انسانوں کی دو قسمیں ہیں، بہت سے انسان وہ ہیں جو احکام الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر کے اپنی بندگی کا اظہار کرتے ہیں اور عبادت الٰہی میں اپنے جسمانی سر کو زمین پر رکھ کر اس کی عظمت وکبریائی کے گیت گاتے ہیں۔ ایسے فرماں بردار انسانوں کو اللہ تعالیٰ عزت ووقار کے ساتھ جنت میں داخل فرمائے گا لیکن جو احکام الٰہی کو تسلیم نہیں کرتے اور عبادت الٰہی میں سجدہ بھی نہیں کرتے ایسے نافرمان انسانوں کے لئے عذاب مقرر ہو چکا ہے اور وہ ذلیل ورسوا ہو کر جہنم رسید ہوں گے۔ انسانوں کی طرح جنات کی بھی دو قسمیں ہیں کیونکہ ان میں بھی بعض مومن اور بعض کافر ہیں۔

[۱۶] یہ دونوں فریق کون تھے؟ بعض مفسرین کہتے ہیں: ایک فریق مسلمان ہیں اور دوسرا فریق جملہ غیر مسلم یعنی یہود، نصاریٰ، ستارہ پرست، مجوسی یا مشرکین ہیں جن کے ساتھ اکثر اسلامی تعلیمات کے بارے میں بحث ومباحثہ چلتا رہتا تھا، لیکن امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم کے سب سے آخر میں جو حدیث بیان کی ہے اس میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ قسم اٹھا کر بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ان دو فریقوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے جنگ بدر کے دن ایک دوسرے کو دعوت مبارزت دی۔ (اسلام کی طرف سے) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ تھے اور (کفر کی طرف سے) عتبہ، شیبہ اور ولید تھے۔ (مسلم: کتاب التفسیر: باب ۷)

نَارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿١٩﴾

(جہنم) کے کپڑے کاٹ (کر تیار کر) دیئے گئے ہیں، ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا۔[۱۷]

يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿٢٠﴾

۲۰۔ جس سے جو کچھ ان کے شکموں میں ہے گل جائے گا اور (ان کی) کھالیں (بھی جل جائیں گی)۔

وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿٢١﴾

۲۱۔ اور ان (کو مارنے) کے لئے لوہے کے گرز ہوں گے۔

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٢٢﴾

۲۲۔ جب بھی وہ شدت تکلیف سے اس آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو انہیں پھر اسی آگ میں لوٹا دیا جائے گا اور (ان سے کہا جائے گا:) جلتی ہوئی آگ کا عذاب چکھو۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۗ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿٢٣﴾

۲۳۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ انہیں ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہیں، ان جنتوں میں انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے، اور وہاں ان کا لباس ریشم ہوگا۔[۱۸]

---

[۱۷] ان چار آیات (۱۹ تا ۲۲) میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کفار کی تین قسم کی سزاؤں کا ذکر فرمایا ہے۔

۱۔ انہیں آگ کے کپڑے پہنائے جائیں گے یعنی جس طرح لباس انسان کے جسم کو ڈھانپ لیتا ہے اسی طرح جہنم کی آگ ان کے پورے جسم کو چاروں طرف سے گھیر لے گی۔

۲۔ ان کے سروں پر کھولتا ہوا شدید گرم پانی انڈیلا جائے گا جس سے نہ صرف ان کی کھالیں بلکہ ان کے شکموں کے اندر بھی سب کچھ گل سڑ جائے گا۔

۳۔ ان کے سروں کو کچلنے کے لئے لوہے کے گرز استعمال ہوں گے اور شدت تکلیف سے جب وہ آگ سے باہر نکلنے کی کوشش کریں گے تو انہیں پھر اسی آگ میں لوٹا دیا جائے گا اور انہیں کہا جائے گا: اب تمہارا مستقل ٹھکانا جہنم کی آگ ہے۔

[۱۸] اس دنیا میں سونے کے کنگن، موتی اور ریشم کا لباس صرف عورتیں پہن سکتی ہیں مردوں کے لئے جائز نہیں ہے لیکن جنت میں مردوں کو بھی سونا اور ریشم پہنایا جائے گا۔

وَ هُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚۖ وَ هُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۝٢٤

۲۴۔ اور انہیں (دنیا میں) پاکیزہ قول کی طرف ہدایت کی گئی اور انہیں تعریف کئے گئے (اللہ تعالیٰ) کا راستہ دکھایا گیا۔[۱۹]

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَ مَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٢٥

۲۵۔ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور اس مسجد حرام سے روکتے ہیں جس کو ہم نے سب لوگوں کے لئے یکساں بنایا ہے خواہ وہ وہاں کا رہنے والا ہو یا باہر سے آنے والا ہو، اور جو اس مسجد میں ناحق زیادتی کا ارادہ کرے گا تو ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔[۲۰]

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـــًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَ

۲۶۔ اور یاد کرو جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے بیت اللہ بنانے کی جگہ مقرر کردی [۲۱] (اور حکم دیا) کہ میرے

[۱۹] اہل ایمان کے جنت میں جانے اور اس کی نعمتوں سے مستفیض ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں انہیں توحید کے پاکیزہ کلمہ اور اسلام کے پسندیدہ راستہ کی طرف رہنمائی کی گئی تو وہ دل کی گہرائی سے توحید پر ایمان لائے اور پورے خلوص کے ساتھ اسلام کے سنہری اصولوں پر کاربند رہے۔

[۲۰] مشرکین مکہ نے حدیبیہ کے سال (چھ ہجری میں) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسجد حرام میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے روک دیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی، تفسیر کبیر) یعنی جو کفار کو اسلام لانے سے اور مسلمانوں کو مسجد حرام کی زیارت سے روکتے ہیں حالانکہ مسجد حرام میں مقامی یا مسافر لوگوں کو آنے کا یکساں حق حاصل ہے اور جو مسجد حرام میں ناحق زیادتی کا ارادہ کرتے ہیں انہیں دردناک عذاب کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ گناہ ہر جگہ معیوب ہے لیکن مسجد حرام میں دگنا معیوب ہے، ایک تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور دوسری مسجد حرام کی توہین۔

[۲۱] حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ نے فرمایا: مسجد حرام۔ میں نے عرض کیا: اس کے بعد کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ نے فرمایا: مسجد اقصیٰ۔ میں نے پھر پوچھا: ان دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ آپ نے فرمایا: چالیس سال۔

(صحیح بخاری: کتاب الانبیاء: باب ۴۰)

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد حرام کے پہلے معمار حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور مسجد اقصیٰ کے پہلے معمار حضرت آدم علیہ السلام کے

الْقَآىِٕمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿٢٦﴾

ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک وصاف رکھنا۔[٢٢]

وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿٢٧﴾

٢٧۔ اور تم لوگوں میں بلند آواز سے حج کا اعلان کردو، وہ تمہارے پاس دور دراز راستوں سے پیدل اور ہر دبلے اونٹ پر سوار ہو کر آئیں گے۔[٢٣]

کوئی فرزند تھے۔ طوفانِ نوح علیہ السلام میں بیت اللہ کی عمارت شہید ہوگئی اور اس کے نشانات مٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس جگہ کی نشاندہی فرمائی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کی۔ اسی طرح طوفانِ نوح علیہ السلام میں مسجد اقصیٰ بھی شہید ہوگئی اور اس کی دوبارہ تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی۔

[٢٢] بیت اللہ کو پاک وصاف رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی عمارت گرد و غبار سے اور اس کی فضا کفر و شرک سے پاک ہو تاکہ عبادت کرنے والے کے دل و نگاہ، دونوں کو سکون ملے اور پورے اطمینان کے ساتھ اپنے خالق حقیقی کے سامنے سجدہ ریز ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مساجد کو پاک صاف رکھنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔ نیز مساجد کے متولی صالح اور متقی لوگ ہونے چاہییں۔

[٢٣] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو انہیں حکم ملا: تم لوگوں میں بلند آواز سے حج کا اعلان کردو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میری آواز کہاں تک پہنچے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اعلان کرو، اس آواز کو پہنچانا میرا کام ہے۔ چنانچہ آپ جبل ابوقبیس پر تشریف لے گئے اور بلند آواز سے فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس گھر کا حج کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ حج کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہیں جنت سے سرفراز فرمائے اور آگ کے عذاب سے بچائے، لہٰذا تم حج کرو۔ چنانچہ جو روحیں ابھی مردوں کی پشتوں اور عورتوں کے رحموں میں تھیں وہ بھی پکار اٹھیں: لبیک اللھم لبیک اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں۔ (صفوۃ التفاسیر) مجاہد بیان کرتے ہیں جس نے بھی حج کیا ہے یا کرے گا اس نے اس آواز کو سنا اور جس نے جتنی بار جواب دیا اسے اتنی بار حج نصیب ہوگا۔ (تفسیر کبیر)

آج کل تو بحری اور ہوائی جہازوں کی وجہ سے سفر آسان ہوگئے ہیں مگر قدیم دور میں لمبے سفر قافلوں کی صورت میں پیدل اور اونٹوں کے ذریعہ ہوتے تھے اور مسلسل سفر کی وجہ سے اونٹ بھی کمزور اور دبلے ہو جاتے تھے۔ بہر حال قدیم دور کی سادہ زندگی اور سادہ سواری ہو یا جدید دور کی مصروف زندگی اور تیز رفتار سواری ہو، بیت اللہ کی زیارت کرنے والوں کی تعداد ہمیشہ سے ترقی پذیر ہے۔

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ تا کہ وہ اپنے فوائد کے لئے (یہاں) حاضر ہوں، [۲۴] اور مقررہ ایام میں ان بے زبان مویشیوں پر جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیئے ہیں (ذبح کے وقت) اللہ تعالیٰ کا نام لیں، پس تم ان (کے گوشت) سے خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ فقیر کو بھی کھلاؤ۔ [۲۵]

[۲۴] حج کا اصل فائدہ اور بنیادی مقصد تو اپنے گناہوں کی بخشش اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے حج کرے اور حج کے دوران نہ کوئی فحش کلامی کرے اور نہ ہی نافرمانی کا مرتکب ہو، وہ حج سے لوٹنے پر گناہوں سے یوں پاک ہوگا جیسے وہ اپنی ولادت کے دن گناہوں سے پاک تھا۔ (بخاری: کتاب الحج: باب ۴)

حج کے عظیم الشان اجتماع سے دینی فوائد کے علاوہ بہت سے دنیاوی منافع بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ اگر مسلمان حکمران ہر سال حج کا التزام کریں تو یہ دنیائے اسلام کی ایک سالانہ عالمی سربراہ کانفرنس کا درجہ بھی اختیار کرسکتی ہے تا کہ وہ اس موقع پر سر جوڑ کر بیٹھیں اور عالم اسلام کو درپیش تمام مسائل پر غور وفکر کریں، جیسا کہ خلفائے راشدین کے دور میں حج کے موقع پر دنیائے اسلام کے تمام صوبوں کے گورنر اور دیگر اعلیٰ حکام مکہ میں جمع ہوتے اور ہر صوبے کے حالات پر مشورے کرتے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعد میں مسلمانوں نے حج کی اس عالمی اہمیت کو فراموش کردیا۔

[۲۵] قربانی کے ایام

قربانی کے تین دن ہیں یعنی دس، گیارہ، اور بارہ ذوالحجۃ، البتہ پہلے دن قربانی کرنا افضل ہے۔

(قدوری، جوھرۃ)

قربانی کے جانور

جانوروں کی تین اجناس کی قربانی جائز ہے یعنی بھیڑ بکری، گائے بھینس اور اونٹ۔ ان تینوں اجناس میں ان کے مذکر اور مؤنث جانور شامل ہیں۔ گائے، بھینس اور اونٹ کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے ہوسکتی ہے۔

(ابوداؤد: ۲۸۰۸/۲۸۰۹)

قربانی کا حکم

مسلمان مرد ہو یا عورت جب وہ آزاد، مقیم اور قربانی دینے کی استطاعت رکھتا ہے تو اس پر قربانی واجب ہے۔ اس سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ کریں:

ا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص استطاعت رکھتا ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب ہرگز نہ آئے۔

(ابن ماجۃ: ۳۱۲۳: ابواب الاضاحی: باب ۲)

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَ ۲۹۔ پھر انہیں چاہیے کہ اپنا میل کچیل دور کریں [۲۶] اور

۲۔ حضرت ابن عمر ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں دس سال رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے۔

(ترمذی: ۱۵۰۷: ابواب الاضاحی: باب ۱۱)

۳۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے عید کی نماز سے پہلے (قربانی کا جانور) ذبح کرلیا اس نے اپنی ذات کے لئے ذبح کیا (لہٰذا وہ دوبارہ قربانی کرے) اور جس نے نماز کے بعد ذبح کیا اس کی قربانی پوری ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کا طریقہ پالیا۔ (بخاری: کتاب الاضاحی: باب ۱)

ایک قربانی وہ ہے جو حج کرنے والے حرم میں کرتے ہیں اور وہ عید الاضحیٰ کی نماز نہیں پڑھتے لیکن مذکورہ حدیث میں جس قربانی کا ذکر ہے یہ وہ قربانی ہے جو عید الاضحیٰ کی نماز پڑھنے کے بعد تمام دنیا کے مسلمان اپنے اپنے علاقوں میں کرتے ہیں اور یہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے کیونکہ آپ نے مدینہ میں ہر سال عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد یہ قربانی کی ہے۔

قربانی کی فضیلت

۱۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دس ذوالحجۃ کے دن آدمی کوئی ایسا عمل نہیں کرتا جو بارگاہ خداوندی میں خون بہانے (جانور ذبح کرنے) سے زیادہ محبوب ہو کیونکہ قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، کھروں اور بالوں سمیت آئے گا (یعنی قربانی کرنے والے کی نیکیوں میں ان چیزوں کا شمار ہوگا) اور قربانی کے جانور کا خون ابھی زمین پر گرنے بھی نہیں پاتا کہ بارگاہ خداوندی میں شرف قبولیت حاصل کرلیتا ہے، اس لئے (اے مسلمانو!) خوش دلی سے قربانیاں دیا کرو۔

(ابن ماجۃ: ابواب الاضاحی: باب ۳)

۲۔ صحابہ کرام ﷢ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ تمہارے جد بزرگوار حضرت ابراہیم ؑ کی سنت ہیں۔ عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہمارے لئے ان میں کتنا اجر ہے؟ آپ نے فرمایا: جانور کے ہر بال کے بدلے میں تمہیں ایک نیکی کا ثواب ملے گا۔ عرض کیا: اون کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: اون کے ہر بال پر بھی ایک نیکی کا ثواب عطا ہوگا۔ (ابن ماجۃ: ابواب الاضاحی: باب ۳)

قربانی کا گوشت

مستحب یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کئے جائیں۔ ایک حصہ گھر والے کھائیں، ایک حصہ صدقہ کردیں اور ایک حصہ اپنے دوست احباب میں تقسیم کردیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (قربانی کا گوشت) کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔

(مسلم: کتاب الاضاحی: باب ۵)

[۲۶] احرام باندھنے کے بعد حاجی کے لئے بال کاٹنا، ناخن تراشنا، خوشبو لگانا اور بلاضرورت غسل کرنا ممنوع ہوجاتا ہے۔ حج کرنے والے خواتین وحضرات آٹھویں ذوالحجۃ کو مسجد حرام سے حج کا احرام باندھتے ہیں اور آٹھ، نو اور دس ذوالحجۃ تک یعنی تینوں دن مسلسل سفر میں رہتے ہیں، دھوپ، گرمی، پسینہ اور گردوغبار کی وجہ سے جسم پر میل کچیل جم جاتا ہے، لہٰذا

لِيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾

اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔[۲۷]

ذٰلِكَ ۗ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَ اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ یہی حکم ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی محترم چیزوں کی تعظیم کرتا ہے تو یہ اس کے رب کے نزدیک اس کے لئے بہتر ہے،[۲۸] اور تمہارے لئے چوپائے حلال کر دیئے گئے سوائے ان کے جن کی ممانعت تمہیں پڑھ کر سنائی گئی ہے،[۲۹] پس تم بتوں کی نجاست سے اجتناب کرو اور جھوٹی بات سے بھی پرہیز کرو۔[۳۰]

ارشاد ہوتا ہے کہ دسویں ذوالحجۃ کو جانور ذبح کرنے کے بعد احرام کھول دو، حجامت بناؤ، غسل کر کے میل کچیل دور کرو اور خوشبو لگاؤ اور اگر کوئی نذر مانی ہوئی تھی مثلاً اگر اللہ تعالیٰ نے حج کی سعادت سے نوازا تو شکرانے کے طور پر بارہ نفل ادا کریں گے وغیرہ تو وہ اپنی نذر پوری کریں اور بقیہ مناسک حج ادا کرنے میں سرگرم رہیں۔

[۲۷] قدیم گھر سے مراد بیت اللہ ہے۔ اس طواف سے مراد طواف زیارت ہے اور یہ حج کا رکن اور فرض ہے۔ یہ طواف دسویں، گیارہویں اور بارہویں ذوالحجۃ کو کیا جا سکتا ہے۔

[۲۸] عام طور پر محترم چیزوں سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام، مقدس مقامات اور متقی لوگ ہیں لیکن اس آیت میں محترم چیزوں سے مراد حج کے مخصوص اعمال اور مخصوص مقامات ہیں، مثلاً بیت اللہ اور اس کا طواف، صفا و مروہ اور ان کے درمیان سعی، منیٰ و عرفات اور ان میں قیام، قربانی کے جانور اور ان کا ذبح کرنا، ان سب اعمال کو پورے آداب سے ادا کرنا اور ان مقدس مقامات کا احترام کرنا، حج کرنے والے خواتین و حضرات کے لئے آخرت میں بہتر اجر کا موجب ہے۔

[۲۹] مشرکین عرب نے اپنے باطل عقائد کی وجہ سے کئی مویشی اپنے اوپر حرام کر رکھے تھے جیسے بحیرہ اور سائبہ وغیرہ۔ یہاں مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ یہ جانور تمہارے لئے حلال ہیں سوائے ان جانوروں کے جن کی حرمت قرآن و حدیث میں بیان کر دی گئی ہے۔ تفصیل کے لئے سورہ مائدہ (۵) کی آیات نمبر ایک اور تین کے حاشیہ جات نمبر دو اور تو ملاحظہ کریں۔

[۳۰] بتوں کی نجاست سے مراد غیر خدا کی عبادت ہے اور جھوٹی بات سے مراد اگرچہ ہر قسم کی جھوٹی بات ہو سکتی ہے مگر یہاں کافروں کی مشرکانہ باتیں مراد ہیں جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے، مثلاً فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، بحیرہ اور سائبہ کا کھانا حرام ہے وغیرہ، لہٰذا مسلمانوں کو ہر قسم کے مشرکانہ افعال اور مشرکانہ باتوں سے اجتناب لازم ہے۔

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَیْرَ مُشْرِكِیْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ اَوْ تَهْوِیْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ مَكَانٍ سَحِیْقٍ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ ہر باطل سے الگ صرف اللہ تعالیٰ کے ہو کر رہو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے ہوئے، [۳۱] اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا، پھر پرندے اسے اچک لیتے ہیں یا ہوا اس کو کسی دور جگہ پھینک دیتی ہے۔ [۳۲]

ذٰلِكَ ۗ وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ حقیقت یہ ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے تو بے شک یہ دلوں کے تقویٰ میں سے ہے۔ [۳۳]

---

[۳۱] ہر باطل سے منہ موڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی توحید پر ثابت قدم رہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

[۳۲] شرک کرنے والے کی مثال ایسی ہے گویا وہ آسمان سے گر پڑا، پھر فضا میں شکاری پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوچ کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا اور اگر وہ پرندوں کے شکار سے بچ گیا تو پھر ہوا نے اس کو کسی دور جگہ پر اس زور سے پھینکا کہ اس کے جسم کے پرخچے اڑ گئے۔ مرنے کے بعد برے شخص کی روح کو اسی طرح ذلیل و خوار کر کے آسمان کی بلندی سے قبر کی پستی میں پھینک دیا جائے گا جیسا کہ ایک حدیث پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ فرشتے جب کسی نیک شخص کی روح قبض کرتے ہیں تو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کی بشارت دے کر آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔ آسمان والے فرشتے اس کے لئے دروازہ کھول دیتے ہیں اور اس کو خوش آمدید کہتے ہیں حتیٰ کہ وہ پاکیزہ روح اللہ تعالیٰ کے قرب خاص میں پہنچ جاتی ہے۔ اس کے برعکس فرشتے جب کسی برے شخص کی روح قبض کرتے ہیں تو اسے دوزخ کی وعید سنا کر آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔ آسمان والے فرشتے اس کے لئے دروازہ نہیں کھولتے اور اس کی مذمت کرتے ہیں حتیٰ کہ اس خبیث روح کو ذلیل و خوار کر کے قبر کی پستی میں پھینک دیا جاتا ہے۔

(ابن ماجۃ: ۴۲۶۲: ابواب الزھد: باب ۳۱)

[۳۳] قرآن مجید میں صفا و مروہ کی پہاڑیوں (قرآن: ۲: ۱۵۸) اور قربانی کے جانوروں (قرآن: ۲۲: ۳۶) کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں کہا گیا ہے اور ان کی تعظیم کی ترغیب دی گئی ہے اور اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے یہ تعظیم کرنا اس کے دل کے متقی ہونے کا ثبوت ہے۔ اس کے برعکس جو شخص دانستہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم نہیں کرتا بلکہ ان کی ہتک کرتا ہے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جن چیزوں کا تعلق اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے ہو یا اللہ تعالیٰ کے احکام کی ادائیگی سے ہو وہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی نشانیاں ہیں یعنی صفا و مروہ، قربانی کے جانور، منیٰ و عرفات، بیت اللہ اور دیگر مساجد، انبیاء و اولیاء کے

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٣٣﴾

۳۳۔ تمہارے لئے ان (قربانی کے جانوروں) میں ایک معین مدت تک فوائد ہیں، [۳۴] پھر ان کو ذبح کرنے کا مقام قدیم گھر (بیت اللہ) کے قریب ہے۔ [۳۵]

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ

۳۴۔ اور ہر امت کے لئے ہم نے ایک قربانی مقرر کر دی ہے تا کہ جو بے زبان جانور اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائے ہیں ان پر (ذبح کے وقت) اللہ تعالیٰ کا نام

مزارات، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تبرکات کا صندوق وغیرہ کی تعظیم کرنا دل کے متقی ہونے کی علامت ہے، اس کو شرک کہنا قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اس کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے عبادت اور تعظیم کے فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔ مزید تفصیل کے لئے سورہ بقرہ (۲) کی آیات نمبر ۱۵۸ اور ۲۴۸ کے حواشی ملاحظہ کریں۔

[۳۴] حج یا عمرہ کرنے والا جس جانور کو حرم میں ذبح کرنے کی نیت سے اپنے ساتھ لے جائے اسے ھدی یعنی قربانی کا جانور کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مویشیوں میں سواری اور دودھ وغیرہ کے جو فوائد رکھے ہیں ان سے استفادہ کرنا انسان کا حق ہے لیکن جس جانور کو ھدی کے لئے نامزد کر دیا جائے اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے کیونکہ جب وہ جانور اللہ تعالیٰ کے لئے خالص طور پر نامزد کر دیا گیا تو اس سے ذاتی فائدہ اٹھانا درست نہیں۔ اب وہ جانور اللہ تعالیٰ کی نشانی بن گیا ہے جس کی تعظیم لازم ہے اور اس پر سوار ہونے یا اس پر بوجھ لادنے سے اس جانور کو تکلیف پہنچنے یا اس کے موٹاپے میں کمی ہونے کا خطرہ ہے جو اس کی تعظیم کے خلاف ہے، جیسا کہ مجاہد نے کہا: اونٹ یا اونٹنی کو جب ھدی کے لئے نامزد کر دیا جائے تو اس کا دودھ پینے یا اس پر سوار ہونے کے سب فوائد اور حقوق ختم ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر ابن جریر طبری) لیکن مجبوری کے وقت ھدی سے فائدہ اٹھانا جائز ہے مثلاً ایک شخص قربانی کا اونٹ لے کر حرم کی طرف جا رہا ہے اور خود پیدل چل رہا ہے، سواری کے لئے کوئی اور جانور اس کے پاس نہیں اور پیدل چلنا اس پر مشکل ہو جائے تو اس مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے وہ قربانی کے اونٹ پر سوار ہو سکتا ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قربانی کے اونٹ یا اونٹنی پر سوار ہونے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: تم مجبوری کی حالت میں اس پر سوار ہو سکتے ہو حتیٰ کہ تمہیں کوئی سواری مل جائے۔ (مسلم: ۱۳۲۴: کتاب الحج: باب ٦٥)

[۳۵] ھدی کے جانوروں کو ذبح کرنے کی جگہ بیت اللہ کے قریب ہے اور اس سے مراد سارا حرم مکہ ہے خواہ منیٰ میں ذبح کئے جائیں یا مکہ کی کسی اور جگہ پر۔ (تفسیر روح المعانی) الغرض ھدی کو حدود حرم کے اندر ذبح کرنا ضروری ہے، حدود حرم سے باہر ذبح کرنا جائز نہیں۔ ھدی کے علاوہ مالدار لوگوں پر جو قربانی واجب ہے وہ ہر جگہ ہو سکتی ہے، اس کے لئے حدود حرم میں ذبح کرنا شرط نہیں ہے، جیسے ساری دنیا کے مسلمان اپنے اپنے علاقوں میں قربانی ذبح کرتے ہیں۔

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾

لیں، پس تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، اسی کی فرماں برداری کرو، [۳۶] اور (اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم!) عاجزی کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیں۔

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَ الْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں اور جو مصیبتیں انہیں پہنچتی ہیں ان پر صبر کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ [۳۷]

وَ الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے ان میں تمہارے لئے بھلائی ہے، پس تم (انہیں نحر کے وقت) ایک پاؤں ران کے ساتھ باندھ کر اور تین پاؤں پر کھڑا کر کے ان پر اللہ تعالیٰ کا نام لو، پھر جب وہ پہلو کے بل زمین پر گر جائیں تو ان میں سے خود بھی کھاؤ، اور قناعت کرنے والے محتاج اور سوال کرنے والے محتاج کو بھی کھلاؤ۔ [۳۸] اس طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے

---

[۳۶] اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام میں قربانی کا حکم کوئی نئی چیز نہیں بلکہ یہ سلسلہ پہلی امتوں میں بھی جاری تھا اور انہیں بھی یہی حکم تھا کہ جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیں کیونکہ عبادت کے لائق صرف ایک ہی خدا ہے اور اسی کی فرماں برداری لازم ہے۔

[۳۷] گزشتہ آیت کے آخر میں جن عاجزی کرنے والوں کو جنت کی خوش خبری سنائی گئی ہے اس آیت میں ان کی چار صفات بیان کی گئی ہیں یعنی جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو جلال الٰہی کے ڈر سے ان کے دل کانپنے لگتے ہیں، ان پر مصائب آئیں تو گھبراتے نہیں بلکہ صبر کرتے ہیں، نماز قائم رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق میں سے کچھ حصہ نیک کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔

[۳۸] قربانی کے اونٹ بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں، ان میں تمہارے لئے دنیوی اور اخروی بھلائی ہے۔ دنیا میں تم ان

تا کہ تم شکر ادا کرو۔[۳۹]

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اللہ تعالیٰ کو ان جانوروں کے گوشت اور ان کے خون ہرگز نہیں پہنچتے بلکہ اس کو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے، [۴۰] اس طرح اس نے ان جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی، [۴۱] اور (اے حبیب ﷺ!) نیکی کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیں۔

کا گوشت کھاؤ گے اور آخرت میں یہ تمہارے لئے نجات کا سبب بنیں گے۔ ان کو ذبح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کا آگے والا بایاں پاؤں ران کے ساتھ باندھ کر تین پاؤں پر کھڑا کر دو اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کے گلے میں نیزہ مارو جس سے اس کا خون نکلے گا اور جب وہ بے جان ہو کر زمین پر گر پڑے تو پھر اس کا گوشت کاٹ کر خود بھی کھاؤ اور مانگنے والے اور نہ مانگنے والے ہر قسم کے فقیروں اور محتاجوں کو بھی اس کا گوشت پیش کرو۔

[۳۹] اونٹ جیسے طویل اور جسیم جانور کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے تابع کر دیا ہے، لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

[۴۰] ان الفاظ میں قربانی کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانی کا گوشت نہیں پہنچتا، یہ تو انسان ہی کھا جاتے ہیں، البتہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے دل کا تقویٰ پہنچتا ہے کہ تم نے کتنے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا۔ جس انسان کے نیک اعمال میں جتنا زیادہ اخلاص ہوگا اس کا اتنا ہی زیادہ اجر ہوگا۔

قربانی کے علاوہ دوسری عبادات کا بھی یہی فلسفہ ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کے ہاں نماز کی حرکات اور روزہ کی بھوک اور پیاس نہیں پہنچتیں بلکہ اس کے ہاں تمہارے دل کا تقویٰ پہنچتا ہے کہ تم نے کتنے اخلاص کے ساتھ نماز اور روزہ کے احکام پر عمل کیا جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں اور تمہارے اموال کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ (مسلم: ۲۵۶۴: کتاب البر: باب ۱۰)

۲۔ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ (بخاری: بدء الوحی: باب ۱)

اس آیت سے اشارۃً معلوم ہوا کہ اگر کسی مرحوم کو کھانے کا ثواب بخشا جائے تو اس تک اصل کھانا نہیں پہنچتا بلکہ اس کا ثواب پہنچتا ہے اور یہی اصل مقصود ہے۔

[۴۱] اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے جانوروں کو تمہارے تابع کر دیا ہے اور تمہیں ان پر غالب آنے کی صلاحیت اور ہدایت عطا

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی مدافعت کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ کسی خیانت کرنے والے اور ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔ [۴۲]

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ ان لوگوں کو (جہاد کی) اجازت دے دی گئی جن کے خلاف جنگ کی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔ [۴۳]

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ

۴۰۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اس بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو دوسرے بعض لوگوں کے ذریعہ نہ ہٹاتا رہتا تو (راہبوں کی) خانقاہیں اور

فرمائی ہے، لہٰذا اس برتری پر تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اور جب ان جانوروں کو ذبح کرنے لگو تو ان کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا کرو۔

[۴۲] ہجرت کے چھٹے سال نبی کریم ﷺ اور چودہ سو کے قریب صحابہ کرام ؓ عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ مکرمہ جارہے تھے تو کفار مکہ نے مسلمانوں کو حدیبیہ کے مقام پر روک دیا اور انہیں مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع کر دیا جس کا ذکر آیت نمبر ۲۵ میں گزر چکا ہے۔ مسلمانوں کو بظاہر اس سے بڑی تکلیف ہوئی، اس آیت میں اہل ایمان کو خوش خبری سنائی گئی کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی مدافعت فرمائے گا اور مکہ کے خائن اور ناشکرے کفار کا مکہ پر غلبہ ختم کردے گا۔ چنانچہ دو ہی سال بعد ہجرت کے آٹھویں سال کفار مکہ کو ایسی شکست ہوئی کہ سارے مکہ پر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو گیا۔

[۴۳] ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے جب اعلان فرمایا کہ ہمارا رب صرف اللہ تعالیٰ ہے تو سینکڑوں خداؤں کی پرستش کرنے والے کفار مکہ نے مسلمانوں پر ظلم کرنا شروع کر دیا۔ صحابہ کرام ؓ جب زخمی حالت میں نبی کریم ﷺ کے پاس آتے اور کفار سے بدلہ لینے کی اجازت مانگتے تو آپ ﷺ فرماتے: صبر کرو، مجھے ابھی قتال کی اجازت نہیں ملی۔ کفار نے جب مظالم کی انتہا کر دی تو مسلمان اپنے گھروں کو چھوڑ کر مدینہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے لیکن کفار مکہ نے وہاں بھی انہیں تنگ کرنے کا سلسلہ جاری رکھا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں پہلی بار مسلمانوں کو قتال کی اجازت دی گئی ہے۔ (صفوۃ التفاسیر) تاکہ وہ اپنے دفاع کے لئے طاقت کا استعمال کر سکیں اور ساتھ ہی یہ اعلان کر دیا کہ اگرچہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابلہ میں تھوڑی ہے مگر اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی مدد فرمائے گا۔

بِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ⑩

(عیسائیوں کے) گرجے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے ان سب کو منہدم کر دیا جاتا، [۴۴] اور جو شخص اللہ تعالیٰ (کے دین) کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد فرمائے گا، [۴۵] بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا (اور) غالب ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ⑪

۴۱۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار عطا فرمائیں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور نیکی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں، اور تمام کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ [۴۶]

---

[۴۴] اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ جب کوئی ظالم قوم ظلم وستم کی انتہا کو پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم کے ذریعہ اس کے مظالم کا خاتمہ کر دیتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا زمین پر خاص فضل ہے کیونکہ اگر ایک ہی سرکش قوم ہمیشہ برسر اقتدار رہتی تو وہ نہ صرف یہ کہ کمزور قوموں پر ظلم کرتی بلکہ ان کے عبادت خانوں کو بھی مسمار کر دیتی۔ اگر اللہ تعالیٰ اہل حق یعنی توحید پرست لوگوں کو جہاد کی اجازت نہ دیتا اور پہلی امتیں سرکش قوموں کے خلاف جہاد نہ کرتیں تو کسی مذہب کی عبادت گاہیں سلامت نہ رہتیں، نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان کی عبادت گاہیں قائم رہتیں اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان کے عبادت خانے سلامت رہتے۔

[۴۵] جو لوگ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے جیسا کہ جنگ بدر میں صرف ۳۱۳ نہتے مسلمانوں نے اسلحہ سے لیس ایک ہزار افراد کے لشکر کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ آج پھر ضرورت ہے کہ ہم اپنے اندر اصحاب بدر رضی اللہ عنہم کا سا اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

[۴۶] سچے اہل ایمان کی شان یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ انہیں کسی ملک کا اقتدار عطا فرماتا ہے تو وہ نماز قائم کرنے، زکوۃ ادا کرنے، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا نظام قائم کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں اور اس کے بعد تمام کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں کیونکہ قوت وغلبہ کا حقیقی مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اگرچہ یہ حکم عام ہے لیکن محققین کے نزدیک

وَ اِنۡ يُّكَذِّبُوۡكَ فَقَدۡ كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوۡدُ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور اگر یہ کفار آپ کو جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد و ثمود نے بھی (اپنے رسولوں کو) جھٹلایا تھا۔

وَقَوۡمُ اِبۡرٰهِيۡمَ وَقَوۡمُ لُوۡطٍ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اور قوم ابراہیم علیہ السلام اور قوم لوط علیہ السلام نے بھی۔

وَّاَصۡحٰبُ مَدۡيَنَ‌ۚ وَكُذِّبَ مُوۡسٰى فَاَمۡلَيۡتُ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ثُمَّ اَخَذۡتُهُمۡ‌ۚ فَكَيۡفَ كَانَ نَكِيۡرِ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ اور مدین کے رہنے والوں نے (بھی جھٹلایا تھا) اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی جھٹلایا گیا، پس میں نے کافروں کو مہلت دی، پھر میں نے انہیں پکڑ لیا تو میرا عذاب کیسا تھا؟ [۴۷]

فَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوۡشِهَا وَبِئۡرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصۡرٍ مَّشِيۡدٍ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ پس کتنی ہی بستیاں ہیں جن کو ہم نے تباہ کر دیا کیونکہ وہ ظالم تھیں، سو وہ اپنی چھتوں کے بل گری پڑی ہیں اور کتنے ہی کنویں بے کار پڑے ہیں اور کتنے ہی مضبوط محل (ویران پڑے ہیں)۔ [۴۸]

اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَتَكُوۡنَ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ يَّعۡقِلُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ اٰذَانٌ يَّسۡمَعُوۡنَ

۴۶۔ کیا انہوں نے زمین میں سیر و سیاحت نہیں کی تا کہ (ان کھنڈرات کو دیکھ کر) ان کے دل ایسے ہو جاتے جن

اس سے مراد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے اسلامی نظام کو اس زمین پر نافذ کر کے عملی مثال قائم کی۔ (احکام القرآن للجصاص، تفسیر قرطبی) خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد بھی کئی نیک اور عادل حکمران آئے لیکن خیر و فلاح کا جو نظام خلافت راشدہ میں قائم ہوا تھا بعد میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

[۴۷] ان آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کفار مکہ اگر آپ کو جھٹلاتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ پہلی قومیں بھی اپنے رسولوں کو جھٹلاتی رہی ہیں اور میں انہیں مہلت دیتا رہا، پھر جب مہلت کا وقت ختم ہو گیا تو ان پر ایسا عذاب آیا کہ ان کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ اسی طرح اگر کفار مکہ نے اللہ تعالیٰ کی اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا تو چونکہ آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں اور آپ کی موجودگی میں ان پر پہلی قوموں جیسا عذاب آپ کی شان رحمت کے خلاف ہے مگر بہت جلد مکہ سے ان کا غلبہ ختم ہو جائے گا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔

[۴۸] تاریخ شاہد ہے جن ظالم قوموں نے اللہ تعالیٰ کی مہلت سے استفادہ نہ کیا اور ان پر عذاب کا وقت آ گیا تو پھر ان کی بستیاں چھتوں کے بل زمین بوس ہو گئیں اور ان کے کنویں اور محلات برباد ہو گئے۔

بِهَا ۚ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿٤٦﴾

سے وہ سمجھ سکتے یا کان ایسے ہو جاتے جن سے وہ سن سکتے، درحقیقت (ایسے لوگوں کی) آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو (ان کے) سینوں میں ہیں۔[۴۹]

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿٤٧﴾

۴۷۔ اور وہ آپ سے جلد عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا، اور بے شک آپ کے رب کے ہاں ایک دن تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کی طرح ہے۔[۵۰]

وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿٤٨﴾

۴۸۔ اور کتنی ہی بستیاں ہیں جن کو میں نے مہلت دی حالانکہ وہ ظالم تھیں، پھر میں نے انہیں پکڑ لیا اور (سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔[۵۱]

ع ۱۲

---

[۴۹] کیا اہل مکہ نے اپنے سفروں کے دوران گزشتہ ظالم قوموں کے کھنڈرات نہیں دیکھے یا ان کی تباہی کے واقعات نہیں سنے تاکہ وہ ظلم کے انجام کو سمجھ سکتے لیکن ظالم لوگ دیکھتے تو سب کچھ ہیں، ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں درحقیقت ان کے دل اندھے ہوتے ہیں اور وہ واقعات میں غور و فکر کر کے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

[۵۰] مشرکین مکہ کا مطالبہ یہ تھا کہ اگر وہ غلط ہیں تو پھر ان پر عذاب کیوں نہیں آ جاتا؟ اس آیت میں انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے تم پر عذاب آ کر رہے گا مگر قوموں کے عروج و زوال کی منزلیں دنوں اور مہینوں میں طے نہیں ہوتیں بلکہ اس کے لئے صدیاں درکار ہوتی ہیں۔ اس کی ایک اور تفسیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس دنیا میں ان پر جنگ بدر کی صورت میں عذاب آ چکا ہے جس میں صرف تین سو تیرہ نہتے مسلمانوں نے کفار کے ایک ہزار کے لشکر کو شکست فاش سے دوچار کر دیا، ان کے ستر افراد مارے گئے اور ستر قیدی بنا لئے گئے اور آخرت میں ان پر ایسا عذاب نازل ہو گا کہ وہ ایک دن انہیں ایک ہزار سال کے برابر معلوم ہو گا اور اسی طرح بعض ظالموں پر ان سے بھی شدید عذاب نازل ہو گا کہ وہ ایک دن انہیں پچاس ہزار سال کے برابر معلوم ہو گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔ (قرآن: ۷۰:۴)

لیکن اہل ایمان کے لئے وہ دن ایک فرض نماز پڑھنے سے بھی مختصر معلوم ہو گا۔ (مسند احمد: ۳:۷۵) قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے بے شمار انسانوں کا حساب و کتاب کتنے وقت میں ہو گا؟ اس کی تفصیل کے لئے سورہ انعام (۶) کی آیت نمبر ۶۲ کا حاشیہ نمبر ۶۰ ملاحظہ کریں۔

[۵۱] یعنی کسی ظالم قوم کی مہلت کتنی ہی لمبی ہو وہ میری گرفت سے بچ نہیں سکتی اور بالآخر سب کو لوٹ کر میرے ہی پاس آنا ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۚ﴿۴۹﴾

۴۹۔ (اے حبیب ﷺ!) آپ فرما دیجیے: اے لوگو! بس میں تو تمہیں واضح طور پر (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والا ہوں۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔[۵۲]

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں (کی تردید) میں کوشش کرتے رہے اس خیال سے کہ وہ ہمیں عاجز کر دیں گے وہی دوزخی ہیں۔[۵۳]

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ

۵۲۔ اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول اور نبی بھیجا جب اس نے (کلام الٰہی) پڑھ کر سنایا تو شیطان نے اس کے پڑھنے میں (شکوک) ڈال دیے،[۵۴] پس شیطان

---

[۵۲] جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمائے گا اور جنت میں انہیں عزت و وقار کی روزی عطا فرمائے گا۔

[۵۳] جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلانے میں کوشاں رہے تاکہ وہ اہل ایمان کو عاجز اور ناکام کر سکیں وہ لوگ جہنم رسید ہوں گے۔

[۵۴] نبی کریم ﷺ جب قرآن کی آیات پڑھ کر سناتے تو شیطان ان آیات کے بارے میں منکر اور مذبذب لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کر دیتا اور وہ طرح طرح کے اعتراض کرنے لگتے، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں (وسوسے) ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔ (قرآن: ۶: ۱۲۱) اس پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تسلی دی کہ یہ کوئی نئی بات نہیں، پہلے انبیاء و رسل بھی جب آیات پڑھ کر سناتے تھے تو شیطان اسی طرح لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا تھا۔

اس آیت کے ضمن میں بعض سادہ دل حضرات کی بے خیالی سے ایک لغو قصہ بھی نقل ہو گیا ہے یعنی شیطان کے وسوسہ کے زیر اثر نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے یہاں تک نکل گیا کہ بتوں کی شفاعت کی بھی امید کی جا سکتی ہے۔ العیاذ باللہ۔ لیکن محققین نے اس قصہ کو جھوٹا اور بے اصل قرار دیا ہے۔ نیز اس پر امت کا اجماع ہے کہ تبلیغ کلام الٰہی میں نبی ہر طرح سے

أُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۙ﴿۵۲﴾

جو (شکوک) ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ (انہیں) زائل کردیتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو پختہ کردیتا ہے، [۵۵] اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے۔

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۙ﴿۵۳﴾

۵۳۔ (یہ سب اس لئے) تاکہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ان لوگوں کے لئے آزمائش بنادے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں، اور بے شک ظالم لوگ بڑی شدید مخالفت میں مبتلا ہیں۔ [۵۶]

وَّ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اور تاکہ جن کو علم دیا گیا ہے وہ جان لیں کہ یہ (قرآن) آپ کے رب کی طرف سے حق ہے، سو وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس کی طرف جھک جائیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ضرور سیدھی راہ کی ہدایت دینے والا ہے۔ [۵۷]

معصوم ہوتا ہے اور اس میں غلطی سے بھی غلطی نہیں کرسکتا کیونکہ اگر ایسا ممکن ہوتا تو احکام، آیات اور سارا دین مشکوک ہوجاتا۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ حاضرین مجلس میں سے کسی مشرک یا منافق نے اپنی طرف سے یہ کلمات ادا کردیئے ہوں اور مشرکین ایسے من گھڑت الزامات اکثر لگاتے رہتے تھے جس سے وحی الٰہی اور نبی کی قراءت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کی مزید تفصیل کے لئے ضیاء القرآن کا یہ مقام ملاحظہ کریں۔

[۵۵] شیطان جب بھی لوگوں کے دلوں میں آیات الٰہی کے بارے میں شکوک وشبہات ڈالتا ہے تو اللہ تعالیٰ دیگر محکم تر آیات کے ذریعہ شیطانی وساوس کو زائل کردیتا ہے اور لوگوں کا ایمان پھر سے مستحکم ہوجاتا ہے۔

[۵۶] یعنی شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات سے صرف وہی لوگ گمراہ ہوتے ہیں جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے یا جن کے دل شدید مخالفت اور مسلسل ظلم کرنے کی وجہ سے سخت ہوچکے ہیں۔

[۵۷] اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جو شبہات ڈالنے کی طاقت دی ہے یہ ایک طرف تو منکر اور مذبذب لوگوں کے لئے آزمائش کا ذریعہ ہے اور دوسری طرف اہل علم اور اہل حق کے نور ہدایت میں ترقی کا باعث ہے کیونکہ اہل علم جب قرآن میں غور کرتے ہیں تو ان کے دل قرآن کی صداقت کے سامنے جھک جاتے ہیں اور اس کو برحق مان کر اس پر ایمان لے آتے ہیں اور اس ایمان

وَ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ اور کافر لوگ اس (قرآن) کے متعلق ہمیشہ شک میں مبتلا رہیں گے حتیٰ کہ ان پر اچانک قیامت آجائے یا ان پر منحوس دن کا عذاب آجائے۔[۵۸]

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اس دن صرف اللہ تعالیٰ ہی کی حکمرانی ہوگی، وہی ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا، پس جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے وہ نعمت والی جنتوں میں ہوں گے۔[۵۹]

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ ع

۵۷۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کے لئے رسوا کن عذاب ہوگا۔

وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی اور پھر قتل کر دیئے گئے یا فوت ہوگئے اللہ تعالیٰ ان کو ضرور اچھا رزق عطا فرمائے گا، اور بے شک اللہ تعالیٰ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔[۶۰]

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ اللہ تعالیٰ انہیں ضرور ایسی جگہ داخل فرمائے گا جس سے وہ راضی ہوجائیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑا بردبار ہے۔

کی برکت سے اللہ تعالیٰ انہیں سیدھے راستہ پر گامزن فرما دیتا ہے جو انہیں جنت میں لے جائے گا۔

[۵۸] کافر لوگ تعصب کی وجہ سے قرآن میں غور نہیں کریں گے اور شیطانی وساوس کے پیش نظر ہمیشہ شکوک وشبہات میں مبتلا رہیں گے حتیٰ کہ اچانک قیامت آجائے گی یا ایسا عذاب آجائے گا جو انہیں تہس نہس کر دے گا۔

[۵۹] دراصل حکمرانی تو آج بھی اللہ تعالیٰ ہی کی ہے مگر آج بہت سے لوگ اس کی حکمرانی کو نہیں مانتے لیکن قیامت کے دن سب کو مشاہدہ ہوجائے گا کہ واقعی اصل حکمران تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسی کے فیصلہ کے مطابق نیک لوگ اپنی نیکیوں کی وجہ سے جنت میں جائیں گے اور برے لوگ اپنی برائیوں کی وجہ سے جہنم رسید ہوں گے۔

[۶۰] جو لوگ جہاد کی غرض سے گھروں سے نکلے پھر خواہ وہ جنگ میں شہید کر دیئے گئے یا اپنی طبعی موت سے فوت ہوگئے اللہ تعالیٰ

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ حق یہی ہے اور جس شخص نے اتنا ہی بدلہ لیا جتنی اسے تکلیف دی گئی تھی، پھر اس پر زیادتی کی گئی تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد فرمائے گا، بے شک اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا، بہت بخشنے والا ہے۔[۶۱]

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے،[۶۲] اور بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی وہ (مشرکین) عبادت کرتے ہیں وہ باطل ہے،[۶۳] اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت بلند بہت بڑا ہے۔

انہیں جنت میں ایسا اچھا رزق اور اتنا عمدہ ٹھکانا عطا فرمائے گا جس سے وہ راضی اور خوش ہو جائیں گے۔

[۶۱] جس شخص پر ظلم کیا جائے تو مظلوم کو حق حاصل ہے کہ وہ اتنا ہی بدلہ لے جتنا اس پر ظلم کیا گیا ہے، مثلاً زید نے بکر کا ایک دانت توڑ دیا اب بکر کو حق حاصل ہے کہ وہ زید کا ایک دانت توڑ دے اس طرح معاملہ برابر اور انصاف کا تقاضا پورا ہو جائے گا لیکن اگر زید نے مشتعل ہو کر دوبارہ بکر پر حملہ کر دیا اور اس کا دوسرا دانت توڑ دیا تو اس صورت میں بکر مظلوم ہے اور اللہ تعالیٰ بکر کی مدد فرمائے گا یعنی اگر ظالم کو دنیا میں اپنے ظلم کی سزا نہ ملی تو قیامت کے دن وہ اپنے ظلم کی سزا سے نہ بچ سکے گا اور اسے مظلوم کا حق ادا کرنا پڑے گا۔

[۶۲] گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے مظلوم لوگوں کی مدد کا اعلان فرمایا اور اس دور میں مسلمان ہی مظلوم تھے۔ اب آنے والی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں جو اس کے قادر مطلق ہونے کی نشاندہی کرتی ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ جس طرح دن کی روشنی کے بعد رات کی تاریکی لے آتا ہے اور رات کی تاریکی کے بعد دن کی روشنی لے آتا ہے اسی طرح کفر و اسلام میں غلبہ کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے مگر اب وہ وقت بہت قریب ہے جب کفر کی تاریکی ختم ہونے والی ہے اور اسلام کی روشنی کا سورج طلوع ہونے والا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور چند سالوں کے بعد پورے عرب پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔

[۶۳] اللہ تعالیٰ حق ہے اور حق ہی ہمیشہ غالب اور سربلند ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی یہ مشرکین عبادت کرتے ہیں وہ باطل

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿٦٣﴾

٦٣۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا تو زمین سرسبز ہو جاتی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بہت مہربان (اور) باخبر ہے۔ [٦٤]

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۭ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٦٤﴾

٦٤۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز قابل تعریف ہے۔ [٦٥]

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۭ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۭ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٥﴾

٦٥۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ زمین میں ہے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اور کشتیوں کو بھی جو اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہیں، [٦٦] اور وہی آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے مگر اس کی اجازت سے، بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت شفقت فرمانے والا بڑا مہربان ہے۔ [٦٧]

ہے اور باطل کا انجام کبھی روشن نہیں ہوتا۔

[٦٤] اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر بڑا مہربان ہے اور ان کی ضروریات سے اچھی طرح باخبر ہے اس لئے آسمان سے پانی نازل فرما کر زمین کو سرسبز و شاداب بناتا ہے تاکہ اس سے انسانوں اور حیوانوں کی خوراک کا سامان فراہم ہو۔

اس میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ جس طرح بخارات کی وجہ سے بارش کا پانی خشک زمین پر گرتا ہے تو چند دنوں کے بعد اس زمین پر سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ کی دعوت سے آج لوگوں کے بے چین دلوں پر جو توحید کی بارش ہو رہی ہے عنقریب ان دلوں کو ذکر الٰہی سے چین نصیب ہوگا۔

[٦٥] اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ زمین و آسمان کی ہر چیز کا حقیقی مالک ہے، ساری مخلوق اس کی محتاج ہے وہ کسی کا محتاج نہیں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ ہی ہر قسم کی تعریف کا حقیقی مستحق ہے۔

[٦٦] اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت مہربان ہے، اس نے زمین کی ساری چیزوں اور سمندر کی کشتیوں کو لوگوں کا تابع کر دیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و خرد کی نعمت سے نوازا ہے جس کی بدولت وہ زمین کی ساری چیزوں سے استفادہ کر رہا ہے۔

[٦٧] اللہ تعالیٰ نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ اجازت دے گا تو قیامت کے وقت آسمان (ریزہ ریزہ ہو کر) زمین پر گر پڑے گا۔ (صفوۃ التفاسیر، تفسیر بیضاوی)

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿٦٦﴾	٦٦۔ اور وہی ہے جس نے تمہیں زندگی دی، پھر وہ تمہیں موت دے گا، پھر تم کو زندہ کرے گا، [٦٨] بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے۔ [٦٩]
لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٦٧﴾	٦٧۔ ہم نے ہر امت کے لئے ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کے مطابق وہ عبادت کرتے ہیں، سو انہیں اس معاملہ میں آپ سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے اور آپ (انہیں) اپنے رب کی طرف بلاتے رہیں، بے شک آپ سیدھے راستے پر (گامزن) ہیں۔ [٧٠]
وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٨﴾	٦٨۔ اور اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ فرما دیجیے: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔ [٧١]

[٦٨] اللہ تعالیٰ نے تمہیں بے جان نطفہ سے پیدا فرمایا، پھر زندگی کی مدت پوری ہونے پر تمہیں موت دے گا، پھر قیامت کے دن تمہیں حساب و کتاب اور ثواب و عذاب کے لئے دوبارہ زندہ کرے گا۔

[٦٩] گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا یعنی انسان کے فائدے کے لئے زمین کی ساری چیزوں کو انسان کے تابع کر دیا۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ ہر انسان اپنے محسن حقیقی کے حضور سجدہ شکر بجا لاتا لیکن اکثر انسان ان بے شمار نعمتوں کے باوجود بڑے ناشکرے اور احسان فراموش ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور میرے بندوں میں شکر ادا کرنے والے بہت کم ہیں۔ (قرآن: ٣٤:١٣)

[٧٠] اللہ تعالیٰ نے ہر امت کو اس کے مخصوص حالات کے پیش نظر ایک مخصوص نظام شریعت عطا فرمایا جو بعض چیزوں میں ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ جس طرح انجیل کا نظام شریعت تورات کے نظام شریعت سے مختلف تھا اسی طرح اب قرآن کا نظام شریعت (اسلام) بھی پہلے نظامہائے شریعت سے مختلف ہے، لہٰذا کسی کو مناسب نہیں کہ وہ اسلام کے نظام شریعت میں جھگڑا کرے کیونکہ جس طرح شریعت عیسوی کے آنے سے شریعت موسوی منسوخ ہو گئی تھی اسی طرح اب شریعت محمدی ﷺ کے آنے سے پہلی تمام شریعتیں منسوخ ہو گئی ہیں۔

اس آیت کے دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ ان کے جھگڑنے کی پرواہ نہ کریں بلکہ ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہیں کیونکہ اب اسلام ہی سیدھا راستہ ہے جس پر آپ گامزن ہیں۔

[٧١] یعنی دلائل کے بعد بھی اگر وہ لوگ آپ سے جھگڑا کرنے میں اصرار کریں تو انہیں صرف یہ فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾

۶۹۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان سب باتوں کا فیصلہ کردے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾

۷۰۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے، بے شک یہ سب ایک کتاب میں (لکھا ہوا) ہے، بے شک یہ سب اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔[۷۲]

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ مَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾

۷۱۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت کے متعلق نہ تو اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نازل کی ہے اور نہ انہیں خود ان کے متعلق کوئی علم ہے، اور (قیامت کے دن) ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔[۷۳]

اعمال کو بہتر جانتا ہے اور وہی قیامت کے دن تمہارے اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا، لہٰذا اس دن حق اور باطل بالکل واضح ہو جائے گا۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بڑا عمدہ ادب سکھایا ہے کہ جو شخص محض تعصب اور جھگڑا کرنے کے شوق میں تم سے مناظرہ کرنا چاہے اسے کوئی جواب نہ دو اور نہ اس کے ساتھ مناظرہ کرو، اس کے جواب میں صرف یہ بات کہہ دو جو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو سکھائی ہے۔ (تفسیر قرطبی)

نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو حتیٰ کہ جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جارہی ہے، خواہش کی پیروی کی جارہی ہے، دنیا کو ترجیح دی جارہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر اترا رہا ہے تو پھر تم اپنی جان کی فکر کرو اور عام لوگوں کی فکر کرنا چھوڑ دو۔ (ترمذی: ۳۰۵۸: ابواب تفسیر القرآن: سورۃ المائدۃ)

[۷۲] یعنی صرف ان منکرین کے اعمال ہی نہیں اللہ تعالیٰ تو زمین و آسمان کی ہر چیز کو جانتا ہے اور بعض حکمتوں کے پیش نظر اس نے ہر چیز کے علم کو لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ اتنی بے شمار چیزوں کا علم رکھنا، اس کے مطابق فیصلہ کرنا اور پھر اس فیصلہ کو نافذ کرنا، اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

[۷۳] یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں ان کو معبود ثابت کرنے کے لئے نہ تو ان کے پاس کوئی نقلی

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ع ﴿۷۲﴾

۷۲۔ اور جب ان (کفار) کو ہماری واضح آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو آپ کفار کے چہروں پر ناپسندیدگی (کے آثار) پہچان لیتے ہیں، ایسے لگتا ہے کہ وہ عنقریب ان لوگوں پر جھپٹ پڑیں گے جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں، آپ فرما دیجیے: کیا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ چیز سے آگاہ کروں؟ وہ آگ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے کفار سے وعدہ کر رکھا ہے، اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ [۷۴]

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾

۷۳۔ اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اس کو غور سے سنو! بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا جن (بتوں) کی تم عبادت کرتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سب اس کام کے لئے اکٹھے ہو جائیں، اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس چیز کو اس مکھی سے چھڑا نہیں سکتے، طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں۔ [۷۵]

دلیل ہے جس کو وہ کسی آسمانی کتاب سے دکھا سکیں اور نہ ہی کوئی عقلی دلیل ہے جس کو وہ اپنے علم سے ثابت کر سکیں، لہٰذا شرک کرنے والے سب سے بڑے ظالم ہیں اور قیامت کے دن جب اس ظلم کی سزا انہیں ملے گی تو کوئی ان کی مدد نہیں کر سکے گا۔

[۷۴] کفار کے سامنے جب قرآن مجید کی آیات پڑھی جاتیں تو وہ غصے سے بھر جاتے جس کی وجہ سے ان کے چہروں پر ناگواری کے آثار ظاہر ہو جاتے اور ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ ابھی تلاوت کرنے والے مسلمانوں پر حملہ کر دیں گے۔ اس پر کفار کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ ابھی تو قرآن کی آیات سن کر صرف تمہارے چہرے کے تیور بدلتے ہیں مگر ایک وقت آنے والا ہے اگر تم نے آج کفر سے توبہ نہ کی تو اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ صورت حال سے تمہیں دو چار ہونا پڑے گا اور وہ دوزخ کی آگ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے کفار سے وعدہ کر رکھا ہے۔

[۷۵] اس آیت میں بتوں کی بے بسی کی ایک مثال بیان کی گئی ہے یعنی سارے بت مل کر بھی ایک مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے بلکہ مکھی

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس طرح قدر نہیں کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق تھا، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا طاقت ور (اور) غالب ہے۔

اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۷۵﴾ۚ

۷۵۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو چن لیتا ہے، [۷۶] بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾

۷۶۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جائیں گے۔ [۷۷]

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ افْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾۩

۷۷۔ اے ایمان والو! تم رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور نیک کام کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

اگر ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو ان میں اتنی طاقت بھی نہیں کہ وہ مکھی سے اپنی چیز واپس لے سکیں تو جس طرح یہ معبود خود بے بس اور کمزور ہیں اسی طرح ان معبودوں کے طالب اور ماننے والے بھی ذہنی طور پر بے بس اور کمزور ہیں۔ دراصل انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا ورنہ وہ ان بے بس معبودوں کے سامنے کبھی نہ جھکتے۔

[۷۶] اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام پہنچانے کے لئے بعض فرشتوں کو منتخب فرمایا جیسے حضرت جبریل علیہ السلام کو رسولوں تک وحی پہنچانے کے لئے اور حضرت عزرائیل علیہ السلام کو لوگوں تک موت کا پیغام پہنچا کر ان کی روح قبض کرنے کے لئے منتخب فرمایا اسی طرح لوگوں کی راہنمائی کے لئے انبیاء و رسل کو منتخب فرمایا۔ ان دونوں قسم کے رسولوں کا انتخاب اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے، وہ ہر فرشتہ اور ہر انسان کے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے اور اس کی صلاحیتوں کے مطابق فیصلہ فرماتا ہے۔

[۷۷] جب اللہ تعالیٰ ہر انسان کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے اور اس کے تمام معاملات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے تو پھر انسان اس کی نافرمانی کر کے کہاں جا سکتا ہے اور اس کے عذاب سے کیسے بچ سکتا ہے؟ لہٰذا ہر انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کر کے اس کی رضا حاصل کرے۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾ ع

۷۸۔اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے، اس نے تمہیں چن لیا ہے[۷۸] اور اس نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی نہیں رکھی،[۷۹] (یہ) تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی تمہارا نام مسلمان رکھا ہے[۸۰] تاکہ رسول تم پر گواہ ہو جائے اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ،[۸۱] پس تم نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ (کی رسی) کو مضبوطی سے تھامے رکھو، وہی تمہارا کارساز ہے، پس وہ کتنا اچھا کارساز ہے، اور کتنا اچھا مددگار ہے۔

---

[۷۸] اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان فرمایا کہ انہیں تمام امتوں پر فضیلت بخشی۔اب اس اعزاز کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان حق کی سربلندی کے لئے ہر ممکن کوشش کریں اور اس میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں۔ جہاد سے کیا مراد ہے؟ اس کی کتنی قسمیں ہیں؟ اس کی تفصیل کے لئے سورۃ توبہ (۹) کا تعارف ملاحظہ کریں۔

[۷۹] دین کے جملہ احکام آسان اور قابل عمل ہیں اس میں کوئی مشکل حکم نہیں جو انسان کی طاقت سے باہر ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا۔ (قرآن:۲:۲۸۶)

[۸۰] عرب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے جد امجد ہیں۔نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت سارے انبیاء کرام مثلاً حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہم کے بھی جد امجد ہیں اس لئے غیر عرب بھی آپ کا باپ کی طرح احترام کرتے ہیں۔ یہاں اہل عرب کو بتایا جا رہا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو دین اسلام لے کر آئے ہیں یہ کوئی نیا دین نہیں بلکہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کا دین ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور خدا کی گنجائش نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود بھی مسلمان تھے اور اپنی نسلوں کے لئے مسلمان رہنے کی دعا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے پہلی کتابوں میں بھی اور قرآن مجید میں بھی تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ دراصل تمام انبیائے کرام اور ان کو ماننے والے لوگ مسلمان تھے مگر اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ یہ لقب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو عطا فرمایا ہے۔

[۸۱] سید محمود آلوسی لکھتے ہیں: حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن انبیائے کرام کو اور ان کی امتوں کو لایا جائے گا، پھر انبیاء سے

سوال کیا جائے گا: کیا آپ نے اپنی اپنی امتوں کو تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے کہ انہوں نے تبلیغ کی تھی۔ اس پر ان کی امتیں انکار کریں گی۔ پھر اس امت (مسلمہ) کو لایا جائے گا اور وہ گواہی دیں گے کہ انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو تبلیغ کی تھی۔ دوسری امتیں ان سے کہیں گی: تمہیں کیسے پتہ چلا؟ وہ کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زبان سے اپنی کتاب میں ہمیں اس کی خبر دی ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن نوح علیہ السلام کو بلایا جائے گا، وہ کہیں گے: اے میرے رب! میں حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے: ہاں، پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا: آیا انہوں نے تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے: ہمارے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا، پھر اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام سے فرمائے گا: تمہارے حق میں کون گواہی دے گا؟ وہ کہیں گے: محمد ﷺ اور آپ کی امت۔ پھر وہ گواہی دیں گے کہ نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی تھی اور اس کی تصدیق سورۃ بقرہ (۲) کی آیت نمبر ۱۴۳ میں ہے: اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول تم پر گواہ ہو۔

(بخاری: ۴۴۸۷: کتاب تفسیر القرآن: سورۃ البقرہ: باب ۱۳)

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعہ الکرم، انگلستان

بعد از نماز ظہر بروز ہفتہ ۲۱ جون ۲۰۰۸ء بمطابق ۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۹ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ المؤمنون (۲۳)

یہ سورت مکی ہے، اس کا نام ''مومنون'' ہے جو کہ پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔

مضامین

☆ اس سورت کی ابتدائی آیات میں مومنوں کی صفات بیان کی گئی ہیں اور بتایا گیا ہے کہ جو خوش نصیب ان صفات سے متصف ہوتے ہیں وہ دونوں جہاں میں کامیاب اور جنت الفردوس کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

☆ اس سورت میں اسلام کے دو بنیادی عقائد یعنی توحید اور آخرت کے بارے میں عام فہم دلائل دیئے گئے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے کس طرح پانی کے ایک قطرہ کو خون، گوشت اور ہڈیوں میں تبدیل کر کے ایک خوبصورت انسان بنایا، تاکہ انسان اپنے خالق کو پہچانے اور اس کا شکر ادا کرے۔ نیز جس طرح اللہ تعالیٰ نے پانی کے ایک قطرہ سے زندہ انسان کو پیدا فرمایا اسی طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اس کو زندہ کر دے۔

☆ اس سورت میں چند گزشتہ انبیاء علیہم السلام کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن کے ساتھ ان کی امتوں نے ناروا سلوک کیا اور اس کی پاداش میں وہ قومیں عذاب الٰہی میں مبتلا ہوئیں۔ اس سے ایک طرف تو نبی کریم ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے کہ آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں، پہلے انبیاء کرام کے ساتھ بھی ناروا سلوک ہوتا رہا ہے اور دوسری طرف مشرکین مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وہ پہلی قوموں سے عبرت حاصل کریں اور مسلسل نافرمانی کر کے عذاب الٰہی کو دعوت نہ دیں۔

☆ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسی آواز سنائی دیتی تھی جیسی شہد کی مکھیوں کی آواز ہوتی ہے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے قریب ایسی ہی آواز سنی گئی تو ہم تھوڑی دیر ٹھہر گئے تاکہ تازہ وحی سن لیں۔ جب آپ وحی کی کیفیت سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے قبلہ کی طرف رخ کیا اور دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کرنے لگے: ''یا اللہ! ہمیں زیادہ دے کمی نہ کر، ہمیں عزت دے ذلیل نہ کر، ہمیں عطا فرما محروم نہ کر، ہمیں دوسروں پر ترجیح دے دوسروں کو ہم پر ترجیح نہ دے، ہم سے راضی ہو اور ہمیں بھی اپنی رضا سے راضی کر دے۔'' اس کے بعد آپ نے فرمایا: مجھ پر اس وقت دس آیتیں نازل ہوئی ہیں، جو شخص ان دس آیتوں کے احکام پر عمل کرے گا، وہ جنت میں جائے گا، پھر آپ نے اس سورت یعنی مومنون کی ابتدائی آیتوں کی تلاوت فرمائی۔ (ترمذی: ۳۱۷۳: ابواب تفسیر القرآن: باب ۲۴: سورہ المومنون)

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعہ الکرم، انگلستان

بعد از نماز جمعہ ۸، اگست ۲۰۰۸ء بمطابق ۶ شعبان ۱۴۲۹ھ

ایاتھا ۱۱۸ ۲۳ سورۃ المؤمنون مکیۃ ۷۴ رکوعاتھا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱ ۔ ۱۔ بے شک ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی۔

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲ ۔ ۲۔ جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔[۱]

---

[۱] اس سورت کی ابتدائی آیات میں مومنوں کی سات صفات کا ذکر کیا گیا ہے جن پر عمل کرنے سے ان کو فلاح اور جنت الفردوس حاصل ہو گی۔ ان میں سے پہلی صفت خشوع ہے۔

اصطلاح شریعت میں خشوع کرنے والے سے وہ شخص مراد ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہو اور اس کے اعضاء سے تواضع ظاہر ہو، اور نماز میں خشوع سے متعلق علامہ پانی پتی اہل علم کا قول نقل کرتے ہیں کہ انسان اپنی ساری توجہ نماز میں مرکوز کر دے، اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے منہ پھیر لے اور اپنی زبان سے جو الفاظ تلاوت کرے ان کے معانی میں غور و تدبر کرے۔ (تفسیر مظہری)

خشوع کے متعلق چند احادیث اور چند اقوال

۱۔ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا۔ (تفسیر در منثور)

۲۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ جب نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی طرف متوجہ رہتا ہے جب تک وہ دوسری طرف التفات نہ کرے اور جب بندہ ادھر ادھر التفات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے اعراض کر لیتا ہے۔ (ابو داؤد: ۹۰۹: کتاب الصلاۃ: باب ۱۶۵)

۳۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نماز میں اپنی نگاہ کہاں رکھوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انس! اپنی نظر سجدہ کرنے کے مقام پر رکھ۔ (السنن الکبریٰ: بیہقی: جلد ۲: ص ۲۸۴)

۴۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: صحابہ جب نماز پڑھتے تھے تو اپنی نماز کی طرف متوجہ رہتے تھے، اپنی نظریں جھکا کر سجدہ کی جگہ رکھتے تھے اور ان کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف متوجہ ہے اور وہ دائیں بائیں التفات نہیں کرتے تھے۔ (تفسیر در منثور)

۵۔ امام ابن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب تم نماز پڑھ رہے ہوتے ہو تو تمہارا رب تمہارے سامنے ہوتا ہے اور تم اس سے مناجات کر رہے ہوتے ہو، پس تم ادھر ادھر التفات نہ کرو۔ عطاء رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے یہ

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ ۳۔ اور جو بے ہودہ باتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ [۲]

حدیث پہنچی ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! تو کس کی طرف التفات کر رہا ہے، میں تیرے لئے اس سے بہتر ہوں جس کی طرف تو التفات کر رہا ہے؟ (مصنف ابن ابی شیبۃ: ۴۵۳۸: جلداول: ص ۴۹۲)

۶۔ نمازی کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ قیام کی حالت میں سجدے کی جگہ پر، رکوع کی حالت میں اپنے پاؤں کے ظاہری حصے پر، سجدے کی حالت میں ناک کے سرے پر، قعدہ کی حالت میں اپنی گود میں، دائیں طرف سلام پھیرتے ہوئے دائیں کندھے پر اور بائیں طرف سلام پھیرتے ہوئے بائیں کندھے پر نظر رکھے۔ اس سے نماز میں خشوع حاصل ہوتا ہے۔ (حاشیہ ردالمحتار: جلداول: ص ۴۷۷) نماز میں خشوع کے لئے سورہ ابراہیم (۱۴) کی آیت نمبر ۱۳۱ اور حاشیہ نمبر ۲۸ بھی ملاحظہ کریں۔

نماز کے ظاہری اور باطنی آداب

ایک دفعہ حضرت عاصم بن یوسف علیہ الرحمۃ نے حضرت حاتم زاہد علیہ الرحمۃ سے پوچھا: اے حاتم! تم نماز کس طرح ادا کرتے ہو؟ حاتم نے جواب دیا: جب نماز کا وقت قریب ہوتا ہے تو میں ظاہر کا وضو پانی سے (اور باطن کا وضو توبہ سے) کر لیتا ہوں اور جائے نماز پر اطمینان سے کھڑا ہو جاتا ہوں۔ نماز کی ادائیگی میں یہ خیال کرتا ہوں کہ گویا کعبہ میرے سامنے ہے، اللہ تعالیٰ میرے دل کو ملاحظہ فرما رہا ہے، میرے دائیں جنت، میرے بائیں دوزخ، میرا قدم پل صراط پر، ملک الموت میرے پیچھے اور یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے، پھر میں احسان کے ساتھ تکبیر کہتا ہوں، تفکر کے ساتھ قراءت کرتا ہوں، عاجزی کے ساتھ رکوع کرتا ہوں، تضرع اور زاری کے ساتھ سجدہ کرتا ہوں، آخر میں قعدہ کرتا ہوں، امید کے ساتھ تشہد پڑھتا ہوں، اخلاص کے ساتھ سلام پھیرتا ہوں، پھر خوف اور امید کی کیفیت میں کھڑا ہوتا ہوں اور صبر پر پابند رہتا ہوں۔ عاصم نے پوچھا: اے حاتم! کیا تم ایسے ہی نماز پڑھتے ہو؟ حاتم نے جواب دیا: میں تیس سال سے ایسے ہی نماز پڑھ رہا ہوں۔ عاصم رو پڑے اور کہنے لگے: ہائے افسوس! میں تو کبھی بھی ایسی نماز نہیں پڑھ سکا۔ (تفسیر روح البیان: جلداول: ص ۳۳)

[۲] اہل ایمان کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ لغو سے اجتناب کرتے ہیں۔ لغو سے مراد ہر وہ قول اور فعل ہے جو فضول اور بے فائدہ ہو۔ (المنجد) یعنی اہل ایمان کی شان یہ ہے کہ وہ بے کار باتوں اور فضول کاموں میں وقت ضائع نہیں کرتے بلکہ زندگی کے ہر لمحہ کو با مقصد بنانے میں سرگرم رہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے مقصد پیدا نہیں فرمایا۔ اسی لئے ہمارے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا: انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ بے مقصد چیزوں کو ترک کر دے۔ (ترمذی: ابواب الزھد: باب ۱۱) نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو نصیحت فرمائی: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے اعراض فرماتا ہے تو اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ بندہ بے مقصد کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے۔۔۔ اور جس شخص کی عمر چالیس سالوں سے زیادہ ہو گئی ہو اور ابھی تک اس کی نیکی اس کی برائی پر غالب نہیں آئی تو وہ جہنم کی آگ کے لئے تیاری کر لے۔ (ایھا الولد: امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ) اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس بات کو سخت ناپسند کرتا ہوں کہ میں تم میں سے کسی کو نکما بیٹھے ہوئے دیکھوں کہ نہ وہ دنیا کا کوئی کام کر رہا ہو اور نہ ہی اپنی آخرت کو سنوار رہا ہو۔ (روح المعانی: تفسیر سورۃ الانشراح

وَالَّذِیۡنَ هُمۡ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوۡنَ ۙ﴿۴﴾

۴۔ اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔[۳]

وَالَّذِیۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ ۙ﴿۵﴾

۵۔ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ ۚ﴿۶﴾

۶۔ سوائے اپنی بیویوں کے یا ان کنیزوں کے جو ان کے ہاتھوں کی ملکیت ہیں تو (ان کے پاس جانے میں) ان پر کوئی ملامت نہیں۔[۴]

فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ ۚ﴿۷﴾

۷۔ اور جس نے ان دو کے علاوہ کسی اور کی طلب کی تو وہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

وَ الَّذِیۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَ عَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ۙ﴿۸﴾

۸۔ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں [۵] اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرنے والے ہیں۔[۶]

---

۹۴) البتہ ایسی سیر و تفریح جو جسمانی صحت کا اور ایسے مشاغل نشاط جو قلب و روح کی تازگی کا باعث ہوں وہ لغو میں داخل نہیں ہیں۔

[۳] اہل ایمان کی تیسری صفت یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ کا لغوی معنیٰ ''پاک کرنا'' ہے۔ اصطلاح شریعت میں زکوٰۃ سے مراد وہ اڑھائی فیصد رقم ہے جو صاحب نصاب ادا کرتا ہے۔ چونکہ مالی زکوٰۃ کے نظام اور اس کے نصاب کا باقاعدہ اعلان مدینہ منورہ میں ہوا تھا اور یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی تھی اس لئے یہاں زکوٰۃ کا لغوی معنیٰ مراد ہے جس میں مالی زکوٰۃ بھی شامل ہے یعنی اہل ایمان کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو اور اپنے اعمال، اقوال اور اموال کو پاک رکھنے میں سرگرم رہتے ہیں۔

[۴] اہل ایمان کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ اپنی پاکدامنی کی حفاظت کرتے ہیں یعنی جنسی خواہش کے لئے صرف اپنی منکوحہ بیوی یا مملوکہ کنیز کے پاس جاتے ہیں کیونکہ شریعت نے ان دو کے علاوہ جنسی خواہش کے باقی سارے طریقے حرام قرار دیے ہیں، اور اب تو صرف ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے اور وہ ہے منکوحہ بیوی کیونکہ مملوکہ کنیز کا دور اب ختم ہو چکا ہے۔

[۵] اہل ایمان کی پانچویں صفت یہ ہے کہ وہ امانتوں کی پاسداری کرتے ہیں۔ امانتوں سے مراد وہ ساری ذمہ داریاں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے یا انسانوں نے کسی شخص کے سپرد کی ہوں اور مومن اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتا کیونکہ جو مومن امانت میں خیانت کرتا ہے اس کا ایمان خطرہ میں ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص امانت کی پاسداری نہیں کرتا اس کا کوئی ایمان نہیں۔ (مسند احمد: جلد ۳: ص ۱۳۵)

[۶] اہل ایمان کی چھٹی صفت یہ ہے کہ وہ وعدوں کی پاسداری کرتے ہیں۔ وعدوں سے مراد وہ سارے معاہدے ہیں جو انسان

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾	۹۔ اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔[۷]
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾	۱۰۔ یہی لوگ وارث ہیں۔
الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾	۱۱۔ جو (جنت) الفردوس کی وراثت پائیں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔[۸]
وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾	۱۲۔ اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔[۹]
ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾	۱۳۔ پھر ہم نے اسے نطفہ بنا کر ایک محفوظ جگہ میں رکھا۔
ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ	۱۴۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو ایک معلق گاڑھا خون بنا دیا، پھر

اور خدا کے درمیان یا انسان اور انسان کے درمیان استوار کیے گئے ہوں۔ مومن اپنے وعدوں کی پاسداری کرتا ہے کیونکہ جو مومن وعدہ خلافی کرے اس کا دین خطرے میں ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، امین بنایا جائے تو خیانت کرے اور وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔ (بخاری: کتاب الشہادات: باب ۲۸) عہد و پیمان کے لئے سورہ انفال (۸) کی آیت نمبر ۲۷ اور حاشیہ نمبر ۵۲ بھی ملاحظہ کریں۔

[۷] اہل ایمان کی ساتویں صفت یہ ہے کہ وہ نماز کی پابندی کرتے ہیں یعنی سستی نہیں کرتے اور نماز کو اپنے وقت میں پڑھتے ہیں یعنی بلاوجہ تاخیر یا قضا نہیں کرتے۔

[۸] جن اہل ایمان میں مذکورہ صفات پائی جائیں وہ جنت الفردوس کی وراثت کے مستحق ہیں۔ نفس جنت تو مطلق مومنین کے لئے ہوگی مگر فردوس چونکہ جنت کا اعلیٰ درجہ ہے اس لئے اس میں اعلیٰ درجے کے مومن ہی جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے اور فردوس جنت کا سب سے بلند درجہ ہے اور اس سے جنت کی چاروں نہریں جاری ہوتی ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے لہٰذا جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو۔ (ترمذی: ۲۵۳۱: ابواب صفۃ الجنۃ: باب ۴)

[۹] اللہ تعالیٰ نے انسان اول حضرت آدم علیہ السلام کو براہ راست مٹی سے پیدا فرمایا اور اولاد آدم کو اس نطفہ سے پیدا فرمایا جو مٹی سے پیدا ہونے والی غذاؤں سے بنتا ہے، لہٰذا دونوں صورتوں میں ہر انسان کی اصل مٹی ہے۔

مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾

ہم نے اس معلق خون کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیا، پھر ہم نے اس گوشت کو ہڈیاں بنا دیا، پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر ہم نے (روح پھونک کر) اسے دوسری مخلوق بنا دیا، پس بڑا بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔[۱۰]

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ پھر اس کے بعد یقیناً تم مرنے والے ہو۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ پھر یقیناً تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور بے شک ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنائے[۱۱] اور ہم مخلوق سے غافل نہیں ہیں۔[۱۲]

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۚ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور ہم نے ایک اندازے کے مطابق آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کو زمین میں ٹھہرایا اور بے شک ہم اسے لے جانے پر بھی قادر ہیں۔[۱۳]

[۱۰] ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے شکم مادر میں انسانی تخلیق کے مختلف مراحل بیان فرمائے ہیں یعنی پہلے نطفہ ایک معلق گاڑھے خون کی شکل اختیار کرتا ہے، پھر گوشت کا لوتھڑا، پھر ہڈیاں اور پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھتا ہے اور پھر اس میں روح پھونک کر اسے ایک ایسی حسین مخلوق بنا دیا جاتا ہے جس کو اشرف المخلوقات حضرت انسان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

[۱۱] ہم نے تمہارے اوپر سات راستے اور مدار بنائے جن میں سیارے گردش کرتے ہیں اور ان سے مراد سات آسمان بھی لئے گئے ہیں یعنی پانی کے ایک قطرہ سے انسان بنانا بھی بڑی چیز ہے مگر آسمان جیسی وسیع اور بلند مخلوق بنانا اس سے بھی بڑی چیز ہے۔

[۱۲] یعنی ہم آسمانوں کو پیدا کر کے زمینی مخلوق کی مصلحتوں اور ضرورتوں سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ آسمان کی پیدائش اور سیاروں کی گردش میں بھی زمینی مخلوق کے لئے فوائد موجود ہیں۔

[۱۳] ہم تمہاری ضرورت کے مطابق بارش برساتے ہیں، اس سے تمہارے کھیت اور باغات سیراب ہوتے ہیں، تالابوں میں پانی جمع ہو جاتا ہے، کچھ پانی زمین اپنے اندر جذب کر کے ذخیرہ کر لیتی ہے جو کنوؤں اور چشموں کے ذریعہ آپ کے کام آتا ہے، لیکن اگر ہم چاہتے تو سارا پانی سمندر میں چلا جاتا، بخارات بن کر اڑ جاتا یا زمین میں پانی کی سطح اتنی نیچی کر دیتے کہ

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ﴿۱۹﴾

۱۹۔ پھر اس پانی کے ذریعہ ہم نے تمہارے لئے کھجور اور انگور کے باغات اگائے، تمہارے لئے ان میں بہت سے پھل ہیں اور ان میں سے تم کھاتے ہو۔

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور وہ درخت (زیتون پیدا کیا) جو طور سیناء سے نکلتا ہے اور کھانے والوں کے لئے تیل اور سالن لے کر اگتا ہے۔[۱۴]

وَ اِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور بے شک تمہارے لئے چوپایوں میں بھی ایک سبق ہے، ہم تمہیں اس (دودھ) سے پلاتے ہیں جو ان کے شکموں میں ہے اور تمہارے لئے ان میں بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو۔[۱۵]

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع

۲۲۔ اور ان چوپایوں پر اور کشتیوں پر تم سوار کئے جاتے ہو۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور بے شک ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم ڈرتے نہیں؟

تمہارے لئے پانی کا حصول ناممکن ہو جاتا مگر ہم نے تمہاری ضروریات کے پیش نظر ایسا نہیں کیا۔

[۱۴] پانی کے ذریعہ جو نعمتیں انسان کے لئے زمین سے اگتی ہیں ان میں سے ایک زیتون کا درخت ہے جو طور سیناء کے علاقہ میں کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ والتین میں زیتون کی قسم یاد فرمائی ہے۔ اس درخت سے تیل نکلتا ہے اور اس کے پھل کا سالن بھی بنایا جاتا ہے، لہٰذا یہ بڑا بابرکت اور فائدہ مند درخت ہے۔

[۱۵] اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مویشیوں میں بہت سے فائدے رکھے ہیں، تم ان میں سے بعض کا دودھ پیتے ہو، بعض کا گوشت کھاتے ہو اور بعض پر سواری کرتے ہو۔ ان میں تمہارے لئے مقام غور و فکر ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور حکمتوں کا احساس کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ تو ان کی قوم کے کافر سردار کہنے لگے: یہ شخص تو محض تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہے جو تم پر فضیلت و برتری حاصل کرنا چاہتا ہے، [۱۶] اور اگر اللہ تعالیٰ (رسول بھیجنا) چاہتا تو وہ فرشتوں کو نازل کر دیتا، ہم نے یہ بات اپنے پہلے آباء و اجداد میں کبھی نہیں سنی۔ [۱۷]

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ یہ تو ایسا شخص ہے جس کو جنون لاحق ہو گیا ہے، سو تم کچھ عرصہ تک اس کو ڈھیل دو۔

[۱۶] جب کوئی مخلص شخص اصلاح احوال اور فلاح دارین کی آواز بلند کرتا ہے تو ارباب اقتدار اور مخالفین حق اس پر فوراً یہ الزام لگا دیتے ہیں کہ یہ شخص اقتدار کا بھوکا ہے۔ یہی الزام قوم نوح کے سرداروں نے حضرت نوح علیہ السلام پر لگایا کہ نوح تم پر فضیلت و برتری حاصل کرنا چاہتا ہے۔ (قرآن: ۲۳: ۲۴) اور یہی الزام فرعون اور اس کے درباریوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام پر لگایا کہ تم دونوں ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ سرزمین مصر پر تمہارا اقتدار ہو جائے۔ (قرآن: ۱۰: ۷۸) اور مکہ کے سرداروں کو ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی یہی شبہ تھا، اسی لئے انہوں نے آپ کو دولت، سرداری اور مکہ کی حکومت کی اس شرط پر پیشکش کی کہ آپ توحید کی دعوت سے دست بردار ہو جائیں مگر آپ نے فرمایا: اگر تم سورج لا کر میرے دائیں ہاتھ میں رکھ دو اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں اور یہ توقع کرو کہ میں توحید کی دعوت کو چھوڑ دوں تو تب بھی یہ ناممکن ہے۔ (سیرت ابن کثیر: جلد اول: ص ۴۷۴)

اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ ساری عمر ذاتی مفادات اور دنیاوی شان و شوکت کے حصول میں لگے رہتے ہیں ان کے لئے یہ تصور کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ اسی دنیا میں کچھ ایسے مخلص لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو بے لوث جذبات کے ساتھ صرف بنی نوع انسان کی فلاح کی خاطر اپنی زندگی وقف کر دیتے ہیں۔ حق و باطل کی اس لڑائی کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی انسان کی تاریخ پرانی ہے مگر ہر دور میں ایسے مخلص افراد پیدا ہوتے رہتے ہیں جو انبیائے کرام علیہم السلام کے نقوش قدم پر چلتے ہوئے حق کی سربلندی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیتے ہیں۔

[۱۷] حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! میں تمہاری طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صرف اسی کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو ان میں سے کافر سرداروں نے دوسرے لوگوں سے کہا: یہ تو محض تمہاری ہی طرح ایک بشر ہے یہ نبی کیسے ہو سکتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو نبی بنانا ہی تھا تو وہ کسی فرشتہ کو نبی بناتا۔ نیز جس توحید کی یہ دعوت دیتا ہے ہم نے ایسی دعوت تو اپنے آباء و اجداد میں بھی کبھی نہیں سنی۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ مجنون اور

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! اب تو ہی میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔

فَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَ وَحْیِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَ لَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ پس ہم نے نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ تم ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بناؤ، پھر جب ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچے اور تنور (سے پانی) ابلنے لگے تو ہر جنس میں سے ایک ایک جوڑا اس کشتی میں سوار کرلو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے ان کے جن (کو غرق کرنے) کا فیصلہ ہو چکا ہے اور ان لوگوں کے بارے میں مجھ سے کچھ عرض نہ کرنا جنہوں نے ظلم کیا، بے شک وہ ضرور غرق کئے جائیں گے۔[۱۸]

فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ پھر جب آپ اور آپ کے ساتھی اطمینان کے ساتھ کشتی میں بیٹھ جائیں تو کہنا: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی۔

وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اور عرض کرنا: اے میرے رب! مجھے بابرکت منزل پر اتار اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔

دیوانہ ہو گیا ہے، لہٰذا اس کو کچھ عرصہ تک ڈھیل دے دو کہ وہ فوت ہو جائے یا اس کا جنون جاتا رہے اور خود ہی اس دعوت سے دست بردار ہو جائے۔

[۱۸] حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی تکذیب سے تنگ آ کر بارگاہ الٰہی میں مدد کی فریاد کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا: تم ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بناؤ اور جب ساری زمین چشموں کی طرح ابل پڑے حتیٰ کہ آگ کے تنوروں سے بھی پانی نکلنے لگے تو ہر جنس سے ایک ایک جوڑا اس کشتی میں سوار کرلو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے ان ظالموں کے جن کو غرق کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے اور جب یہ ظالم غرق ہونے لگیں تو ان کی نجات کے لئے کوئی سفارش نہ کرنا کیونکہ وہ اپنی سرکشی کے باعث غرق ہونے کے مستحق قرار پا چکے ہیں۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ وَّ اِنۡ کُنَّا لَمُبۡتَلِیۡنَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ بے شک اس قصہ میں بہت سی نشانیاں ہیں اور ہم (اپنے بندوں کو) ضرور آزمانے والے ہیں۔[۱۹]

ثُمَّ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِیۡنَ ﴿ۚ۳۱﴾

۳۱۔ پھر ہم نے ان کے بعد ایک اور امت پیدا فرما دی۔

فَاَرۡسَلۡنَا فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۳۲﴾ ع

۳۲۔ پھر ہم نے ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، کیا تم نہیں ڈرتے؟[۲۰]

وَ قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِہِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ کَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَتۡرَفۡنٰہُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۙ مَا ہٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ ۙ یَاۡکُلُ مِمَّا تَاۡکُلُوۡنَ مِنۡہُ وَ یَشۡرَبُ مِمَّا تَشۡرَبُوۡنَ ﴿۪ۙ۳۳﴾

۳۳۔ اور ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر کیا اور آخرت کی حاضری کو جھٹلایا اور ہم نے انہیں دنیا کی زندگی میں آسودگی دی وہ کہنے لگے: یہ شخص تو محض تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہے، وہی چیزیں کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔[۲۱]

وَ لَئِنۡ اَطَعۡتُمۡ بَشَرًا مِّثۡلَکُمۡ اِنَّکُمۡ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ ﴿ۙ۳۴﴾

۳۴۔ اور اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی پیروی کر لی تو پھر تم ضرور نقصان اٹھانے والے ہو گے۔

[۱۹] حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں بہت سی نشانیاں اور سبق آموز باتیں ہیں یعنی توحید کی دعوت دینے والے انبیائے کرام علیہم السلام حق پر تھے اور ان کی تکذیب کرنے والے باطل پر تھے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے جس طرح قوم نوح کو آزمایا اسی طرح سارے لوگوں کو آزماتا ہے کہ کون ان نشانیوں کو سن کر عبرت حاصل کرتا ہے اور کون نہیں کرتا؟

[۲۰] حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے قوم عاد یا قوم ثمود کو پیدا فرمایا اور ان میں بھی انہی میں سے رسول بھیجا جس نے اپنی قوم کو وہی پیغام دیا جو پہلے انبیاء علیہم السلام اپنی قوموں کو دیتے رہے یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اسی کی عبادت کرو کیونکہ اس کے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں ہے۔

[۲۱] حضرت نوح علیہ السلام کے بعد قوم عاد یا قوم ثمود میں جب اللہ تعالیٰ نے نبی مبعوث فرمایا تو ان کی قوم کے وہ سردار جو دنیاوی زندگی کے اعتبار سے بڑے خوشحال اور عقیدے کے اعتبار سے توحید اور آخرت کے منکر تھے، وہ دوسرے عام لوگوں سے کہنے لگے: یہ شخص محض تمہاری ہی طرح ایک بشر ہے اور تمہاری ہی طرح کھاتا اور پیتا ہے تو پھر یہ نبی کیسے ہو سکتا ہے؟ لہٰذا اگر تم نے اپنی آزادی چھوڑ کر اپنے ہی جیسے بشر کی پیروی قبول کر لی تو تم یقیناً خسارے میں رہو گے۔

اَیَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ کیا وہ تم سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور تم مٹی اور ہڈیاں ہوجاؤ گے تو تم (پھر قبروں سے) نکالے جاؤ گے۔[۲۲]

هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ (یہ بات عقل سے) بہت دور ہے، بہت دور ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے۔

اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ نہیں ہے کوئی اور زندگی سوائے ہماری اس دنیوی زندگی کے، ہم یہیں مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم (قبروں سے) نہیں اٹھائے جائیں گے۔[۲۳]

---

[۲۲] وہ کافر سردار کہتے تھے: یہ نبی تمہارے مرنے اور مٹی ہوجانے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ ہونے کا یقین دلاتا ہے حالانکہ ایسی بات کو تسلیم کرنا عقل سے بہت دور ہے۔

[۲۳] ان کافر سرداروں کا عقیدہ یہ تھا کہ ہماری زندگی صرف یہی دنیاوی زندگی ہے، اسی دنیا میں ہم مرتے اور جیتے ہیں، اس کے بعد ہم قبروں سے نہیں اٹھائیں جائیں گے مگر یہ شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگاتا ہے کہ وہ ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا، لہٰذا ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

عقیدہ قیامت کی ضرورت

اس آیت کی تفسیر میں میرے شیخ طریقت ضیاء الامت حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے متعلق بڑا حسین تبصرہ کیا ہے جو میں لفظ بلفظ ہدیہ قارئین کرتا ہوں:

''یہ دنیا دار العمل ہے، دار الجزا نہیں۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی بدکار ہوتے ہوئے عزت و آرام کی زندگی بسر کرتا ہے اور دوسرا آدمی نیک، مخلص اور اپنی قوم کا بلکہ نوع انسانی کا سچا بہی خواہ ہونے کے باوجود عمر بھر طرح طرح کی مصیبتوں اور آزمائشوں میں مبتلا رہتا ہے۔ اگر موت ہی انسانی زندگی کے قافلہ کی آخری منزل ہوتی تو اس سے بڑی ناانصافی اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ انسان جو نیک اور مخلص ہے، وہ عمر بھر کانٹوں پر لوٹتا رہے اور جو بدمعاش اور سفاک ہے، وہ دادِ عیش دیتا رہے۔ اس صورت میں ان اخلاقی قدروں کو جن سے انسانی عظمت وابستہ ہے کون اپنائے گا؟ بلکہ کون انہیں اچھا جانے گا؟ وہ جانباز جو اپنی جوانی اور شباب کی رنگینیوں کو اپنی قوم اور وطن کی آزادی پر قربان کردیتا ہے اس سے تو وہ غدار اچھا جس نے اگرچہ اپنی قوم کی عزت کا سودا دشمن سے کیا لیکن اپنی زندگی آن بان سے گزاری اور اپنی اولاد کے لئے ڈھیروں سونا چھوڑ گیا، محض یہ کہہ دینا کہ نیک کام کرنے والے کا نیک نام باقی رہ جاتا ہے اور اس کے ذکر سے تاریخ کے

اِنۡ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۣ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّ مَا نَحۡنُ لَهٗ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ۝۳۸

۳۸۔ یہ تو محض ایسا شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگایا ہے، لہٰذا ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

صفحات مزین ہوتے ہیں اور یہی اس کی جانبازی کا صلہ ہے، یہ کہنا بھی بہت بڑی زیادتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جو عادل اور حکیم ہے کم ازکم اس کی فرمانروائی میں ایسی دھاندلی قطعاً قابل برداشت نہیں، اس لئے اس کی حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ اس فانی زندگی کے بعد ایک باقی زندگی بھی ہو جہاں عدل وانصاف کے سارے تقاضے پورے کئے جائیں۔ نیک اور مخلص لوگوں کو ان کی مخلصانہ جدوجہد کا پورا پورا صلہ دیا جائے اور بدکاروں کو ان کے کرتوتوں کی پوری سزا ملے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے تو اس دنیا میں ہی عدل کا ظہور کیوں نہیں ہوتا؟ تو اس کے متعلق مختصراً عرض یہ ہے کہ ہماری اس دنیوی زندگی کا دائرہ اتنا محدود ہے کہ اس میں عدل کے سارے تقاضے پوری صورت میں نمودار نہیں ہو سکتے اور بعض گراں بہا اعمال ایسے بھی ہیں جن کا معاوضہ اس دنیا میں نہیں دیا جاسکتا۔ آپ اس نوجوان کو کیا معاوضہ دے سکتے ہیں جس نے اپنی جان حق کو سربلند کرنے کے لئے قربان کردی ہو؟ انسان اس مسئلہ میں جتنا غور کرتا چلا جائے، اس کا عقیدہ آخرت کی زندگی پر زیادہ مستحکم اور استوار ہوتا چلا جائے گا۔'' (تفسیر ضیاء القرآن)

عقیدہ قیامت کی ضرورت

اس فانی زندگی میں عدل وانصاف کے سارے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے، اس لئے قیامت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس کے چند عقلی اور عام فہم دلائل ملاحظہ کریں:

۱۔ شہید کا صلہ

ایک مجاہد جس نے حق کی سربلندی اور اپنے ملک وملت کی حفاظت کے لئے اپنی جان قربان کردی اس کا حق بنتا ہے کہ اس کو شایان شان صلہ دیا جائے۔ صرف قومی پرچم میں لپیٹ کر دفن کرنے یا اس کے نام کی یادگار بنانے سے اس کی ذات کو کیا فائدہ؟ نیز جان جیسی عزیز ترین چیز کا صلہ صرف تاریخی شہرت کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ اس فانی زندگی کے بعد ایک باقی زندگی بھی ہو جہاں ان شہیدان ملت کو ان کے شایان شان اجر عظیم سے نوازا جائے۔

۲۔ مقتول کا بدلہ

ایک ستر سالہ بوڑھا جو اپنی زندگی کا سنہری حصہ گزار چکا ہے اگر وہ بندوق سے فائر کر کے بلاوجہ ایک تیس سالہ نوجوان کو قتل کردے۔ اب دنیا کا قانون اس بوڑھے قاتل کو پانچ دس سال جیل کردے گا یا زیادہ سے زیادہ اسے پھانسی پر لٹکا دے گا۔ کیا اس سے اس نوجوان مقتول کا حق ادا ہو جائے گا؟ کیا اس سے اس کی جوان بیوہ اور یتیم بچوں کا حق ادا ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں، انسانی حقوق کا تقاضا ہے کہ قیامت کا دن آئے جس میں مظلوم کو اس کا حق دلوایا جائے اور ظالم کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۞

۳۹۔ اس پیغمبر نے دعا کی: اے میرے رب! تو میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔

قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ لَّیُصْبِحُنَّ نٰدِمِیْنَ ۞

۴۰۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عنقریب وہ اپنے کئے پر نادم ہوں گے۔ [۲۴]

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۞

۴۱۔ پس سچے وعدہ کے مطابق انہیں سخت چیخ نے آ پکڑا تو ہم نے انہیں خس و خاشاک بنا دیا، پس ظالم قوم کے لئے دوری ہو۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِیْنَ ۞

۴۲۔ پھر ہم نے ان کے بعد کئی امتیں پیدا فرمائیں۔

۳۔ Yorkshire Ripper

پیٹر ولیم سٹ کلف (Peter William Sutcliffe) جو کہ یورک شائر رپر (Yorkshire Ripper) کے نام سے مشہور ہے اس نے 1975 سے 1980 تک کے عرصہ میں تیرہ خواتین کو قتل کیا اور سات خواتین کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ جج نے اس کو 20 زندگیاں جیل میں گزارنے کی سزا دی۔ (The Guardian, Friday, May 22, 1981) یعنی اس کے پاس ایک زندگی ہے جو یہ جیل میں گزارے گا اور اگر اس کے پاس 20 زندگیاں ہوتیں تو میں 20 خواتین کے بدلے میں اسے 20 زندگیاں جیل میں گزارنے کی سزا دیتا، لہٰذا ضروری ہے کہ آخرت کی لمبی زندگی ہو جس میں Yorkshire Ripper کو بقیہ 19 خواتین کے قتل کی سزا بھی دی جائے۔

۴۔ Holocaust

دوسری عالمی جنگ کے زمانہ میں Hitler کے حکم سے چھ ملین یہودیوں کا قتل عام کیا گیا۔ اب دنیا کا کوئی قانون ایسے ظالم کو قرار واقعی سزا نہیں دے سکتا، لہٰذا آخرت کی دائمی زندگی کا ہونا ضروری ہے تاکہ Hitler سے باری باری چھ ملین یہود کے قتل کا بدلہ لیا جا سکے۔

[۲۴] اس پیغمبر علیہ السلام نے بھی حضرت نوح علیہ السلام کی طرح اپنی امت کی تکذیب سے تنگ آ کر اللہ تعالیٰ سے مدد کی فریاد کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس قوم پر عنقریب عذاب آنے والا ہے جس کو دیکھ کر یہ نادم ہوں گے مگر اس آخری وقت کی ندامت بے سود ہوگی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے برحق وعدہ کے مطابق جب سخت چیخ کا عذاب آیا تو انہیں خس و خاشاک کی طرح برباد کر دیا اور ظالم لوگ خدا کی رحمت سے محروم ہی رہتے ہیں۔

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ کوئی قوم نہ تو اپنی مقررہ میعاد سے آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ ہی پیچھے رہ سکتی ہے۔[۲۵]

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّ جَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ پھر ہم نے لگاتار اپنے رسول بھیجے، جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا، پس ہم ایک کے بعد دوسری قوم کو ہلاک کرتے چلے گئے اور ہم نے ان قوموں کو افسانے بنا دیا، پس پھٹکار ہو ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔[۲۶]

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنی نشانیاں اور واضح دلیل دے کر بھیجا۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف، تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ بڑے سرکش تھے۔[۲۷]

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ تو انہوں نے کہا: کیا ہم اپنے جیسے دو بشروں پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان دونوں کی قوم تو ہماری عبادت کرتی ہے۔

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ پس انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا تو وہ ہلاک شدہ لوگوں میں سے ہو گئے۔

---

[۲۵] اللہ تعالیٰ نے جس قوم کے لئے عذاب کا جو وقت مقرر کر رکھا ہے وہ عذاب عین اسی وقت نازل ہو جاتا ہے لمحہ بھر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتا۔

[۲۶] اللہ تعالیٰ نے بعض قوموں کے فنا ہونے کے بعد دوسری بعض قوموں کو پیدا فرمایا اور ہر قوم کی طرف ایک رسول مبعوث فرمایا مگر ہر قوم نے اپنے رسول کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ نے ہر تکذیب کرنے والی قوم کو اس طرح ہلاک کیا کہ وہ محض ایک افسانہ بن کے رہ گئی اور حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے وہ اس کی رحمت سے محروم رہتے ہیں۔

[۲۷] اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا، وہ بڑے سرکش اور متکبر تھے۔ انہوں نے ان کو جھٹلایا جس کے صلہ میں ان کو غرق کر دیا گیا۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی تاکہ (ان کی قوم کے) لوگ ہدایت پا جائیں۔

وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّ اٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ ع

۵۰۔ اور ہم نے ابن مریم علیہ السلام اور ان کی ماں کو (اپنی قدرت کی) نشانی بنایا اور ہم نے ان دونوں کو ایک بلند جگہ پر پناہ دی جو رہائش کے قابل تھی اور اس میں چشمے جاری تھے۔ [۲۸]

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ؕ

۵۱۔ اے رسولانِ (گرامی)! تم پاکیزہ چیزوں میں سے کھایا کرو اور نیک عمل کرتے رہو، جو عمل تم کرتے ہو میں اس کو خوب جانتا ہوں۔ [۲۹]

وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اور بے شک تمہارا یہ دین ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں، سو تم مجھ سے ڈرا کرو۔

---

[۲۸] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا اور حضرت مریم علیہا السلام کا بغیر خاوند کے حاملہ ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے۔ بلند جگہ سے مراد شاید وہ جگہ ہے جہاں لوگوں کی نگاہوں سے بچ کر حضرت مریم علیہا السلام نے پناہ لی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور اس کے نیچے چشمہ بہہ رہا تھا جیسا کہ سورہ مریم (۱۹) کی آیت نمبر ۲۴ میں ہے۔

[۲۹] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پاک اور حلال چیزوں کے کھانے کا حکم دیا ہے یعنی وہ چیزیں بذات خود بھی پاک ہوں اور حلال طریقہ سے حاصل کی گئی ہوں اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ناپاک اور حرام چیزیں نہ کھائی جائیں۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک چیز کو ہی قبول فرماتا ہے ۔۔۔ پھر آپ نے اس شخص کا ذکر فرمایا جو دور دراز کا سفر کرکے آتا ہے، اس کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہوتے ہیں، وہ آسمان کی طرف دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا کرتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا حرام ہوتا ہے اور اس کا پینا حرام ہوتا ہے اور اس کا لباس حرام ہوتا ہے اور اس کی غذا حرام ہوتی ہے تو اس کی دعا کہاں قبول ہوگی؟ (مسلم: ۱۰۱۵: کتاب الزکوٰۃ: باب ۱۹)

۲۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، جنت میں وہ گوشت اور خون داخل نہیں ہوگا جو اس مال سے حاصل کیا گیا ہو جو لوگوں کا حق مار کر اور انہیں نقصان پہنچا کر حاصل کیا گیا ہو۔

(شعب الایمان: ۵۷۶۳: جلد ۵: ص ۵۷)

فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ لیکن انہوں نے اپنی دینی وحدت کو باہمی اختلاف سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، ہر گروہ اپنے نظریات پر خوش ہے۔[۳۰]

فَذَرْهُمْ فِیْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ پس آپ ان کو کچھ عرصہ تک ان کی غفلت میں رہنے دیں۔[۳۱]

اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِیْنَ ۙ﴿۵۵﴾

۵۵۔ کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم مال واولاد سے جوان کی مدد کر رہے ہیں۔[۳۲]

نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ تو ہم انہیں بھلائیاں پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں؟ (ہرگز نہیں) بلکہ وہ (حقیقت کو) سمجھتے نہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۙ﴿۵۷﴾

۵۷۔ بے شک جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرتے ہیں۔

وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

---

[۳۰] تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے ایک ہی دین یعنی توحید کی دعوت دی لیکن لوگ بعد میں توحید کو چھوڑ کر مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور ہر فرقہ اپنے اپنے نظریات پر مطمئن اور خوش ہے۔

[۳۱] اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو فرمایا: آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے، اس کے باوجود اگر یہ لوگ تعصب کا شکار ہیں اور آپ پر ایمان نہیں لاتے تو آپ کبیدہ خاطر نہ ہوں ان کو ان کی غفلت میں ہی رہنے دیں، جب ان کی زندگی کی مدت ختم ہوگی تو انہیں حق و باطل بالکل واضح نظر آ جائے گا۔

[۳۲] اس دنیا میں جن لوگوں کے عقائد اور اعمال اچھے نہیں ہیں لیکن پھر بھی دنیاوی اعتبار سے بڑی برادری اور دولت کے مالک ہیں تو وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہے بلکہ یہ ان کی آزمائش ہے اور وہ حقیقت کو نہیں سمجھتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش کے انداز مختلف ہیں، کبھی وہ مال واولاد دے کے آزماتا ہے اور کبھی ان سے محروم کر کے آزماتا ہے مگر راضی صرف ان لوگوں سے ہوتا ہے جو ہر حال میں اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ دنیا اسے بھی دیتا ہے جس کو وہ پسند کرتا ہے اور اسے بھی دیتا ہے جس کو وہ ناپسند

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۝۵۹

۵۹۔ اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ (کسی کو) شریک نہیں بناتے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝۶۰

۶۰۔ اور جو لوگ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) دیتے ہیں جتنا وہ دے سکتے ہیں اور ان کے دلوں پر (اللہ تعالیٰ کے جلال کا) خوف طاری رہتا ہے کیونکہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ [۳۳]

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝۶۱

۶۱۔ یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی نیکیوں کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۶۲

۶۲۔ اور ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو سچ بولتی ہے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ [۳۴]

کرتا ہے مگر دین صرف اس کو دیتا ہے جس کو وہ پسند کرتا ہے۔ (مسند احمد: جلد اول: ص ۳۸۷)

[۳۳] جو اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور دیگر نیک کاموں میں اپنی صلاحیتیں صرف کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اپنی نیکیوں پر تکبر نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کسی کوتاہی کی وجہ سے ان کی یہ نیکیاں کہیں ضائع نہ ہو جائیں تو دراصل یہی لوگ نیکیوں میں آگے بڑھنے والے ہیں، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے اس آیت کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ (اس وجہ سے ان کے دل کانپتے رہتے ہیں) تو آپ نے فرمایا: نہیں، اے صدیق ؓ کی بیٹی! بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں اور اس کے باوجود وہ ڈرتے ہیں کہ شاید ان کی یہ عبادتیں قبول نہ کی جائیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں۔ (ترمذی: ۳۱۷۵: ابواب تفسیر القرآن: باب ۲۴: سورۃ المومنون) حضرت حسن بصری فرماتے ہیں: ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نیکیاں کر کے اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈرتے ہیں کہ تم برائیاں کر کے بھی اتنا نہیں ڈرتے۔ (تفسیر قرطبی)

[۳۴] اللہ تعالیٰ کسی شخص سے ایسے اعمال کا مطالبہ نہیں کرتا جو وہ نہ کر سکتا ہو لیکن اس کے باوجود جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کی ساری حرکتیں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہیں جو قیامت کے دن اس کے سامنے کھول کر رکھ دی جائیں گی اور ان کے مطابق اس کی سزا اور جزا کا عمل جاری ہوگا اور کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَ لَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ بلکہ ان کے دل اس (یعنی آخرت) سے غفلت میں ہیں اور ان کے اعمال مومنوں کے اعمال سے مختلف ہیں، وہ ان (برے) اعمال پر عمل پیرا ہیں۔ [۳۵]

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ یہاں تک کہ جب ہم ان کے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں گرفتار کریں گے تو وہ چلا اٹھیں گے۔

لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

۶۵۔ آج مت چلاؤ، بے شک ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ [۳۶]

قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ بے شک میری آیتیں تم کو پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو تم ایڑیوں کے بل پلٹ کر بھاگ جاتے تھے۔

مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾

۶۷۔ تکبر کرتے ہوئے، قرآن کے متعلق افسانہ گوئی اور بکواس کرتے ہوئے۔ [۳۷]

---

[۳۵] کفار کے دل توحید اور آخرت کے عقیدہ سے غافل ہیں اور ان کے اعمال مومنوں کے اعمال کے برعکس ہیں یعنی ان کا عقیدہ بھی غلط ہے اور ان کے اعمال بھی برے ہیں۔

[۳۶] عذاب جب آتا ہے تو وہ آسودہ حال اور بد حال لوگوں میں تفریق نہیں کرتا مگر ایسے اوقات میں عام طور پر آسودہ حال لوگ ہی زیادہ شور مچاتے ہیں اس لئے ان کو خطاب کیا گیا: مت چلاؤ، آج تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ اس سے مراد اگر دنیاوی عذاب ہے تو وہ غزوہ بدر کا میدان کارزار ہے جس میں ستر کافر مارے گئے اور ستر قیدی بنا لئے گئے اور باقی چیختے چلاتے پسپا ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور اگر اس سے مراد اخروی عذاب ہے تو وہاں بھی جہنم میں ان کے چیخنے چلانے کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ دار الجزاء ہے۔

[۳۷] عذاب میں مبتلا کفار جب چیخ و پکار کریں گے تو انہیں کہا جائے گا: کیا تمہیں وہ وقت یاد ہے جب اللہ تعالیٰ کا رسول تمہیں قرآن کی آیتیں پڑھ کر سناتا تھا تو تم ان کو سننا گوارا نہیں کرتے تھے اور تکبر کرتے ہوئے وہاں سے بھاگ جاتے تھے۔ نیز چاندنی راتوں میں کعبہ کے پاس بیٹھ کر قرآن اور صاحب قرآن کے خلاف سازشیں کرتے تھے، لہٰذا آج اپنی سازشوں کا مزہ چکھو، چیخنے چلانے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

اَفَلَمۡ يَدَّبَّرُوا الۡقَوۡلَ اَمۡ جَآءَهُمۡ مَّا لَمۡ يَاۡتِ اٰبَآءَهُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۶۸﴾	٦٨۔ کیا انہوں نے کلام (الٰہی) میں غور نہیں کیا یا ان کے پاس وہ کلام آیا جو ان کے پہلے دادا کے پاس نہیں آیا تھا؟ [٣٨]
اَمۡ لَمۡ يَعۡرِفُوۡا رَسُوۡلَهُمۡ فَهُمۡ لَهٗ مُنۡكِرُوۡنَ ﴿۶۹﴾	٦٩۔ یا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا اس لئے اس کے منکر ہو گئے؟ [٣٩]

نمازعشاء کے بعد باتیں کرنا

حضرت ابو برزہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نمازعشاء سے پہلے سونے اور نمازعشاء کے بعد باتیں کرنے کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ (بخاری: ٥٦٨: کتاب مواقیت الصلاۃ: باب ٢٣)

علامہ قرطبی نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق ﷺ ان لوگوں کو مارا کرتے تھے جو رات کو باتیں کرتے تھے اور انہیں فرماتے: یہ بھی کوئی عقل مندی ہے کہ رات کے پہلے حصہ میں دیر تک جاگتے رہو اور اس کے آخری حصہ میں جو نزول رحمت کا وقت ہوتا ہے، سوتے رہو۔ اب تو اپنے کراماً کاتبین کو آرام کرنے دو۔ (تفسیر قرطبی) اہل علم کہتے ہیں، رات کو نمازعشاء کے بعد باتیں کرنے کی ممانعت میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دن کام کاج اور روزی کمانے کے لئے بنایا ہے اور رات آرام کرنے اور سونے کے لئے بنائی ہے، لہٰذا رات کو دیر تک جاگ کر باتیں کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت اور صنعت کے خلاف ہے۔
(تفسیر قرطبی)

نمازعشاء کے بعد دیر تک باتیں کرنا اس صورت میں مکروہ ہے جب فضول اور بے سود باتیں کی جائیں لیکن دین وعلم کی باتیں کرنا، وعظ ونصیحت سننا، ذکر کرنا، نوافل پڑھنا اور نیک کاموں کے لئے مشورہ کرنا وغیرہ کے لئے دیر تک بیدار رہنا ممنوع نہیں ہے۔

[٣٨] دراصل کفار مکہ نے قرآن مجید میں غور نہیں کیا، اگر وہ غور کرتے تو ایمان لے آتے۔ نیز قرآن مجید کا نزول کوئی نئی بات نہیں بلکہ تمہارے آباء واجداد یعنی پہلی قوموں کے پاس بھی انبیائے کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کا کلام لاتے رہے تھے، البتہ اہل مکہ کے پاس جو کلام آیا وہ آخری اور عظیم شان والا تھا، لہٰذا انہیں آگے بڑھ کر اس کا استقبال کرنا چاہیے تھا اور اس عظیم احسان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے تھا۔

[٣٩] کیا کفار مکہ اس لئے آپ کے منکر ہو گئے کہ وہ آپ کو پہچانتے نہیں تھے حالانکہ وہ آپ کی صداقت وامانت کے اس قدر معترف تھے کہ وہ آپ کو صادق وامین کے القاب سے یاد کرتے تھے جیسا کہ نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر طیار ﷺ نے نبی کریم ﷺ کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ہی ہماری طرف ایک رسول بھیجا جس کے نسب، صداقت، امانت اور طہارت کو ہم پہلے سے جانتے تھے۔ تفصیلی واقعہ کے لئے سورۃ المائدہ (٥) کی آیت نمبر ٨٣ اور

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلۡ جَآءَهُمۡ بِالۡحَـقِّ وَاَكۡثَرُهُمۡ لِلۡحَـقِّ كٰرِهُوۡنَ ۝

۷۰۔ یا یہ کہتے ہیں کہ رسول کو جنون ہے؟ بلکہ وہ تو ان کے پاس حق لے کر آئے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ حق کو پسند نہیں کرتے۔[۴۰]

وَلَوِ اتَّبَعَ الۡحَـقُّ اَهۡوَآءَهُمۡ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ ؕ بَلۡ اَتَيۡنٰهُمۡ بِذِكۡرِهِمۡ فَهُمۡ عَنۡ ذِكۡرِهِمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ۝

۷۱۔ اور اگر حق ان کی خواہش کی پیروی کرتا تو آسمان وزمین اور جو کچھ ان میں ہے سب درہم برہم ہو جاتا، بلکہ ہم تو ان کے پاس ان کی نصیحت لائے ہیں لیکن وہ اپنی نصیحت سے ہی روگردانی کرنے والے ہیں۔[۴۱]

اَمۡ تَسۡـئَلُهُمۡ خَرۡجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيۡرٌ ۖ وَّهُوَ خَيۡرُ الرّٰزِقِيۡنَ ۝

۷۲۔ کیا آپ ان سے کوئی اجرت مانگتے ہیں؟ (آپ کے لئے) تو آپ کے رب کا اجر ہی بہتر ہے اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔[۴۲]

وَاِنَّكَ لَتَدۡعُوۡهُمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝

۷۳۔ اور بے شک آپ تو انہیں سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہیں۔

حاشیہ نمبر ۱۱۶ ملاحظہ کریں۔

[۴۰] کیا وہ آپ پر اس لئے ایمان نہیں لاتے کہ ان کے خیال میں آپ کو جنون ہو گیا ہے حالانکہ آپ نے ایسا قرآن پیش کیا جس کی نظیر پیش کرنے سے پوری دنیا قاصر ہے؟ اس قدر فصیح و بلیغ اور بے مثال کلام لانے والا مجنون نہیں ہوسکتا۔ دراصل آپ ایسا دین حق لے کر آئے ہیں جو ان کی خواہشات اور ان کے آبائی عقائد کے خلاف ہے اس لئے وہ محض عناد، سرداری کی خواہش اور عیاشی کی وجہ سے حق سے نفرت کرتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

[۴۱] حق سے مراد اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ، قرآن مجید اور دین حق سبھی ہو سکتے ہیں اور کفار کی خواہشات میں سے ایک یہ تھی کہ توحید کو چھوڑ کر سینکڑوں خداؤں کو تسلیم کیا جائے۔ اب اگر کفار کی خواہش کے مطابق دین حق میں سینکڑوں خداؤں کو تسلیم کر لیا جائے تو زمین وآسمان کا سارا انتظام درہم برہم ہو جائے گا۔ دراصل اللہ تعالیٰ تو دین حق کی صورت میں ان کے لئے ایسی نصیحت لایا ہے جو ان کے لئے عزت و وقار کا ذریعہ ہے مگر ان کی بے وقوفی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنی ہی بھلائی اور عزت سے روگردانی کر رہے ہیں۔

[۴۲] کیا وہ آپ کی دعوت اس لئے نہیں سنتے کہ آپ ان سے کوئی معاوضہ طلب کریں گے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے کیونکہ آپ کو تو آپ کا رب رزق دیتا ہے اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

وَ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ اور بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ صراط مستقیم سے منحرف ہونے والے ہیں۔ [۴۳]

وَ لَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾

۷۵۔ اور اگر ہم ان پر رحم فرمائیں اور جو تکلیف انہیں لاحق ہے اس کو دور کر دیں، پھر بھی وہ اندھے بنے ہوئے اپنی سرکشی میں بڑھتے جائیں گے۔ [۴۴]

وَ لَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَ مَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾

۷۶۔ اور بے شک ہم نے ان کو عذاب میں گرفتار کرلیا، پھر بھی نہ تو وہ اپنے رب کے سامنے جھکے اور نہ گڑگڑائے۔

حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ ع

۷۷۔ یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو اس وقت وہ بالکل مایوس ہو جائیں گے۔ [۴۵]

وَ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

۷۸۔ اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے لیکن تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

وَ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾

۷۹۔ اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر پھیلایا اور تم اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔

وَ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ وَ لَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾

۸۰۔ اور وہی زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور لیل و نہار کی گردش بھی اسی کے اختیار میں ہے تو کیا تم نہیں سمجھتے؟

---

[۴۳] نبی کریم ﷺ لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف بلاتے ہیں تاکہ وہ برائیاں چھوڑ کر نیکی کی راہ اختیار کریں اور آخرت میں اجر عظیم حاصل کریں لیکن جو آخرت پر ایمان ہی نہیں رکھتے ظاہر ہے وہ صراط مستقیم سے اعراض کریں گے۔

[۴۴] یہ لوگ باطل پرستی میں اتنے پختہ ہو چکے ہیں اور ان کا ذہن و ضمیر اتنا مردہ ہو چکا ہے کہ اب اگر ان پر رحم کیا جائے اور ان کی تکالیف کو دور کر دیا جائے پھر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے بلکہ اندھے بنے ہوئے اپنی سرکشی میں بڑھتے چلے جائیں گے۔

[۴۵] اللہ تعالیٰ نے انہیں قحط سالی اور جنگوں کے ذریعہ کئی بار عذاب میں مبتلا کیا مگر پھر بھی انہیں توبہ کی توفیق نہیں ہوئی اور یہ اس

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ بلکہ انہوں نے بھی وہی بات کہی جو پہلے لوگ (کفار) کہا کرتے تھے۔

قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾

۸۲۔ انہوں نے کہا: کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے تو کیا ہم (پھر زندہ کر کے) اٹھائے جائیں گے؟

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ بے شک ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے بھی پہلے یہ وعدہ کیا گیا تھا، یہ تو محض پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔[۴۶]

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ آپ فرمایئے: یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ کس کی ملکیت ہیں اگر تم جانتے ہو؟

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ وہ کہیں گے: (یہ سب) اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، تو آپ فرمایئے: پھر تم نصیحت قبول کیوں نہیں کرتے؟

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ آپ فرمایئے: سات آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟

وقت تک کفر سے باز نہیں آئیں گے جب تک ان پر سخت عذاب کا دروازہ نہ کھول دیا جائے مگر اس وقت وہ بالکل مایوس ہوں گے کیونکہ توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہوگا۔

[۴۶] گزشتہ آیات میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح بنی نوع انسان کو پہلی دفعہ پیدا کر کے زمین پر پھیلایا اسی طرح مرنے کے بعد ایک دن ضرور آئے گا جب انہیں دوبارہ زندہ کر کے اپنی بارگاہ میں جمع فرمائے گا۔ نیز وہ زندگی و موت کا خالق اور گردش لیل ونہار کا مالک ہے، لہٰذا اس کے لئے دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ مگر کفار مکہ نے وہی بات کہی جو پہلے کفار کہا کرتے تھے یعنی یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم مر کر مٹی ہوجائیں اور پھر ہمیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ دراصل قیامت کا آنا ایک ایسا وعدہ ہے جو صدیوں سے ہمارے باپ دادا سے کیا جارہا ہے اور ابھی تک پورا نہیں ہوا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ محض کہانیاں ہیں جو پہلے لوگوں سے نقل ہوتی چلی آرہی ہیں، ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ وہ کہیں گے: (یہ سب) اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے تو آپ فرمائیے: پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟ [۴۷]

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾

۸۸۔ آپ فرمائیے: ہر چیز کی حکومت کس کے ہاتھ میں ہے؟ اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کی مرضی کے خلاف (کسی کو) پناہ نہیں دی جا سکتی اگر تم جانتے ہو؟

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾

۸۹۔ وہ کہیں گے: یہ اللہ تعالیٰ کی ہی شان ہے تو آپ فرمائیے: پھر کہاں سے تم پر جادو کیا جا رہا ہے؟ [۴۸]

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾

۹۰۔ بلکہ ہم ان کے پاس حق لائے اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔ [۴۹]

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾

۹۱۔ اللہ تعالیٰ نے (اپنے لئے) کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو الگ لے جاتا اور وہ ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے، اللہ تعالیٰ ان تمام اوصاف سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ [۵۰]

---

[۴۷] یعنی جب تم خود یہ تسلیم کرتے ہو کہ زمین، اس پر آباد ساری مخلوق، سات آسمان اور عرش عظیم کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے تو پھر تم اس کی توحید پر ایمان کیوں نہیں لاتے اور اس کے عذاب سے بچنے کا اہتمام کیوں نہیں کرتے؟

[۴۸] یعنی جب تم تسلیم کرتے ہو کہ ہر چیز کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے، وہ جس کو چاہے پناہ دے اور اگر وہ نہ چاہے تو کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا تو پھر تمہاری عقلوں پر کس نے جادو کر دیا ہے کہ تم اس قادر مطلق خدا کے ساتھ شریک بناتے ہو۔

[۴۹] اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حق نازل کیا تا کہ وہ اس پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کریں مگر وہ شرک اور انکار آخرت جیسے جھوٹے عقائد میں اتنے پختہ ہو چکے ہیں کہ حق کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

[۵۰] اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، اسے کسی اولاد کی حاجت نہیں ہے۔ نیز وہ صرف ایک ہے، اگر ایک سے زائد خدا ہوتے تو وہ اپنی اپنی مخلوق لے کر دوسرے خدا سے ٹکراتے اور نظام کائنات درہم برہم ہو جاتا، لہٰذا اللہ تعالیٰ اولاد اور شریک سے پاک ہے۔

عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝۹۲

۹۲۔ وہ ہر پوشیدہ اور ہر ظاہر کو جاننے والا ہے، پس وہ اس شرک سے بالاتر ہے جو وہ کرتے ہیں۔ [۵۱]

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ ۝۹۳

۹۳۔ آپ دعا کریں کہ اے میرے رب! اگر تو مجھے وہ (عذاب) دکھائے جس کا ان (کافروں) سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝۹۴

۹۴۔ تو اے میرے رب! مجھے ظالم قوم میں شامل نہ کرنا۔ [۵۲]

وَ اِنَّا عَلٰۤی اَنْ نُّرِیَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ۝۹۵

۹۵۔ اور بے شک ہم اس بات پر ضرور قادر ہیں کہ آپ کو وہ (عذاب) دکھائیں جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں۔ [۵۳]

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ۝۹۶

۹۶۔ آپ برائی کو ایسے طریقہ سے دور کیا کریں جو بہت اچھا ہو، ہم خوب جانتے ہیں جو باتیں وہ (آپ کے متعلق) بیان کرتے ہیں۔ [۵۴]

---

[۵۱] جس طرح اللہ تعالیٰ ہر چھوٹی اور بڑی چیز کے بنانے اور اس پر حکومت کرنے پر قادر مطلق ہے اسی طرح وہ ہر پوشیدہ اور ظاہر کا بھی عالم مطلق ہے اور کفار جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں وہ ان سے پاک اور بالاتر ہے۔

[۵۲] یعنی اے میرے رب! کفار سے جس عذاب کا وعدہ کیا جا رہا ہے اگر وہ عذاب میری موجودگی میں آئے تو مجھے ظالم قوم میں شامل نہ کرنا۔ نبی کریم ﷺ معصوم ہیں اور آپ ظالموں کے عذاب میں مبتلا نہیں ہوں گے، پھر بھی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عاجزی وانکساری کی تعلیم دی ہے تاکہ آپ کے اجر میں اضافہ ہو۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس میں خطاب اگرچہ نبی کریم ﷺ سے ہے مگر اس سے مراد امت ہے یعنی ہر امتی کو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگنی چاہیے کہ جب ظالموں پر عذاب آئے تو اے میرے رب! مجھے ظالموں میں شامل نہ کرنا۔

[۵۳] اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کو کفار کا عذاب دکھائے لیکن وہ نہیں چاہتا کہ آپ کی موجودگی میں ان پر عذاب نازل کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے جب کہ آپ ان میں موجود ہیں۔ (قرآن: ۸:۳۳)

[۵۴] پیارے نبی ﷺ! یہ کفار آپ کے متعلق جو نازیبا باتیں کرتے ہیں ہم انہیں خوب جانتے ہیں اور مناسب وقت پر انہیں

وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾

۹۷۔ اور آپ دعا کریں کہ اے میرے رب! میں شیطان کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

سزا بھی دیں گے لیکن آپ ان کی برائی اور بد اخلاقی کے بدلہ میں ان سے اچھائی اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق اور کردار تو اعلان نبوت سے پہلے بھی لاجواب تھا۔ دراصل اس آیت میں آپ کے ذریعہ امت کو اخلاق حسنہ کی تلقین کی جارہی ہے کہ برائی کا بدلہ برائی سے دینا بہت آسان ہے مگر اس سے بدامنی کا سلسلہ جاری رہتا ہے لیکن درگزر کرنے سے دشمن کا دل نرم ہوجاتا ہے اور امن و سلامتی کی فضا قائم ہوجاتی ہے۔ اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اعمال اور اقوال ملاحظہ کریں:

۱۔ کفار مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر اور مجنون کہا، آپ کا سوشل بائیکاٹ کیا، آپ کو شہید کرنے کی سازش کی، آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا اور آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرکے ان کا کلیجہ چبایا لیکن آٹھ سال بعد جب آپ نے مکہ مکرمہ کو فتح کرلیا تو حرم کعبہ میں ان سخت ترین دشمنوں سے خطاب فرمایا: اے گروہ قریش! تمہارا کیا خیال ہے، میں تم سے کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے عرض کیا: آپ کریم نبی ہیں، کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں، ہم آپ سے خیر کی امید رکھتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں آج تمہیں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی، آج میری طرف سے تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ چلے جاؤ، میری طرف سے تم آزاد ہو۔ (فتح الباری: ابن حجر عسقلانی: جلد ۸: ص ۱۸) حسن اخلاق اور درگزر کا جو مثالی مظاہرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپ کی شان کریمی دیکھ کر اہل مکہ جوق در جوق آگے بڑھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام قبول کرنے لگے۔

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سے اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیا لیکن جب کوئی اللہ تعالیٰ کی حدود کی خلاف ورزی کرتا تو آپ اس سے اللہ تعالیٰ کے لئے انتقام لیتے۔

(بخاری: ۶۱۲۶: کتاب الادب: باب ۸۰)

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ طبعاً بے شرمی کی بات کرتے تھے اور نہ تکلفاً۔ آپ بازار میں شور نہیں کرتے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ معاف کردیتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔

(ترمذی: ۲۰۱۶: ابواب البر والصلة: باب ۶۹)

۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑو، جو تم سے برا سلوک کرے اس سے اچھا سلوک کرو اور حق بات کہو خواہ وہ تمہارے خلاف ہو۔

(کنز العمال: ۶۹۲۹: جلد ۳: ص ۳۵۹)

وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿٩٨﴾

٩٨۔ اور اے میرے رب! میں تو اس بات سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔[٥٥]

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿٩٩﴾

٩٩۔ یہاں تک کہ جب ان (کافروں) میں سے کسی کو موت آئے گی تو وہ کہے گا: اے میرے رب! مجھے (دنیا میں) واپس بھیج دے۔

لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ

١٠٠۔ تاکہ میں اس دنیا میں کچھ نیک اعمال کرلوں جسے میں چھوڑ آیا ہوں، ہرگز نہیں! یہ ایک (لغو) بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے،[٥٦] اور ان کے آگے ایک پردہ ہے

---

[٥٥] یہاں پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ اپنے بندوں کو شیطان کے شر سے پناہ مانگنے کا طریقہ سکھایا ہے۔ شیطان کبھی دور بیٹھ کر دل میں وسوسے ڈالتا ہے اور کبھی انسانی شکل میں حاضر ہو کر غلط مشورے دیتا ہے جیسے وہ ذبح اسماعیل علیہ السلام کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گیا اور انہیں قربانی سے منع کرنے لگا۔ الغرض شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے، وہ انسان کو وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے انسان اسے نہیں دیکھ سکتا، لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو شیطان سے اور اس کے وسوسوں سے محفوظ رکھے۔ اس سلسلہ میں ایک دعا ملاحظہ کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں کوئی شخص نیند میں ڈر جائے تو وہ یہ دعا کرے: ''اعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبه و عقابه و شر عباده و من همزات الشياطين و ان يحضرون'' (میں اللہ تعالیٰ کے غضب سے، اس کے عقاب سے، اس کے بندوں کے شر سے اور شیطان کے وسوسوں اور شیاطین کے حاضر ہونے سے اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں) تو پھر شیاطین اس کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے بالغ بچوں کو یہ دعا سکھاتے اور جو نابالغ بچے تھے یہ دعا لکھ کر ان کے گلے میں لٹکا دیتے تھے۔ (ترمذی: ٣٥٢٨: کتاب الدعوات: باب ٩٤)

[٥٦] موت کے وقت، قبروں سے اٹھائے جانے کے وقت اور دوزخ میں پھینکے جانے کے وقت کافر یہ آرزو کرے گا کہ اگر اسے ایک بار پھر دنیا میں بھیجا جائے تو وہ نیک اعمال کرے گا لیکن اس بات سے اسے کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ ایک تو توبہ کا وقت بہت پہلے تھا جس سے اس نے فائدہ نہیں اٹھایا اور دوسرا وہ جھوٹ بول رہا ہے، اگر بالفرض محال اسے دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تو بھی وہ نیک اعمال نہیں کرے گا کیونکہ دنیا میں وہ اسلام کا منکر کسی غلط فہمی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے مگر تعصب، تکبر، بغض، عناد، لالچ یا نفس پرستی کی وجہ سے انکار کر دیتا ہے اور یہ ایسی مہلک بیماریاں ہیں جو انسان کو انجام سے غافل کر دیتی ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا آزمائش کرنے کے لئے بنائی تھی، اب اگر ایک انسان کو برائی کا انجام دکھا کر واپس بھجوایا جائے تو پھر آزمائش کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾	اس دن تک جب وہ (قبروں سے) اٹھائیں جائیں گے۔[۵۷]
فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾	۱۰۱۔ پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اس دن ان کے درمیان نہ رشتہ داریاں رہیں گی اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کا حال پوچھ سکیں گے۔[۵۸]
فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾	۱۰۲۔ البتہ جن کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی کامیاب وکامران ہوں گے۔
وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾	۱۰۳۔ اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

[۵۷] دو چیزوں کے درمیان جو پردہ اور رکاوٹ ہو اس کو برزخ کہتے ہیں۔ یہاں پر برزخ سے مراد موت اور قیامت کا درمیانی عرصہ ہے کیونکہ یہ دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی کے درمیان حجاب ہے، لہٰذا اب کوئی شخص دنیا میں واپس نہیں جاسکتا بلکہ قیامت تک اس برزخ میں رہے گا۔

[۵۸] قیامت کے دن کفار کے رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ باپ باپ نہیں رہے گا اور بیٹا بیٹا نہیں رہے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی پرواہ نہیں کریں گے، ہر ایک کو اپنی فکر دامن گیر ہوگی اور وہ ایک دوسرے سے دور بھاگیں گے، البتہ نبی کریم ﷺ کے رشتے قائم رہیں گے جیسا کہ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاطمہ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے، جو چیز اسے ناراض کرے وہ مجھے ناراض کرتی ہے اور جو چیز اسے خوش کرے اس سے میں بھی خوش ہوتا ہوں اور قیامت کے دن تمام رشتے منقطع ہو جائیں گے سوا میرے نسب کے اور میرے نکاح کے اور میرے سسرال کے۔ (مسند احمد: جلد ۴: ص ۳۲۳۔ مستدرک: امام حاکم: جلد ۳: ص ۱۵۸) اور نبی کریم ﷺ کی نسبت سے اہل ایمان کے رشتے بھی قائم رہیں گے اور وہ بھی ایک دوسرے کی مدد کر سکیں گے کیونکہ آپ ﷺ سب اہل ایمان کے باپ ہیں اور ان کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اہل ایمان کی مائیں ہیں۔ اس کی مزید تفصیل کے لئے سورہ رعد (۱۳) کی آیت نمبر ۲۳ اور حاشیہ نمبر ۳۲ ملاحظہ کریں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی پردے کی اوٹ سے ندا کرے گا: اے اہل محشر! اپنی نظریں جھکا لو حتیٰ کہ فاطمہ بنت محمد ﷺ جنت کی طرف گزر جائیں۔ (مستدرک: امام حاکم: جلد ۳: ص ۱۶۱۔ مسند فاطمہ: ص ۱۳۱)

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾	۱۰۴۔ ان کے چہروں کو آگ جھلس دے گی اور وہ اس میں بدشکل ہو کے رہ جائیں گے۔[۵۹]
اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾	۱۰۵۔ کیا تمہارے سامنے میری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں، پھر تم انہیں جھٹلایا کرتے تھے؟
قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾	۱۰۶۔ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی تھی اور ہم گمراہ لوگ تھے۔[۶۰]
رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾	۱۰۷۔ اے ہمارے رب! ہمیں اس جہنم سے نکال دے، اگر ہم پھر (گمراہی کی طرف) لوٹیں تو بے شک ہم ظالم ہوں گے۔
قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾	۱۰۸۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اسی میں پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔[۶۱]
اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾	۱۰۹۔ بے شک میرے کچھ بندے ایسے بھی تھے جو کہا کرتے تھے: اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ہیں، پس تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔

[۵۹] قیامت کے دن جن لوگوں کی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہ کامیاب قرار پائیں گے اور جنت میں داخل ہوں گے اور جن کی برائیاں زیادہ ہوں گی انہیں ناکام قرار دے کر جہنم رسید کر دیا جائے گا جہاں ان کے چہروں کا گوشت جہنم کی آگ سے سکڑ جائے گا اور دانت ظاہر ہو کر بدصورتی کا منظر پیش کریں گے۔

[۶۰] کیا تمہیں یاد نہیں جب ہماری آیتیں تمہیں پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو تم انہیں جھٹلایا کرتے تھے؟ اس پر وہ اعتراف گناہ کرتے ہوئے کہیں گے: واقعی ہم پر نفس پرستی کی بدبختی غالب آ گئی تھی اور ہم گمراہ ہو گئے تھے۔

[۶۱] یعنی ہمیں ایک دفعہ جہنم سے نکال کر واپس دنیا میں بھیج دے، پھر بھی اگر ہم تیری نافرمانی کریں تو یقیناً ہم ظالم ہوں گے اور سزا کے مستحق ہوں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اب کسی اپیل اور توبہ کا وقت گزر چکا ہے، لہٰذا ذلت سے اپنی سرکشی اور

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾	۱۱۰۔ لیکن تم نے ان کا مذاق اڑایا یہاں تک کہ انہوں نے تمہیں میری یاد بھلا دی اور تم ان پر ہنسا کرتے تھے۔[۶۲]
اِنِّیْ جَزَیْتُهُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾	۱۱۱۔ بے شک میں نے آج انہیں ان کے صبر کا بدلہ دے دیا ہے کہ بے شک وہی کامیاب ہیں۔
قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾	۱۱۲۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم زمین میں کتنے برس رہے تھے؟
قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّیْنَ ﴿۱۱۳﴾	۱۱۳۔ وہ کہیں گے: ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہوں گے، آپ گنتی کرنے والوں سے پوچھ لیں۔[۶۳]
قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾	۱۱۴۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم بہت ہی تھوڑا عرصہ ٹھہرے تھے، کاش! تم جانتے ہوتے۔
اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾	۱۱۵۔ کیا تم نے یہ خیال کر رکھا تھا کہ ہم نے تم کو بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے۔[۶۴]

گمراہی کی سزا کا مزہ چکھو۔

[۶۲] یعنی دنیا میں مسلمان جب میرے حضور دعا و استغفار کرتے تھے تو تم ان کا مذاق اڑاتے تھے اور ان کو تنگ کرنے میں اتنا مصروف رہتے تھے کہ تم نے مجھے فراموش کر دیا تھا لیکن انہوں نے تمہاری ایذا رسانی پر صبر کیا اور آج میں نے انہیں ان کے صبر کا ایسا اجر عظیم عطا فرمایا ہے کہ وہ ہر طرح سے کامیاب و کامران ہیں۔

[۶۳] کفار دنیاوی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھتے تھے اور آخرت کی زندگی کے منکر تھے اس لئے قیامت کے دن ان سے پوچھا جائے گا: تم دنیا میں کتنا عرصہ رہے تھے؟ تو وہ قیامت کی ہولناکی کے باعث اتنا پریشان ہوں گے کہ انہیں دنیاوی زندگی ایک دن یا اس سے بھی کم محسوس ہوگی اور صحیح تعداد ان کے فرشتے ہی بتا سکیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آخرت کی دائمی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی زندگی واقعی بہت ہی قلیل ہے۔ کاش! دنیا میں تم اس دنیا کی بے ثباتی کو جان لیتے تو آج تم بھی اہل ایمان کے ساتھ کامیاب و کامران ہوتے۔

[۶۴] اللہ تعالیٰ نے کوئی معمولی سا ذرہ بھی فضول پیدا نہیں فرمایا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اشرف المخلوقات حضرت انسان کو

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾

۱۱۶۔ پس اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے جو حقیقی بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی عزت والے عرش کا مالک ہے۔

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۷۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت کرتا ہے جس کے لیے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے، [۶۵] بے شک کافر کامیاب نہیں ہوں گے۔

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع

۱۱۸۔ اور آپ عرض کیجیے: اے میرے رب! تو بخش دے اور رحم فرما اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔

بے مقصد پیدا فرمادے۔ اس نے انسان کو عقل وفہم کی ایسی عظیم صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں کہ جن کی بدولت تمام جاندار اس کے زیر نگیں ہیں، لہٰذا ان عظیم نعمتوں کے بارے میں اسے جواب دہ ہونا پڑے گا۔

[۶۵] جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے ہیں ان کے پاس اس شرک کی کوئی دلیل نہیں ہے، لہٰذا قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے حساب وکتاب میں ہرگز کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔

فقیر : محمد امداد حسین پیرزادہ : جامعہ الکرم، انگلستان

بعد از نماز عصر بروز جمعرات ۱۸ ستمبر ۲۰۰۸ء بمطابق ۱۸ رمضان ۱۴۲۹ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ النور (۲۴)

یہ سورت مدنی ہے، اس کا نام ''نور'' ہے جو اس سورت کی آیت نمبر ۳۵ سے ماخوذ ہے۔

زمانہ نزول

یہ سورت غزوہ بنی مصطلق کے بعد نازل ہوئی کیونکہ اس میں ''واقعہ افک'' کا ذکر ہے جو غزوہ بنی مصطلق کے بعد پیش آیا تھا۔

مضامین

اسلام میں زنا بہت بڑا جرم اور شدید گناہ ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کی سخت سزا مقرر کی گئی ہے۔ غیر شادی شدہ شخص زنا کرے تو اسے ۱۰۰ کوڑے لگائے جائیں گے جبکہ شادی شدہ شخص کی سزا سنگساری ہے۔ غیر شادی شدہ شخص تو کسی وقت خواہشات کے ہاتھوں مجبور ہوسکتا ہے لیکن شادی شدہ شخص کا اپنے زوج کے ساتھ خیانت کرنا اور اللہ تعالیٰ کی حدود توڑنا نا قابل فہم ہے، لہٰذا اس کی سزا سخت رکھی گئی ہے۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ان اسباب پر پابندی لگا دی ہے جو زنا کا سبب بن سکتے ہیں مثلاً ہر مومن مرد اور مومن عورت کو حکم دیا کہ وہ اپنی نگاہیں نیچے رکھے کیونکہ آنکھوں کے نظارے سے ہی شیطان دل میں ناپاک خیالات پیدا کرتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے پردہ کے احکام نازل فرمائے اور کسی کے گھر میں بغیر اجازت کے جانا منع کر دیا تاکہ غیر محرم مردوں اور عورتوں کا آپس میں میل ملاپ نہ ہو۔

اس سورت میں وہ آیات بھی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی بیان فرمائی جب منافقین نے آپ پر تہمت لگائی تھی۔ نیز قرآن مجید نے کسی عورت پر بلا وجہ تہمت لگانے کا سد باب اس طرح کیا کہ جو شخص کسی پاکدامن مسلمان عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور اس کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہ کرسکے تو اسے ۸۰ کوڑے مارے جائیں گے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے مردوں کو سورۃ المائدہ کی تعلیم دو اور اپنی عورتوں کو سورۃ النور کی تعلیم دو۔ (کنز العمال: ۴۴۹۴۹: جلد ۱۶: ص ۳۷۲)

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعہ الکرم انگلستان

بروز بدھ بعد از نماز عصر ۲۴ ستمبر ۲۰۰۸ء بمطابق ۲۴ رمضان ۱۴۲۹ھ

آیاتہا ۶۴ ۲۴ سورۃ النور مدنیۃ ۱۰۲ رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①

۱۔ یہ (ایک عظیم الشان) سورت ہے جو ہم نے نازل فرمائی ہے اور ہم نے اس (کے احکام) کو فرض کر دیا ہے اور ہم نے اس میں واضح آیتیں نازل فرمائی ہیں تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔[۱]

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا

۲۔ جو عورت بدکار ہو اور جو مرد بدکار ہو (اور وہ غیر شادی شدہ ہوں) تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو،[۲]

---

[۱] قرآن مجید کی ساری سورتیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں اور ان میں بیان ہونے والے سارے احکام بھی اسی نے مقرر فرمائے ہیں، پھر اس سورت کے نزول کو خاص طور پر اپنی طرف منسوب کرنے کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ اس سورت کے احکام خصوصی اہمیت کے حامل ہیں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنے مردوں کو سورہ ''المائدہ'' کی تعلیم دو اور اپنی عورتوں کو سورہ ''النور'' کی تعلیم دو۔ (کنز العمال: ۴۴۹۴۹: جلد ۱۶: ص ۳۷۲)

اسلام میں معاشرہ کی پہلی اکائی اور بنیاد خاندان ہے، اگر خاندان کا نظام صحیح ہوگا تو پورا معاشرہ پرامن رہے گا اور ہر خاندان میں عورت کی ذات اور اس کی عفت و ناموس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس سورت میں چونکہ عورت کی عفت کے متعلق احکام نازل کیے گئے ہیں اس لئے یہ سورت خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔

[۲] قرآن وحدیث نے چار جرائم (یعنی چوری، کسی پاکدامن عورت یا مرد پر زنا کی تہمت لگانا، شراب پینے اور زنا کرنے) کی سزائیں متعین کردی ہیں جن کو حدود کہا جاتا ہے اور باقی جرائم کی سزائیں حالات کے مطابق امیر یا قاضی تجویز کرتا ہے ان کو تعزیرات کہا جاتا ہے۔

زنا کی سزا کا حکم

زمانہ جاہلیت میں زنا عام تھا اور اکثر لوگ اس کو برائی نہیں سمجھتے تھے، لہٰذا ایک دم اس کے خلاف سخت سزا کا اعلان کرنا مشکل تھا، چنانچہ شراب کی طرح زنا کی روک تھام کے لئے بتدریج حکم نازل فرمایا۔ اس سلسلے کا پہلا حکم یہ تھا کہ جو عورتیں زنا کا ارتکاب کریں انہیں گھروں میں قید کر دیا جائے۔ (قرآن: ۴: ۱۵) تا کہ وہ آئندہ زنا نہ کرسکیں۔ دوسرا حکم سورہ ''النور'' کی اس آیت نمبر ۲ میں مذکور ہے یعنی مرد اور عورت دونوں کو سو سو کوڑے لگائے جائیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے

تیسرا حکم یہ فرمایا کہ سو کوڑوں کی سزا صرف ان کو دی جائے جو شادی شدہ نہ ہوں اور اگر شادی شدہ مرد و عورت زنا کا ارتکاب کریں تو انہیں سنگسار کیا جائے۔

زنا کے ثبوت کے لئے شرائط

زنا کی سزا اسلام میں سب سے زیادہ سخت ہے کیونکہ یہ صرف دو افراد کی سزا کا نہیں بلکہ دو خاندانوں کی عزت و آبرو کا ایک سنگین مسئلہ ہے۔ اس لئے اسلام نے اس کے ثبوت کے لئے دو مردوں کی گواہی کے بجائے چار مردوں کی گواہی ضروری قرار دی ہے جو مسلمان بھی ہوں اور چشم دید بھی۔ اگر ایک شخص کسی پر زنا کا الزام لگائے اور چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اسے اس بہتان کی سزا کے طور پر ۸۰ کوڑے لگائے جائیں گے تاکہ آئندہ کوئی بلاوجہ کسی کی عزت سے کھیلنے کی جرأت نہ کر سکے۔ عہد رسالت میں صرف دو زنا کے واقعات کی تصدیق ہوتی ہے اور وہ بھی انہوں نے خود اعتراف گناہ کیا، چار گواہ نہیں مل سکے تھے۔ (السنن الکبریٰ: بیہقی: جلد ۸: ص ۲۱۴)

بائبل میں زنا کی سزا

۱۔ اگر مرد کا الزام سچ ثابت ہو کہ وہ لڑکی کنواری نہیں ہے تو قاضی اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازے پر نکال لائیں جہاں شہر کے لوگ اس لڑکی کو سنگسار کر دیں۔ (دی لیونگ بائبل: استثناء: ۲۲: ۲۱-۲۰)

۲۔ اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہو گئی اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو ان دونوں کو شہر کے دروازے پر نکال کر سنگسار کر دیا جائے۔ (دی لیونگ بائبل: استثناء: ۲۲: ۲۴-۲۳)

۳۔ فقیہ اور فریسی ایک عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی اور اسے لوگوں کے ہجوم میں کھڑا کر کے یسوع سے کہا: اے استاذ! یہ عورت عین زنا کرتے وقت پکڑی گئی ہے، تورات میں موسیٰ علیہ السلام کا حکم یہ ہے کہ ہم ایسی عورت کو قتل کر دیں۔ آپ کا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے آپ کو آزمانے کے لئے یہ کہا تاکہ آپ پر الزام لگانے کا کوئی سبب نکال لیں مگر یسوع علیہ السلام جھک کر انگلی سے زمین پر لکھنے لگا۔ جب وہ آپ علیہ السلام سے سوال کرتے ہی رہے تو آپ علیہ السلام نے سیدھے ہو کر ان سے کہا: ٹھیک ہے اس کو سنگسار کر دو۔ (دی لیونگ بائبل: یوحنا: ۸: ۷:۳)

غیر شادی شدہ مرد یا عورت کی سزا

آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان اور غیر شادی شدہ بدکار مرد یا بدکار عورت کی سزا سو کوڑے ہے اور جو عاقل یا بالغ نہ ہو وہ مکلف ہی نہیں۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخصوں سے قلم تکلیف اٹھا لیا گیا: بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے، سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے اور مجنون سے حتیٰ کہ وہ ٹھیک ہو جائے۔ (ترمذی: ۱۴۲۳: ابواب الحدود: باب ۱)

کوڑا مارنے کی کیفیت

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں کوڑے مارنے (یعنی جلد) کے لفظ میں یہ اشارہ موجود ہے کہ کوڑے

کی مار ایسی ہونی چاہیے جس کا اثر جلد تک رہے اور گوشت تک نہ پہنچے اور کوڑا بھی نہ اتنا سخت ہو کہ زخمی کر دے اور نہ اتنا نرم ہو کہ کوئی تکلیف بھی نہ ہو۔ (تفسیر کبیر) اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کوڑے مارنے والے کو فرمایا: اس طرح مار کہ تیری بغل نظر نہ آئے۔ (تفسیر قرطبی) یعنی پوری طاقت سے ہاتھ اٹھا کر نہ مار بلکہ اوسط درجہ کے کوڑے کے ساتھ اوسط درجہ کی ضرب لگا۔

نیز سزا کے وقت اس کی برائی بیان نہ کی جائے بلکہ اس پر رحم کے لئے دعا کی جائے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک آدمی کو شراب نوشی کے جرم میں سزا دی جارہی تھی۔ کسی نے اسے کہا: خدا تجھے رسوا کرے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس طرح نہ کہو، اس کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو۔'' بلکہ یوں کہو: ''اے اللہ! اس کو معاف فرما دے اور اس پر رحم فرما۔'' (ابو داؤد: حدیث نمبر ۴۴۷۷، ۴۴۷۸: کتاب الحدود)

غلام یا لونڈی کی سزا

عاقل اور بالغ غلام یا لونڈی زنا کرے تو اس کی سزا پچاس کوڑے ہے۔ (سورۃ النساء: ۴: ۲۵) کیونکہ وہ گھریلو ضروریات کے لئے اکثر ادھر ادھر جانے کے سبب چونکہ اس جرم کی ترغیبات کی زد میں ہوتے ہیں، اس لئے ان کی اس مجبوری کے باعث ان کے ساتھ نرمی برتی جاتی ہے۔

شادی شدہ مرد یا عورت کی سزا

آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان اور شادی شدہ مرد یا عورت اگر زنا کرے تو اس کی سزا رجم ہے۔ تورات میں بھی ان کی سزا رجم تھی۔ تفصیل کے لئے سورہ ''المائدہ'' کی آیات نمبر ۴۱ تا ۴۳ کے حواشی ملاحظہ کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز اور غامدیہ پر ان کے اعتراف زنا کے بعد رجم کی حد قائم فرمائی اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی رجم کی حد قائم کی اور ان میں سے کسی ایک نے بھی اس سزا کا انکار نہیں کیا، لہٰذا رجم کی سزا احادیث متواترہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

(الفقہ علی المذاہب الاربعہ: کتاب الحدود: جلد ۵: ص ۶۰)

شعبی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن ایک عورت کو رجم (سنگسار) کیا تو کہا: میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے رجم کیا ہے۔ (بخاری: ۶۸۱۲: کتاب الحدود: باب ۲۱)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے حکم لے لو، اللہ تعالیٰ نے زنا کرنے والیوں کی سزا کی راہ بیان فرما دی، اگر کنواری کنوارے کے ساتھ زنا کرے تو ان کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لئے شہر بدر کر دو اور اگر شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو ان کو سو کوڑے مارو اور سنگسار کر دو۔

(مسلم: ۱۶۹۰: کتاب الحدود: باب ۳)

سورۂ ''النور'' کی دوسری آیت میں غیر شادی شدہ مرد یا عورت کو سو کوڑے مارنے کی سزا مذکور ہے اور اس حدیث میں کوڑوں کے ساتھ ایک سال تک جلا وطن کرنے کا اضافہ ہے مگر احناف کے نزدیک ایک سال کے لئے جلا وطن کرنا حد میں داخل نہیں کیونکہ یہ تعزیری سزا ہے۔ اگر قاضی مناسب سمجھے تو کوڑوں کے ساتھ ایک سال جلا وطنی کی سزا بھی دے سکتا ہے۔ اسی طرح اس حدیث میں شادی شدہ مرد یا عورت کو سنگسار کرنے سے پہلے سو کوڑوں کی سزا کا ذکر ہے مگر دوسری احادیث اور نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین ﷡ کے تعامل سے یہ ثابت ہے کہ یہ دونوں سزائیں جمع نہیں ہوں گی۔ اسی لئے علامہ سرخسی لکھتے ہیں کہ زنا کرنے والے شادی شدہ مرد یا عورت کو صرف رجم کیا جائے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ماعز اور غامدیہ کو صرف رجم کیا اور ان کو کوڑے نہیں مارے۔ (المبسوط: کتاب الحدود: جزء ۹: ص ۴۶)

رجم کی سزا میں جب مجرم مرجائے تو اس کی نعش کی توہین اور تذلیل نہیں کی جائے گی، بلکہ عام مسلمانوں کی طرح اسے غسل دیا جائے گا، اسے کفن پہنایا جائے گا اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کو عزت کے ساتھ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ (تفسیر کبیر)

حضرت بریدہ ﷛ روایت کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے حکم سے ماعز بن مالک کو رجم کر دیا گیا تو آپ نے فرمایا: ماعز بن مالک کے حق میں دعائے مغفرت کرو۔ بے شک اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس توبہ کو ایک امت پر تقسیم کر دیا جائے تو سب کے لئے کافی ہو۔ (مسلم: ۱۶۹۵: کتاب الحدود: باب ۵)

حضرت ابوہریرہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ ماعز کی سنگساری کے بعد نبی کریم ﷺ نے دو آدمیوں کو ماعز کی برائی بیان کرتے سنا۔ چند قدم آگے جا کر ایک گدھے کی لاش پڑی نظر آئی۔ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں آدمیوں کو فرمایا: تم دونوں اس گدھے کے گوشت سے کچھ کھاؤ۔ انہوں نے عرض کیا: یا نبی اللہ! اسے کون کھا سکتا ہے، آپ نے فرمایا: اپنے بھائی کی آبرو سے جو کچھ تم ابھی کھا رہے تھے وہ اسے کھانے سے بدتر چیز تھی۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! بے شک ماعز اس وقت جنت کی نہروں میں تیر رہا ہے۔ (ابو داؤد: ۴۴۲۸: کتاب الحدود)

کافر پر حد نہیں ہے

جمہور فقہاء کے نزدیک زنا کی حد جاری کرنے کے لئے زانی یا زانیہ کا مسلمان ہونا شرط ہے۔ شادی شدہ کافر پر فقہاء حنفیہ کے نزدیک حد جاری نہیں ہوتی، البتہ اس کو کوڑے لگائے جاتے ہیں، فقہاء شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک زنا اور شراب خوری کی کافر پر کوئی حد نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اس نے حقوق الٰہیہ کا التزام نہیں کیا اور فقہاء مالکیہ کے نزدیک اگر کافر نے کافرہ کے ساتھ زنا کیا تو اس پر حد نہیں ہے، البتہ اس کو ادب سکھانے کے لئے سزا دی جائے گی۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ: جلد ۶: ص ۳۷)

حاکم وقت ہی حدود قائم کر سکتا ہے

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ حاکم وقت کی اجازت کے بغیر حدود قائم نہیں کی جائیں گی کیونکہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ

رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا

اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملہ میں ان دونوں پر رحم نہیں آنا چاہیے [۳] اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر

میں آپ کی اجازت کے بغیر حد قائم نہیں کی جاتی تھی اور خلفائے راشدین ﷺ کے زمانہ میں بھی ان کی اجازت کے بغیر حدود قائم نہیں کی جاتی تھیں کیونکہ حد اللہ تعالیٰ کا حق ہے جس میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے اور اس کو قائم کرنے میں تعصب اور زیادتی کا امکان بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا حاکم وقت کی اجازت کے بغیر حد قائم کرنا جائز نہیں۔

(الفقه الاسلامی و ادلته: جلد ۶: ص ۵۸)

دار الحرب میں حدود نہیں ہیں

حدود کو مسلمان حکمران مسلمان ممالک میں جاری کر سکتے ہیں۔ دار الکفر اور دار الحرب میں حدود نہیں ہیں کیونکہ قاضیٔ اسلام کو وہاں حد جاری کرنے کا اختیار نہیں ہے جیسا کہ عبدالرحمٰن الجزیری لکھتے ہیں: اس بات پر ائمہ کا اتفاق ہے کہ حالت جنگ میں اور دار الحرب میں حدود قائم نہیں کی جائیں گی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ نے حالت جنگ میں ابو محجن ثقفی ﷺ پر شراب کی حد نہیں لگائی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے دشمن کی زمین میں حد قائم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (الفقه علی المذاهب الاربعة: کتاب الحدود: جلد ۵: ص ۴۷_۴۶)

[۳] جرائم کی حقیقت اور ان کی سزا کو اللہ تعالیٰ ہم سے بہتر جانتا ہے اور اس کا کوئی حکم سخت ہو یا نرم وہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا، لہٰذا جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کے احکام اور حدود کو جاری کرنے میں کمی بیشی نہ کریں کیونکہ حد سے کم سزا دینے سے سزا کا اثر ختم ہو جاتا ہے اور حد سے زیادہ سزا دینا ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اس آیت کی تفسیر میں علامہ فخر الدین رازی بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ایسے حاکم کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا، جس نے حد میں ایک کوڑے کی کمی کی ہوگی۔ اس سے پوچھا جائے گا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ وہ کہے گا: تیرے بندوں پر رحم کرنے کے لئے۔ اسے کہا جائے گا: کیا تو مجھ سے زیادہ ان پر رحم کرنے والا ہے؟ پس اسے جہنم میں پھینک دینے کا حکم دیا جائے۔ پھر ایسے حاکم کو بارگاہ الٰہی میں پیش کیا جائے گا جس نے مقررہ حد سے ایک کوڑا زیادہ مارا ہوگا، اس سے اس کی وجہ پوچھی جائے گی، وہ کہے گا: اس لئے تاکہ وہ تیری نافرمانی سے باز آجائیں، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو مجھ سے زیادہ حکم کرنے والا ہے؟ پھر اسے بھی آگ میں پھینکے جانے کا حکم ہوگا۔ (تفسیر کبیر)

نبی کریم ﷺ نے حدود جاری کرنے میں کسی امتیاز اور رعایت کی اجازت نہیں دی۔ مثال کے طور پر بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی۔ صحابہ کرام ﷺ کے کہنے پر حضرت اسامہ بن زید ﷺ نے اس کی سفارش کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدود کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟ بے شک تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ ان میں جب کوئی امیر چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ یعنی میری بیٹی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ (بخاری: کتاب الانبیاء: باب ۵۴) اگر کوئی مسلمان

طَآىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
ایمان رکھتے ہو اور ان دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہونی چاہیے۔[۴]

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّ الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
۳۔ زانی مرد صرف زانیہ یا مشرکہ سے نکاح کرتا ہے اور اسی طرح زانیہ سے بھی زانی یا مشرک کے سوا کوئی نکاح نہیں کرتا اور اہل ایمان پر یہ حرام کر دیا گیا ہے۔[۵]

قرآن وحدیث کی مقرر کردہ سزاؤں کو وحشیانہ سزائیں کہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ العیاذ باللہ وہ خدا اور رسول کو وحشی کہہ رہا ہے، لہٰذا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

[۴] سزا کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ مجرم کو اپنے کیے کی سزا ملے اور دوسرے لوگ اس کی ذلت کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں تاکہ کسی کے ذہن میں اگر جرم کرنے کا ارادہ ہو تو اس کی حوصلہ شکنی ہو۔ اسی لئے اسلام حکم دیتا ہے کہ لوگوں کے سامنے مجرم پر حد جاری کی جائے۔

بدقسمتی سے آج کل برسرعام سزا کو انسانی حقوق کے خلاف سمجھا جاتا ہے اور جن کے حقوق کو ان مجرموں نے برسرعام تلف کیا ہے ان کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا۔ مثال کے طور پر بھرے بازار میں ایک نوجوان کو چاقو کے ساتھ ذبح کر کے چند مجرم بھاگ جائیں اور مقتول لوگوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے، اس کی بیوی بیوہ اور بچے یتیم ہو جائیں۔ ان مجرموں نے صرف مقتول کے انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ اس کے بیوی بچوں کے حقوق بھی غصب کئے ہیں۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ ان مجرموں نے جو انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی ہے انہیں قرار واقعی سزا دی جائے اور ان کے ساتھ کسی قسم کی نرمی روا نہ رکھی جائے اور ان کو اسی بازار میں لوگوں کے سامنے پھانسی پر لٹکا دیا جائے مگر ہوتا یہ ہے کہ قاتلوں کو چند سال جیل میں رکھ کر پھر آزاد کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ مزید خطرات کا باعث بن سکیں۔ میرے خیال میں اس طرح انصاف کی مخالفت اور مجرم کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور اسی لئے قتل کی واردات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ لوگوں پر رحم کرنا بہت ہی اچھا کام ہے مگر مجرموں پر رحم کرنے کا نتیجہ پرامن لوگوں پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔

[۵] عام مشاہدہ یہ ہے کہ زانی اپنے خبیث ذوق کے مطابق کسی زانیہ یا مشرکہ سے نکاح کرتا ہے اور اسی طرح زانیہ سے بھی کوئی زانی اور مشرک ہی نکاح کرتا ہے کیونکہ مذہبی اور پاک دامن مرد یا عورتیں، نہ تو زنا کو پسند کرتے ہیں اور نہ ہی شرک کو، اسی لئے اہل ایمان پر ان خبیث لوگوں سے نکاح حرام کیا گیا تھا۔ بعد میں مسلمان زانی اور زانیہ کے ساتھ تو نکاح کی اجازت دے دی گئی لیکن مشرک اور مشرکہ کے ساتھ نکاح کی حرمت باقی رہی۔ (تفسیر روح المعانی) لیکن اگر وہ نکاح کے بعد بھی زنا کا عمل جاری رکھیں تو یہ نکاح اگرچہ درست ہے مگر زنا کا عمل گناہ کبیرہ اور حرام ہے، جتنا جلد ہو سکے اس سے توبہ کی جائے اور جب زانی اور مشرک مرد یا عورتیں اپنے زنا اور شرک سے توبہ کر لیں تو ان سے نکاح کرنے میں کوئی ممانعت نہیں ہے

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۟ۙ

۴۔ اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو تم انہیں ۸۰ کوڑے لگاؤ اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرنا اور یہی لوگ فاسق ہیں۔[۶]

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

۵۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس (تہمت لگانے) کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی، بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے۔[۷]

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

۶۔ اور جو لوگ اپنی بیویوں پر (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہوں تو ایسے شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک وہ سچوں میں سے ہے۔[۸]

کیونکہ توبہ کرنے والوں کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

[۶] جو شخص کسی پاک دامن عورت یا پاک دامن مرد پر زنا کی تہمت لگائے اور اس کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اسے ۸۰ کوڑے لگائے جائیں، اس کو حد قذف کہتے ہیں۔ نیز اس کی گواہی قبول نہ کی جائے اور اسے فاسق قرار دیا جائے۔

خیال رہے کہ اگر تین آدمی کہیں کہ ہم نے فلاں مرد یا عورت کو زنا کرتے دیکھا تو بھی انہیں تہمت لگانے کی سزا دی جائے گی کیونکہ چار گواہ نہیں ہیں اور اگر دو ہزار آدمی بھی کہیں کہ فلاں نے زنا کیا مگر چشم دید گواہ نہ ہوں تو سب کو سزا دی جائے گی۔ (تفسیر نور العرفان)

[۷] جو شخص تہمت لگانے کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو اس کی ۸۰ کوڑوں کی سزا معاف نہیں ہوگی، البتہ اس کے فسق کی وجہ سے جو عذاب اسے روز قیامت دیا جانے والا تھا وہ معاف کر دیا جائے گا، لیکن توبہ کے بعد کیا اس کی گواہی قبول ہوگی یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک توبہ کے بعد بھی اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

[۸] آیت نمبر ۴ کے مطابق جو شخص کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور اس کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اسے ۸۰ کوڑے لگائے جائیں، اس کو حد قذف کہتے ہیں، لیکن اگر خاوند اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد قذف

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞

۷۔ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو۔

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞

۸۔ اور اس عورت سے سزا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے۔

وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞

۹۔ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اگر اس کا خاوند سچوں میں سے ہو۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۞

۱۰۔ اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تم بڑی مصیبت میں پڑ جاتے) اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا بڑی حکمت والا ہے۔ [۹]

جاری نہیں ہوگی کیونکہ ایک عام آدمی کے لئے ممکن ہے کہ جب چار گواہ میسر نہ ہوں تو وہ زنا کا الزام لگانے سے خاموش رہے لیکن خاوند جب اپنی آنکھوں سے اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو زنا کرتے دیکھ لے تو اس کے لئے یہ معاملہ بڑا سنگین ہے، اگر وہ گواہوں کو تلاش کرنے جائے گا تو اتنے میں وہ مرد اپنا کام کر کے بھاگ جائے گا۔ اب اگر وہ اپنی بیوی پر تنہا زنا کا الزام لگاتا ہے تو چار گواہ نہ ہونے کی صورت میں اسے ۸۰ کوڑے لگیں گے اور اگر الزام نہیں لگاتا تو ساری عمر اس زانیہ کے ساتھ کیسے گزار سکتا ہے، اس لئے اسلام نے ان چار آیات میں میاں بیوی کے لئے قذف کے بجائے لعان کی سزا تجویز کی ہے یعنی خاوند چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہے کہ میری بیوی نے فلاں مرد کے ساتھ زنا کیا ہے اور میں اپنی اس تہمت میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر وہ اس تہمت لگانے میں جھوٹا ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، پھر بیوی چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ مجھ پر تہمت لگانے میں جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ مجھ پر تہمت لگانے میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو۔ اس طرح خاوند قذف کی سزا سے اور بیوی زنا کی سزا سے بچ جائیں گے۔ اس ساری کارروائی کو لعان کہا جاتا ہے، اس کے بعد قاضی میاں بیوی کے درمیان تفریق کا اعلان کر دے گا اور پھر وہ کبھی بھی آپس میں دوبارہ شادی نہیں کر سکیں گے۔

[۹] یعنی اگر میاں بیوی پر حد قذف لگائی جاتی تو ان کی زندگیاں اجیرن بن جاتیں، لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے جو اس نے میاں بیوی کے لئے لعان کا حکم جاری فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ

۱۱۔ بے شک جن لوگوں نے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر) تہمت لگائی [۱۰] وہ تم ہی میں سے ایک گروہ

[۱۰] افک سے مراد وہ واقعہ ہے جس میں منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی اور بات کا بتنگڑ بنا کر اس طرح پروپیگنڈا کیا کہ بعض سادہ لوح مسلمان بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ اس سے نبی کریم ﷺ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور مسلمانوں کو بہت تکلیف پہنچی، لہٰذا ایک دن نبی کریم ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر اپنی بیوی کی براءت اس طرح بیان فرمائی: ''بخدا! میں اپنی اہلیہ کے بارے میں سوائے خیر کے اور کچھ نہیں جانتا۔'' (بخاری: ۴۷۵۰، مسلم: ۲۷۷۰)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دس آیات نازل فرما کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کا اعلان کر دیا اور الزام لگانے والے جب چار گواہ پیش نہ کر سکے تو انہیں حد قذف یعنی اسی اسی کوڑے مارے گئے۔

(ترمذی: سورۃ النور، زیر آیت نمبر ۱۱)

مسلم اور بخاری میں اس واقعہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود بیان کرتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ کسی سفر پر جانے کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے، جس کے نام کا قرعہ نکلتا اس کو اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حسب معمول جب ایک غزوہ (غزوہ بنی مصطلق) کے لئے قرعہ اندازی فرمائی تو میرا نام نکل آیا، چنانچہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ گئی۔ مجھے ہودج میں بٹھا دیا جاتا اور جب لشکر روانہ ہوتا تو میرا ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا جاتا اور جہاں قیام کیا جاتا وہاں میرا ہودج اتار دیا جاتا۔ جب رسول اللہ ﷺ اس غزوہ سے واپس لوٹے، راستے میں رات بسر کی اور رات کے آخری حصہ میں جب اعلان ہوا کہ اٹھو، رفع حاجت کرو، سامان باندھو اور روانگی کے لئے تیار ہو جاؤ تو میں قضائے حاجت کے لئے باہر گئی، جب میں واپس آئی تو دیکھا کہ میرے گلے کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا، میں ہار کی تلاش میں باہر گئی، ہار تو مجھے مل گیا لیکن جب میں واپس آئی تو لشکر وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔ جو لوگ میرے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھتے تھے انہوں نے ہودج کو اٹھا کر میرے اونٹ پر رکھ دیا۔ ان کا یہ گمان تھا کہ میں ہودج میں بیٹھی ہوئی ہوں۔ اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں کیونکہ وہ بہت تھوڑا کھاتی تھیں اس لئے ہودج میں میرے نہ ہونے کا انہیں احساس نہ ہوا۔ جب میں واپس آئی تو وہاں کوئی بھی نہ تھا، میں وہیں بیٹھ گئی۔ میرا گمان یہ تھا کہ جب وہ مجھے نہیں پائیں گے تو میری تلاش میں یہاں آئیں گے۔ میں اس جگہ بیٹھی ہوئی تھی حتیٰ کہ مجھ پر نیند غالب آ گئی اور میں سو گئی۔ حضرت صفوان بن معطل ؓ کی یہ ڈیوٹی تھی کہ وہ لشکر کے پیچھے پیچھے رہیں اور لشکر کا گرا پڑا سامان اٹھا لائیں۔ جب انہوں نے مجھے سوئے ہوئے دیکھا تو انتہائی افسوس کے ساتھ ان کی زبان سے نکلا ''انا للہ وانا الیہ راجعون''۔ ان کی آواز سے میں بیدار ہو گئی، میں نے اپنی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہ کی اور اپنی اونٹنی میرے قریب لا کر بٹھا دی، میں اس پر سوار ہو گئی اور وہ اونٹنی کی نکیل پکڑے ہوئے آگے آگے چلنے لگے حتیٰ کہ جب ہم لشکر کو پیچھے سے آ ملے تو منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے ہمیں دیکھ کر ہم پر تہمت لگا دی

اور مدینہ پہنچ کر اس پروپیگنڈا کو خوب ہوا دی۔ اس پروپیگنڈا کو ختم کرنے کے لئے ایک دن نبی کریم ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لائے اور منبر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا: اے مسلمانو! اس شخص کے خلاف میری کون مدد کرے گا جس کی اذیت رسانی میرے گھر تک پہنچ گئی ہے۔ بخدا! میں اپنی اہلیہ کے بارے میں سوائے خیر کے اور کچھ نہیں جانتا اور جس شخص کا انہوں نے ذکر کیا ہے اس کے متعلق بھی میں خیر کے بغیر اور کچھ نہیں جانتا۔ اس پر سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا: میں حاضر ہوں، اگر وہ شخص قبیلہ اوس سے ہے تو ہم اس کی گردن اڑا دیں گے اور اگر بنی خزرج سے ہے تو آپ ﷺ ہمیں حکم دیں تو تعمیل ارشاد کی جائے گی۔۔۔ پھر جب سورہ النور کی دس آیات (۱۱ تا ۲۰) نازل ہوئیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے تم کو بری کر دیا ہے۔

(بخاری: ۴۷۵۰: کتاب تفسیر القرآن: سورہ النور، مسلم: ۲۷۷۰: کتاب التوبۃ: باب ۱۰)

اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ایسا الزام لگا ہے تو حضرت مریم علیہا السلام پر بھی ایسا الزام لگا تھا۔ اہل تحقیق لکھتے ہیں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے بچے کے ذریعہ ان کی براءت بیان فرمائی، جب حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو ابھی چند دنوں کے بچے تھے کے ذریعہ ان کی براءت بیان فرمائی لیکن جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دس آیات نازل فرما کر ان کی براءت کا اعلان فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی براءت کے لئے اللہ تعالیٰ نے کسی بچے یا نبی کا انتخاب نہیں فرمایا بلکہ اپنی زبان قدرت سے ان کی براءت فرمائی۔ (تفسیر قرطبی: سورہ النور: زیر آیت نمبر ۲۶) ان آیات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی براءت کے ساتھ ساتھ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کی براءت از خود ثابت ہو جاتی ہے۔ ان دونوں مقدس ہستیوں کی پاکدامنی کی گواہی خود قرآن مجید نے مہیا کر دی ہے جس سے بڑی کوئی اور گواہی ممکن ہی نہیں ہے، لہٰذا ان کی پاکدامنی میں شک کرنا قرآن مجید میں شک کرنے کے مترادف ہوگا۔

نبی کریم ﷺ نے مسجد کے منبر پر کھڑے ہو کر اپنی اہلیہ کی براءت کو حلف اٹھا کر بیان کیا اور مفتری سے انتقام لینے کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر الزام لگانے والوں کے جھوٹے ہونے کا یقین تھا ورنہ آپ ﷺ حلف نہ اٹھاتے اور نہ ہی مفتری کو سزا دینے کا حکم دیتے، جیسا کہ امام رازی لکھتے ہیں: تہمت کے اس واقعہ سے پہلے نبی کریم ﷺ اور جملہ مسلمانوں کو معلوم تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فحش کاموں کے اسباب و محرکات سے بہت دور اور بالکل محفوظ تھیں اور نبی کریم ﷺ کی بیوی ہونا ہی اس کا کافی ثبوت تھا کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کفار کو دین حق کی دعوت دینے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اس لئے واجب ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام میں کوئی ایسا عیب نہ ہو جو لوگوں کو ان سے متنفر کرے اور جس شخص کی بیوی بدکار ہو اس سے لوگ بہت زیادہ نفرت کرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر: سورہ النور: زیر آیت نمبر ۱۱)

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت کی اس مشکل ترین گھڑی میں ان کی پاکدامنی اور عفت کی تصدیق کی، جیسا کہ علامہ نسفی لکھتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے منافقین کے جھوٹ کا یقین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات سے محفوظ رکھا ہے کہ آپ کے جسم پر مکھی بیٹھے کیونکہ مکھی نجاست پر بیٹھ کر نجاست سے آلودہ ہوتی ہے تو جب اللہ تعالیٰ نے اتنی معمولی نجاست والی چیز کے مس سے آپ کو محفوظ رکھا ہے تو کسی فاحشہ عورت کا آپ کی بیوی بننا کیسے پسند فرماتا؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے سائے کو زمین پر پڑنے سے محفوظ رکھا ہے تاکہ کسی انسان کا اس سائے پر قدم نہ پڑے تو جب کسی شخص کے لئے آپ کے سائے پر قدم رکھنا ممکن نہیں ہے تو کسی شخص کے لئے آپ کی زوجہ کی عزت کو پامال کرنا کس طرح ممکن ہوگا؟ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو بھیج کر آپ کو یہ خبر دی کہ آپ کے نعلین کے ساتھ ناپاکی لگ گئی ہے، لہٰذا آپ اپنے پاؤں سے اس نعلین کو اتار دیں تو اگر بالفرض آپ کی زوجہ فاحشہ ہوتیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو ان سے الگ ہونے کا حکم ضرور دیتا۔

(مدارک التنزیل: جلد ۳: ص ۲۰۱: سورۃ النور: زیر آیت نمبر ۱۲)

علامہ رازی لکھتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے پوچھا: کیا آپ کو علم ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہا جارہا ہے؟ ان کی بیوی نے کہا: اگر تم حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کی جگہ ہوتے تو کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم محترم کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کر سکتے تھے؟ انہوں نے کہا: ہرگز نہیں، تو ان کی بیوی نے کہا: اگر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جگہ ہوتی تو کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیانت کا ارادہ نہ کرتی، حالانکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مجھ سے افضل ہیں اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ تم سے افضل ہیں تو ان کے متعلق اس برائی کا تصور کیسے ہوسکتا ہے۔ (تفسیر کبیر: سورہ النور: زیر آیت نمبر ۱۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کی یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ لشکر کے پیچھے رہے اور اگر کسی کا کوئی سامان گرا پڑا ہو تو اسے اٹھا کر اس کے مالک تک پہنچادے۔ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کی امانتوں کا امین بنایا وہ اپنے ہادی و مرشد اور کمانڈر انچیف کی امانت کے ساتھ کیسے خیانت کرسکتا ہے۔

ابن زید بیان کرتے ہیں کہ جب مومن اپنی ماں سے بدکاری نہیں کرتا اور نہ ماں اپنے بیٹے سے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سارے مومنوں کی ماں ہیں۔ (تفسیر کبیر: سورہ النور: زیر آیت نمبر ۱۲) لہٰذا ان کے بارے میں ایسا سوچنا بھی گناہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا۔ (بحر محیط: جلد ۱۰: ص ۲۱۵: سورہ التحریم: زیر آیت نمبر ۱۰) بیوی کا بدکاری کرنا ایسا عیب ہے جس سے کفار بھی نفرت کرتے ہیں اور یہ ایک فطری امر ہے کہ کوئی بھی اپنی بیوی کی بدکاری کو پسند نہیں کرتا، لہٰذا حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویاں اگرچہ کافرہ تھیں مگر وہ بھی اس اخلاقی جرم میں ملوث نہیں تھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کی بیویوں کو انبیائے کرام کی زندگی میں بھی اور ان کی وفات

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱﴾

ہے، [۱۱] تم اس (تہمت) کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے، [۱۲] ان میں سے ہر شخص کے لئے اتنا ہی گناہ ہے جتنا اس نے کمایا اور ان میں سے جس نے سب سے زیادہ حصہ لیا اس کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔ [۱۳]

لَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ جب تم نے اس (تہمت) کو سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنوں کے بارے میں نیک گمان کیوں نہ کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح بہتان ہے۔ [۱۴]

کے بعد بھی زنا سے محفوظ رکھا ہے۔ (تفسیر روح المعانی: سورہ النور: زیر آیت نمبر ۱۷) جب کسی نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری نہیں کی تو پھر امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکدامنی کیسے داغدار ہو سکتی ہے۔

[۱۱] اس تہمت کا بانی اگرچہ منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی تھا اور گروہ منافقین نے ہی اس میں بنیادی کردار ادا کیا مگر چونکہ وہ اسلام کا اظہار کرتے تھے اور ان کا شمار مسلمانوں میں ہوتا تھا اس لئے قرآن نے کہا کہ وہ تم ہی میں سے ایک گروہ ہے۔ اگرچہ چند سادہ لوح مسلمان بھی ان کے فریب میں آ گئے تھے جن میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ، حضرت مسطح رضی اللہ عنہ اور حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا بھی شامل تھے مگر نزول آیات کے بعد انہوں نے توبہ کر لی۔

[۱۲] اس تہمت سے مسلمانوں کو بالعموم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے خاندانوں کو بالخصوص بڑی تکلیف پہنچی، اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں تسلی دی کہ گو یہ تہمت بظاہر بڑی تکلیف دہ ہے لیکن حقیقت میں یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ ایک تو اس تکلیف پر صبر کرنے کا تمہیں اجر عظیم ملے گا اور دوسرا اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل فرمائی جو قیامت تک تلاوت کی جاتی رہے گی۔

[۱۳] اس تہمت میں سب سے بڑا اور کلیدی کردار چونکہ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کا ہے اس لئے قیامت کے دن اس کے لئے بہت بڑا عذاب ہوگا۔

[۱۴] جب تک کسی کے متعلق واضح ثبوت نہ مل جائے تو مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کے متعلق نیک گمان رکھنا چاہیے اور بے بنیاد تہمت لگانے والوں کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے انہیں کہنا چاہیے کہ یہ واضح بہتان ہے، بالخصوص جن لوگوں نے ہم سب

لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ وہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے، پس جب وہ گواہ نہیں لا سکے تو وہی لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔[۱۵]

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس تہمت میں تم پڑ گئے تھے اس کی وجہ سے تم پر سخت عذاب آجاتا۔[۱۶]

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ جب تم اس تہمت کو اپنی زبانوں سے نقل کرتے رہے اور اپنے مونہوں سے ایسی بات کہتے رہے جس کا تمہیں علم نہیں تھا اور اس کو معمولی بات سمجھتے رہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بہت بڑی بات تھی۔[۱۷]

وَ لَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور جب تم نے اس تہمت کو سنا تو تم نے یہ کیوں نہ کہا کہ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم ایسی بات کریں، (اے اللہ!) تو پاک ہے، یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔[۱۸]

مومنوں کی قابل صد احترام ماں رضی اللہ عنہا اور ہمارے پیارے نبی ﷺ کی محبوب بیوی رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو فوراً ان ظالموں کی تکذیب ہونی چاہیے تھی۔

[۱۵] اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی پر تہمت لگائے اور چار گواہ پیش نہ کر سکے وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق جھوٹا قرار پاتا ہے، لہٰذا جن لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی وہ جھوٹے ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دامن اس تہمت سے پاک ہے۔

[۱۶] یعنی جس بہتان طرازی کا تم شکار ہو گئے تھے اس کی وجہ سے تم پر سخت عذاب آ سکتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے تم پر فضل و کرم فرمایا اور تمہیں توبہ کی توفیق عطا کر کے آخرت کے سخت عذاب سے بچالیا۔

[۱۷] تم ایک سنی سنائی تہمت کو بغیر کسی تحقیق کے آگے پھیلا رہے تھے اور اس پروپیگنڈا کو معمولی خیال کر رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بہت بڑا گناہ تھا کیونکہ اس سے نہ صرف یہ کہ ایک پاکدامن خاتون اور ایک پاکباز مرد کو تہمت کا نشانہ بنایا جا رہا تھا بلکہ نبی کریم ﷺ کے دل کو رنجیدہ اور ان کے مشن کو داغدار کیا جا رہا تھا۔

[۱۸] یعنی نبی کریم ﷺ کی زوجہ پاک کا معاملہ عام بیویوں کی طرح نہیں ہے، لہٰذا تمہیں منافقوں کی اس تہمت کو سنتے ہی کہہ دینا

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ دوبارہ ایسی بات کبھی نہ کرنا اگر تم مومن ہو۔ [۱۹]

وَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیتوں کو واضح طور پر بیان کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ بے شک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی کی بات پھیلے، ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے، اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ [۲۰]

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع

۲۰۔ اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑا شفیق بڑا مہربان ہے (تو تم پر عذاب آجاتا)۔ [۲۱]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ

۲۱۔ اے ایمان والو! شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، اور جو شیطان کے نقش قدم پر چلتا ہے تو وہ بے شک بے حیائی

چاہیے تھا کہ یہ بہت بڑا بہتان ہے۔

[۱۹] اللہ تعالیٰ کے حکم کا تقاضا یہ ہے کہ اہل ایمان ہر وقت ہشیار اور محتاط رہیں اور آئندہ بغیر ثبوت کے کسی پر تہمت لگانے کی سازش میں شریک نہ ہوں۔

[۲۰] جن لوگوں نے بغیر کسی ثبوت کے اس تہمت کو پھیلانے میں حصہ لیا دنیا میں انہیں حد قذف کے طور پر کوڑے مارے گئے اور ان میں سے جن لوگوں نے توبہ نہیں کی انہیں آخرت میں جہنم کے عذاب سے بھی واسطہ پڑے گا۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ ریڈیو، ٹی وی، اخبارات، رسالوں اور گانوں وغیرہ کے ذریعہ بے حیائی پھیلاتے ہیں وہ بھی دنیا و آخرت میں عذاب الٰہی کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

[۲۱] اس کی تفسیر کے لئے حاشیہ نمبر ۱۶ ملاحظہ کریں۔

يَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

اور برائی کا حکم دیتا ہے، اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی شخص بھی کبھی پاک نہ ہوسکتا لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے پاک فرما دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ [۲۲]

وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اور تم میں سے جو لوگ برگزیدہ اور خوشحال ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے بلکہ انہیں چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کریں، کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے، اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ [۲۳]

[۲۲] اے ایمان والو! شیطان کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ بے حیائی اور برائی کو ایسے خوبصورت انداز میں بیان کرتا ہے کہ تمہیں اس کے انجام اور نقصان کا احساس تک نہیں ہوتا اور تم اس کے پیچھے چل پڑتے ہو۔ مثال کے طور پر اس نے تہمت کے واقعہ کو اس قدر بڑھا چڑھا کر پیش کیا کہ تم میں سے کئی سادہ لوح مسلمان اس کی ترغیب میں آگئے اور اگر اللہ تعالیٰ ان پر فضل وکرم نہ فرماتا اور انہیں توبہ کی توفیق دے کر پاک نہ فرماتا تو وہ ہمیشہ گناہ گار رہتے۔

[۲۳] حضرت مسطح ؓ غریب مہاجر اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے عزیز تھے۔ حضرت ابوبکر ؓ ان کی مالی کفالت کرتے تھے لیکن جب حضرت مسطح ؓ تہمت لگانے میں ملوث ہوئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل ہوگئی تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو بہت دکھ ہوا اور انہوں نے غصہ میں آکر قسم اٹھالی کہ وہ آئندہ حضرت مسطح ؓ کی مالی مدد نہیں کریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہر انسان سے غلطی ہوسکتی ہے اور جو اپنے بھائی کی غلطی کو معاف کردے اللہ تعالیٰ اس کی غلطیوں کو معاف فرما دے گا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کر کے حسب سابق حضرت مسطح ؓ کی مالی کفالت شروع کردی۔

مسئلہ: امام ابوبکر جصاص لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم اٹھالے پھر کوئی دوسری چیز اس سے بہتر نظر آئے تو اسے چاہیے کہ وہ کام کرے جو زیادہ بہتر ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی شخص کوئی کام کرنے کی قسم اٹھالے پھر اس سے کوئی بہتر کام معلوم ہو تو وہ بہتر کام کرے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کردے۔ (احکام القرآن: ابوبکر جصاص)

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ بے شک جو لوگ پاک دامن (برائی کے تصور سے بھی) بے خبر، مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔[۲۴]

يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَيْدِيهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان اعمال کی گواہی دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے۔[۲۵]

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيهِمُ اللّٰهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اس دن اللہ تعالیٰ حق و انصاف کے ساتھ ان کو پورا پورا بدلہ دے گا اور وہ جان لیں گے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی حق ہے (اور حق کو) ظاہر کرنے والا ہے۔

اَلْخَبِيثٰتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۖ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۲۶﴾ ع

۲۶۔ ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لئے ہیں اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے ہیں، وہ (پاک لوگ ان تہمتوں سے) بری ہیں جو (ناپاک لوگ ان پر) لگاتے ہیں،[۲۶] ان کے لئے بخشش ہے اور عزت والی روزی ہے۔

---

[۲۴] جو لوگ، پاک دامن اور برائی کے تصور سے بھی ناآشنا مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں لعنت کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

[۲۵] آج جو لوگ چرب زبانی اور غلط بیانی سے دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں وہ اس دن کو یاد رکھیں جب ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے، وہ ان کی کسی برائی کو ہرگز نہیں چھپائیں گے اور اللہ تعالیٰ حق و انصاف کے ساتھ ان کو پورا پورا بدلہ دے گا کسی کے ساتھ ظلم اور زیادتی نہیں ہوگی۔

آگے سورہ یٰسین میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے۔ (قرآن: ۳۶:۶۵) اور یہاں فرمایا کہ ان کی زبانیں گواہی دیں گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مہر لگانے کے بعد وہ اپنے منہ سے اپنی مرضی کی بات نہیں کر سکیں گے بلکہ ان کی زبانیں خود اپنی داستانیں بیان کریں گی کہ انہوں نے ہمارے ذریعہ کون سے جھوٹ بولے تھے۔

[۲۶] عام طور پر مشاہدہ یہی ہے کہ ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کو اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کو پسند کرتے ہیں اور ناپاک

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں کو سلام نہ کرلو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔[۲۷]

باتوں اور ناپاک حرکتوں میں اپنی زندگی ضائع کردیتے ہیں جب کہ پاک عورتیں پاک مردوں کو اور پاک مرد پاک عورتوں کو پسند کرتے ہیں اور پاک باتوں اور پاک کاموں میں اپنی زندگی گزارتے ہیں، لہٰذا پاک لوگ ان تہمتوں سے پاک ہیں جو ناپاک لوگ ان پر لگاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پاک ہیں کیونکہ وہ تمام مخلوق سے افضل ترین ہستی حضرت محمد ﷺ کی بیوی ہیں۔ اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پاک دامن نہ ہوتیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے رسول اعظم ﷺ کی زوجیت کے لئے منتخب نہ فرماتا۔ (صفوۃ التفاسیر)

[۲۷] انصار ﷺ کی ایک خاتون نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! بسا اوقات میں گھر میں ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ کوئی مجھے اس حالت میں دیکھے خواہ میرا والد ہو یا میرا بیٹا مگر ہمارے گھر کے مرد حضرات اکثر ایسی حالت میں اچانک آجاتے ہیں تو میں کیا کروں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن جریر طبری)

انسان جب اپنے گھر سے باہر ہو یا کسی دوسرے کے گھر میں ہو تو معاشرتی آداب کا پابند رہتا ہے۔ صرف اپنا گھر ہی وہ جنت ہے جہاں وہ بے تکلف زندگی گزار سکتا ہے۔ اگر یہاں بھی ہر شخص کسی بھی وقت بغیر اجازت کے آسکے تو اہل خانہ کی آزادی سلب ہوجاتی ہے بالخصوص جب عورت یا مرد گھر میں تنہا ہو اور وہ نہانے یا کپڑے بدلنے میں مصروف ہو اور اچانک باہر سے کوئی مرد یا عورت آجائے تو دونوں کے لئے مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔ اس لئے اسلام نے اپنے گھر آنے اور کسی کے گھر جانے کے آداب تفصیل سے بیان کئے ہیں۔

کسی کے گھر میں جانے کے آداب

کسی کے دروازے پر پہنچنے کے بعد سب سے پہلے اہل خانہ کو سلام کرے اور پھر اپنا نام بتا کر اندر جانے کی اجازت طلب کرے کیونکہ اگر وہ یہ کہے گا ''کیا میں اندر آسکتا ہوں'' تو صرف ''میں'' کہنے سے اہل خانہ کو مکمل تعارف نہیں ہوتا بلکہ انہیں پوچھنا پڑتا ہے کہ تمہارا نام کیا ہے؟ لہٰذا اسلام کے بعد اسے نام بھی بتانا چاہیے، جیسا کہ حضرت عمر ﷺ، نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ پر سلام ہو کیا عمر اندر آسکتا ہے؟ (تفسیر قرطبی) ایک مثل مشہور ہے کہ ایک آدمی نے کسی دوست کے دروازے پر دستک دی تو اندر سے آواز آئی: یہ کون ہے؟ اس نے کہا: میں ہوں، تو گھر والے نے جواب دیا: واپس چلے جاؤ میرے دوستوں میں ایسا کوئی نہیں جس کا نام ''میں'' ہو۔

پہلے زمانے میں گھر کے صحن کے باہر دروازے بہت کم ہوتے تھے اس لئے آنے والے کی آواز گھر کے اندر تک پہنچ

فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ پھر اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو یہاں تک کہ تمہیں اجازت دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ، یہ تمہارے لئے بہت پاکیزہ ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب جاننے والا ہے۔ [۲۸]

جاتی تھی مگر آج کل دروازہ کھٹکھٹانے اور گھنٹی بجانے سے اجازت طلب کی جاسکتی ہے اور جب صاحب خانہ دروازہ کھولے تو پہلے سلام اور پھر کلام کیا جائے، اور جس گھر میں ٹیلی فون ہو وہاں جانے کے لئے تو پہلے ہی وقت طے کر لینا چاہیے۔

اجازت لینے کا حکم صرف مردوں کو ہی نہیں بلکہ عورتوں کو بھی کسی کے گھر جانے کے لئے اجازت لینی چاہیے جیسا کہ حضرت ام ایاس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم چار عورتیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس جایا کرتی تھیں، ہم پہلے سلام کرتیں، پھر اجازت طلب کرتی تھیں اور جب وہ اجازت دے دیتیں تو پھر ہم اندر جاتی تھیں۔

(تفسیر ابن ابی حاتم)

اپنے گھر میں جانے کے آداب

جس گھر میں ماں یا بہن رہائش پذیر ہو وہاں جاتے ہوئے بھی اجازت طلب کرنی چاہئے۔ (تفسیر قرطبی) جیسا کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: کیا میں اپنی ماں کے پاس جاتے وقت بھی اجازت طلب کیا کروں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں، اس نے کہا: میری ماں کا میرے علاوہ اور کوئی خادم نہیں ہے۔ کیا میں پھر بھی داخل ہونے کے لئے اجازت طلب کروں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم اپنی ماں کو برہنہ دیکھنا پسند کرو گے؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: پھر تم اس سے اجازت لے کر داخل ہو۔ (تفسیر ابن جریر طبری) احتیاط کا تقاضا تو یہ ہے کہ اپنا گھر جہاں صرف اس کی اہلیہ ہو وہاں بھی اطلاع دیئے بغیر اچانک داخل نہ ہو بلکہ کھنکارنے، تسبیح و تکبیر کہنے یا مخصوص طریقہ سے دروازہ کھٹکھٹانے یا گھنٹی بجانے سے اپنی آمد کی اطلاع کر دے۔ ہو سکتا ہے کوئی اجنبیہ عورت گھر میں اس کی بیوی سے ملنے آئی ہوئی ہو، وہاں مرد کا اچانک آ جانا مناسب نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جب بھی باہر سے گھر میں آتے تو دروازہ میں کھنکار کر اپنے آنے سے باخبر کر دیتے تھے تا کہ وہ ہمیں کسی ایسی حالت میں نہ دیکھیں جو ان کو ناپسند ہو۔ (تفسیر ابن جریر طبری) البتہ جس گھر میں انسان تنہا رہتا ہو اس میں داخل ہونے کے لئے کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

☆ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم رات کو (شہر میں) داخل ہو تو فوراً اپنے گھر والوں کے پاس نہ جاؤ تا کہ جس کا خاوند غائب تھا وہ زیر ناف بال صاف کر لے اور سر کے بکھرے ہوئے بالوں کو کنگھی کر لے۔

(بخاری: ۵۲۴۶: کتاب النکاح: باب ۱۲۲)

[۲۸] سلام کرنے اور اجازت مانگنے کے بعد اگر گھر والے اجازت دے دیں تو اندر داخل ہو جائے اور اگر واپس لوٹ جانے کو

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ البتہ تم پر ایسے گھروں میں داخل ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں جن میں کوئی مستقل رہتا نہ ہو اور ان میں تمہارے لئے فائدہ اٹھانے کا سامان ہو، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ [۲۹]

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ

۳۰۔ آپ مومن مردوں سے فرمادیں کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں [۳۰] اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں،

کہا جائے تو بغیر کسی ناراضگی کے واپس چلا جائے اور اگر تین دفعہ آواز دینے کے بعد کوئی جواب نہ آئے تو بھی واپس چلا جائے کیونکہ اس سے زیادہ اصرار کرنا اہل خانہ کے لئے تکلیف دہ اور پریشان کن ہوگا اور ہوسکتا ہے اس وقت وہ کسی ایسے کام میں مصروف ہوں جس کو وہ منقطع نہ کرسکتے ہوں۔ (تفسیر قرطبی) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس وقت گھر میں کوئی موجود نہ ہو، لہٰذا ایسے وقت میں کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اہل خانہ کی عدم موجودگی میں ان کے گھر داخل ہو۔

[۲۹] غیر آباد گھروں سے مراد مسافر خانے اور ہوٹل وغیرہ ہیں جن میں جانے اور آرام کرنے کی ہر ایک کو اجازت ہوتی ہے۔

[۳۰] یعنی جب مردوں کا غیر محرم عورتوں سے سامنا ہو تو وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے اپنے چہرے کو چھپانا فرض نہیں کیونکہ اگر عورت کا چہرہ چھپا ہوا ہو تو مرد کو نگاہیں نیچی رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

بدنظری وہ پہلا دروازہ ہے جو انسان کو برائی اور زنا کے راستے دکھاتا ہے، اس لئے اسلام نے مردوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں کیونکہ جب نگاہ کسی نامحرم کی طرف نہیں اٹھے گی تو نہ دل میں اس کی کشش پیدا ہوگی اور نہ ہی برائی کا خیال آئے گا۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: نظر دل کی طرف کھلنے والا سب سے بڑا دروازہ ہے، اسی کی وجہ سے اکثر لغزشیں ہوتی ہیں، لہٰذا بدنظری کے دروازہ کو بند کرنا ضروری ہے۔ (تفسیر قرطبی)

اس حکم کا مطلب یہ نہیں کہ مومن جب بھی چلے نگاہیں نیچے رکھے، اس طرح تو سامنے نہ دیکھنے سے کوئی حادثہ پیش آسکتا ہے۔ دراصل اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی نامحرم پر نگاہ پڑے تو اپنی نگاہ کو اس کی طرف سے پھیر لے اور دوبارہ اس کو دانستہ نہ دیکھے۔ اس سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ کریں:

۱۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر اچانک کسی اجنبی عورت پر نظر پڑ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ نبی کریم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں فوراً اپنی نظر کو پھیر لوں۔

(ترمذی: ۲۷۷۶: ابواب الادب: باب ۲۸)

۲۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے علی! ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو کیونکہ

اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝

[۳۱] یہ ان کے لئے بہت پاکیزہ ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ان کاموں سے خوب آگاہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ

۳۱۔ اور آپ مومن عورتوں سے فرمادیں کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں [۳۲] اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں [۳۳] اور اپنی زینت [۳۴] کو

تمہارے لئے پہلی نظر معاف ہے دوسری نہیں۔ (ترمذی: ۲۷۷۷: ابواب الادب: باب ۲۸)

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے، جو اس کو میرے خوف سے ترک کر دیتا ہے میں اس کو ایسے ایمان کی نعمت بخشوں گا جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں پائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

[۳۱] شرم گاہوں کی حفاظت کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ انہیں ناجائز استعمال سے بچائیں اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ انہیں ڈھانپ کر رکھیں یعنی ایسا تنگ یا باریک لباس نہ پہنیں جو دوسروں کو دعوت نظارا دے، لہٰذا نگاہیں نیچے رکھنا اور شرم گاہوں کی حفاظت کرنا ان کے لئے بہتر ہے اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت نہیں کریں گے انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے خوب آگاہ ہے اور ان کے مطابق انہیں سزا دے گا۔

[۳۲] گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی نگاہیں نیچے رکھیں اور اجنبی عورتوں کو دانستہ نہ دیکھیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اجنبی مردوں کو دانستہ نہ دیکھیں، جیسا کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے ۔۔۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں اس سے حجاب میں چلی جاؤ۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہ نابینا نہیں ہے یہ تو ہم کو نہیں دیکھ سکے گا؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم اس کو نہیں دیکھ رہیں؟ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(ترمذی: ۲۷۷۸: ابواب الادب: باب ۲۹)

[۳۳] گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یعنی انہیں ناجائز استعمال سے بچائیں اور ایسا تنگ یا باریک لباس نہ پہنیں جو دوسروں کو دعوت نظارہ دے۔

[۳۴] لغوی معنی کے اعتبار سے ہر اس چیز کو زینت کہا جاتا ہے جو انسان کو خوش منظر بنائے جیسے زیور، سرمہ، رنگ اور لباس وغیرہ۔ آجکل اس کو make up کہا جاتا ہے لیکن یہاں زینت سے مراد حسن ہے خواہ وہ پیدائشی ہو یعنی اعضاء کا حسن اور خواہ وہ

اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَلۡيَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى	ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو خود ظاہر ہو [۳۵]
جُيُوۡبِهِنَّ وَلَا يُبۡدِيۡنَ زِيۡنَتَهُنَّ اِلَّا	اور اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں،

make up سے حاصل کیا گیا ہو۔ (تفسیر بیضاوی)

[۳۵] عورت کے لئے اپنی زینت کی کوئی چیز نامحرم مردوں کے سامنے ظاہر کرنا جائز نہیں سوائے اس زینت کے جو خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے۔ جمہور کے نزدیک اس سے مراد چہرہ، ہتھیلیاں اور ان کا make up یعنی سرمہ، مہندی اور انگوٹھی وغیرہ ہیں جو کام کاج، نقل و حرکت اور لین دین کے وقت عادۃً ظاہر ہو جاتے ہیں اور خرید و فروخت، گواہی دینے اور ڈاکٹر کو دیکھنے کے لئے مجبوراً ظاہر کرنا پڑتے ہیں، جیسا کہ حضرت ابن عباس ﷠ نے فرمایا: ظاہر ہونے والی زینت سے مراد چہرہ، آنکھ کا سرمہ، ہاتھوں کی مہندی اور انگوٹھی ہے، یہ وہ چیزیں ہیں جو گھر میں آنے جانے والوں پر ظاہر ہو ہی جاتی ہیں۔

(تفسیر ابن جریر طبری)

امام ابوبکر جصاص لکھتے ہیں کہ ہمارے علمائے احناف کے نزدیک اس سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں، لہٰذا ان دونوں اعضاء اور ان کے make up کا دیکھنا جائز ہے، البتہ برائی کی نیت سے دیکھنا جائز نہیں۔ (احکام القرآن: امام ابوبکر جصاص) چاروں امام (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد) اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کا چہرہ ستر سے مستثنیٰ ہے۔ (تفسیر مظہری)

امام ابن جریر طبری مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان اقوال میں سے صحیح تر قول یہ ہے کہ ظاہر ہونے والے اعضاء سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں اور ان میں سرمہ، انگوٹھی، کنگن اور خضاب بھی شامل ہیں اور ہم اس کو صحیح تر قول اس لئے قرار دیتے ہیں کیونکہ اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ ہر نماز پڑھنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ نماز میں اپنی عورت یعنی چھپانے والی جگہ کو چھپائے رکھے اور عورت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ نماز میں اپنا چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھے اور ان کے سوا اپنے سارے بدن کو چھپائے رکھے، پس جب اس پر اجماع ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے بدن کے اس حصہ کو کھلا رکھ سکتی ہے جو عورت میں داخل نہیں کیونکہ جو عورت نہیں اس کا ظاہر کرنا بھی حرام نہیں۔ (تفسیر ابن جریر طبری) اسی طرح نبی کریم ﷺ نے عورت کو حالت احرام میں نقاب اور دستانے پہننے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری: ۱۸۳۸: کتاب جزاء الصید: باب ۱۳) اگر عورت کا چہرہ اور اس کے ہاتھوں کا چھپانا واجب ہوتا تو آپ ﷺ ان کو چھپانے سے منع نہ فرماتے۔ نیز جو شخص کسی عورت سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ اس کے چہرہ کو دیکھ سکتا ہے۔ مسلمان علماء میں عورت کے منہ اور ہاتھ ڈھانپنے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہر حال ضرورت کے وقت عورت اپنا منہ اور ہاتھ ظاہر کر سکتی ہے جیسا کہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں کہ منہ اور ہتھیلیاں ستر میں شامل نہیں ہیں۔ (الفقہ الاسلامی و ادلتہ: جلد ۷: ص ۱۸)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں: عورت کے تمام بدن کا پردہ ہے، غیر محرم مرد کے لئے جائز نہیں کہ اس کے بدن کے کسی حصہ کی طرف دیکھے سوائے عورت کے چہرے اور ہاتھوں کے کیونکہ عورت کو خرید و فروخت میں چہرہ کے

لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا

[۳۶] اور اپنی زینت کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپ دادا کے یا اپنے شوہروں کے باپ دادا کے یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے [۳۷] یا اپنی ہم مذہب عورتوں کے یا اپنی مملوکہ باندیوں کے یا مردوں میں سے ان خدام کے جن کو عورتوں کی

ظاہر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور لینے اور دینے میں ہاتھوں کے ظاہر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے ۔۔۔ لہٰذا غیر محرم مرد خرید وفروخت کے وقت عورت کے چہرہ کو دیکھ سکتا ہے تا کہ اس کی ضرورت کے وقت اسے پہچان سکے۔ ' (تفسیر کبیر)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالی عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں درآں حالیکہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالی عنہا باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کی صرف یہ چیز اور یہ چیز دکھائی دینی چاہیے اور آپ ﷺ نے اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کیا۔ (ابوداود: ۴۱۰۴: کتاب اللباس: باب ۱۳) یعنی عورت کے ہاتھ اور چہرہ کے علاوہ کچھ نظر نہیں آنا چاہیے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (حج الوداع کے موقع پر) دس ذوالحجہ کو فضل بن عباس کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا ہوا تھا۔ فضل بن عباس بڑے خوبصورت شخص تھے۔ نبی کریم ﷺ لوگوں کو فتویٰ دینے کے لئے ٹھہرے۔ خثعم قبیلہ کی ایک خوبصورت عورت رسول اللہ ﷺ سے فتویٰ لینے کے لئے آئی تو فضل بن عباس اس عورت کو دیکھنے لگے اور اس کا حسن فضل بن عباس کو پسند آیا۔ نبی کریم ﷺ (فضل کی طرف) متوجہ ہوئے تو فضل بن عباس اس عورت کو دیکھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ پیچھے کیا اور فضل کی ٹھوڑی سے پکڑا اور ان کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا۔ (بخاری: ۶۲۲۸: کتاب الاستئذان: باب ۱) اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے لئے چہرہ کا پردہ واجب نہیں ورنہ وہ عورت بے پردہ نہ آتی اور اگر آ گئی تھی تو رسول اللہ ﷺ اس کو چہرہ چھپانے کا حکم دیتے۔

[۳۶] زمانہ جاہلیت میں عورتیں جو کپڑا سر پر ڈالتی تھیں اس کے دونوں کنارے اپنی پشت پر لٹکا دیتی تھیں، اس طرح ان کی گردن اور ان کا سینہ ظاہر ہوتے رہتے تھے۔ اس آیت میں انہیں حکم دیا گیا کہ وہ اپنے دوپٹے کا ایک حصہ سر پر ڈالیں اور دوسرا حصہ اپنے گریبان پر ڈالیں تا کہ سر کے بالوں کے ساتھ ساتھ ان کی گردن اور ان کا سینہ بھی کسی کو نظر نہ آئے۔

[۳۷] مسلمان عورتوں کو عام مردوں سے اپنی زینت چھپانے کا حکم دیا گیا مگر چند مخصوص رشتہ دار اور چند دوسرے لوگ جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے ان سے اپنی زینت چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان میں سب سے پہلا درجہ خاوند کا ہے، اس

عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَ لَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

خواہش نہ ہو [۳۸] یا ان بچوں کے جو ابھی تک عورتوں کی شرم والی چیزوں سے آگاہ نہیں ہیں اور مومن عورتیں اپنے پاؤں کو اس طرح نہ ماریں جس سے ان کی وہ زینت ظاہر ہو جائے جس کو وہ چھپائے ہوئے ہیں، [۳۹] اور اے ایمان والو! تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىٕكُمْ ؕ اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ

۳۲۔ اور تم میں سے جو (مرد و عورت) بے نکاح ہو ان کا نکاح کردو [۴۰] اور تمہارے غلاموں اور باندیوں

کے بعد باپ، بیٹا اور بھائی اور ان کے بعد دوسرے محرم رشتہ دار اور مسلمان عورتیں، باندیاں، بچے اور مخصوص غلام ہیں۔

[۳۸] ایسے نوکر حضرات جو کسی بیماری یا مجبوری کی وجہ سے مردانہ طاقت اور جنسی رغبت سے محروم ہوں ان کے سامنے بھی عورت کو اپنی زینت چھپانے کی ضرورت نہیں۔

[۳۹] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کئی عورتیں پازیب پہن کر نکلتیں اور جب مردوں کے پاس سے گزرتیں تو دانستہ اپنے پاؤں زمین پر مارتیں تاکہ مرد پازیب کی آواز سن کر ان کی طرف متوجہ ہوں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس حرکت سے منع فرمایا کیونکہ یہ شیطانی کام ہے۔ (صفوۃ التفاسیر) اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو ہر اس کام یا لباس سے اجتناب کرنا چاہیے جو غیر محرم مردوں کو اس کی طرف متوجہ کرے۔

[۴۰] جنسی خواہش ایک فطری جذبہ ہے، اگر اس پر پابندی لگا دی جاتی تو انسان تنہائی اور مایوسی کا شکار ہو جاتا اور نسل انسانی کا سلسلہ منقطع ہو جاتا اور اگر اس کو کھلا چھوڑ دیا جاتا تو معاشرہ میں بگاڑ اور لاوارث بچوں کا دور دورہ ہو جاتا۔ اس لئے اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے کہ مسلمان اپنے بے نکاح مردوں اور بے نکاح عورتوں خواہ وہ کنواری ہوں یا بیوہ یا مطلقہ ان کے نکاح کا انتظام کریں تاکہ وہ جائز طریقہ سے اپنی جنسی خواہش کو پورا کر سکیں۔ اس سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ کریں:

☆ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جوانو! تم میں سے جو نکاح کی طاقت رکھتا ہے وہ ضرور شادی کرے کیونکہ شادی کرنا اس کی نگاہ کو پاک کرے گا اور اس کی شرم گاہ کی حفاظت کرے گا اور جو شادی کرنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزے رکھے کیونکہ روزے شہوت کو کم کرتے ہیں۔ (بخاری: ۵۰۶۶: کتاب النکاح: باب ۳)

☆ حضرت ابو نجیح بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص خوشحال ہو اور نکاح کی طاقت رکھتا ہو پھر نکاح نہ کرے وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

(معجم اوسط: ۹۹۳: جلد اول: ص ۵۲۸، مجمع الزوائد: جلد ۴: ص ۲۵۱)

يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۳۲

میں سے جو نیک ہوں (ان کا بھی نکاح کردو)، [۴۱] اگر وہ تنگ دست ہوں تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی کردے گا، [۴۲] اور اللہ تعالیٰ وسعت والا بہت جاننے والا ہے۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ

۳۳۔ اور جو لوگ نکاح کرنے کی گنجائش نہیں رکھتے انہیں پاک دامن رہنا چاہیے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی کردے، [۴۳] اور تمہارے غلاموں میں سے جو مکاتب ہونا چاہیں انہیں مکاتب کردو اگر تم ان میں کوئی بھلائی جانتے ہو اور تم انہیں

☆ حضرت ابوایوب ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چار چیزیں انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہیں: حیاء، خوشبو کا استعمال، مسواک اور نکاح۔ (ترمذی: ۱۰۸۰: ابواب النکاح: باب ۱)
عام حالات میں نکاح کرنا سنت ہے۔ لیکن اگر کسی شخص پر جنسی شہوت کا اتنا غلبہ ہو کہ اگر وہ نکاح نہیں کرے گا تو زنا میں پڑنے کا قوی امکان ہے اور وہ نان ونفقہ کی طاقت بھی رکھتا ہے تو اس پر نکاح واجب اور لازم ہے۔

[۴۱] غلاموں اور باندیوں میں سے جو شادی کی صلاحیت اور استطاعت رکھتے ہوں اور صالح اور پاک دامن رہنے کے لئے شادی کرنا چاہیں تو ان کے مالکوں پر لازم ہے کہ ان کے نکاح کا انتظام کردیں لیکن جس غلام یا باندی کا رویہ ٹھیک نہ ہو اور شریک حیات کے ساتھ اس کے نباہ کی امید نہ ہو تو اس کا نکاح کردینے کی ذمہ داری مالک پر نہیں ہے۔

[۴۲] وہ غریب مسلمان جو اپنے دین کی حفاظت کے لئے شادی کرنا چاہتے ہیں مگر مناسب مالی وسائل سے محروم ہیں، یہاں انہیں بشارت دی جارہی ہے کہ وہ محض غربت کی وجہ سے شادی نہ کرنے کا ارادہ نہ کریں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں مالی وسعت عطا فرمائے گا، جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تین شخصوں کی مدد فرمائے گا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، وہ مکاتب جو اپنا بدل کتابت ادا کرنے کی نیت رکھتا ہو اور وہ شخص جو پاک دامن رہنے کی نیت سے نکاح کرے۔'' (ترمذی: ۱۶۵۵: ابواب فضائل الجہاد: باب ۲۰) اللہ تعالیٰ اسباب کا خالق ہے۔ اکثر اوقات شادی کی وجہ سے احساس ذمہ داری بڑھ جاتا ہے اور زیادہ محنت کرنے کی وجہ سے آمدنی میں برکت آجاتی ہے۔ نیز روزگار کے سلسلے میں بیوی جب خاوند کا ہاتھ بٹاتی ہے تو حالات بدل جاتے ہیں اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ بیوی خوش نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس کے خاوند کو خوشحال بنادے۔

[۴۳] جو لوگ نکاح کرنے کی گنجائش نہیں رکھتے وہ بھی بدکاری نہ کریں بلکہ روزے رکھ کر اپنی پاک دامنی کو برقرار رکھیں اور

وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾

اللہ تعالیٰ کے مال میں سے دو جو اس نے تمہیں عطا فرمایا ہے،[۴۴] اور تمہاری باندیاں اگر پاک دامن رہنا چاہیں تو دنیوی زندگی کا فائدہ اٹھانے کے لئے انہیں بدکاری پر مجبور نہ کرو، اور جو شخص انہیں مجبور کرے گا تو بے شک اللہ تعالیٰ ان باندیوں کے مجبور کئے جانے کے بعد (ان باندیوں کو) بہت بخشنے والا (اور ان پر) بہت رحم فرمانے والا ہے۔[۴۵]

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ ع

۳۴۔ اور بے شک ہم نے تمہاری طرف روشن آیتیں نازل فرمائی ہیں اور ان لوگوں کی مثالیں بیان فرمائیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور ہم نے پرہیزگاروں کے لئے نصیحت نازل فرمائی ہے۔[۴۶]

انتظار کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے ایسے اسباب اور وسائل مہیا فرمادے جن سے وہ آسانی کے ساتھ نکاح کرسکیں۔

[۴۴] نزول قرآن کے وقت غلام اور لونڈی کا سلسلہ عام تھا۔ اسلام نے غلامی کی حوصلہ شکنی کی اور ان کو آزاد کرنے کی ترغیب دی جس کے نتیجہ میں آہستہ آہستہ غلامی کا سلسلہ ختم ہوگیا اور آج دنیائے اسلام میں غلاموں اور لونڈیوں کا وجود نظر نہیں آتا۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ تھی کہ جب کوئی غلام یا لونڈی اپنے مالک سے معاہدہ کرے کہ وہ اتنی مدت میں اتنی رقم کما کر اپنے مالک کو دے گا جس کے بدلہ میں اسے آزاد کردیا جائے تو قرآن مجید نے اس آیت میں اس کے مالک کو حکم دیا ہے کہ اگر اسے اپنے غلام یا لونڈی کے معاہدہ میں سچائی اور بہتری نظر آتی ہے تو وہ اس کے ساتھ یہ معاہدہ طے کرلے بلکہ زکوٰۃ، صدقات اور عطیات وغیرہ سے اس کی مالی مدد بھی کرے تاکہ وہ جلد از جلد آزادی حاصل کرسکے۔ دوسرے مسلمان بھی اپنی زکوٰۃ اور عطیات سے ایسے غلام یا لونڈی کی مدد کرکے ثواب دارین حاصل کرسکتے ہیں۔

[۴۵] زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ اپنی لونڈیوں سے بدکاری کراتے تھے، عبداللہ بن ابی بھی اپنی لونڈیوں سے بدکاری کراکر رقم حاصل کرتا تھا۔ ان میں سے بعض لونڈیاں مسلمان ہوگئیں اور انہوں نے بدکاری سے انکار کردیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ لونڈیوں یا دیگر عورتوں سے بدکاری کرانا ہر حال میں حرام ہے خواہ وہ خوشی سے بدکاری کریں یا ناخوشی سے لیکن اگر لونڈیاں نہ چاہیں اور مالک پھر بھی دنیاوی فائدہ کے لئے انہیں بدکاری پر مجبور کرے تو یہ اور بھی زیادہ بے شرمی کی بات ہے اور جو مجبور کرے گا وہ قیامت کے دن سخت عذاب کا مستحق قرار پائے گا جبکہ مجبور ہونے والی لونڈیاں معذور ہوں گی اور اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے گا۔

[۴۶] اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں گزشتہ اقوام کے واقعات وضاحت سے بیان فرمائے۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہ

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ

۳۵۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، [۴۷] اس کے نور کی مثال ایک طاق جیسی ہے [۴۸] جس میں چراغ ہے، وہ چراغ ایک فانوس میں ہے، وہ فانوس گویا موتی کی طرح چمکتا ہوا ایک ستارہ ہے، وہ

کیا وہ عذاب الٰہی کے مستحق قرار پائے تاکہ جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے وہ ان واقعات سے نصیحت حاصل کریں۔

[۴۷] اللہ تعالیٰ کے خوبصورت ناموں میں سے ایک ''نور'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان کو سورج اور چاند سے روشن فرماتا ہے اور اہل زمین و آسمان کے لئے ہدایت کے راستے روشن فرماتا ہے۔

[۴۸] اہل علم نے اس مثال کے مختلف مطالب بیان کئے ہیں ان میں سے ایک عرض خدمت ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے اس مثال کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا: یہ مثال اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بیان فرمائی ہے۔ طاق سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک ہے، فانوس سے مراد قلب انور ہے اور چراغ سے مراد نبوت محمدی ہے جو نبوت کے مبارک درخت سے روشن ہے۔ اور نور محمدی کا عالم یہ ہے کہ اگر آپ اپنی نبوت کا اعلان نہ کرتے تو پھر بھی آپ کی شان لوگوں کے سامنے خود بخود ظاہر ہو رہی تھی جیسے زیتون کا تیل اتنا صاف وشفاف ہوتا ہے کہ اگر اسے آگ نہ بھی چھوئے تو بھی ایسا لگتا ہے کہ ابھی روشن ہو جائے گا۔ (تفسیر بغوی) لیکن جب آگ اس کے ساتھ مل جائے تو پھر اس کی روشنی کا عالم ہی نرالا ہوتا ہے۔ اسی طرح اعلان نبوت سے پہلے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور ان کی شان بڑی عظیم تھی لیکن جب ان پر قرآن مجید کا نزول ہوا تو یہ سونے پہ سہاگہ اور نور کے اوپر نور ہی نور کا منظر تھا۔ نیز آپ کی نبوت زمان و مکان اور مشرق ومغرب کی پابند نہیں بلکہ قیامت تک آنے والی ہر قوم، نسل اور جگہ کے لئے آپ کی نبوت عام اور عالمگیر ہے۔

اعلان نبوت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی چند جھلکیاں

۱۔ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی رات میں نے ایک ایسا نور دیکھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے یہاں تک کہ میں نے ان محلات کو دیکھ لیا۔ (مواہب لدنیہ: جلد اول: ص ۱۲۸)

۲۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں: جس روز سے ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لیا ہم کو کبھی چراغ جلانے کی ضرورت نہیں پڑی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کی روشنی چراغ سے زیادہ نورانی تھی۔ اگر ہم کو کسی جگہ چراغ جلانے کی ضرورت پڑتی تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں لے جاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی نورانیت سے وہ جگہ روشن ہو جاتی۔

(تفسیر مظہری)

۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بچپن میں ایک دفعہ آپ اپنی رضاعی بہن شیماء کے ساتھ باہر اس جگہ تشریف

لے گئے جہاں اونٹ چر رہے تھے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی تلاش میں جب ان کے پاس پہنچیں تو پوچھا: اس گرمی میں تم کہاں پھر رہے ہو؟ شیماء نے کہا: مجھے اپنے بھائی کے ساتھ گرمی محسوس نہیں ہوئی کیونکہ ان کے اوپر ایک بدلی سایہ کرتی رہی، جب یہ کہیں ٹھہر جاتے تو بدلی بھی ان کے اوپر ٹھہر جاتی تھی اور جب یہ چل پڑتے تو بدلی بھی ان کے اوپر چل پڑتی تھی۔ (تفسیر مظہری)

۴۔ ایک سال قحط پڑا تو جناب ابوطالب حضرت محمد ﷺ کو ساتھ لے کر بارش کی دعا کرنے کعبہ کے پاس پہنچے، کعبہ کی دیوار سے اپنی پشت لگائی اور حضرت محمد ﷺ کی انگلی پکڑ کر دعا کی۔ اس وقت آسمان پر بادل کا نام ونشان تک نہ تھا، دعا مانگنے کی دیر تھی کہ فوراً ادھر اُدھر سے بادل ہجوم کر آئے اور خوب موسلا دھار بارش برسی یہاں تک کہ وادیاں بہنے لگیں۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جناب ابوطالب نے یہ شعر کہا:

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ — ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

''وہ گورے رنگ والے (حضرت محمد ﷺ) جن کے رخِ تاباں کے صدقے بارش کی دعا مانگی جاتی ہے، وہ یتیموں کی پناہ گاہ اور بیوہ عورتوں کی ناموس کے محافظ ہیں۔'' (تفسیر مظہری)

۵۔ امام ترمذی اور مؤرخین نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے: جب نبی کریم ﷺ کی عمر بارہ سال کے قریب پہنچی تو آپ ﷺ نے جناب ابوطالب کے ساتھ شام کا تجارتی سفر کیا۔ جب یہ قافلہ وادی بصریٰ میں داخل ہوا تو بحیریٰ نامی ایک عیسائی راہب نے اپنی خانقاہ سے دیکھا کہ ایک نوخیز بچے پر بادل کا ایک ٹکڑا سایہ فگن ہے۔ وہ بچہ جدھر جاتا ہے بادل کا ٹکڑا بھی اس کے ساتھ ساتھ جاتا ہے۔ بحیریٰ نے جب اپنی خانقاہ کے دریچہ سے یہ منظر دیکھا تو اسے خیال آیا کہ جس صادق وامین نبی ﷺ کے ہم منتظر ہیں اور جس کی علامات ہماری کتب میں مرقوم ہیں کہیں یہ نوجوان وہی تو نہیں، اسے قریب سے دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ اس راہب نے قافلہ کے تمام افراد کو اپنے ہاں کھانے کی دعوت دی۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو اس نے سب کو رخصت کر دیا، جناب ابوطالب اور حضرت محمد ﷺ کو روک لیا اور حضرت محمد ﷺ سے ان کی نیند اور بیداری وغیرہ کی کیفیات کے بارے دریافت کرنے لگا۔ آخر میں اس نے حضرت محمد ﷺ کی پشت مبارک سے کپڑا اٹھایا اور اس نے مہر نبوت کو ہو بہو اس صورت میں دیکھا جو اس کے پاس تھی۔ بے ساختہ اس نے جھک کر مہر نبوت کو چوم لیا۔

جب بحیریٰ اس سے فارغ ہوا تو جناب ابوطالب کی طرف متوجہ ہو کر کہا: اس بچے سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟ آپ نے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ بحیریٰ نے کہا: یہ آپ کا بیٹا نہیں اور نہ اس کا باپ زندہ موجود ہو سکتا ہے۔ تب جناب ابوطالب نے کہا: یہ میرا بھتیجا ہے تو بحیریٰ نے کہا: آپ اپنے بھتیجے کو لے کر وطن واپس لوٹ جائیں اور یہودیوں سے ہر وقت ہوشیار رہیں، اگر انہوں نے دیکھ لیا اور ان کو ان حالات کا علم ہو گیا جن کا مجھے علم ہوا ہے تو وہ ان کو ضرر پہنچانے سے باز نہیں آئیں گے۔ آپ کے بھتیجے کی بڑی شان ہوگی، یہ رب العالمین کے رسول ہیں۔ چنانچہ جناب ابوطالب قافلہ کے ساتھ

يُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۙ﴿۳۵﴾

چراغ زیتون کے مبارک درخت (کے تیل) سے روشن کیا گیا ہے، [۴۹] وہ درخت نہ مشرقی ہے اور نہ مغربی، ایسا لگتا ہے کہ اس کا تیل خود ہی بھڑک اٹھے گا اگرچہ اسے آگ نہ بھی چھوئے، یہ تو نور کے اوپر نور ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ لوگوں (کی ہدایت) کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

شام گئے اور جلدی جلدی کاروبار سے فراغت پا کر آپ کو لے کر واپس مکہ لوٹ آئے۔

(ترمذی: ۳۶۲۰: ابواب المناقب: باب ۳)

۶۔ ابوجہل نے کہا: محمد ﷺ کو ہم اعلان نبوت سے پہلے صادق و امین کہا کرتے تھے کیونکہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔

(امتاع الاسماع: جلد اول: ص ۹۱)

۷۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں مکہ میں اس پتھر کو آج بھی اچھی طرح پہچانتا ہوں جو اعلان نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ (مسلم: ۵۹۳۹: کتاب الفضائل: باب ۱) پتھر کن الفاظ سے سلام کرتے تھے؟ اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں مکہ میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا۔ ہم مکہ کے بعض اطراف میں نکلے تو جو بھی پہاڑ یا درخت آپ ﷺ کے سامنے آتا تو وہ کہتا: السلام علیک یا رسول اللہ۔

(ترمذی: ۳۶۲۶: ابواب المناقب: باب ۶)

۸۔ امام قسطلانی نقل کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا اعلان کرنا چاہا تو آپ ﷺ جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتے تھے وہ آپ کو اس طرح سلام کرتا تھا: السلام علیک یا رسول اللہ۔

(المواهب اللدنية: جلد اول: ص ۲۰۰)

[۴۹] اس زمانہ میں چراغ کو جلانے کے لئے مختلف قسم کے تیل استعمال ہوتے تھے۔ ان میں زیتون کے تیل کی روشنی بڑی تیز، صاف اور دھوئیں سے پاک ہوتی تھی۔ نیز زیتون کا تیل اور اس کا پھل کھانے کے لئے بھی بہت مفید تھا۔ اس درخت کی یہ برکتیں صرف مشرق و مغرب والوں کے ساتھ خاص نہیں تھیں بلکہ شمال و جنوب اور پوری دنیا کے جو لوگ بھی اس درخت کے پھل اور تیل کو استعمال کریں گے وہ اس کی برکتوں سے فیض یاب ہوں گے تو جس طرح زیتون درخت کی برکتیں سب کے لئے عام ہیں اسی طرح نبوت محمدی ﷺ کی برکتیں بھی ساری دنیا کے لئے عام اور عالمگیر ہیں۔

حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زیتون کا تیل کھاؤ اور اس کو جسم پر لگاؤ کیونکہ یہ برکت والے درخت سے نکلتا ہے۔ (ترمذی: ۱۸۵۲: ابواب الاطعمة: باب ۴۳)

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۟

۳۶۔ اللہ تعالیٰ نے جن گھروں کے بلند کیے جانے اور ان میں اس کے نام کا ذکر کیے جانے کا حکم دیا ہے وہ ان میں صبح وشام اس کی تسبیح کرتے ہیں۔[۵۰]

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ۟

۳۷۔ وہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے، نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی، وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔[۵۱]

[۵۰] گھروں سے مراد مساجد ہیں یعنی مساجد اتنی بلند اور عظیم الشان ہوں کہ آنے والوں کو دور سے معلوم ہو جائے کہ مسجد کہاں ہے۔ اس کی دیواریں، اس کا فرش اتنا صاف اور پاک ہو کہ دیکھنے والوں کو خوشی محسوس ہو اور اس میں اسلامی آداب کے خلاف کوئی گفتگو نہ ہو تاکہ صبح وشام یعنی روزانہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے دلوں کو سکون حاصل ہو۔

حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ مجھ سے محبت کرے اور جو مجھ سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہیے کہ وہ میرے صحابہ ؓ سے محبت کرے اور جو میرے صحابہ ؓ سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہیے کہ وہ قرآن سے محبت کرے اور جو قرآن سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہیے کہ وہ مساجد سے محبت کرے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی تعظیم کا حکم دیا ہے اور ان میں برکت رکھی ہے۔ مسجدیں بھی بابرکت ہیں اور ان کو آباد کرنے والے بھی بابرکت ہیں۔ مسجدیں بھی محفوظ ہیں اور ان کو آباد کرنے والے بھی اس کی حفاظت میں ہیں۔ وہ لوگ اپنی نمازوں میں مشغول ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی حاجتیں پوری فرماتا ہے۔ وہ لوگ مسجدوں میں ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے ان کی چیزوں کی حفاظت فرماتا ہے۔ (تفسیر قرطبی)

دنیا میں چار مسجدیں ایسی ہیں جن کو انبیاء علیہم السلام نے بنوایا تھا: بیت اللہ، بیت المقدس، مسجد قبا اور مسجد نبوی۔ (تفسیر مظہری) مسجد کی فضیلت اور اس کے آداب کے بارے میں مزید سورہ توبہ (۹) کا حاشیہ نمبر ۱۰ ملاحظہ کریں۔

[۵۱] جو لوگ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے صبح وشام مساجد میں اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں یہ وہ خوش نصیب لوگ ہیں جن کو دنیاوی مشاغل اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی سے غافل نہیں کرتے لیکن ان نیک کاموں کے باوجود وہ روز قیامت کے خوف سے لرزہ براندام رہتے ہیں جس دن کی ہولناکیوں کو دیکھ کر دل گھبرائیں گے اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے بہترین اعمال کی جزا دے بلکہ اپنے فضل سے انہیں اور بھی زیادہ عطا فرمائے، اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ [۵۲]

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اور کافروں کے اعمال چٹیل میدان میں سراب (چمکتی ہوئی ریت) کی طرح ہیں جس کو پیاسا شخص (دور سے) پانی سمجھتا ہے، لیکن جب وہ اس کے پاس پہنچتا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا بلکہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنے قریب پایا جس نے اس کو اس کا پورا حساب چکا دیا، [۵۳] اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ

۴۰۔ یا (کفار کے اعمال) ان تاریکیوں کی طرح ہیں جو گہرے سمندر میں ہوں، جس پر موج چھائی ہوئی ہو، اس کے اوپر ایک اور موج اور اس کے اوپر بادل،

---

[۵۲] نیک لوگ نیکیاں اس لئے کرتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں بہترین جزا عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ کے کرم کا عالم یہ ہے کہ جو شخص گن گن کر نیکیاں کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے گن کر سینکڑوں اور ہزاروں گنا زیادہ اجر عطا فرماتا ہے اور جو بغیر گنے نیکیاں کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بے حساب اجر عطا فرماتا ہے، جیسا کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: خرچ کرو اور گن گن کر نہ دو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم کو گن کر دے گا۔
(مسلم: حدیث نمبر ۱۰۲۹)

[۵۳] کفار کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم ایسے کفار کی ہے جو کسی نہ کسی حوالے سے آخرت کے قائل ہیں اور اپنے نیک اعمال کی جزائے خیر کی امید رکھتے ہیں۔ ان کے نیک اعمال کی مثال سراب یعنی چمکتی ہوئی ریت کی طرح ہے جو دور سے سورج کی روشنی میں پانی نظر آتی ہے مگر جب پیاسا شخص اس کے قریب آتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پانی نہیں بلکہ ریت ہے اور پیاس کی شدت سے اس کی موت واقع ہو جاتی ہے، اسی طرح اس قسم کے کافر کی جب موت واقع ہو گی تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ ایمان نہ ہونے کی وجہ سے آخرت میں اس کے نیک اعمال کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے دنیاوی آرام و راحت کی صورت میں اس کے نیک کاموں کا بدلہ اسی دنیا میں بے باک کر دیا تھا، اب آخرت میں اس کی برائیوں کا حساب ہو گا۔

بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ؏ ﴿۴۰﴾

(الغرض یہ تہ درتہ) تاریکیاں ایک دوسرے کے اوپر ہیں، (اتنی تاریکی کہ) جب کوئی شخص اپنا ہاتھ باہر نکالے تو اسے بھی نہ دیکھ سکے، اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ نور نہ بنائے تو اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے۔[۵۴]

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے اور (فضا میں) پر پھیلائے ہوئے پرندے سب اللہ تعالیٰ ہی کی تسبیح کرتے ہیں، ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔[۵۵]

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف (سب کو) لوٹنا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِىْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ

۴۳۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ بادل کو چلاتا ہے،

---

[۵۴] دوسری قسم ان کفار کی ہے جو آخرت کے بالکل ہی منکر ہیں، ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو گہرے سمندر کی تاریکیوں میں ہے۔ اس کے اوپر موج بالائے موج کی تاریکیاں، پھر ان کے اوپر بادل، الغرض وہ اتنی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے کہ اپنا ہاتھ نکالے تو بھی اسے نظر نہ آسکے یعنی اپنا ہاتھ جو بالکل قریب اور اس کے جسم کا حصہ ہے جب وہ بھی نظر نہ آئے تو اسے اور کیا چیز نظر آئے گی۔ ایسا ہی حال قیامت کے دن اس شخص کا ہوگا جو ایمان کے نور سے محروم ہے کہ اسے کہیں بھی امید کی کوئی کرن نظر نہیں آئے گی۔

[۵۵] جیسا کہ تم جانتے ہو کہ آسمان و زمین میں آباد ساری مخلوق حتیٰ کہ فضا میں اڑنے والے پرندے سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی فطرت میں دعا کرنے اور تسبیح کرنے کا طریقہ ودیعت فرما رکھا ہے جس کو ہر چیز اچھی طرح جانتی ہے جس طرح ہر جانور کی غذا مختلف ہے جسے وہ فطری طور پر جانتا ہے، مثلاً کتا گھاس نہیں کھاتا اور بکری گوشت نہیں کھاتی۔ اسی طرح ہر چیز کی تسبیح کا انداز جداگانہ ہے، ہم اگرچہ ہر چیز کی تسبیح نہیں سمجھ سکتے مگر اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون کیا کرتا ہے؟ البتہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنے معجزات کے باعث اور اولیائے کرام اپنی کرامات کے باعث ان تسبیحات کو سن سکتے ہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت کھانا کھایا جا رہا ہوتا تھا تو ہم کھانے کی تسبیح سنتے تھے۔

(بخاری: حدیث نمبر ۳۵۷۹)

بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾	پھر اس (کے مختلف ٹکڑوں) کو آپس میں ملا دیتا ہے، پھر اسے تہ بہ تہ کر دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان سے بارش برستی ہے اور وہ آسمان میں برفانی پہاڑوں کی طرح نظر آنے والے بادلوں سے اولے برساتا ہے، پھر جس پر چاہتا ہے ان اولوں کو گرا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے، [۵۶] قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں کی بینائی لے جائے۔ [۵۷]
يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾	۴۴۔ اللہ تعالیٰ ہی رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے، بے شک اس میں آنکھوں والوں کے لئے عبرت ہے۔ [۵۸]
وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَاۗبَّةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ	۴۵۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر جانور کو پانی سے پیدا فرمایا ہے، ان

---

[۵۶] جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کو تہ بہ تہ چلاتا ہے، پھر ان کے درمیان سے بارش اور اولے برساتا ہے پھر جہاں چاہتا ہے اولے برساتا ہے اور جس جگہ کو چاہے ژالہ باری سے بچا لیتا ہے۔

بادل، بارش، برف اور اولے کیسے بنتے ہیں؟

سائنسی تحقیق کے مطابق سورج کی گرمی سے پانی کے بخارات ہوا میں بلند ہوتے ہیں اور جب یہ بخارات ٹھنڈی ہوا کے طبقہ میں پہنچتے ہیں تو پانی کے قطروں کی طرح منجمد ہو کر بادل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ پانی کے یہ قطرے ایک دوسرے کے قریب آ کر آپس میں جڑتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ اتنے بھاری ہو جائیں کہ ہوا ان کو نہ تھام سکے تو وہ بارش کی صورت میں زمین پر گرنے شروع ہو جاتے ہیں، پھر اگر یہ بادل زیادہ ٹھنڈی ہوا میں چلے جائیں تو مزید منجمد ہو کر برف باری کا سبب بن جاتے ہیں اور اگر اور زیادہ ٹھنڈی ہوا میں چلے جائیں تو پھر اولے بن کر برسنا شروع ہو جاتے ہیں۔

[۵۷] بادلوں میں جب بجلی چمکتی ہے تو عام طور پر وہ بارش کا پیش خیمہ سمجھی جاتی ہے مگر جہاں گرتی ہے وہاں نقصان پہنچاتی ہے اور بعض دفعہ اس کی چمک اتنی شدید ہوتی ہے ایسا لگتا ہے کہ گویا یہ آنکھوں کی بینائی لے جائے گی۔

[۵۸] اس نظام کائنات کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے، وہی دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کو لاتا ہے۔ اس میں عقل والوں کے لئے درس عبرت ہے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کو سمجھیں اور صرف اسی کی عبادت کریں۔

يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰۤى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾

میں سے بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں اوران میں سے بعض دوٹانگوں پر چلتے ہیں، اوران میں سے بعض چار ٹانگوں پر چلتے ہیں، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔[۵۹]

لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ بے شک ہم نے واضح بیان کرنے والی آیتیں نازل فرمائی ہیں، اوراللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرمادیتا ہے۔[۶۰]

وَ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اوروہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے اورہم نے اطاعت کی، پھراس کے بعدان میں سے ایک گروہ روگردانی کرتا ہے، اوروہ لوگ مومن نہیں ہیں۔

وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اورجب انہیں اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمادیں تو اس وقت ان میں سے ایک گروہ روگردانی کرنے والا ہوتا ہے۔[۶۱]

---

[۵۹] اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اس نے تمام جانوروں کو پانی کے ایک قطرہ سے پیدا فرمایا۔ (اس کی مزید تشریح کے لئے سورہ انبیاء (۲۱) کی آیت نمبر ۳۰ اور حاشیہ نمبر ۲۶ ملاحظہ کریں) نیز اللہ تعالیٰ نے تمام جانوروں کومختلف شکل وصورت عطا فرمائی، اسی لئے بعض پیٹ کے بل زمین پر رینگتے ہیں جیسے سانپ، بعض دوٹانگوں پر چلتے ہیں جیسے انسان اور بعض چارٹانگوں پر چلتے ہیں جیسے گائے بکری وغیرہ۔

[۶۰] قرآن مجید کی آیات نے اللہ تعالیٰ کی توحید کو واضح طور پر بیان کردیا ہے لیکن پھر بھی صراط مستقیم تک رسائی اسے حاصل ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اسے تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

[۶۱] مسلمانوں کی صفوں میں ایسے منافقین بھی شامل تھے جو زبان سے تو ایماندار ہونے کا دعویٰ کرتے تھے لیکن جب ان کا کسی سے جھگڑا ہوجاتا اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس فیصلہ کرانے کی دعوت دی جاتی تو اگر منافقین کی غلطی ہوتی تو وہ

وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اور اگر فیصلہ ان کے حق میں ہوتو وہ آپ کی طرف سر تسلیم خم کرتے ہوئے چلے آتے ہیں۔

اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

۵۰۔ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا وہ شک میں ہیں یا انہیں یہ اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ان پر ظلم کریں گے، بلکہ (درحقیقت) وہ خود ظالم ہیں۔ [۶۲]

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ ایمان والوں کی بات تو صرف اتنی ہے کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ (رسول ﷺ) ان کے درمیان فیصلہ فرمائے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ [۶۳]

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اس کی نافرمانی سے بچتا ہے تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ

۵۳۔ اور وہ (منافقین) اللہ تعالیٰ کی بڑی سخت تاکیدی

رسول ﷺ کے پاس جانے سے ٹال مٹول کرتے اور اگر اس جھگڑے میں وہ حق پر ہوتے تو وہ خوشی خوشی دوڑے چلے آتے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ برحق ہوتا ہے اور وہ کسی کی طرفداری یا سفارش کو قبول نہیں فرماتے۔

[۶۲] جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس فیصلہ کرانے سے اعراض کرتے تھے ان کے دلوں میں نفاق اور کفر کی بیماری ہے یا وہ نبی کریم ﷺ کی نبوت میں شک کرتے ہیں یا انہیں اندیشہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان پر ظلم کریں گے۔ ان میں سے کسی ایک چیز کے قائل بھی مومن نہیں ہو سکتے بلکہ وہ اپنے اوپر ظلم کر کے اپنی آخرت برباد کرنے والے ہیں۔

[۶۳] منافقین کے برعکس ایمان والوں کی شان یہ ہے کہ جب بھی انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ آپ ﷺ کے ہر فیصلہ پر سر تسلیم خم کر کے اس پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں اور اسی وجہ سے فلاح دارین کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

اَمَرۡتَهُمۡ لَيَخۡرُجُنَّ ؕ قُلۡ لَّا تُقۡسِمُوۡا ۚ طَاعَةٌ مَّعۡرُوۡفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۵۳﴾

قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر آپ انہیں حکم دیں تو وہ ضرور نکل کھڑے ہوں گے، آپ فرمایئے: تم قسمیں نہ کھاؤ، تمہاری اطاعت خوب معلوم ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے جو تم کرتے ہو۔ [۶۴]

قُلۡ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَيۡهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيۡكُمۡ مَّا حُمِّلۡتُمۡ ؕ وَ اِنۡ تُطِيۡعُوۡهُ تَهۡتَدُوۡا ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ آپ فرمایئے: تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو، پھر اگر تم نے روگردانی کی تو (سن لو) رسول اللہ ﷺ کے ذمہ وہی ہے جو ان پر لازم کیا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہی ہے جو تم پر لازم کیا گیا ہے، اور اگر تم رسول ﷺ کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے، اور رسول ﷺ کے ذمہ تو صرف احکام کو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ [۶۵]

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ كَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۖ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِيۡنَهُمُ الَّذِى ارۡتَضٰى لَهُمۡ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمۡ

۵۵۔ اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اس نے ان لوگوں کو خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے لئے ان کے دین کو مستحکم کردے گا جس دین کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند

[۶۴] منافقین اپنے نفاق کو چھپانے کے لئے بڑی زوردار قسمیں اٹھا کر کہتے کہ اگر رسول ﷺ انہیں حکم دیں تو وہ ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا: زیادہ قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں ہے، تمہارے سابقہ کردار سے تمہاری اطاعت کا حال ہم کو اچھی طرح معلوم ہے، وقت آنے پر تمہیں اپنی قسمیں بھول جاتی ہیں اور ٹال مٹول شروع کر دیتے ہو، نیز جھوٹی قسموں سے وقتی طور پر لوگوں کو غلط فہمی ہو سکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ تمہارے دل کے ارادوں سے خوب واقف ہے۔

[۶۵] رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام واضح طور پر تمہیں پہنچا دے اور تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ تم رسول ﷺ کی اطاعت کر کے ہدایت پاؤ اور اگر تم رسول ﷺ کی اطاعت نہیں کرو گے تو اس میں رسول اللہ ﷺ کا کچھ نقصان نہیں ہے بلکہ انہوں نے تبلیغ کا فرض ادا کر دیا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا ؕ یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡئًا ؕ وَ مَنۡ کَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۵۵﴾

فرمایا ہے اور وہ ضرور ان کے خوف کی حالت کو امن سے بدل دے گا، [۶۶] وہ لوگ میری عبادت کرتے ہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے، اور اس کے بعد بھی جس نے ناشکری کی تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔

[۶۶] نبی کریم ﷺ سے پہلے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اپنے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی اطاعت کرتے ہوئے نیک اعمال کئے اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین کی حکومت عطا کی اور دشمنوں کے خوف سے نجات دی جیسے قوم طالوت کو جالوت کے خوف سے اور قوم موسیٰ کو فرعون کے خوف سے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے بھی وعدہ فرمایا کہ وہ اپنے نبی کریم ﷺ کی اطاعت میں نیک اعمال کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں بھی دشمنوں کے خوف سے نجات دے کر زمین کی خلافت عطا فرمائے گا، چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ چند سالوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار مکہ بلکہ کفار عرب و عجم کے خوف سے نجات دے کر انہیں زمین کی خلافت عطا فرمائی۔ اس سلسلہ میں دو احادیث ملاحظہ کریں:

۱۔ مکہ میں جو اسلام قبول کرتا کفار مکہ اس کو تنگ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے۔ چونکہ مکہ میں مسلمانوں کو قتال کی اجازت نہیں تھی اس لئے وہ اکثر چھپ کر عبادت کرتے اور ہمیشہ خوف کی حالت میں رہتے۔ پھر جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آگئے اور کفار مکہ نے وہاں بھی مظالم کا سلسلہ شروع رکھا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی جوابی کاروائی کے لئے قتال کی اجازت دیدی۔ چنانچہ مسلمان ہر وقت مسلح رہتے تھے کیونکہ کفار مکہ کسی بھی وقت حملہ کر سکتے تھے۔ ایک دن ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہم اسلام قبول کرنے کے بعد ہمیشہ سے خوف کی حالت میں ہیں، کیا ہم پر ایسا دن نہیں آئے گا جب ہمیں امن نصیب ہو اور ہم ہتھیار اتار کر رکھ دیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب تم آرام سے بے خوف ہو کر مجمع عام میں بیٹھو گے اور تمہارے جسم پر کوئی ہتھیار نہیں ہوگا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی تائید میں یہ آیت نازل فرمائی جس میں خوف کے بعد امن کی خوش خبری سنائی گئی۔ تاریخ شاہد ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو جزیرہ عرب پر غلبہ عطا فرمایا، مسلمانوں نے ہتھیار اتار دیئے اور امن و چین سے رہنے لگے، پھر نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور تک مسلمان امن میں رہے اور اس کے بعد فتنوں میں مبتلا ہو گئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دشمنوں کا خوف داخل کر دیا اور ان کی نعمتوں کو مصائب سے بدل دیا۔ (تفسیر در منثور)

۲۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے فقر و فاقہ کی شکایت کی، پھر دوسرا شخص آیا اور اس نے راستہ میں ڈاکوؤں کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: اے عدی رضی اللہ عنہ! کیا تم نے حیرہ کا شہر دیکھا ہے (جو کہ عراق میں تھا)؟ میں نے کہا: میں نے اس کو نہیں دیکھا لیکن میں نے لوگوں سے اس کے بارے میں سنا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر تمہاری عمر طویل ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک عورت حیرہ سے سفر کر کے آئے گی

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اور تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔[۶۷]

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۖ وَ لَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾ ع

۵۷۔ ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ کافر لوگ (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں عاجز کر دیں گے بلکہ ان کا ٹھکانا تو جہنم کی آگ ہے، اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔[۶۸]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ

۵۸۔ اے ایمان والو! تمہارے غلاموں اور نابالغ لڑکوں

اور کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوگا۔ میں نے دل میں کہا: پھر قبیلہ طے کے ان ڈاکوؤں کا کیا بنے گا جنہوں نے ہر جگہ فساد برپا کر رکھا ہے اور فرمایا: اگر تمہاری زندگی لمبی ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانوں کو فتح کرو گے۔ میں نے پوچھا: کسریٰ بن ہرمز؟ آپ نے فرمایا: ہاں کسریٰ بن ہرمز۔ اور اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ لوگ سونا یا چاندی ہاتھوں میں لیے ہوئے کسی غریب کی تلاش میں پھر رہے ہوں گے لیکن انہیں کوئی غریب نہیں ملے گا جو اس سونا یا چاندی کو قبول کرے ۔۔۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر میں نے اپنی زندگی میں ایک خاتون کو دیکھا جو حیرہ سے سفر کر کے آئی اور اس نے کعبہ کا طواف کیا اور وہ راستہ میں صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتی تھی اور میں خود ان مسلمانوں میں شامل تھا جنہوں نے کسریٰ کے خزانے فتح کئے تھے۔ (بخاری: ۳۵۹۵۔ کتاب المناقب: باب ۲۵)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت برحق تھی کیونکہ ان کے زمانہ میں نبی کریم ﷺ کی یہ پیش گوئی ظہور پذیر ہوئی اور مسلمانوں کو مال، امن اور غلبہ حاصل ہوا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں خلافت تیس سال ہوگی، اس کے بعد ملوکیت ہوگی۔ (ترمذی: ۲۲۲۶: ابواب الفتن: باب ۴۸) علامہ خازن نے اس تیس سال کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت دو سال تین ماہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت دس سال چھ ماہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بارہ سال، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چار سال نو ماہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت چھ ماہ۔ (تفسیر خازن) یہ آیت نبی کریم ﷺ کی نبوت کی بھی دلیل ہے کیونکہ اس میں جو پیش گوئی فرمائی گئی ہے وہ بالکل اسی طرح پوری ہوئی۔

[۶۷] آج بھی مسلمان اگر اللہ تعالیٰ کا رحم اور دشمنوں کے خوف سے نجات حاصل کرنا چاہیں تو اس آیت میں اس کا جواب موجود ہے یعنی وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں اور رسول اللہ ﷺ کی کامل اطاعت کریں، یہی وہ راستہ تھا جس پر چل کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مدد حاصل کی اور کفار کے مظالم سے نجات پائی۔

[۶۸] یعنی اللہ تعالیٰ جب نیک لوگوں پر رحم کرنا چاہتا ہے اور ان کے خوف کو امن میں بدلنے کا ارادہ کرتا ہے تو کافر لوگ اللہ تعالیٰ کے ارادوں کو ناکام نہیں بنا سکتے بلکہ وہ تو خود اپنے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے مجرم ہیں اور اسی وجہ سے انہیں جہنم میں پھینکا جائے گا۔

مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۛ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾

کو تین اوقات میں (تمہارے پاس آنے کے لئے) تم سے اجازت لینی چاہیے، نماز فجر سے پہلے، دوپہر کے وقت جب تم اپنے (زائد) کپڑے اتارتے ہو اور نماز عشاء کے بعد، یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں، ان تین اوقات کے علاوہ نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان پر (کیونکہ ان اوقات کے علاوہ) تم ایک دوسرے کے پاس کثرت سے آتے جاتے رہتے ہو، [٦٩] اسی طرح اللہ تعالیٰ (اپنی) آیتیں تمہارے لئے صاف صاف بیان فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ اور جب تمہارے بچے حد بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اجازت لیا کریں جس طرح وہ لوگ اجازت لیا کرتے تھے جو ان سے پہلے بالغ ہوئے تھے، [٧٠] اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں تمہارے لئے صاف صاف بیان فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ

۶۰۔ اور وہ خانہ نشین بوڑھی عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے اضافی کپڑے اتار دیں بشرطیکہ وہ اپنی آرائش کو ظاہر کرنے والی نہ

---

[٦٩] نماز فجر سے پہلے، دوپہر کو قیلولہ کے وقت اور نماز عشاء کے بعد۔ یہ تینوں اوقات ایسے ہیں جن میں عموماً انسان اپنے زائد کپڑے اتار دیتا ہے اور بے تکلف ہو کر سوتا ہے۔ نیز بیوی کے ساتھ مخالطت بھی اکثر ان ہی اوقات میں ہوتی ہے، لہٰذا ان اوقات میں غلاموں اور نابالغ بچوں کو بھی اجازت کے بغیر گھروں میں داخل نہیں ہونا چاہیے لیکن ان تین اوقات کے علاوہ غلاموں اور بچوں کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ انہیں اکثر ایک دوسرے کے پاس آنے جانے کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔

[٧٠] نابالغ بچے تو مذکورہ تین اوقات کے علاوہ بغیر اجازت کے گھروں میں داخل ہو سکتے ہیں مگر آزاد بچے بالغ ہو جائیں تو انہیں اپنے سے پہلے بالغ ہونے والوں کی طرح ہر وقت اجازت لے کر آنا چاہیے۔

يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

ہوں، اور اگر وہ اس سے بھی اجتناب کریں تو ان کے لئے بہت بہتر ہے،[۷۱] اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ

۶۱۔ اندھے پر کوئی حرج نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے [۷۲] اور نہ خود تم پر کوئی حرج ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوست کے گھر سے،[۷۳] اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ؛[۷۴] پھر جب تم گھروں میں داخل ہو تو

[۷۱] عورت جب اتنی بوڑھی ہو جائے کہ اس کا حیض آنا بند ہو جائے اور بچے جننے کے قابل نہ رہے تو اس عمر میں عام طور پر عورت میں جنسی کشش دم توڑ دیتی ہے اور وہ کسی مرد سے نکاح کرنے کی خواہش مند نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی مرد کو اس سے نکاح کرنے میں کوئی دلچسپی ہوتی ہے۔ ایسی عورت کے لئے پردہ لازمی نہیں ہے، وہ اپنے معمول کے ضروری کپڑوں کے علاوہ اضافی کپڑے مثلاً جلباب وغیرہ اتار سکتی ہے بشرطیکہ اس کا مقصد اپنی زینت دکھانا نہ ہو لیکن اگر ایسی بوڑھی عورت بھی اضافی کپڑے پہنا کرے تو اس کے لئے زیادہ بہتر ہے۔

[۷۲] علامہ قرطبی لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص اندھا، لنگڑا یا بیمار ہو تو اس پر ایسے افعال کا ادا کرنا ضروری نہیں جن سے اسے تکلیف ہوتی ہو۔ اسی لئے جمعہ اور جہاد وغیرہ سے یہ لوگ مستثنیٰ قرار دیئے گئے ہیں۔ (تفسیر قرطبی)

[۷۳] وہ قریبی رشتہ دار یا خصوصی احباب جن کے ہاں اکثر آنا جانا رہتا ہے اور وہ ایک دوسرے کی میزبانی کو باعث عزت سمجھتے ہیں، ان کے ہاں بغیر اجازت کے کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر وہ رشتہ دار یا احباب اس چیز کو ناپسند کریں تو پھر بغیر اجازت ان کے ہاں سے کچھ کھانا درست نہیں ہے۔

[۷۴] بعض لوگ اکٹھے کھانا پسند نہیں کرتے اور بعض اکیلے کھانا پسند نہیں کرتے تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اکٹھے کھانا

اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

اپنے (گھر والوں) پر سلام کیا کرو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے،[۷۵] اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے (اپنی) آیتیں صاف صاف بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔

کھاؤ یا الگ الگ دونوں طرح جائز ہے، البتہ جب کھانے والے زیادہ ہوں تو اکٹھے کھانا زیادہ برکت کا باعث ہے۔

[۷۵] عام طور پر لوگ کسی کے گھر جائیں تو انہیں سلام کرتے ہیں لیکن جب اپنے گھر آئیں تو اپنے بیوی بچوں کو سلام کی برکتوں سے محروم رکھتے ہیں۔ اس آیت میں یہ ترغیب دی جارہی ہے کہ جب تم اپنے گھر داخل ہو تو اہل خانہ کو سلام کرو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملاقات کا بابرکت اور پاکیزہ تحفہ ہے۔

سلام اور اس کے احکام

سلام کے الفاظ و معانی

دنیا کی ہر قوم میں ایسے الفاظ کا رواج پایا جاتا ہے جن سے وہ آپس میں ملاقات کے وقت اپنی خوش اخلاقی، ہمدردی اور محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ اسلام میں ملاقات کے الفاظ ہیں: السلام علیکم جن کا معنی ہے: ''تم پر ہر قسم کی سلامتی ہو'' جیسے الحمدللہ (سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں) میں حمد سے پہلے الف لام استغراق کے لئے ہے، یعنی ہر زمانے کی، ہر علاقہ کی، ہر قوم کی اور دنیا کی ہر چیز کی ہر قسم کی تعریف کا اصل مستحق اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی طرح السلام علیکم میں سلام سے پہلے الف لام بھی استغراق کے لئے ہے، یعنی صحت و عمر کی، مال و اولاد کی، خاندان و ایمان کی، حال و مستقبل کی، دنیا و آخرت کی الغرض ہر قسم کی سلامتی تجھے نصیب ہو اور ہر قسم کی مصیبت سے تو محفوظ رہے۔ صرف دو لفظوں میں اتنی کامل دُعا دُنیا کے کسی مذہب میں نہیں پائی جاتی۔ اسی لئے مسلمان چاہے کسی زبان سے تعلق رکھتا ہو ملاقات کے وقت یہی عربی زبان کے الفاظ استعمال کرتا ہے جبکہ دوسری قوموں کی ملاقات کے الفاظ زبان کے ساتھ بدل جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا نام

اللہ تعالیٰ کے خوبصورت اسمائے گرامی میں سے ایک سلام بھی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {اللہ تعالیٰ وہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ بادشاہ ہے، نہایت پاک ہے، سلام ہے ـــ} (قرآن: ۵۹: ۲۳) اسی طرح حضور اکرم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین مرتبہ استغفار پڑھتے اور یوں دعا کرتے: اللھم انت السلام ومنک السلام ـــ اے اللہ تعالیٰ! تو سلام ہے اور سلامتی تیری بارگاہ سے ملتی ہے۔ ـــ

(مسلم: کتاب المساجد: باب ۲۶)

اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی سلام کا معنیٰ ہے: ''سلامتی دینے والا، حفاظت کرنے والا'' اس لحاظ سے السلام علیکم کا معنیٰ ہے ''اللہ تعالیٰ تمہارا حافظ ہو اور وہ تمہیں سلامت رکھے'' اسی معنیٰ کے اعتبار سے اللہ حافظ یا خدا حافظ بھی کہا جاتا ہے۔ اس طرح ایک مسلمان سلام کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ اپنے بھائی کو سلامتی کی دعا دیتا ہے بلکہ اپنے رب تعالیٰ کے نام کا ذکر کر کے ایک اور حکم الٰہی پر عمل کرنے کا ثواب بھی حاصل کرتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس طرح حکم دیا ہے: {اور صبح و شام اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو۔} (قرآن: ۷۶: ۲۵)

سلام کی تاریخ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد فرمایا: جاؤ فرشتوں کی اس جماعت کو سلام کرو اور ان کا جواب غور سے سنو یہ تمہارے اور تمہاری اولاد کے لئے ملاقات کا تحفہ ہوگا، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو کہا: السلام علیکم اور فرشتوں نے جواب دیا: وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ۔ (ریاض الصالحین: کتاب السلام) اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اسلامی سلام کوئی جدید طریقہ نہیں ہے بلکہ انسانِ اوّل حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے ادوار میں بھی جاری رہا حتیٰ کہ موجودہ بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سلام بھی یہی لکھا ہوا ہے یعنی:

"Peace be on you."(The Holy Bible: Luke: Chapter 24 Verse 36)

انگریزی کے ان الفاظ کا عربی ترجمہ السلام علیکم ہی بنتا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سنت یعنی السلام علیکم، کو چھوڑ کر good morning کب اور کیوں شروع کیا؟ اور اب تو اس میں بھی تخفیف کر دی ہے یعنی good کو چھوڑ کر صرف morning پر اکتفا کرتے ہیں اور پتہ نہیں اس کا کیا معنیٰ مراد لیتے ہیں؟

سلام کا حکم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۱۔ {اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرمایئے: تم پر سلام ہو۔} (قرآن: ۶: ۵۴)

۲۔ {جب تم گھروں میں داخل ہو تو اہل خانہ کو سلام کرو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بابرکت اور پاکیزہ تحفہ ہے۔} (قرآن: ۲۴: ۶۱) اس آیت کے ضمن میں عمرو بن دینار (جو امام حدیث ہیں اور صحاح ستہ کے مصنفین نے ان سے احادیث روایت کی ہیں) کہتے ہیں: اگر گھر میں کوئی موجود نہ ہو تو کہو: السلام علی النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ (نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔) ملا علی قاری (جن کا انتقال ۱۰۱۴ھ میں ہوا) اس روایت کے ضمن میں لکھتے ہیں: یہ اس لئے ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اہل اسلام کے گھروں میں حاضر ہوتی ہے۔

(شرح شفا: قاضی عیاض: جلد دوم: ص ۱۱۸)

ہم جب کسی قبرستان کے پاس سے گزریں تو سنت یہ ہے کہ ہم انہیں السلام علیکم (تم پر سلام ہو) کہہ کر ان کی مغفرت کے لئے دعا کریں۔ (ابن ماجہ: ابواب الجنائز: باب ۳۶) حالانکہ ان کے جسم تو مٹی میں مٹی ہو چکے ہوتے ہیں۔ صرف ان کی روحوں کا ان قبروں سے ایک طرح کا رابطہ ہوتا ہے جن کو ہم السلام علیکم کہتے ہیں۔ اسی طرح ملا علی قاری کی توجیہ کے مطابق نبی اکرم ﷺ جسمانی اعتبار سے اگرچہ مدینہ منورہ میں آرام فرما ہیں مگر جب ان کی روح مبارک کا رابطہ اہل اسلام کے گھروں سے ہے تو ہم اس روح مبارک کے توسط سے آپ ﷺ کو وہ سلام بھی عرض کر سکتے ہیں جو ہم تشہد میں کہتے ہیں۔ (یعنی السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے غربت اور تنگدستی کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم گھر میں داخل ہو تو اگر اس میں کوئی شخص موجود ہو تو اسے سلام کیا کرو اور اگر اس میں کوئی شخص موجود نہ ہو تو مجھ پر سلام کیا کرو اور ایک مرتبہ {قل ہو اللہ احد۔۔۔ یعنی سورہ اخلاص} پڑھا کرو۔ اس آدمی نے اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اتنا کثیر رزق عطا فرمایا کہ وہ اپنے پڑوسیوں پر بھی سخاوت کرنے لگا۔ (تفسیر قرطبی: سورہ اخلاص)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! تم جنت میں داخل نہ ہو گے حتیٰ کہ تم ایمان لے آؤ اور تمہارا ایمان مکمل نہیں ہے یہاں تک کہ تم آپس میں محبت کرو۔ کیا میں تمہیں ایسا کام نہ بتاؤں جس کے کرنے کے بعد تم آپس میں محبت کرنے لگو (پھر خود ہی فرمایا:) اپنے درمیان سلام کو عام کرو۔ (ترمذی: ابواب الاستئذان: باب ۱)

۲۔ جب تم اپنے گھروں میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں کو سلام کرو اور جب تم کھانا کھاؤ تو بسم اللہ پڑھو، اور جب کوئی اپنے گھر میں داخل ہونے کے وقت سلام کرتا ہے اور اپنے کھانے پر بسم اللہ پڑھتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: اس گھر میں نہ تمہارے رات گزارنے کا ٹھکانا ہے اور نہ رات کا کھانا اور جب تم میں سے کوئی شخص سلام نہیں کرتا اور نہ کھاتے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: تمہیں رات کا ٹھکانا اور کھانا مل گیا۔
(کنز العمال: ۴۱۵۴۵: جلد ۱۵: ص ۳۹۹)

۳۔ جو شخص چاہتا ہے کہ شیطان اس کے پاس نہ کھانے پر آئے اور نہ ہی رات اور دن کے وقت اس کی آرام گاہ میں آئے تو اسے چاہیے کہ جب اپنے گھر میں داخل ہو تو اہل خانہ کو سلام کرے اور کھانے پر بسم اللہ پڑھے۔
(کنز العمال: ۴۱۵۴۶: جلد ۱۵: ص ۳۹۹)

کن لوگوں کو سلام دینا جائز نہیں ہے

درج ذیل لوگوں کو سلام کرنا جائز نہیں ہے:

جو لوگ نماز، خطبہ، اذان، اقامہ، تلاوت قرآن، علم شرعی کے مذاکرہ، وعظ کرنے، وعظ سننے یا رفع حاجت میں مشغول ہوں اُن کو سلام کرنا جائز نہیں اور اگر کوئی اُن لوگوں کو سلام کر دے تو اُس سلام کا جواب دینا ضروری نہیں ہے۔

سلام کا جواب

سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا فرض ہے۔ سلام کا جواب ایسے انداز اور اتنی آواز سے دیا جائے کہ سلام کرنے والے کو یقین ہو جائے کہ اس کے سلام کا جواب دیا گیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ دل میں جواب دے دیا جائے اور سلام کرنے والا غلط فہمی کا شکار ہو جائے کہ اس کے سلام کا جواب نہیں دیا گیا۔ نیز سلام کا جواب بہتر انداز میں ہونا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {جب تمہیں کسی لفظِ دعا سے سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یا (کم از کم) وہی الفاظ لوٹا دو۔} (قرآن: ۴:۸۶) اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی السلام علیکم کہے تو جواب میں وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ کہا جائے اور اگر کوئی السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہے تو اس کے جواب میں وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ کہا جائے۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: غیر مسلم جن الفاظ سے تمہیں سلام کریں تم بھی انہی الفاظ کے ساتھ انہیں جواب دو۔ (تفسیر تنویر المقباس)

خط میں لکھے ہوئے سلام کا جواب

خط میں لکھے ہوئے سلام کا جواب پڑھتے وقت ہی دے دینا چاہیے ممکن ہے جواب لکھنے سے پہلے موت آ جائے اور یہ فرض بطورِ قرض باقی رہ جائے۔

ملاقات کے وقت مسکرانا

سلام کرتے وقت یا سلام کا جواب دیتے وقت دونوں کے چہروں پر خوشی اور مسکراہٹ کا اظہار ہونا چاہیے۔ اس طرح باہمی احترام میں اضافہ ہوگا اور ان کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نیکی میں سے کچھ بھی حقیر نہ سمجھو اگرچہ تو اپنے بھائی کو خندہ پیشانی سے ملے۔'' (مسلم: کتاب البر: باب ۴۳) کیونکہ ''تیرا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا بھی تیرے لیے صدقہ کا درجہ رکھتا ہے۔'' (ترمذی: ابواب البر: باب ۳۶) ''اور صدقہ گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔'' (ترمذی: ابواب الایمان: باب ۸)

سلام کے آداب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بہتر وہ انسان ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

(احمد: جلد ۵: صفحہ ۲۵۴)

۲۔ سوار پیدل کو، پیدل بیٹھے ہوئے کو، تھوڑے زیادہ کو اور چھوٹے بڑے کو سلام کریں۔

(ترمذی: ابواب الاستیذان: باب ۱۴)

۳۔ جب تم گھر میں جاؤ تو اپنے اہل خانہ کو سلام کہو، اس طرح تمہیں اور تمہارے اہل خانہ کو برکت حاصل ہوگی۔

(ترمذی: ابواب الاستئذان: باب ۱۰)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَ

۶۲۔ مومن تو صرف وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ کسی اجتماعی کام میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں تو ان کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتے، بے شک جو لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں، پھر جب وہ اپنے کسی کام کے لئے آپ سے اجازت مانگیں تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت

۴۔ السلام علیکم کہنے سے دس نیکیاں، السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے سے بیس نیکیاں اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں۔ (ترمذی: ابواب الاستئذان: باب ۲)

۵۔ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس کے پاس سے گزرے جس میں مسلمان، مشرک اور یہود سب اکٹھے بیٹھے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سلام کہا (یعنی السلام علیکم کہا)۔ (ریاض الصالحین: کتاب السلام) اس سے یہ پتہ چلا کہ اگر کسی مجلس میں مسلمان اور غیر مسلم اکٹھے بیٹھے ہوں تو ان کو السلام علیکم کہنا جائز ہے، لیکن اگر کہیں صرف غیر مسلم بیٹھے ہوں تو خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں Good morning ضرور کہنا چاہیے۔

جنت میں دعا سلام

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {جنت میں اہل جنت کی (اللہ تعالیٰ کے حضور) دعا ہوگی سبحانک اللھم (اے اللہ تو پاک ہے) اور ان کی آپس کی دعا ہوگی السلام علیکم اور ان کی دعا کا آخری حصہ یہ ہوگا الحمدللہ رب العالمین (سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے)} (قرآن: ۱۰:۱۰) اس آیت میں اہل جنت کی دعا کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے اگر آپ اس دنیا میں اس کا کچھ تصور کرنا چاہتے ہیں تو نماز میں غور کرو۔ اس کی ابتدا سبحانک اللھم سے ہوتی ہے اور اس کا اختتام السلام علیکم پر ہوتا ہے اور بندہ مؤمن جب جائے نماز سے فارغ ہو کر اٹھتا ہے تو ان الفاظ یعنی الحمدللہ رب العالمین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے جس نے اسے نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی۔

فرشتوں کو سلام

حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے فرشتوں کو سلام کیا، لہٰذا ہم جب کسی کو سلام کریں تو ہمیں اس کے ساتھ اس کے نیکی اور بدی لکھنے والے فرشتوں کی نیت بھی کرنی چاہیے تاکہ فرشتے بھی ہمارے سلام کا جواب دیں اور ہم ان کے معصوم سلام سے فیض یاب ہوں۔ اختتام جماعت پر سلام کہتے ہوئے امام اور مقتدی دونوں کو اطراف کے نمازیوں کے علاوہ اپنے

اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۲﴾

دے دیں، [۷۶] اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ

۶۳۔ تم رسول ﷺ کے بلانے کو ایسا نہ بناؤ جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو، [۷۷] بے شک اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ میں چپکے سے کھسک جاتے ہیں، پس جو لوگ رسول ﷺ کے فرمان کی خلاف ورزی کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیے کہ ان پر کوئی مصیبت نہ آجائے یا

دائیں بائیں متعین فرشتوں کو بھی سلام کہنا چاہیے اور اگر کوئی انسان اکیلے نماز پڑھ رہا ہے تو وہ سلام کہتے ہوئے صرف اپنے دائیں اور بائیں متعین فرشتوں کی نیت کرے۔ (الفقه علی المذاهب الاربعة: جلد ۱: ص ۲۶۶) اگر ہم نے اپنے ساتھ رہنے والے فرشتوں کو بھی سلام نہ کیا تو وہ کیا سوچیں گے کہ ہم ایک مسلمان کے ساتھ پچاس ساٹھ سال کا عرصہ رہے لیکن اس نے ہمیں کبھی سلام تک نہیں کیا۔ یہ ٹھیک ہے فرشتے ہمیں نظر نہیں آتے مگر جب ہم اہل قبرستان کو سلام کرتے ہیں تو وہ بھی ہمیں نظر نہیں آتے۔ نیز فرشتوں کو سلام کرنے سے ہمیں ایک یاددہانی بھی ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کے یہ سیکیورٹی کیمرے ہر وقت ہمارے ساتھ ہیں جو میدان حشر کے لئے ہماری ہر حرکت کی فلم بنا رہے ہیں، لہٰذا ہمیں کوئی غلط کام کرنے سے پہلے کئی بار سوچنا چاہیے۔ کیونکہ کوئی بھی فرشتوں کے کیمرے سے بچ نہیں سکتا۔

[۷۶] مومن کی شان یہ ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ انہیں کسی اہم مشورہ، اجتماعی مہم اور جہاد کے لئے بلائیں تو وہ حاضر ہو جاتے ہیں اور آپ کی اجازت کے بغیر واپس نہیں جاتے، پھر جب وہ اپنے کسی کام کے لئے اجازت مانگیں تو آپ پر منحصر ہے کہ جس کو چاہیں اجازت دے دیں اور جس کو چاہیں موقع کی نزاکت کے مطابق روک لیں۔ آج بھی اہل ایمان کو اجتماعی کاموں کے لئے اپنے امیر کی اسی طرح اطاعت کرنی چاہیے۔

[۷۷] اس آیت میں بارگاہ رسالت مآب ﷺ کے آداب سکھائے جا رہے ہیں کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ سے بات کرنا چاہو تو آپ کو اس طرح نہ بلاؤ جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلند آواز سے نام لے کر بلاتے ہو بلکہ بڑے ادب، نرمی اور محبت کے ساتھ یارسول اللہ ﷺ کہہ کر ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کراؤ۔ نیز نبی کریم ﷺ کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے پر قیاس نہ کرو کہ مرضی ہوئی تو آگئے اور مرضی نہ ہوئی تو نہ آئے بلکہ ان کے بلانے پر فوراً

يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

انہیں کوئی دردناک عذاب نہ آلے۔ [۷۸]

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾ ع

۶۴۔ خبردار! جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تم جس حال میں ہو، اور جس دن وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے تو وہ انہیں بتادے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ [۷۹]

حاضر ہو جاؤ خواہ تم نماز میں ہو کیونکہ آپ کے بلانے پر اہل ایمان کا حاضر ہو جانا فرض ہے اور نہ آنے سے ایمان کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے۔

[۷۸] نبی کریم ﷺ جب کسی اجتماعی کام کے لئے مسلمانوں کو بلاتے تو منافقین اپنے نفاق کو چھپانے کے لئے بادل نخواستہ حاضر تو ہو جاتے مگر اپنی حاضری رجسٹر کرانے کے بعد چپکے سے ایک دوسرے کی آڑ میں کھسک جاتے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے بلانے پر نہیں آتے یا آکر بغیر اجازت کے کھسک جاتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرنا چاہیے کیونکہ اس نافرمانی کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آسکتی ہے۔

[۷۹] اس آیت میں منافقین کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ اسلام کے خلاف جو سازشیں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے اور قیامت کے دن ان کے کرتوتوں کے مطابق ان کو سزا دے گا۔

فقیر : محمد امداد حسین پیرزادہ : جامعہ الکرم، انگلستان

بروز جمعرات بعد از نماز عشاء ۱۸ دسمبر ۲۰۰۸ء بمطابق ۲۰ ذوالحجہ ۱۴۲۹ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الفرقان (۲۵)

یہ سورہ مکی ہے، اس کا نام "فرقان" ہے جو اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ اہل مکہ چونکہ قرآن، توحید اور رسالت کے منکر تھے اس لئے اس سورت میں انہیں مختلف انداز میں اسلامی عقائد سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

توحید کے بارے میں مشرکین سے ارشاد ہوتا ہے کہ ہر چیز کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے مگر تم جن کو خدا کہتے ہو وہ کسی چیز کو پیدا کرنے کا اختیار نہیں رکھتے بلکہ وہ خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں تو پھر وہ خدا کیسے بن سکتے ہیں؟

قرآن مجید کے متعلق مشرکین یہ کہتے تھے کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو آپ نے لکھا رکھی ہیں اور صبح وشام ان کی تلاوت کرتے ہو۔ چنانچہ اس سورت کی پہلی آیت میں انہیں بتایا گیا کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے اور یہ حق اور باطل کے درمیان واضح فرق کرنے والی کتاب ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں مشرکین کہتے تھے کہ وہ شخص کیسے رسول ہوسکتا ہے جو ہماری طرح کھاتا پیتا ہے اور ہماری طرح بازاروں میں چلتا ہے، اگر یہ واقعی رسول ہے تو اس کے ساتھ ایک فرشتہ ہونا چاہیے تھا، نیز اس کے پاس خزانے اور باغات بھی ہونے چاہییں تھے لیکن اگر اللہ تعالیٰ آپ کو اسی دنیا میں باغات اور محلات عطا فرمادے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہیں کیونکہ وہ قیامت کے منکر ہیں۔

اس سورت کے آخر میں اہل ایمان کی صفات حمیدہ بیان کی گئی ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں اجر عظیم سے سرفراز فرمائے گا۔

فقیر : محمد امداد حسین پیرزادہ : جامعہ الکرم ایٹن ہال، انگلستان
بعد از نماز فجر بروز جمعہ ۲۶ دسمبر ۲۰۰۸ء بمطابق ۲۸ ذوالحجہ ۱۴۲۹ھ

ایاتہا ۷۷ ۲۵ سورۃ الفرقان مکیۃ ۴۲ رکوعاتہا ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ①

۱۔ بڑی برکت والا ہے وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے (محبوب) بندے پر فرقان نازل فرمایا[۱] تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والا بن جائے۔[۲]

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ②

۲۔ وہ اللہ تعالیٰ کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کے لئے ہے اور اس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہ (اس کی) بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے اور اس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا، پھر ہر چیز کو ایک مقررہ اندازے پر رکھا۔[۳]

[۱] ''فرقان'' کا معنی ہے: ''حق و باطل میں فرق کرنے والا'' اور یہ قرآن مجید کے اسمائے گرامی میں سے ایک ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ پر جو قرآن نازل فرمایا ہے اس نے حق و باطل کے درمیان واضح فرق بیان کر دیا ہے۔

[۲] اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی نبوت کسی ایک علاقہ، رنگ یا نسل والوں کے لئے مخصوص نہیں بلکہ آپ کی نبوت عالمگیر ہے اور آپ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے نبی ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے سورہ الاعراف (۷) کی آیت نمبر ۱۵۸ اور حاشیہ نمبر ۸۴ ملاحظہ کریں۔

[۳] ساری کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے ہر چیز کو خوبصورت، متوازن اور کامل اندازے پر رکھا ہے۔ اسی لئے ہر چیز اپنے اپنے دائرہ میں پورے نظم و ضبط کے ساتھ سرگرم عمل ہے اور اگر اس کے کسی حصہ میں تھوڑی بہت تبدیلی کر دی جائے تو نظام کائنات درہم برہم ہو جائے، مثلاً سورج اور چاند کو اگر اللہ تعالیٰ کسی دن آپس میں ٹکرا دے تو اس کے نقصان کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ جنگل کے شیر کو پر لگا دیتا تو شیر جب چاہتا آباد بستیوں سے انسانوں کو اچک کر لے جاتا اور اگر پرندوں کو پر نہ لگاتا تو بلیاں سب پرندوں کو کھا جاتیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ایسے مخصوص اندازے پر بنایا ہے کہ اس میں اس کی نشوونما اور اس کے تحفظ کے وسائل بھی موجود ہیں۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ وَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا وَّ لَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ③

۳۔ اور مشرکین نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسے معبود بنا رکھے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور نہ وہ اپنے لئے کسی نقصان اور نفع کے مالک ہیں اور نہ ہی وہ موت اور حیات اور دوبارہ جی اٹھنے کے مالک ہیں۔ [۴]

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ④

۴۔ اور کافروں نے کہا: یہ (قرآن) تو محض ایک بہتان ہے جس کو اس (رسول) نے گھڑ لیا ہے اور اس معاملہ میں کچھ دوسرے لوگوں نے بھی اس کی مدد کی ہے، [۵] سو (یہ کہہ کر) کافروں نے بڑا ظلم کیا ہے اور جھوٹ بولا ہے۔

[۴] مشرکین نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کو خدا بنا رکھا ہے وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ خود بھی پیدا کئے گئے ہیں اور ان کی بے بسی کا عالم یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی و موت اور نفع و نقصان کے بھی مالک نہیں تو پھر وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں، لہٰذا عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔

[۵] مشرکین مکہ اکثر یہ الزام لگاتے کہ نبی کریم ﷺ قرآن خود بناتے ہیں اور جب انہیں کہا جاتا کہ آپ امی ہیں اور چالیس سال کی عمر تک آپ ﷺ نے نہ کوئی کتاب پڑھی ہے اور نہ لکھی ہے تو اچانک فصیح و بلیغ قرآن کیسے تیار کر سکتے ہیں؟ تو پھر کہتے: ان کو کوئی آدمی قرآن سکھاتا ہے اور جب ان سے پوچھا جاتا کہ وہ کون آدمی ہے؟ تو کبھی جبر کا نام لیتے اور کبھی یعیش، عداس، یسار یا بلعام کا نام لیتے اور یہ سارے عجمی غلام تھے۔ ان میں سے بعض عیسائی بعض یہودی اور بعض مسلمان ہو چکے تھے۔ جبر کے متعلق علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ عیسائی غلام تھا بعد میں مسلمان ہو گیا۔ مشرکین مکہ نے کہا کہ جبر آپ کو قرآن سکھاتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جبر تو عجمی ہے وہ خود فصیح عربی نہیں بول سکتا تو پھر وہ فصیح عربی پڑھا کیسے سکتا ہے؟ نقاش نے ذکر کیا ہے کہ جبر کو اس کا مالک مارتا تھا کہ تو محمد ﷺ کو پڑھاتا ہے تو وہ کہتا: خدا کی قسم! میں آپ کو نہیں پڑھاتا بلکہ آپ مجھے پڑھاتے ہیں اور مجھے ہدایت کا راستہ دکھاتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی: سورۃ النحل (۱۶): زیر آیت نمبر ۱۰۳) اب غور طلب بات یہ ہے کہ اگر جبر قرآن سکھانے والا تھا تو اسے تو علم تھا کہ یہ خدا کا کلام نہیں بلکہ اس کا سکھایا ہوا کلام ہے تو پھر اسے اسلام لا کر اپنے مالک سے مار کھانے کی کیا ضرورت تھی لیکن حقیقت وہی ہے جو جبر نے اوپر بیان کر دی ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ سے وہ تعلیم اور ہدایت حاصل کی ہے جو یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھی۔

وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۵

۵۔ اور انہوں نے کہا: یہ قرآن تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس (رسول) نے لکھوا رکھا ہے، پھر وہ کہانیاں صبح وشام پڑھ کر اسے سنائی جاتی ہیں۔[۶]

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۶

۶۔ آپ فرما دیجئے: اس قرآن کو اس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے جو آسمانوں اور زمین کے سارے رازوں کو جانتا ہے، بے شک وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝۷

۷۔ اور کافروں نے کہا: یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے، اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا جو اس کے ساتھ (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والا ہوتا۔[۷]

اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝۸

۸۔ یا اس کی طرف کوئی خزانہ اتار دیا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہوتا جس میں سے وہ کھایا کرتا، اور ظالموں نے کہا: تم تو صرف ایک ایسے شخص کی پیروی کرتے ہو جس پر جادو کیا گیا ہے۔[۸]

---

[۶] مشرکین کہتے تھے کہ قرآن مجید پہلے لوگوں کے قصوں کا مجموعہ ہے لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ اگر یہ قرآن پہلے لوگوں کی کہانیوں پر ہی مشتمل ہوتا جن کو آپ نے چند یہود ونصاریٰ سے لکھا رکھا ہے تو پھر کوئی بھی اس قرآن کی مثال بنا سکتا تھا لیکن چونکہ یہ قرآن اس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے جو زمین وآسمان کے سب رازوں سے باخبر ہے اس لئے کوئی اس قرآن کی مثال نہیں لاسکتا۔

[۷] کفار کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ کیسا رسول ہے جو ہماری طرح کھاتا پیتا ہے اور ہماری طرح بازاروں میں چلتا ہے تو اس میں اور ہم میں کیا فرق ہے؟ پھر بھی اگر آپ کو ہی رسول بنانا تھا تو آپ کے ساتھ ایک فرشتہ اتارا جاتا جو ہمیں نظر آتا، وہ آپ کے ساتھ رہ کر آپ کی تصدیق کرتا اور لوگوں کو ڈراتا کہ اگر تم نے اس رسول کی پیروی نہ کی تو آخرت میں عذاب الٰہی تمہارا مقدر ہوگا۔

[۸] یا اگر آپ ہی کو رسول بنانا تھا تو کم از کم آپ کے ساتھ سونے چاندی کے خزانے اتارے جاتے یا آپ کا کوئی اپنا باغ ہوتا

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹﴾ ع

۹۔ ملاحظہ فرمایئے انہوں نے آپ کے لئے کیسی مثالیں بنا رکھی ہیں، پس وہ ایسے گمراہ ہوئے کہ اب (ہدایت کا) راستہ نہیں پا سکتے۔[۹]

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ يَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾

۱۰۔ اللہ تعالیٰ بڑی برکت والا ہے اگر وہ چاہے تو آپ کے لئے اس سے کہیں بہتر ایسے باغات بنا دے جن کے نیچے نہریں رواں ہوں اور آپ کے لئے بڑے بڑے محلات بھی بنا دے۔[۱۰]

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ

۱۱۔ بلکہ انہوں نے قیامت کو جھٹلایا ہے،[۱۱] اور جس نے

جس سے وہ اپنی ضروریات زندگی پوری کرتے، جب ان کے پاس ایسی بھی کوئی چیز نہیں ہے تو ایسے لگتا ہے جیسے آپ پر کسی نے جادو کر دیا ہے، پھر ان مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہیں۔

[۹] کفار نے آپ کے متعلق عجیب و غریب جھوٹی مثالیں بنا رکھی ہیں جن کی وجہ سے وہ گمراہی کی اس انتہا کو پہنچ گئے ہیں کہ اب وہ ہدایت کا راستہ نہیں پا سکتے۔

[۱۰] مشرکین کا ایک اعتراض یہ تھا کہ حضرت محمد ﷺ اپنے ماننے والوں کو آخرت میں باغات اور محلات کی خوش خبریاں سناتے ہیں جب کہ اس دنیا میں ان کے اپنے پاس کوئی باغ اور محل نہیں ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کو مال و دولت کی فراوانی عطا کر دیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے یہی پسند فرمایا کہ آپ غریب مسلمانوں کی طرح ان میں رہیں اور نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے لئے یہی حالت پسند فرمائی، جیسا کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے رب نے مجھے یہ پیش کش کی کہ میرے لئے مکہ کی وادیوں کو سونا بنا دے۔ میں نے عرض کیا: نہیں اے میرے رب! میں ایک دن سیر ہو کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا، جب میں بھوکا ہوں گا تو تجھ سے فریاد کروں گا اور تجھ کو یاد کروں گا اور جب میں سیر ہوں گا تو تیرا شکر ادا کروں گا اور تیری تعریف کروں گا۔ (ترمذی: ۲۳۴۷؛ ابواب الزھد: باب ۳۵)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے کہا گیا: اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کو زمین کے خزانے اور ان کی کنجیاں عطا کر دیں جو ہم نے آپ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کیں اور اس سے آپ کے اس اجر میں کمی نہیں ہوگی جو قیامت کے دن ہمارے پاس سے آپ کو ملے گا تو آپ نے عرض کیا: اے اللہ! میرے لئے ان کو آخرت میں جمع کر دے۔

(تفسیر ابن ابی حاتم: حدیث نمبر ۱۴۹۹۱)

[۱۱] یہ کفار جو اکثر آپ کی رسالت پر اعتراضات کرتے رہتے ہیں دراصل ان کو قیامت پر یقین نہیں ہے اس لئے شیطان جو ان کے

كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿١١﴾

بھی قیامت کو جھٹلایا ہم نے اس کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿١٢﴾

۱۲۔ جب وہ آگ انہیں دور سے دیکھے گی تو وہ آگ کے غضب اور جوش کی آوازیں سنیں گے۔[۱۲]

وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿١٣﴾

۱۳۔ اور جب انہیں جہنم کی کسی تنگ جگہ میں زنجیروں سے جکڑ کر پھینکا جائے گا تو وہاں موت کو پکاریں گے۔

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿١٤﴾

۱۴۔ (ان سے کہا جائے گا:) آج تم ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو۔[۱۳]

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاۗءً وَّمَصِيْرًا ﴿١٥﴾

۱۵۔ آپ فرمایئے: کیا یہ (آگ) اچھی ہے یا دائمی جنت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے، جو ان (کے اعمال) کا بدلہ اور ٹھکانا ہے[۱۴]

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿١٦﴾

۱۶۔ اس جنت میں ان کے لئے ہر وہ چیز ہوگی جو وہ چاہیں گے (اور وہ اس میں) ہمیشہ رہیں گے، یہ آپ کے رب کا وعدہ ہے جس کا سوال کیا جائے گا۔[۱۵]

ذہن میں ڈالتا ہے فوراً کہہ دیتے ہیں۔ اگر انہیں قیامت پر یقین ہوتا تو اس کی سزا کے ڈر سے ہر بات سوچ سمجھ کر کرتے۔

[۱۲] منکرین قیامت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو آگ تیار کر رکھی ہے اس کے شعلوں کے بھڑکنے اور تپش کی شدت سے ایسی خوفناک آواز پیدا ہوگی جس کو سن کر منکرین کے کلیجے منہ کو آ جائیں گے۔

[۱۳] جب انہیں زنجیروں میں جکڑ کر بھڑکتی ہوئی آگ کی کسی تنگ وادی میں پھینکا جائے گا تو وہ پکار اٹھیں گے: کاش! انہیں موت آ جائے تو انہیں کہا جائے گا: اب موت کو پکارنے کا کوئی فائدہ نہیں، یہاں تو اموات اور تباہیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے جس سے کوئی دوزخی نہیں بچ سکتا۔

[۱۴] اہل جہنم سے پوچھا جائے گا: کیا یہ آگ اچھی ہے یا وہ دائمی جنت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ سوال قیامت کے دن ہوگا مگر یہاں اس کا نقشہ اس لئے کھینچا گیا ہے تاکہ منکرین اس کے ڈر سے آج تقویٰ کا راستہ اختیار کریں۔

[۱۵] جنتی لوگ ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور جنت میں ان کے لئے ہر وہ چیز ہوگی جو وہ چاہیں گے۔ یہ حسن جزا کا وعدہ اللہ تعالیٰ کا

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور جس دن اللہ تعالیٰ مشرکین کو اور ان کو جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے تھے جمع کرے گا تو ان (معبودوں) سے فرمائے گا: کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا؟ یا وہ خود ہی سیدھی راہ سے بھٹک گئے تھے؟

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَ لٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَ كَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾

۱۸۔ وہ کہیں گے: تو پاک ہے ہمیں یہ بات زیبا نہ تھی کہ ہم تجھے چھوڑ کر اوروں کو مددگار بناتے لیکن تو نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوشحالی عطا فرمائی یہاں تک کہ انہوں نے ترے ذکر کو بھلا دیا اور وہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے۔ [۱۶]

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾

۱۹۔ (اے مشرکو!) جو کچھ تم کہتے ہو تمہارے معبودوں نے ان کو جھٹلا دیا، پس اب تم نہ عذاب کو ٹال سکتے ہو اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہو اور تم میں سے جس نے بھی ظلم کیا ہم اسے بہت بڑا عذاب چکھائیں گے۔ [۱۷]

خاص فضل ہے جو اس نے اپنے ذمہ کرم پر لازم کر رکھا ہے اور اس کو ہر صورت میں پورا کیا جائے گا اور بفرض محال اگر کسی کو یہ بدلہ ملنے میں تاخیر ہو تو اللہ تعالیٰ نے اسے یہ اجازت دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے اس حق کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

[۱۶] قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا جن کی یہ مشرکین عبادت کرتے تھے: کیا تم نے میرے بندوں کو کہا تھا کہ وہ مجھے چھوڑ کر تمہاری عبادت کریں؟ تو وہ کہیں گے: ہم جب خود تیرے ساتھ کسی کو شریک بنانا جائز نہیں سمجھتے تو کسی اور کو کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہمیں تیرا شریک بنائے لیکن اس کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ تیری عطا کردہ خوشحالی نے انہیں تیرے ذکر سے غافل کر دیا ہے۔ اسی قسم کا سوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی پوچھا جائے گا۔ اس کی تفصیل کے لئے سورہ مائدہ (۵) کی آیت نمبر ۱۱۶ کا حاشیہ نمبر ۱۵۵ ملاحظہ فرمائیں۔

[۱۷] مشرکین جن معبودوں کی مدد کی امید رکھتے تھے جب انہوں نے ان کے سارے دعوؤں کو جھٹلا دیا اور ان سے بیزاری کا اعلان کر دیا تو اللہ تعالیٰ مشرکین سے فرمائے گا: اب تمہیں تمہارے شرک کے عذاب سے کوئی تمہیں نہیں بچا سکتا کیونکہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّآ اِنَّهُمۡ لَيَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَيَمۡشُوۡنَ فِى الۡاَسۡوَاقِ‌ؕ وَجَعَلۡنَا بَعۡضَكُمۡ لِبَعۡضٍ فِتۡنَةً ؕ اَتَصۡبِرُوۡنَ‌ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيۡرًا ۲۰

۲۰۔ اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے، [۱۸] اور ہم نے تم کو ایک دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے، کیا تم صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب خوب دیکھنے والا ہے۔ [۱۹]

---

[۱۸] پہلے انبیائے کرام علیہم السلام بھی انسان تھے، کھانا کھاتے تھے اور رزق حلال کمانے کے لئے بازار بھی جاتے تھے، یہ چیزیں نبوت کے منافی نہیں ہیں۔

[۱۹] اللہ تعالیٰ نے بعض انسانوں کو امیر اور بعض کو غریب بنا کر سب کا امتحان لیا ہے، لہٰذا امیر شخص کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے اور غریب کو چاہیے کہ وہ آزمائش پر صبر اختیار کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے حالات سے خوب واقف ہے اور اس کے احوال کے مطابق اس کی جزا و سزا کا فیصلہ فرمائے گا۔

صابر و شاکر بننے کا طریقہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو خصلتیں ایسی ہیں جس میں یہ پائی جائیں اللہ تعالیٰ اس کو صابر و شاکر لکھ دیتا ہے۔ جس نے دین کے معاملہ میں اپنے سے برتر میں غور کیا، پھر اس کی اقتدا کی اور دنیا کے معاملہ میں اپنے سے کمتر میں غور کیا، پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے اس کو اس پر فضیلت دی، پس اللہ تعالیٰ اس کو صابر و شاکر لکھ دیتا ہے۔ اس کے برعکس جس نے دین کے معاملہ میں اپنے سے کم تر میں غور کیا اور دنیا کے معاملہ میں اپنے سے برتر میں غور کیا، پھر جس دنیاوی چیز سے وہ محروم ہے اس پر افسوس کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو نہ شاکر لکھتا ہے نہ صابر۔ (ترمذی: ۲۵۱۲: ابواب صفۃ القیامہ: باب ۵۸) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے سے کم تر میں غور کرو اور اپنے سے برتر میں غور نہ کرو، یہ زیادہ مناسب ہے تاکہ تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو حقیر نہ جانو۔ (ترمذی: ۲۵۱۳: ابواب صفۃ القیامہ: باب ۵۸)

کسی بزرگ کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے دمشق کی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کی، جب باہر نکلا تو اس کا جوتا وہاں موجود نہیں تھا۔ اس بزرگ نے واپس مسجد میں جا کر اللہ تعالیٰ کا شکوہ کیا کہ میں تیری نماز ادا کرنے کے لئے تیرے گھر میں آیا اور کسی نے میرا جوتا چرا لیا، پھر وہ بزرگ شکوہ کرتا ہوا بازار گیا تاکہ نیا جوتا خریدے لیکن سر بازار اس نے ایک ایسے بھکاری کو مانگتے دیکھا جس کے دونوں پاؤں کٹے ہوئے تھے، اسے دیکھ کر اس بزرگ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور واپس جا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ تو نے مجھے پاؤں تو دے رکھے ہیں جوتے تو اور بھی مل سکتے ہیں مگر اس بھکاری کے پاس تو پاؤں بھی نہیں ہیں جن میں جوتا پہنا جاتا ہے، لہٰذا ہر انسان کو کسی مصیبت کے وقت دیگر نعمتوں اور اپنے سے کم تر میں غور کر کے اللہ تعالیٰ کے شکر کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور جو لوگ (آخرت میں) ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے انہوں نے کہا: ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے گئے یا ہم اپنے رب کو (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیتے، دراصل انہوں نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا اور بہت بڑی سرکشی کی۔ [۲۰]

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾

۲۲۔ جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن ان مجرموں کے لئے کوئی خوش خبری نہیں ہوگی اور وہ کہیں گے: کاش! (ان فرشتوں اور ہمارے درمیان) کوئی مضبوط حجاب ہوتا۔ [۲۱]

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور ہم ان اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے جو انہوں نے کئے تھے اور ان کے اعمال کو خاک کے ذروں کی طرح اڑا دیں گے۔ [۲۲]

---

[۲۰] جو لوگ قیامت کے دن ہماری ملاقات کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اوپر فرشتے کیوں نہیں نازل کئے گئے جو ہمیں بتاتے کہ حضرت محمد ﷺ برحق رسول ہیں یا ہم اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے اور وہ ہمیں خود بتاتا کہ حضرت محمد ﷺ میرے بھیجے ہوئے رسول ہیں تو پھر ہمارے لئے آپ کی تصدیق آسان ہوجاتی۔ دراصل ان کا یہ مطالبہ ان کے تکبر اور سرکشی کی انتہا ہے، اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا بہت دور کی بات ہے یہ تو فرشتوں کو دیکھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے کیونکہ انسان مٹی سے بنا ہے اور فرشتے نور سے بنائے گئے ہیں اور اگر فرشتہ ظاہر ہوجاتا تو ان منکرین کو کیسے پتہ چلتا کہ یہ آگ سے پیدا ہونے والا شیطان ہے یا نور سے پیدا ہونے والا فرشتہ، البتہ اس زندگی میں فرشتے کو دیکھنے کی ایک صورت یہ ہے کہ فرشتہ انسانی شکل میں ظاہر ہو اور جب فرشتہ انسانی شکل میں ظاہر ہوتا تو پھر وہ اعتراض کرتے کہ یہ تو ہماری طرح انسان ہے فرشتہ نہیں ہے، لہٰذا ان کا یہ مطالبہ ان کی سرکشی اور ہٹ دھری کا مظہر ہے۔

[۲۱] اس زندگی میں منکرین قیامت فرشتوں کو نہیں دیکھ سکتے، البتہ موت کے وقت اور قیامت کے دن جب وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اور فرشتے ان کو عذاب جہنم کی خبر سنائیں گے تو گھبرا کر پکار اٹھیں گے: کاش! ہم فرشتوں کو نہ دیکھ سکتے تاکہ وہ ہمیں عذاب کی خبر نہ سناتے۔

[۲۲] جہنم کے عذاب کو دیکھ کر منکرین اپنے نیک اعمال پیش کرنے کی کوشش کریں گے کہ شاید کچھ فائدہ ہوجائے مگر چونکہ ان کے

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾	۲۴۔ اہل جنت کا اس دن بہت اچھا ٹھکانا ہوگا اور وہ بہت اچھی آرام گاہ ہوگی۔ [۲۳]
وَ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾	۲۵۔ اور جس دن آسمان پھٹ کر بادل میں بدل جائے گا اور فرشتے جوق در جوق اتارے جائیں گے۔ [۲۴]
اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَ كَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾	۲۶۔ اس دن حقیقی بادشاہی صرف رحمٰن کی ہوگی اور وہ دن کافروں پر بڑا سخت ہوگا۔
وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾	۲۷۔ اور اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو چبائے گا اور کہے گا: کاش! میں نے رسول کے ساتھ راستہ اختیار کرلیا ہوتا۔ [۲۵]

اعمال کے پیچھے ایمان نہیں ہوگا اس لئے ان کے اعمال بے اثر ہوں گے اور ان کو خاک کے ذروں کی طرح ہوا میں اڑا دیا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جن لوگوں نے اپنے رب کا انکار کیا ان کے اعمال کی مثال راکھ کی طرح ہوگی جس کو آندھی کے دن تیز ہوا نے اڑا دیا ہو، وہ اپنے اعمال سے کوئی فائدہ حاصل نہ کرسکیں گے۔ (قرآن: ۱۴: ۱۸)

[۲۳] مجرموں کو قیامت کا دن پچاس ہزار سال کے برابر معلوم ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔ (قرآن: ۷۰: ۴) لیکن اہل ایمان کے لئے وہ دن ایک فرض نماز پڑھنے سے بھی مختصر معلوم ہوگا۔

(مسند احمد: جلد ۳: ص ۷۵)

اس آیت کی تفسیر میں سعید الصواف بیان کرتے ہیں کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ قیامت کے دن مومنوں کا فیصلہ اتنی دیر میں کردیا جائے گا جتنی دیر عصر سے غروب آفتاب تک ہوتی ہے، پھر وہ جنت کے باغات میں جاکر قیلولہ کریں گے حتیٰ کہ تمام لوگ حساب سے فارغ ہوجائیں گے۔ (تفسیر ابن جریر طبری)

[۲۴] قیامت کے دن آسمان پھٹ کر ایک سفید رنگ کا پتلا سا بادل بن جائے گا جو کہر کی مانند ہوگا اور آسمانوں کے سارے فرشتے لوگوں کا حساب لینے کے لئے میدان محشر میں اتار دیے جائیں گے۔ (تفسیر قرطبی)

[۲۵] قیامت کا ماحول دیکھ کر کافروں کو بھی یقین ہوجائے گا کہ حقیقی بادشاہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ دن کافروں کے لئے بڑا سخت ہوگا۔ وہ حسرت و افسوس سے اپنی انگلیوں کو دانتوں میں چبائیں گے اور کہیں گے: کاش! ہم دنیا میں رسول پر ایمان لاتے اور ہدایت کا راستہ اختیار کرتے تو آج اس عذاب سے بچ جاتے۔

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾

۲۸۔ ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔[۲۶]

لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ؕ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾

۲۹۔ بے شک اس نے میرے پاس نصیحت آجانے کے بعد مجھے اس سے بہکا دیا، اور شیطان انسان کو (مشکل کے وقت) بے یارو مددگار چھوڑ دینے والا ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اور رسول عرض کریں گے: اے میرے رب! بے شک میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظرانداز کر دیا تھا۔

---

[۲۶] برے دوست کی سنگت میں انسان اکثر برائی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور قیامت کے دن اس برائی کا برا انجام دیکھ کر پکار اٹھے گا: کاش! وہ زندگی میں فلاں کو دوست نہ بناتا، اس نے مجھے گمراہ کر دیا۔ برا دوست دراصل شیطان کا نمائندہ ہوتا ہے اور شیطان انسان کو برائیوں میں مبتلا کر کے خود بھاگ جاتا ہے۔

اچھی اور بری سوسائیٹی

☆ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بری سوسائیٹی سے تنہائی بہتر ہے اور تنہائی سے نیک سوسائیٹی بہتر ہے۔

(شعب الایمان: البیھقی: حدیث نمبر ۴۹۹۳)

☆ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، لہٰذا تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ خوب غور کرے کہ وہ کسے دوست بنا رہا ہے۔ (ابو داؤد: کتاب الادب: باب ۱۹)

☆ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نیک ساتھی اور برے ساتھی کی مثال مشک والے اور لوہار کی بھٹی میں پھونک مارنے والے کی طرح ہے۔ مشک والا یا تو تمہیں مشک کا عطیہ دے گا یا تم اس سے مشک خرید و گے ورنہ تم اس سے پاکیزہ خوشبو تو ضرور پاؤ گے اور بھٹی میں پھونک مارنے والا تمہارے کپڑے جلائے گا ورنہ تم اس سے بدبو دار ہوا تو بہرحال پاؤ گے۔

(بخاری: ۵۵۳۴: کتاب الذبائح: باب ۳۱)

☆ ابوبکر بزاز ؓ نے ابن عباس ؓ سے روایت کیا کہ عرض کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ! ہمارے لئے کون سا ہم نشین زیادہ بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کی ملاقات تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد دلائے، جس کی گفتگو سے تمہارے علم میں اضافہ ہو اور جس کا عمل تمہیں آخرت کی یاد دلائے۔ (تفسیر قرطبی)

☆ مالک بن دینار نے فرمایا: اگر تم نیک لوگوں کے ساتھ پتھر اٹھاؤ تو وہ تمہارے لئے بدکار لوگوں کے ساتھ عمدہ کھانا کھانے سے بہتر ہے۔ (تفسیر قرطبی)

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾

۳۱۔اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے مجرموں میں سے دشمن بنائے، اور آپ کا رب ہدایت دینے اور مدد کرنے کے لئے کافی ہے۔[۲۷]

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾

۳۲۔اور کافروں نے کہا: اس (رسول) پر قرآن ایک ہی بار کیوں نہیں نازل کیا گیا، اس طرح (تھوڑا تھوڑا اس لئے نازل کیا) تاکہ ہم اس کے ساتھ آپ کے دل کو مضبوط کر دیں اور (اسی لئے) ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا ہے۔[۲۸]

وَ لَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ؕ﴿۳۳﴾

۳۳۔اور کافر لوگ آپ کے پاس جو بھی مثال (یا اعتراض) لائیں گے ہم اس کا صحیح جواب اور اس کی عمدہ توجیہ لے آئیں گے۔[۲۹]

---

[۲۷] کفار قریش جب قرآن کی دعوت سے اعراض کرتے تو نبی کریم ﷺ کا دل رنجیدہ ہوتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ بھی مجرم لوگوں نے اسی طرح دشمنی کی، لہٰذا آپ ان کی دل آزار باتوں سے کبیدہ خاطر نہ ہوں۔ آپ کا رب آپ کی مدد فرمائے گا اور آپ کا رشد و ہدایت کا پیغام دنیا میں پھیل کر رہے گا۔

[۲۸] مشرکین کا ایک اعتراض یہ تھا کہ جس طرح تورات، زبور اور انجیل یکبارگی نازل ہوئی تھیں اسی طرح آپ پر مکمل قرآن ایک ہی بار کیوں نازل نہیں ہوا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ قرآن مجید کی ہر آیت کا مفہوم مسلمانوں کے خوب ذہن نشین ہو جائے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام کا اپنا ایک مکمل نظام حیات ہے جس نے زندگی کے ہر شعبہ میں انقلابی تبدیلیاں کی ہیں اور زمانہ جاہلیت کی ہر رسم بد کو ختم کیا ہے، اگر ان تمام جہالتوں کو یک دم ختم کرنے کا اعلان کر دیا جاتا تو منفی ردعمل ہوتا مثلاً وہ لوگ شراب کے عادی تھے اگر شراب کو یک دم حرام کر دیا جاتا تو ان کے لئے اس پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا اس لئے قرآن مجید نے بتدریج اس کے نقصانات بتا کر پہلے شراب کے خلاف فضا ہموار کی اور پھر حرمت کا حکم نازل فرمایا جس کی وجہ سے منفی ردعمل کا دروازہ بند ہو گیا اور لوگوں نے خوشی سے اس حکم کو تسلیم کر لیا۔

[۲۹] قرآن مجید کو بتدریج نازل کرنے میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ کافر لوگ جب بھی نبی کریم ﷺ کے خلاف کوئی مثال یا اعتراض لائیں گے تو اسی وقت قرآن مجید کے ذریعہ ان کا صحیح جواب دیا جائے گا۔

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾

۳۴۔ جو لوگ اپنے منہ کے بل جہنم کی طرف گھسیٹ کر لائے جائیں گے ان کا بہت برا ٹھکانا ہوگا اور وہ سب سے زیادہ گمراہ ہوں گے۔ [۳۰]

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو (ان کا) وزیر بنایا۔

فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾

۳۶۔ پھر ہم نے کہا: تم دونوں اس قوم کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، (پھر جب وہ جھٹلانے سے باز نہ آئے) تو ہم نے ان کو مکمل طور پر تباہ کر دیا۔ [۳۱]

وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور قوم نوح علیہ السلام نے بھی جب رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں غرق کر دیا اور انہیں لوگوں کے لئے نشان عبرت بنا دیا، اور ہم نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ [۳۲]

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور (اسی طرح) عاد اور ثمود اور اصحاب رس اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کو (بھی ہم نے ہلاک کر دیا)۔ [۳۳]

---

[۳۰] جو لوگ سب سے زیادہ گم کردہ راہ ہوں گے ان کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینکا جائے گا اور ان کا ٹھکانا بہت برا ہوگا۔

[۳۱] فرعون اور اس کی قوم کے لوگ پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات اور کائنات میں پھیلے ہوئے دلائل توحید کی تکذیب کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعونیوں کی طرف بھیجا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا خوف کریں اور توحید کا اقرار کریں لیکن جب وہ اپنے کفر سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سمندر میں غرق کر کے بالکل تباہ کر دیا۔

[۳۲] قوم نوح علیہ السلام نے بھی جب حضرت نوح علیہ السلام اور ان سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی پانی میں غرق کر کے آنے والے لوگوں کے لئے نشان عبرت بنا دیا۔

[۳۳] اصحاب رس سے مراد وہ قوم ہے جس نے اپنے نبی کو ایک کنویں میں ڈال کر شہید کر دیا تھا، تاہم عاد، ثمود، اصحاب رس اور

وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۫ وَ كُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ۝۳۹

۳۹۔ اور ہم نے ہر قوم کے لئے مثالیں بیان کیں اور (جب وہ نافرمانی سے باز نہ آئے تو) ہم نے ان سب کو نیست و نابود کر دیا۔

وَ لَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِیْۤ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝۴۰

۴۰۔ اور بے شک یہ لوگ اس بستی کے پاس سے گزر چکے ہیں جس پر (پتھروں کی) بدترین بارش برسائی گئی تھی، کیا وہ اس بستی کو دیکھتے نہیں تھے بلکہ وہ دوبارہ زندہ ہونے کی امید نہیں رکھتے تھے (اس لئے عبرت حاصل نہیں کرتے تھے۔) [۳۴]

وَ اِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝۴۱

۴۱۔ اور جب بھی وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں (اور کہتے ہیں:) کیا یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْ لَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَ سَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝۴۲

۴۲۔ قریب تھا کہ یہ شخص ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکا دیتا اگر ہم ان (کی پرستش) پر ثابت قدم نہ رہتے، اور عنقریب جب وہ عذاب دیکھیں گے تو جان لیں گے کہ کون سب سے زیادہ گمراہ ہے۔ [۳۵]

دیگر وہ ساری قومیں جنہوں نے گزشتہ مثالوں سے عبرت حاصل نہ کی اور سرکشی سے باز نہ آئیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی تباہ و برباد کر دیا۔

[۳۴] کفار مکہ جب تجارت کی غرض سے شام اور فلسطین جاتے تو راستے میں وہ قوم لوط کی اجڑی ہوئی بستیاں دیکھتے تھے جن کے باشندوں اور مکانات کو پتھروں کی بارش نے تباہ کر دیا تھا لیکن وہ ان برباد بستیوں سے اس لئے عبرت حاصل نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ قیامت اور دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور اسی دنیاوی زندگی کو ہی تخلیق انسانیت کی آخری منزل سمجھتے تھے۔

[۳۵] کفار مکہ جب بھی نبی کریم ﷺ کو دیکھتے تو آپ کا مذاق اڑاتے اور کہتے: کیا اللہ تعالیٰ کو رسول بنانے کے لئے یہی ایک صاحب نظر آئے؟ ان میں رسول بننے والی کون سی خصوصیت پائی جاتی ہے، البتہ ایک بات ضرور ہے، ان کے اخلاق اور

أَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوٰىهُ ؕ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ﴿۴۳﴾

۴۳۔ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنالیا ہے؟ کیا آپ اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں؟ [۳۶]

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ؕ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿۴۴﴾

۴۴۔ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں؟ یہ تو صرف چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

ع

أَلَمْ تَرَ إِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا ﴿۴۵﴾

۴۵۔ کیا آپ نے اپنے رب کی (قدرت کی) طرف نہیں دیکھا کہ اس نے کس طرح سایہ کو پھیلا دیا ہے؟ اگر وہ چاہتا تو اسے ٹھہرا ہوا کر دیتا، پھر ہم نے سورج کو اس پر دلیل بنایا ہے۔ [۳۷]

ان کی گفتگو میں ایسا جادو ہے کہ جو بھی ان سے ملاقات کرتا ہے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا حتیٰ کہ ہم بھی اپنے معبودوں کے بارے میں اگر تعصب اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لیتے تو اس نے ہمیں بھی ہمارے معبودوں سے گمراہ کر دیا ہوتا، لیکن یہ مشرکین قیامت کے دن جب عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ یہ رسول تو برحق تھے ہم خود ہی سب سے زیادہ گمراہ تھے۔

[۳۶] جو لوگ اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا لیتے ہیں وہ عقل و خرد کی بات نہیں سنتے، صرف وہی کرتے ہیں جو ان کی خواہش انہیں حکم دیتی ہے۔ یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں کیونکہ جانور بھی عقل کی بات نہیں سنتے، تاہم جانور اگر عقل کی بات نہ سنیں تو وہ معذور ہیں کیونکہ وہ عقل سے محروم ہیں لیکن انسان عقل کے ہوتے ہوئے اگر عقل سے کام نہ لے تو وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے، جیسا کہ اہل علم کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں صرف عقل رکھی ہے جس کی وجہ سے وہ صرف فرماں برداری ہی کرتے ہیں اور حیوانوں میں صرف شہوت رکھی ہے اس لئے وہ عیاشی کرتے ہیں لیکن انسان میں عقل اور شہوت دونوں کو اکٹھا کر دیا ہے، لہٰذا اگر اس کی عقل شہوت پر غالب آجائے تو وہ فرشتوں سے بہتر ہو جاتا ہے اور اگر اس کی شہوت عقل پر غالب آجائے تو وہ حیوانوں سے بدتر ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

[۳۷] اس کائنات میں جگہ جگہ ایسی نشانیاں موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشاندہی کرتی ہیں مثلاً طلوع آفتاب کے وقت ہر چیز کا سایہ بہت دراز ہوتا ہے حتیٰ کہ پہاڑوں کا سایہ کئی شہروں پر حاوی ہوتا ہے لیکن جب سورج آہستہ آہستہ بلند ہوا تو

ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا ﴿۴۶﴾

۴۶۔ پھر ہم نے اس (سایہ) کو آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ لیا۔

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّ النَّوْمَ سُبَاتًا وَّ جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو لباس بنایا اور نیند کو راحت (کا باعث بنایا) اور دن کو (کام کاج کے لئے) اٹھ کھڑے ہونے کا وقت بنایا۔[۳۸]

وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور وہ اللہ ہی ہے جو اپنی رحمت (کی بارش) سے پہلے ہواؤں کو خوش خبری دینے کے لئے بھیجتا ہے اور ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل کیا۔

لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّ نُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ﴿۴۹﴾

۴۹۔ تا کہ ہم اس پانی سے مردہ شہر کو زندہ کر دیں اور اپنی مخلوق سے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو وہ پانی پلائیں۔[۳۹]

سایہ بھی آہستہ آہستہ سکڑتا گیا حتیٰ کہ دوپہر کے وقت سایہ بالکل سکڑ گیا اور دوپہر کے بعد پھر سایہ دراز ہونا شروع ہوگیا حتیٰ کہ غروب آفتاب کے ساتھ سایہ بھی غائب ہوگیا۔ لوگ اس سایہ کی کمی بیشی کو سورج کی کرشمہ سازی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ نہیں دیکھتے کہ اس سورج کو کس نے بنایا ہے جس کی وجہ سے دھوپ اور سایہ وجود میں آتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ سایہ کو ایک ہی جگہ روک لیتا تو کچھ لوگ ہمیشہ دھوپ میں رہتے اور کچھ ہمیشہ سایہ میں رہتے جس سے انسانی زندگی مشکلات کا شکار ہو جاتی۔

[۳۸] جس طرح لباس انسان کے بدن کو چھپاتا ہے اسی طرح رات کی تاریکی ہر چیز کو چھپا لیتی ہے اور اس میں لوگ دن بھر کی تھکاوٹ دور کرنے کے لئے سو جاتے ہیں، پھر جب دن کی روشنی آتی ہے تو تازہ دم ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور رزق کی تلاش میں سرگرم ہو جاتے ہیں۔

[۳۹] پہلے برساتی ہوائیں بارش کی خوش خبری لاتی ہیں پھر آسمان کی طرف سے پاک پانی نازل ہوتا ہے جس سے مردہ زمینوں میں زندگی آجاتی ہے، جہاں پہلے خاک اڑ رہی ہوتی ہے وہاں سبزہ لہلہانے لگتا ہے۔ بہت سے جانور اور انسان بھی بارش کا پانی پی کر سیراب ہوتے ہیں۔ نیز بارش ہر شہر میں ایک ہی دن یا ایک جیسی نہیں ہوتی بلکہ کہیں کم کہیں زیادہ، کہیں آج کہیں کل تا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور اس کی حکمتوں میں غور و فکر کریں لیکن اکثر لوگ ان میں غور و فکر نہ کر کے ناشکری میں ہی سرگرم رہتے ہیں۔

وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾	۵۰۔ اور بے شک ہم نے بارش کے پانی کو ان کے درمیان گھمایا تاکہ وہ غور وفکر کریں لیکن اکثر لوگوں نے ناشکری کے سوا ہر چیز سے انکار کر دیا۔
وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾	۵۱۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے۔
فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾	۵۲۔ پس آپ کافروں کی بات نہ سنیں اور قرآن کے ذریعہ ان سے بڑا جہاد کریں۔ [۴۰]
وَ هُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾	۵۳۔ اور وہ اللہ ہی ہے جس نے دو سمندروں کو ملا رکھا ہے، یہ (ایک) بہت میٹھا ہے اور یہ (دوسرا) سخت کھاری ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان ایک پردہ اور مضبوط رکاوٹ بنا دی ہے۔ [۴۱]
وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ	۵۴۔ اور وہ اللہ ہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا،

[۴۰] اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں علیحدہ نبی بھیج دیتے مگر اب حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ سارے جہان کے لئے صرف آپ ہی کو عالمگیر نبی بنایا جائے، لہٰذا آپ کفار کی نکتہ چینیوں کی پرواہ نہ کریں اور قرآن کے دلائل کے ساتھ ان کے خلاف بھرپور اور بڑا جہاد جاری رکھیں۔

[۴۱] اس دنیا کا تین چوتھائی حصہ سمندروں پر مشتمل ہے جن کا پانی نمکین اور کڑوا ہے اور اس دنیا کا ایک چوتھائی خشکی پر مشتمل ہے جس میں بہنے والے چشموں، نہروں اور دریاؤں کا پانی میٹھا اور خوش ذائقہ ہے اور جب یہ میٹھے پانی کے دریا سمندر میں جا کر گرتے ہیں تو کئی میلوں تک ایک طرف دریا کا میٹھا پانی اور دوسری طرف سمندر کا کڑوا پانی ایک ساتھ چلتے ہیں مگر ایسے لگتا ہے جیسے قدرت نے ان کے درمیان ایک حد فاصل قائم کر دی ہے جس کی وجہ سے وہ پانی آپس میں نہیں ملتے حالانکہ فطری طور پر دو پانی فوراً آپس میں رل مل جاتے ہیں۔ اسی طرح دریائے نیل جب بحر روم میں جا کر گرتا ہے تو کئی میلوں تک اس کا پانی سمندر کے پانی میں جذب نہیں ہوتا بلکہ اپنے رنگ اور ذائقہ میں منفرد رہتا ہے۔ نیز ہماری زمین کے نیچے جو پانی ہے وہ بھی دو طرح کا ہے، بعض دفعہ ایک جگہ نلکا یا ٹیوب ویل لگایا جائے تو پانی میٹھا نکلتا ہے اور چند میٹر کے فاصلے پر دوسرا نلکا یا ٹیوب ویل لگایا جائے تو پانی نمکین اور کھاری نکلتا ہے۔

نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾

پھر اس کو نسب اور سسرال والا بنا دیا، اور آپ کا رب قدرت والا ہے۔[۴۲]

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَ لَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَ كَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾

۵۵۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو نفع پہنچا سکتے ہیں، اور نہ ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور کافر اپنے رب کے خلاف (ہمیشہ شیطان کا) مددگار رہتا ہے۔[۴۳]

وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اور ہم نے آپ کو صرف (رحمت الٰہی کی) خوش خبری دینے والا اور (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

قُلْ مَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾

۵۷۔ آپ فرما دیجئے: میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی اجر نہیں مانگتا مگر یہ کہ جو چاہے اپنے رب کا راستہ اختیار کرلے۔[۴۴]

وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَ كَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ

۵۸۔ اور آپ اس زندہ رہنے والے پر بھروسہ کریں جسے کبھی موت نہیں آئے گی اور اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کریں، اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں

---

[۴۲] اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے جس نے پانی کے ایک قطرہ سے کیسا حسین انسان پیدا فرمایا، پھر بعض کو عورت بنایا اور بعض کو مرد۔ اگرچہ ان دونوں کے ظاہری اعضاء اور قلبی جذبات میں فرق ہے لیکن یہ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت ہیں اور ان کے اتفاق سے ہی معاشرہ میں پیار و محبت کی فضا قائم ہوتی ہے۔ نسب سے مراد وہ رشتہ داریاں ہیں جو ماں باپ کی طرف سے ہوں اور سسرال سے مراد وہ رشتہ داریاں ہیں جو بیوی کی طرف سے ہوں۔

[۴۳] اللہ تعالیٰ نے انسان کو پانی کے ایک قطرہ سے پیدا فرمایا، پھر اس کی بقا کے لئے میٹھے پانی کے چشمے اور دریا جاری کئے مگر انسان عجیب ناشکرا ہے کہ اپنے محسن اور کریم رب کے خلاف شیطان کی مدد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتا ہے جو نہ اس کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

[۴۴] اللہ تعالیٰ نے مجھے تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا ہے اور میں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے میں سرگرم ہوں، لہٰذا اس تبلیغ پر میں آپ سے کسی معاوضہ یعنی مال و دولت کا طالب نہیں ہوں، البتہ جو چاہے اپنے رب کی ہدایت کا راستہ اختیار کرے اور کامیابی سے ہم کنار ہوجائے تو یہی میرا اجر میرے لئے کافی ہے۔

خَبِیۡرًا ﴿۵۸﴾

کی خبر رکھنے کے لئے کافی ہے۔[۴۵]

الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَهُمَا فِیۡ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ۚۛ اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِیۡرًا ﴿۵۹﴾

۵۹۔جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان دونوں کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا، [۴۶] وہ رحمٰن ہے، آپ اس کے بارے میں کسی باخبر سے پوچھیں۔[۴۷]

وَ اِذَا قِیۡلَ لَهُمُ اسۡجُدُوۡا لِلرَّحۡمٰنِ قَالُوۡا وَ مَا الرَّحۡمٰنُ ٭ اَنَسۡجُدُ لِمَا تَاۡمُرُنَا وَ زَادَهُمۡ نُفُوۡرًا ﴿۶۰﴾

۶۰۔اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں: رحمٰن کیا چیز ہے؟ کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کا آپ ہمیں حکم دیتے ہیں [۴۸] اور اس (تبلیغ) نے ان کی نفرت میں مزید اضافہ کر دیا۔

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّ جَعَلَ فِیۡهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیۡرًا ﴿۶۱﴾

۶۱۔ بڑی برکت والا ہے جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ (سورج) اور ایک چمکنے والا چاند بنایا۔

---

[۴۵] میرے پیارے نبی ﷺ! آپ ان منکرین کی کثرتِ تعداد اور ان کی اسلام دشمنی سے کبیدہ خاطر نہ ہوں، یہ سب فانی ہیں، آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے، وہ ان منکرین کے گناہوں سے خوب باخبر ہے اور ان کے جرائم کے مطابق ان کو سزا دے گا۔

[۴۶] چھ دنوں سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ سورج ابھی پیدا ہی نہیں ہوا تھا جس کے طلوع و غروب سے دن کا تعین ہوتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے عرش پر جلوہ گر ہونے سے کیا مراد ہے؟ جب کہ وہ مکان سے پاک ہے۔ دراصل ان ساری باتوں کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے۔

[۴۷] اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسمائے گرامی میں سے ایک رحمٰن ہے، اگر کسی کو رحمٰن کے بارے میں پوچھنا ہے تو اس کے متعلق مخلوق میں سب سے زیادہ جاننے والے حضرت محمد ﷺ ہیں جن کی ذات گرامی میں اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کے تمام علوم جمع کر دیئے ہیں۔

[۴۸] کفار مکہ کو جب کہا جاتا کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے: ہم رحمٰن کو نہیں جانتے اور نہ ہی اس کو سجدہ کریں گے۔ چونکہ وہ رحمٰن کے منکر تھے اس لئے اس تبلیغ سے ان کی نفرت اور مخالفت میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ یہ سجدہ والی آیت ہے اس کی تفصیل سورہ اعراف (۷) کی آیت نمبر ۲۰۶ کے حاشیہ نمبر ۱۱۷ میں ملاحظہ کریں۔

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾

۶۲۔ اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا اس شخص کے لئے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے یا شکر گزار بننا چاہے۔[۴۹]

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾

۶۳۔ اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو وہ صرف یہ کہتے ہیں: (تم پر) سلام ہو۔[۵۰]

وَ الَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا ﴿۶۴﴾

۶۴۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے لئے سجدہ اور قیام میں راتیں بسر کرتے ہیں۔[۵۱]

---

[۴۹] سورج، چاند اور ستاروں کی تخلیق اور لیل و نہار کی گردش میں بے شمار ایسی نشانیاں موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی توحید پر دلالت کرتی ہیں مگر یہ انہیں نظر آتی ہیں جو ان میں غور و فکر کر کے نصیحت حاصل کرنا چاہیں یا ان نعمتوں سے فیض یاب ہونے کے بعد شکر گزار بننا چاہیں۔

[۵۰] یہاں سے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی صفات کا بیان شروع ہوتا ہے یعنی وہ زمین پر متکبر لوگوں کی طرح نہیں چلتے جو دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں اور نہ ہی بدمعاشوں کی طرح گھومتے ہیں جو دوسروں کو تنگ کرتے ہیں بلکہ انکساری اور شرافت سے چلتے ہیں اور کسی کی دل آزاری نہیں کرتے۔ اگر کبھی جاہل لوگوں سے ان کا واسطہ پڑ جائے اور وہ بدتہذیبی پر اتر آئیں تو یہ ان کا جواب بدکلامی سے نہیں دیتے بلکہ انہیں سلامتی کی دعا دے کر ان سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔

[۵۱] جب عام لوگ رات کو سوتے ہیں تو یہ اللہ والے اپنی نیند کا کچھ حصہ قربان کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے ہیں۔

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہر رات کو رات کے آخری تیسرے حصہ میں آسمان دنیا پر (اپنی شان کے مطابق) نازل ہوتا ہے اور فرماتا ہے: ہے کوئی جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں؟ ہے کوئی جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں؟ ہے کوئی جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کو بخش دوں؟

(بخاری: ۱۱۴۵: کتاب التهجد: باب ۱۴، ترمذی: ۴۴۶)

☆ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو یہ آدھی رات کے قیام کے برابر ہے اور جس شخص نے عشاء اور صبح کی نمازیں جماعت کے ساتھ پڑیں تو یہ پوری رات کے قیام کے برابر ہے۔

(ابوداؤد: ۵۵۵: کتاب الصلوۃ: باب ۴۷)

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾

۶۵۔اور یہ وہ لوگ ہیں جو عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! عذاب جہنم کو ہم سے دور فرما دے، بے شک اس کا عذاب بڑا مہلک ہے۔[۵۲]

اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۶۶﴾

۶۶۔بے شک وہ بہت برا ٹھکانا اور بہت بری جگہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

۶۷۔اور یہ وہ لوگ ہیں جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی کرتے ہیں بلکہ ان کا رویہ ان کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔[۵۳]

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾

۶۸۔اور یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کی پرستش نہیں کرتے اور نہ ہی کسی ایسی جان کو قتل کرتے ہیں جس کا ناحق قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ اپنے گناہ کی سزا پائے گا۔[۵۴]

---

[۵۲] اللہ تعالیٰ کے نیک بندے راتوں کو جاگنے کے باوجود اپنی عبادت پر تکبر نہیں کرتے بلکہ عاجزی و انکساری کے ساتھ عذاب جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔

[۵۳] جن کاموں میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی یا ناراضگی ہو ان میں خرچ کرنا فضول خرچی اور اسراف ہے، جن کاموں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت وخوشنودی ہو ان میں خرچ نہ کرنا کنجوسی اور اقتار ہے اور جن کاموں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رضا حاصل ہو ان میں خرچ کرنا میانہ روی اور اعتدال ہے۔

عبدالملک بن مروان نے حضرت عمر بن عبدالعزیز ﷫ سے اپنی بیٹی بیاہتے وقت خرچ کا حال دریافت کیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز ﷫ نے فرمایا: نیکی دو بدیوں کے درمیان ہے۔اس سے مراد یہ تھی کہ خرچ میں اعتدال نیکی ہے اور وہ اسراف و اقتار کے درمیان ہے جو دونوں بدیاں ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان)

[۵۴] اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی شان یہ ہے کہ وہ شرک کے قریب نہیں جاتے، کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ ہی بدکاری کرتے ہیں، کیونکہ یہ تینوں کام (شرک، قتل ناحق اور بدکاری) بہت بڑے گناہ ہیں۔جو لوگ ان کا ارتکاب کرتے ہیں قیامت کے دن ان کا عذاب دوگنا کر دیا جائے گا اور وہ ذلت وخواری کے ساتھ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾

۶۹۔ اس کے لئے قیامت کے دن عذاب دوگنا کردیا جائے گا اور وہ ذلت و خواری کے ساتھ ہمیشہ اسی میں رہے گا۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾

۷۰۔ مگر جس نے توبہ کرلی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دے گا، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔[۵۵]

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾

۷۱۔ اور جس نے توبہ کی اور نیک عمل کئے تو اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جیسے رجوع کرنے کا حق تھا۔[۵۶]

---

[۵۵] مگر جو شخص سچی توبہ کرلے تو اس کے سارے گناہ حتیٰ کہ بڑے گناہ بھی معاف کردیے جاتے ہیں۔ نیز جس طرح اس نے اپنے کفر کو اسلام سے اور اپنے فسق کو اطاعت سے بدل دیا اسی طرح اللہ تعالیٰ کرم فرماتا ہے اور اس کی گزشتہ برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن ابی حاتم ایک روایت نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بوڑھا آدمی آیا اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ایک ایسا آدمی جس نے ساری زندگی گناہوں میں گزار دی اور اتنے زیادہ گناہ کئے کہ اگر ان کو زمین کے تمام باشندوں میں تقسیم کیا جائے تو انہیں تباہ و برباد کردیں، کیا اب بھی اس کی معافی کی کوئی صورت ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے اسلام قبول کرلیا ہے؟ اس نے عرض کیا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تیرے گناہ بخشنے والا ہے اور تیری برائیوں کو نیکیوں سے بدل دینے والا ہے۔ اس نے عرض کیا: کیا میرے سارے جرم اور قصور؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں تیرے سارے جرم اور قصور، پھر وہ بوڑھا اس حال میں لوٹا کہ وہ خاموشی سے تکبیر و تہلیل کہہ رہا تھا۔

(تفسیر القرآن العظیم: ۱۵۴۴۴: جلد ۸: ص ۲۷۳۵)

[۵۶] سچی توبہ کا حق یہ ہے کہ انسان کی زندگی میں انقلاب آجائے یعنی وہ دوبارہ برائیوں کے قریب نہ جائے اور ہمیشہ نیک اعمال میں سرگرم رہے۔ گزشتہ آیت کی توبہ کا تعلق مشرکین سے ہے کیونکہ اگر وہ توبہ نہ کرتے تو ہمیشہ جہنم میں رہتے مگر اس توبہ کا تعلق گناہ گار مومنین سے ہے، اگر وہ جہنم میں جائیں گے تو اس میں ہمیشہ نہیں رہیں گے بلکہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد بالآخر جنت میں جائیں گے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾

۷۲۔ اور وہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی بے ہودہ چیز پر ان کا گزر ہوتا ہے تو بڑے باوقار انداز میں گزر جاتے ہیں۔ [۵۷]

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾

۷۳۔ اور جب انہیں ان کے رب کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان آیتوں پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے۔ [۵۸]

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾

۷۴۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔ [۵۹]

---

[۵۷] جھوٹی گواہی اگر اللہ تعالیٰ کے متعلق دی جائے تو حقوق اللہ کی مخالفت ہوتی ہے اور اگر لوگوں کے بارے میں دی جائے تو حقوق العباد ضائع ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے کسی ایسی گفتگو، کارروائی یا مجلس میں شریک نہیں ہوتے جس سے حقوق اللہ یا حقوق العباد کی مخالفت ہوتی ہو اور اگر اتفاق سے کسی غلط مجلس سے واسطہ پڑ جائے تو اپنے دامن کو جھوٹ سے بچا کر بڑے باوقار انداز میں وہاں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب ﷜ جھوٹی گواہی دینے والے کو چالیس کوڑے لگاتے اور اس کا منہ کالا کر کے اس کو بازار میں پھراتے۔ (تفسیر منیر) تاکہ لوگوں کو جھوٹی گواہی دینے سے نفرت ہو جائے۔

[۵۸] کفار کو جب قرآن کی آیات سنائی جاتیں تو وہ ان میں دلچسپی نہ لیتے جیسے وہ بہرے اور اندھے ہیں اور انہیں کچھ سنائی اور دکھائی نہیں دیتا مگر اللہ تعالیٰ کے نیک بندے قرآن کی آیات کو پوری توجہ سے سنتے ہیں اور ان میں غور و فکر کر کے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

[۵۹] انسان جب دوسروں سے بات کرتا ہے تو بعض دفعہ ایسی بات بھی کہہ دیتا ہے جو اس کے دل میں نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ جب دعا کرتا ہے تو اپنے دل کی گہرائی میں چھپی ہوئی آرزوئیں اس طرح زبان پر لاتا ہے: اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کو نیک بنا دے تاکہ ان کے تقویٰ کو دیکھ کر ہمارے دل اور ہماری آنکھوں کو سکون حاصل ہو اور ہمیں تقویٰ کا ایسا نمونہ بننے کی توفیق عطا فرما کہ ہمارے اہل خانہ ہماری اقتدا اور اطاعت کرنے میں فخر محسوس کریں۔

أُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَ يُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿٧٥﴾

٧٥۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کے بدلے میں (جنت کے) بالا خانے دیئے جائیں گے اور دعا اور سلام کے ساتھ ان کا ان میں استقبال کیا جائے گا۔[٦٠]

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٧٦﴾

٧٦۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، وہ ٹھہرنے اور رہنے کا عمدہ مقام ہے۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾

٧٧۔ آپ فرما دیجئے: میرے رب کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں اگر تم اس کی عبادت نہ کرو، بے شک تم نے اس کو جھٹلایا ہے تو اس جھٹلانے کا عذاب (تم پر آخرت میں) ہمیشہ لازم رہے گا۔[٦١]

---

[٦٠] اس دنیا میں شیطان نے ہر طرف نفسانی خواہشات اور حیوانی ترغیبات کے جال پھیلا رکھے ہیں مگر اللہ کے نیک بندے ان کی مخالفت میں جس استقلال اور صبر کا مظاہرہ کرتے ہیں اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں بڑے عمدہ اور عظیم الشان محل عطا فرمائے گا جہاں فرشتے دعا اور سلام کے ساتھ ان کا استقبال کریں گے۔

[٦١] اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ان کی قدر دانی کرتا ہے جو اس کی عبادت کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے منکر ہیں اور وہ اس انکار کی وجہ سے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

فقیر : محمد امداد حسین پیرزادہ : جامعہ الکرم ایٹن ہال، انگلستان

بعد از نماز مغرب بروز بدھ ٢٨ جنوری ٢٠٠٩ء بمطابق یکم صفر ١٤٣٠ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الشعراء (٢٦)

یہ سورت مکی ہے لیکن اس کی آخری چار آیات مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہیں (تفسیر مظہری) اس سورت کا نام ''الشعراء'' ہے جو کہ آیت نمبر ٢٢٤ سے ماخوذ ہے۔ شعراء کا لفظ جمع ہے اور اس کا مفرد شاعر ہے۔

مشرکین کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ نبی کریم ﷺ شاعر ہیں اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں بلکہ یہ ان کے شاعرانہ تخیلات ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس سورت میں مشرکین کے اس اعتراض کا جواب بھی دیا گیا ہے کہ:

☆ عام طور پر شاعر لوگ جو کہتے ہیں خود اس پر عمل نہیں کرتے جب کہ نبی کریم ﷺ جو کچھ بھی کہتے ہیں پہلے خود اس پر عمل کرتے ہیں اور پھر دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

☆ شاعروں کے پیروکار بے عمل اور گمراہ ہوتے ہیں جب کہ نبی کریم ﷺ کے غلاموں نے ہر قسم کے ظلم و ستم اور گمراہی سے توبہ کر کے اچھے اخلاق اور اچھے اعمال کی مثالیں قائم کی ہیں۔

☆ شاعر لوگ انعامات اور داد حاصل کرنے کے لئے ایک کی تعریف اور دوسرے کی تنقیص کرنے میں حد سے زیادہ تجاوز کرتے ہیں جب کہ نبی کریم ﷺ ہمیشہ حق و صداقت اور میانہ روی پر عمل پیرا رہے، اسی لئے اہل مکہ آپ کو صادق اور امین کہتے تھے۔

لیکن سارے شاعر ایک جیسے نہیں ہیں، جو شاعر اپنی شاعری کو حق و صداقت کی تبلیغ کے لئے استعمال کرتے ہیں اور افراط و تفریط سے اجتناب کرتے ہیں وہ عام شعراء سے مستثنیٰ ہیں اور ان کی شاعری قابل تعریف ہے۔

نبی کریم ﷺ نے مشرکین مکہ کو اسلام کی تبلیغ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا پھر بھی مکہ کی غالب اکثریت نے جب اسلام قبول نہ کیا تو نبی کریم ﷺ اس قدر غمگین ہوئے کہ گویا آپ اس غم میں اپنی جان دے دیں گے، چنانچہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تسلی دی کہ آپ نے تبلیغ اسلام کا حق ادا کر دیا ہے، اب اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ تعصب کا شکار ہو کر اپنے برے انجام کے خود ذمہ دار ہیں۔ نیز اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ایسی نشانی نازل کر دیں جس کو دیکھ کر ان کی گردنیں جھک جائیں اور وہ اسلام لانے پر مجبور ہو جائیں مگر کسی کو جبر و اکراہ کے ذریعہ مسلمان کرنا ہماری حکمت کے خلاف ہے۔

اس سورت میں بعض انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے حالات بھی بیان کئے گئے ہیں تا کہ ایک طرف نبی کریم ﷺ کو تسلی ہو جائے کہ پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی ایسی قوموں سے واسطہ پڑا ہے جنہوں نے ان کی تبلیغ سے اعراض کیا اور دوسری طرف مشرکین کو تنبیہ ہو جائے کہ اگر تم نے عقل کے ناخن نہ لئے تو تم بھی پہلی قوموں کی طرح دنیا میں ناکامی اور آخرت میں سزا سے نہ بچ سکو گے۔

فقیر : محمد امداد حسین پیرزادہ : جامعہ الکرم، انگلستان

بروز جمعہ چھ مارچ ٢٠٠٩ء بمطابق آٹھ ربیع الاول ١٤٣٠ھ

ایاتھا ٢٢٧ ٢٦ سورۃ الشعرآء مکیۃ ٤٧ رکوعاتھا ١١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ①

ا۔ طا سین میم۔ [۱]

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ②

۲۔ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③

۳۔ (اے نبی مکرم ﷺ!) شاید آپ (اس غم میں) اپنی جان کھو دیں گے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ [۲]

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ④

۴۔ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے ایسی نشانی نازل کردیں کہ ان کی گردنیں اس کے سامنے جھکی رہ جائیں۔ [۳]

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ⑤

۵۔ اور جب بھی ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے کوئی نئی نصیحت آتی ہے یہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥

۶۔ سو بے شک وہ (دین حق کو) جھٹلا چکے ہیں عنقریب ان کے پاس اس چیز کی خبریں آجائیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ [۴]

---

[۱] یہ حروف مقطعات ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کے درمیان راز کی باتیں ہیں۔ ان کی مزید تشریح کے لئے سورہ بقرہ کا حاشیہ نمبر ایک ملاحظہ کریں۔

[۲] نبی کریم ﷺ نے مشرکین مکہ کو اسلام کی تبلیغ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا پھر بھی مکہ کی غالب اکثریت نے جب اسلام قبول نہ کیا تو نبی کریم ﷺ اس قدر غمگین ہوئے کہ گویا آپ اس غم میں اپنی جان دے دیں گے۔ چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تسلی دی کہ آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے۔ اب اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، وہ اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اپنے برے انجام کے خود ذمہ دار ہیں۔

[۳] اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ایسی نشانی نازل کردیں جس کو دیکھ کر ان مشرکین کی گردنیں جھک جائیں اور وہ اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں مگر کسی کو جبر و اکراہ کے ذریعہ مسلمان کرنا ہماری حکمت کے خلاف ہے۔

[۴] جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نیا حکم نازل ہوتا ہے تو یہ لوگ پہلے تو اس سے اعراض کرتے ہیں پھر اس کی تکذیب کرتے

اَوَلَمۡ يَرَوۡا اِلَى الۡاَرۡضِ كَمۡ اَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍ كَرِيۡمٍ ۞	۷۔ کیا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کتنی کثرت سے ہر قسم کی عمدہ چیزیں اگائی ہیں۔[۵]
اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ‌ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۞	۸۔ بے شک اس میں ضرور (اللہ کی قدرت کی) نشانی ہے، اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ۞ ع	۹۔ اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب (اور) بہت ہی مہربان ہے۔[۶]
وَاِذۡ نَادٰى رَبُّكَ مُوۡسٰٓى اَنِ ائۡتِ الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ۞	۱۰۔ اور جب آپ کے رب نے موسیٰ علیہ السلام کو ندا دی کہ تم ظالم قوم کے پاس جاؤ۔
قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ‌ ؕ اَلَا يَتَّقُوۡنَ ۞	۱۱۔ یعنی قوم فرعون کے پاس، کیا وہ (اللہ تعالیٰ سے) نہیں ڈرتے۔[۷]
قَالَ رَبِّ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اَنۡ يُّكَذِّبُوۡنِ ۞	۱۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔

ہیں اور بالآخر اس کا مذاق اڑا کر اپنے کفر و شرک کی انتہا کر دیتے ہیں مگر عنقریب جوں ہی ان کی موت آئے گی تو ان کو یقین ہو جائے گا کہ جس دین کا وہ مذاق اڑاتے تھے دراصل وہی دین صحیح تھا۔

[۵] اگر کچھ عرصہ بارش نہ ہو تو زمین سے گرد و غبار اڑنے لگتا ہے اور ہر انسان اپنے جسم اور اپنے کپڑوں کو اس سے بچانے کی کوشش کرتا ہے مگر جوں ہی بارش ہوتی ہے تو اسی مردہ زمین سے ایسی ہریالی اور عمدہ نباتات ظاہر ہوتی ہیں جس سے ہر انسان کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس مردہ زمین سے گرد و غبار کی جگہ سبزہ پیدا کر دیا اسی طرح وہ مردہ انسانوں کو بھی دوبارہ زندہ کر سکتا ہے مگر اکثر لوگ قدرت کی اس نشانی سے سبق حاصل نہیں کرتے۔

[۶] اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے اور فوری طور پر اپنے منکرین کو سزا دینے کی قدرت رکھتا ہے مگر وہ غالب ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے بندوں پر مہربان بھی ہے اس لئے وہ فوراً گرفت نہیں فرماتا بلکہ پوری مہلت دیتا ہے تاکہ وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں۔

[۷] فرعون اور اس کی قوم کے لوگ ایک طرف تو فرعون کو خدا سمجھ کر شرک جیسے ظلم عظیم میں مبتلا تھے اور دوسری طرف انہوں نے بنی اسرائیل کو ۴۰۰ سال سے غلام بنا رکھا تھا اور ان پر ہر قسم کے ظلم و ستم کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت

وَ يَضِيقُ صَدْرِيْ وَ لَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور میرا سینہ تنگ ہوتا ہے اور میری زبان (روانی سے) نہیں چلتی، سو (ازراہ کرم) حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف بھی (وحی) بھیج دے۔ [۸]

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور ان کا مجھ پر ایک (قبطی کو مار ڈالنے کا) الزام بھی ہے اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہرگز نہیں! پس تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ، بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں (ہر بات) سننے والے ہیں۔ [۹]

فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ پس تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو کہو: ہم تمام جہانوں کے رب کے رسول ہیں۔ [۱۰]

موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا: تم فرعونیوں کے پاس جاؤ اور انہیں کہو: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مظالم سے باز آ جاؤ۔

[۸] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میں اپنے دل میں تنگی محسوس کرتا ہوں کیونکہ ایک تو مجھ پر ایک قبطی کو مار ڈالنے کا الزام ہے اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے تبلیغ کرنے سے پہلے ہی قتل کر دیں گے اور دوسرا میری زبان میں لکنت ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ میری تکذیب نہ شروع کر دیں، لہٰذا میرے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف بھی وحی بھیج دے کہ وہ میرے معاون کی حیثیت سے میرے ساتھ چلیں کیونکہ ان کی زبان میں مجھ سے زیادہ روانی اور فصاحت ہے۔

[۹] حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک تو یہ خواہش تھی کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی نبی بنا کر ان کے ساتھ بھیجا جائے اور دوسرا یہ خطرہ تھا کہ فرعون انہیں قبطی کے بدلہ میں قتل کر دے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی ساتھ لے جاؤ اور ہمارے معجزات یعنی ید بیضا اور عصا بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ نیز فرعونیوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے کیونکہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تم سب کی باتیں سنیں گے اور تمہاری حفاظت کریں گے۔

[۱۰] حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں فرعون کے پاس گئے اور فرمایا: ہم رب تعالیٰ کے رسول ہیں اور ہم اس لئے آئے ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو آزاد کر دے تاکہ ہم انہیں لے کر واپس اپنے ملک فلسطین میں چلے جائیں، اس کے لئے مزید سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۰۳ اور حاشیہ نمبر ۷۵ ملاحظہ کریں۔

اَنۡ اَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿ؕ۱۷﴾	۱۷۔ کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔
قَالَ اَلَمۡ نُرَبِّکَ فِیۡنَا وَلِیۡدًا وَّ لَبِثۡتَ فِیۡنَا مِنۡ عُمُرِکَ سِنِیۡنَ ﴿ۙ۱۸﴾	۱۸۔ فرعون نے کہا: کیا ہم نے تمہیں بچپن میں اپنے ہاں پالا نہیں تھا اور تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے ہاں بسر کئے ہیں۔
وَ فَعَلۡتَ فَعۡلَتَکَ الَّتِیۡ فَعَلۡتَ وَ اَنۡتَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۱۹﴾	۱۹۔ اور پھر تم نے اپنا وہ کام کر ڈالا جو تم نے کیا تھا (یعنی ایک قبطی کو قتل کر دیا) اور تم ناشکر گزاروں میں سے ہو۔ [۱۱]
قَالَ فَعَلۡتُہَاۤ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّیۡنَ ﴿ؕ۲۰﴾	۲۰۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: جب میں نے وہ کام کیا تھا اس وقت میں بے خبروں میں سے تھا (مجھے اتنا علم نہیں تھا کہ وہ ایک معمولی گھونسے سے مرجائے گا)۔ [۱۲]
فَفَرَرۡتُ مِنۡکُمۡ لَمَّا خِفۡتُکُمۡ فَوَہَبَ لِیۡ رَبِّیۡ حُکۡمًا وَّ جَعَلَنِیۡ مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۲۱﴾	۲۱۔ چنانچہ جب میں تم سے خوف زدہ ہوا تو میں تمہارے ہاں سے بھاگ گیا، پھر میرے رب نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے رسولوں میں سے بنادیا۔
وَ تِلۡکَ نِعۡمَۃٌ تَمُنُّہَا عَلَیَّ اَنۡ عَبَّدۡتَّ بَنِیۡۤ	۲۲۔ اور کیا یہ بھی کوئی نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان جتارہا

[۱۱] فرعون اپنے آپ کو سب سے بڑا رب کہلاتا تھا، لہٰذا اس کے لئے یہ ناقابل برداشت تھا کہ اس کے دربار میں کوئی شخص کسی اور رب کا رسول ہونے کا دعویٰ کرے۔ نیز فرعونیوں کی کھیتی باڑی اور گھروں کے اکثر کام بنی اسرائیل کرتے تھے اس لئے وہ مفت کے مزدوروں کو واپس شام بھیجنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ چنانچہ فرعون غصہ میں آکر کہنے لگا: کیا تم وہی نہیں ہو جس کو ہم نے اپنے گھر میں پالا اور بڑا کیا، پھر تم نے احسان فراموشی کرتے ہوئے ہمارے ایک قومی بھائی کو قتل کر ڈالا اور مصر چھوڑ کر مدین بھاگ گئے۔ ابھی ہم وہ قتل نہیں بھولے ہیں اور اب تم بنی اسرائیل کو لے جانے کی باتیں کر رہے ہو۔

[۱۲] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: قبطی کو میں نے دانستہ قتل نہیں کیا تھا مجھے اتنا علم نہیں تھا کہ وہ معمولی گھونسے سے مرجائے گا لیکن اس کے مرجانے کے بعد میں اس خوف سے مدین چلا گیا کہ کہیں تم مجھے اس کے بدلے میں قتل نہ کر دو، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت عطا فرمائی اور اب میں رسول کی حیثیت سے تمہارے پاس آیا ہوں۔

إِسۡرَآءِيۡلَ ﴿۲۲﴾

ہے، (اس کی وجہ تو یہ تھی) کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا۔ [۱۳]

قَالَ فِرۡعَوۡنُ وَمَا رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ فرعون نے کہا: سارے جہانوں کا رب کیا (چیز) ہے؟ [۱۴]

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ؕ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِيۡنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا رب ہے، اگر تم یقین کرنے والے ہو۔

قَالَ لِمَنۡ حَوۡلَهٗۤ اَلَا تَسۡتَمِعُوۡنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ فرعون نے ان لوگوں سے کہا جو اس کے گرد بیٹھے تھے: کیا تم سن نہیں رہے ہو؟ [۱۵]

قَالَ رَبُّكُمۡ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: وہ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادوں کا بھی رب ہے۔ [۱۶]

---

[۱۳] یہ ٹھیک ہے کہ تم نے مجھے اپنے گھر میں پالا لیکن تمہیں اس پر احسان جتانے کا حق نہیں ہے کیونکہ تم نے میری ساری قوم کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اور ان کے معصوم بچوں کو قتل کرنے کا حکم نافذ کر رکھا ہے اور تیرے اسی ظالمانہ حکم کے پیش نظر میری ماں نے صندوق میں بند کر کے مجھے دریائے نیل کے سپرد کیا۔ اگر تیرا یہ ظالمانہ حکم نہ ہوتا تو میں اپنے والدین کے گھر میں پرورش پاتا، لہٰذا یہ احسان جتانے کی بات نہیں بلکہ تیری ظالمانہ حرکات کے باعث تیرے لئے شرم سے ڈوب مرنے کا موقع ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت بتانے کے لئے مجھے تیرے گھر میں پہنچا دیا کہ جس بچے کی خاطر تم نے لاکھوں کمسن بچوں کو ذبح کرایا وہ بڑے ناز و نعم کے ساتھ تیرے گھر میں پرورش پاتا رہا۔

[۱۴] فرعون اپنے آپ کو رب کہلاتا تھا اس لئے اس نے پوچھا: جس رب نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے اس کی تعریف کیا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: وہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان سب کا رب ہے۔ اگر تمہارے اندر کسی حقیقت کو سمجھنے اور اس پر یقین کرنے کی صلاحیت موجود ہے تو پھر زمین و آسمان کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا یقین دلانے کے لئے کافی ہے۔

[۱۵] فرعون اپنے درباریوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا: سنتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ میرے سوا کوئی اور رب ہے ہی نہیں تو پھر یہ کس رب کی بات کر رہا ہے؟

[۱۶] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم ماضی میں نہیں تھے، آج ہو اور مستقبل میں نہیں ہو گے، لہٰذا تم رب نہیں ہو سکتے کیونکہ رب ازلی ابدی ہے۔ جب تم نہیں تھے تو اس وقت تمہارے باپ دادا کا رب کون تھا اور جب تم نہیں ہو گے تو تمہاری آنے والی

قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِيٓ أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿٢٧﴾

٢٧۔ فرعون نے کہا: بلاشبہ تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور دیوانہ ہے۔[١٧]

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾

٢٨۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: (میرا رب) مشرق و مغرب اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا رب ہے، اگر تم عقل رکھتے ہو۔[١٨]

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ﴿٢٩﴾

٢٩۔ فرعون نے کہا: اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تم کو ضرور قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔[١٩]

قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِينٍ ﴿٣٠﴾

٣٠۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اگرچہ میں تیرے پاس کوئی روشن چیز بھی لے آؤں؟[٢٠]

قَالَ فَأْتِ بِهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٣١﴾

٣١۔ فرعون نے کہا: اگر تم سچے ہو تو وہ چیز لے آؤ۔

نسلوں کا رب کون ہوگا؟ میرا رب وہ ہے جو ماضی میں تمہارے باپ دادا کا بھی رب تھا، آج تمہارا بھی رب ہے اور قیامت تک آنے والی سب مخلوق کا رب ہے، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔

[١٧] یہ سن کر فرعون کہنے لگا: یقیناً یہ دیوانہ ہے۔ بھلا میرے سوا کوئی رب کیسے ہوسکتا ہے؟

[١٨] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا: عقل کے ناخن لو، تمہاری حکومت صرف مصر کی سرحدوں تک محدود ہے، اس سے باہر کوئی شخص تمہارا حکم نہیں مانتا تو پھر تم سارے جہانوں کے رب کیسے ہو سکتے ہو۔ دراصل میرا رب ہی حقیقی رب ہے جو زمین و آسمان، مشرق و مغرب اور ان کے درمیان ہر چیز کا رب ہے۔

[١٩] فرعون اپنے آپ کو رب کہلاتا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں اس کے اقوال مذکور ہیں:

فرعون نے کہا: میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ (قرآن: ٧٩:٢٤)

فرعون نے کہا: اے درباریو! میں تمہارے لئے اپنے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں جانتا۔ (قرآن: ٢٨:٣٨) فرعون جب اپنا رب ہونا دلائل سے ثابت نہ کر سکا تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دھمکی دی: اگر تم اپنے اس دعویٰ سے باز نہ آئے اور میرے سوا کسی اور کو معبود بنانے پر اصرار کیا تو میں تمہیں قید خانہ میں بند کر دوں گا۔

[٢٠] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اگر میں کوئی معجزہ دکھاؤں جس سے یہ واضح ہو جائے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچا رسول ہوں تو کیا پھر بھی تو میری بات کو تسلیم نہیں کرے گا؟

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ اسی وقت واضح اژدہا بن گیا۔ [۲۱]

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ باہر نکالا تو وہ اسی وقت دیکھنے والوں کے لئے چمکنے لگا۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ فرعون نے اپنے گرد بیٹھے ہوئے سرداروں سے کہا: بے شک یہ ایک ماہر جادوگر ہے۔

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دے، پس تمہاری کیا رائے ہے۔ [۲۲]

قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ انہوں نے کہا: تم اس کو اور اس کے بھائی کو مہلت دو اور تمام شہروں میں ہرکارے بھیج دو۔ [۲۳]

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ تاکہ وہ ہر بڑے ماہر جادوگر کو تمہارے پاس لے آئیں۔

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ چنانچہ ایک مقررہ دن کے معین وقت پر سارے جادوگر جمع کر لئے گئے۔

وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اور لوگوں کو کہا گیا: کیا تم بھی جمع ہونے والے ہو؟

---

[۲۱] چنانچہ فرعون کے مطالبہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا جو اژدہا بن گیا اور ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ چمکنے لگا۔

[۲۲] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو دیکھ کر فرعون گھبرا گیا اور درباریوں کو کہنے لگا: یہ تو کوئی بڑا ماہر جادوگر ہے اگر اس کا تدارک نہ کیا گیا تو یہ اپنے جادو کے زور سے تم پر غالب آجائے گا اور تمہیں یہاں سے نکال کر تمہارے ملک پر قابض ہو جائے گا، لہٰذا اب بتاؤ اس کے ساتھ کیا کیا جائے؟

[۲۳] درباریوں نے جواب دیا: جادو کا مقابلہ جادوگر ہی کر سکتے ہیں، لہٰذا ان دونوں کو فی الحال کچھ نہ کہو اور مصر کے تمام شہروں میں اعلان کرا دو کہ سب جادوگر تمہارے پاس اکٹھے ہو جائیں اور پھر وہ سب مل کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں۔

لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ تاکہ ہم جادوگروں کی پیروی کریں اگر وہ غالب آگئے۔[۲۴]

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ جب جادوگر آگئے تو انہوں نے فرعون سے کہا: اگر ہم غالب آگئے تو کیا ہمیں کوئی انعام بھی ملے گا؟[۲۵]

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ فرعون نے کہا: ہاں! اور یقیناً اس وقت تم میرے مقرب لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو کہا: ڈال دو جو تم ڈالنے والے ہو۔

فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ تو انہوں نے اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں ڈال دیں اور کہا: فرعون کی عزت کی قسم! بے شک ہم ہی غالب ہوں گے۔[۲۶]

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا تو وہ فوراً ان کے طلسم کو نگلنے لگا۔

---

[۲۴] جب سارے ملک کے جادوگر اکٹھے ہوگئے تو مقابلہ کے لئے دن اور وقت کا اعلان کر دیا گیا اور لوگوں کو کہا گیا کہ وہ ضرور اس مقابلہ میں اکٹھے ہوں تاکہ جب ہمارے جادوگر غالب آجائیں تو ہم اپنے جادوگروں کے دین فرعونی پر قائم رہنے کا اعلان کریں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نئے دین کا انکار کر دیں۔

[۲۵] مصر کے جادوگروں کو اپنی کامیابی کا یقین تھا اس لئے انہوں نے فرعون سے پیشگی مطالبہ کیا کہ اگر وہ غالب آگئے تو انہیں انعام کیا ملے گا؟ فرعون نے جواب دیا: اس کامیابی کے نتیجہ میں انہیں مالی انعامات کے علاوہ فرعون کے خصوصی مقرب لوگوں میں شامل کر لیا جائے گا اور بادشاہی دربار میں وزیروں کے ساتھ بیٹھا کریں گے۔

[۲۶] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو فرمایا: پہلے تم سارے مل کر اپنے جادو کی طاقت دکھالو پھر میں نبوت کی طاقت دکھاؤں گا۔ چنانچہ جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں جو لوگوں کو سانپ نظر آنے لگیں اور جادوگروں کو اپنی کامیابی کا اتنا یقین تھا کہ انہوں نے فرعون کی قسم کھا کر کہا کہ وہ یقیناً غالب آجائیں گے۔

فَاُلۡقِیَ السَّحَرَۃُ سٰجِدِیۡنَ ۙ﴿۴۶﴾	۴۶۔ پس سارے جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے۔[۲۷]
قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۷﴾	۴۷۔ انہوں نے کہا: ہم سارے جہانوں کے رب پر ایمان لے آئے۔
رَبِّ مُوۡسٰی وَ ہٰرُوۡنَ ﴿۴۸﴾	۴۸۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا رب ہے۔
قَالَ اٰمَنۡتُمۡ لَہٗ قَبۡلَ اَنۡ اٰذَنَ لَکُمۡ ۚ اِنَّہٗ لَکَبِیۡرُکُمُ الَّذِیۡ عَلَّمَکُمُ السِّحۡرَ ۚ فَلَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَیۡدِیَکُمۡ وَ اَرۡجُلَکُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿ۚ۴۹﴾	۴۹۔ فرعون نے کہا: کیا تم اس پر ایمان لے آئے ہو اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دیتا؟ بے شک یہ (موسیٰ علیہ السلام) ہی تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے، سو عنقریب تمہیں (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا، میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کو مخالف جانبوں سے کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔[۲۸]
قَالُوۡا لَا ضَیۡرَ ۫ اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿ۚ۵۰﴾	۵۰۔ انہوں نے کہا: کوئی حرج نہیں! بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔[۲۹]

[۲۷] پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو وہ اژدہا بن کر جادوگروں کی رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل گیا۔ یہ دیکھ کر جادوگروں کو یقین ہوگیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگر نہیں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا اور وہ اس طرح بے اختیار سجدے میں گر پڑے جیسے معجزہ عصا اور عرفان حق نے انہیں سجدہ ریز ہونے پر مجبور کر دیا ہو۔

[۲۸] فرعون نے اپنے جادوگروں کو کہا: میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں، تم میری اجازت کے بغیر اس پر ایمان کیوں لائے ہو۔ لگتا ہے جیسے تم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جادو سیکھا ہے اور اپنے بڑے استاذ کے سامنے دانستہ شکست تسلیم کر لی ہے، لہٰذا تم اس سازش کی سزا کے لئے تیار ہو جاؤ میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ کر تمہیں سولی چڑھا دوں گا۔

[۲۹] جادوگروں نے فرعون کو جواب دیا: ہمیں اس سزا کی کوئی پرواہ نہیں کیونکہ ہم نے اپنے حقیقی رب کو پہچان لیا ہے، ہمیں ایک

اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ بے شک ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطائیں بخش دے گا کیونکہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

ع ۱۸/۷

وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اور ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ تم میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ، بے شک تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔[۳۰]

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآىٕنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ پھر فرعون نے سارے شہروں میں ہرکارے بھیجے۔

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ بے شک یہ لوگ (بنی اسرائیل) ایک چھوٹی سی جماعت ہیں۔[۳۱]

وَ اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآىٕظُوْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ اور بے شک وہ ہمیں غصہ دلا رہے ہیں۔

وَ اِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اور بے شک ہم سب ان سے بہت محتاط ہیں۔

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ پس ہم نے ان (فرعونیوں) کو (ان کے) باغوں اور چشموں سے نکال باہر کیا۔

دن اس کی بارگاہ میں لوٹنا ہے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ وہ ہماری گزشتہ خطائیں بخش دے گا کیونکہ ہم نے تم سب سے پہلے ایمان لانے کی سعادت حاصل کی ہے۔

[۳۰] اس واقعہ کے بعد فرعون نے بنی اسرائیل پر مظالم میں اور اضافہ کر دیا جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے ہجرت کر جائیں۔ اگرچہ فرعون اور اس کی فوج کے جوان تمہارا تعاقب کریں گے تاکہ تمہیں گرفتار کر کے واپس لائیں مگر تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

[۳۱] فرعون کو جب علم ہوا کہ بنی اسرائیل رات کی تاریکی میں فرار ہو گئے ہیں تو اس نے تمام شہروں میں اعلان کرا دیا کہ بنی اسرائیل ہمارے مقابلہ میں بالکل چھوٹی سی جماعت ہیں، انہوں نے ہماری نافرمانی کر کے ہمیں غضب ناک کر دیا ہے، لہٰذا پوری احتیاط کے ساتھ کثیر تعداد میں نکلو اور ان کو گرفتار کر کے واپس لاؤ۔

وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور (ان کے) خزانوں اور عمدہ قیام گاہوں سے (بھی نکال دیا)۔ [۳۲]

كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ ہم نے ایسا ہی کیا، اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان (سب چیزوں) کا وارث بنا دیا۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ پھر سورج نکلتے ہی فرعونیوں نے بنی اسرائیل کا تعاقب کیا۔

فَلَمَّا تَرَاۗءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا: یقیناً ہم تو پکڑے گئے۔ [۳۳]

قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہرگز نہیں! بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور میری راہنمائی فرمائے گا۔

---

[۳۲] فرعون اور اس کے لوگ اپنے باغوں، چشموں، خزانوں اور عمدہ مکانوں کو چھوڑ کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلے تا کہ انہیں گرفتار کر کے سزا دیں، لیکن فرعونیوں کو کیا خبر تھی کہ وہ واپس اپنے گھروں میں نہیں آسکیں گے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس لئے نکالا تھا تا کہ انہیں ان کے مظالم کی سزا دی جائے اور انہیں سمندر میں غرق کر دیا جائے۔ فرعونیوں کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل کہاں گئے؟ اس میں مؤرخین کا اختلاف ہے، البتہ ان آیات کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر پہلے مصر واپس آ گئے۔ (تفسیر قرطبی، تفسیر مظہری) کچھ عرصہ فرعونیوں کے باغات اور مکانوں میں قیام کیا، ان کے خزانوں اور جائدادوں سے استفادہ کیا اور پھر اطمینان کے ساتھ پوری تیاری کر کے مصر سے ارض مقدس کی طرف ہجرت کی اور راستے میں میدان تیہ کے واقعات پیش آئے۔

[۳۳] سورج نکلتے ہی فرعون اور اس کے لوگ بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکل پڑے، جب بنی اسرائیل نے فرعونی لشکر کو دیکھا تو گھبرا گئے کہ آگے سمندر ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر ہے اب ہمارا کیا بنے گا؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پورے اطمینان سے جواب دیا: میں تمہیں رب تعالیٰ کے حکم سے لے کر نکلا ہوں، لہٰذا گھبرانے کی ضرورت نہیں، میرا رب ہمیں فرعونیوں سے محفوظ رکھے گا۔

اس قسم کا ایک واقعہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پیش آیا تھا۔ ہجرت کے وقت جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق سفر صدیق اکبر کے ساتھ غار ثور میں تشریف فرما تھے اور کفار مکہ آپ کی تلاش میں غار کے منہ تک پہنچ گئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق کو تشویش لاحق ہوئی کہ اگر کفار نے ذرا جھک کر دیکھا تو وہ ہمیں پا لیں گے، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے اطمینان سے صدیق اکبر کو فرمایا: فکر مند نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، لہٰذا یہ کفار ہمیں نہیں دیکھ سکیں گے۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ۚ﴿۶۳﴾

۶۳۔ چنانچہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اپنا عصا سمندر پر مارو، پس سمندر پھٹ گیا اور پانی کا ہر حصہ ایک بڑے پہاڑ کی مانند ہوگیا۔[۳۴]

وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ۚ﴿۶۴﴾

۶۴۔ اور ہم نے دوسروں (یعنی فرعونیوں) کو بھی اس جگہ کے قریب کردیا۔[۳۵]

وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ۚ﴿۶۵﴾

۶۵۔ اور ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جو ان کے ساتھ تھے سب کو نجات دے دی۔

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ؕ﴿۶۶﴾

۶۶۔ پھر ہم نے دوسروں (یعنی فرعونیوں) کو غرق کردیا۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۶۷﴾

۶۷۔ بے شک اس واقعہ میں (بڑی واضح) نشانی ہے، لیکن ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔[۳۶]

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۠﴿۶۸﴾

۶۸۔ اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب (اور) ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِیْمَ ۘ﴿۶۹﴾

۶۹۔ اور آپ انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ پڑھ کر سنائیں۔

---

[۳۴] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنا عصا سمندر پر مارا اور سمندر کا پانی پھٹ کر پہاڑوں کی مانند ساکن ہوگیا اور ان کے درمیان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی چل کر پار ہوگئے۔

[۳۵] فرعون اور اس کے لوگ جب سمندر کے کنارے پہنچے تو انہوں نے سمجھا شاید اس سمندر میں کوئی انقلاب آگیا ہے اور اب پانی چلنے کے بجائے ساکن ہوگیا ہے، چنانچہ وہ بھی سمندر میں داخل ہوگئے۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندر کا رکا ہوا پانی دوبارہ حرکت میں آگیا اور فرعون اپنے ساتھیوں سمیت اس میں غرق ہوگیا۔

[۳۶] اس واقعہ میں کفار مکہ کے لئے بہت بڑا درس عبرت ہے کہ فرعون اور اس کے لوگ عصا اور ید بیضا کے معجزات دیکھنے کے باوجود سوائے چند افراد کے ایمان نہ لائے، پھر سمندر پھٹنے اور بنی اسرائیل کے پار ہوجانے کا معجزہ دیکھ کر بھی انہیں ایمان لانے کا خیال نہ آیا اور جب غرق ہونے لگے تو مجبوراً جان بچانے کے لئے ایمان کا اعلان کرنے لگے حالانکہ اس مجبوری اور

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿٧٠﴾

۷۰۔ جب انہوں نے اپنے باپ (چچا) اور اپنی قوم سے کہا: تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ [۳۷]

قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ﴿٧١﴾

۷۱۔ انہوں نے کہا: ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور دن بھر انہی کے لئے بیٹھے رہتے ہیں۔

قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ﴿٧٢﴾

۷۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ [۳۸]

أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ﴿٧٣﴾

۷۳۔ یا کیا وہ تمہیں نفع پہنچاتے ہیں یا نقصان پہنچاتے ہیں؟

قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٧٤﴾

۷۴۔ انہوں نے کہا: (نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا۔

قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٧٥﴾

۷۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نے کبھی (ان میں) غور کیا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ [۳۹]

آخری وقت کا ایمان اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں ہے، لہٰذا کفار مکہ کو چاہیے کہ وہ اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئیں لیکن پھر بھی اکثر لوگ ایمان نہ لائے۔

[۳۷] اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ سے مراد آپ کا چچا آزر ہے جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پرورش کی۔ اس کی مزید تفصیل کے لئے سورہ انعام (۶) کی آیت نمبر ۷۴ کا حاشیہ ملاحظہ کریں۔

[۳۸] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو، جب تم انہیں پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری فریاد کا جواب دیتے ہیں؟ اور کیا وہ تمہیں نفع یا نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں؟

[۳۹] جب یہ بت تمہیں نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے تو پھر تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ ان کے پاس ان کا کوئی معقول جواب نہیں تھا اور کہنے لگے: ہمارے باپ دادا ان کی عبادت کرتے تھے اس لئے ہم بھی ان کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ باپ دادا کی تقلید کسی بات کے حق یا باطل ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تمہیں غور کرنا چاہیے کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو اگر وہ تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور اگر تم ان کی عبادت نہ کرو تو وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تو پھر تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو۔

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾	۷۶۔ تم اور تمہارے اگلے باپ دادا (نے کیا کبھی سوچا)؟
فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾	۷۷۔ بے شک وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے تمام جہانوں کے رب کے۔[۴۰]
الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿۷۸﴾	۷۸۔ جس نے مجھے پیدا فرمایا اور وہی میری راہنمائی فرماتا ہے۔
وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾	۷۹۔ اور وہی ہے جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔
وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿۸۰﴾	۸۰۔ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے۔
وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾	۸۱۔ اور وہی مجھے موت دے گا، پھر وہی مجھے زندہ فرمائے گا۔
وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾	۸۲۔ اور وہی ہے جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن وہ میری خطاؤں کو بخش دے گا۔
رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾	۸۳۔ اے میرے رب! مجھے علم وعمل کا کمال عطا فرما اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا دے۔
وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾	۸۴۔ اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ۔[۴۱]

[۴۰] اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ قیامت کے دن تم سے بیزاری کا اعلان کرتے ہوئے کہیں گے: نہ ہم عبادت کے لائق تھے اور نہ ہم نے کسی کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا، پھر تم نے ہماری عبادت کیوں کی؟ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن یہ معبودان باطل نہ صرف یہ کہ کسی کو فائدہ نہیں پہنچائیں گے بلکہ اپنے پجاریوں کی مخالفت کریں گے، لہٰذا یہ بت ہم سب کے دشمن ہیں اور ہمیں ان سے دور رہنا چاہیے اور صرف اس خدا کی عبادت کرنی چاہیے جو تمام جہانوں کا رب ہے اور سب کی ضرورتیں پوری فرماتا ہے۔

[۴۱] اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کو قبول فرمایا اور ان کو بعد میں آنے والے لوگوں میں ایسا قبول عام عطا فرمایا

وَاجْعَلْنِي مِن وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ﴿٨٥﴾

۸۵۔ اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں سے بنادے۔

وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ ﴿٨٦﴾

۸۶۔ اور میرے باپ (چچا) کو بخش دے بے شک وہ گمراہوں میں سے ہے۔ [۴۲]

وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ﴿٨٧﴾

۸۷۔ اور مجھے رسوانہ کرنا جس دن لوگ قبروں سے اٹھائیں جائیں گے۔ [۴۳]

يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿٨٨﴾

۸۸۔ جس دن نہ کوئی مال نفع دے گا اور نہ اولاد۔

کہ آج وحی پر ایمان رکھنے والی ساری قوم میں آپ کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتی ہیں اور مسلمان تو ہر نماز میں جب اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ پر درود بھیجتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر بھی درود بھیجتے ہیں۔

[۴۲] اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ سے مراد آپ کا چچا آزر ہے جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پرورش کی تھی۔ اس دعائے مغفرت کے بارے میں سورہ توبہ (۹) کی آیت نمبر ۱۱۴ کا حاشیہ نمبر ۹۲ ملاحظہ کریں۔

[۴۳] ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا آخری حصہ یہ ہے: قیامت کے دن جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اس دن مجھے رسوانہ کرنا یعنی میرے کسی خلاف اولیٰ کام پر گرفت نہ فرمانا۔

یارب العالمین! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کرتے ہوئے یہ فقیر بھی بصد ادب و نیاز عرض گزار ہے: اے میرے رحمٰن ورحیم رب! تمام مسلمانوں بالخصوص مجھے، میرے والدین اور اولاد، میرے اساتذہ اور طلبہ و طالبات، جامعہ الکرم اور مسلم چیرٹی کے جملہ معاونین کو قیامت کے دن رسوانہ کرنا اور ہماری خطاؤں پر اپنی رحمت کا پردہ ڈال دینا۔ آمین یارب العالمین بجاہ حبیبک الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم۔

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب کر کے پوشیدہ طور پر اسے فرمائے گا: کیا تو اپنا فلاں فلاں گناہ جانتا ہے؟ مومن عرض کرے گا: جی ہاں میرے رب! یہاں تک کہ مؤمن کے سب گناہوں کا اس سے اقرار کرالے گا اور مؤمن اپنے دل میں خیال کرے گا کہ وہ تو ہلاک ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے دنیا میں تیرے گناہوں پر پردہ ڈالے رکھا اور آج میں تیرے ان گناہوں کو معاف کرتا ہوں، پھر نیکیوں کی تحریر اس کو دی جائے گی لیکن کفار اور منافقوں کو گواہوں کے سامنے پکارا جائے گا اور گواہ کہیں گے: یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا، لہٰذا ان ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

(بخاری: ۲۴۴۱: کتاب المظالم: باب ۲۔ اور۔ بخاری: ۴۶۸۵: کتاب تفسیر القرآن: سورہ ھود)

اِلَّا مَنۡ اَتَى اللّٰهَ بِقَلۡبٍ سَلِيۡمٍؕ‏ ﴿۸۹﴾	۸۹۔ سوائے اس شخص کے جو اللہ تعالیٰ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوا۔ [۴۴]
وَاُزۡلِفَتِ الۡجَـنَّةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَۙ‏ ﴿۹۰﴾	۹۰۔ اور (اس دن) جنت متقی لوگوں کے قریب کردی جائے گی۔
وَبُرِّزَتِ الۡجَحِيۡمُ لِلۡغٰوِيۡنَۙ‏ ﴿۹۱﴾	۹۱۔ اور جہنم گمراہ لوگوں کے سامنے ظاہر کردی جائے گی۔
وَقِيۡلَ لَهُمۡ اَيۡنَمَا كُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَۙ‏ ﴿۹۲﴾	۹۲۔ اور ان سے کہا جائے گا: وہ کہاں ہیں جن کی تم عبادت کرتے تھے؟
مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ هَلۡ يَنۡصُرُوۡنَكُمۡ اَوۡ يَنۡتَصِرُوۡنَؕ‏ ﴿۹۳﴾	۹۳۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر، کیا (آج) وہ تمہاری مدد کرسکتے ہیں یا وہ خود اپنی مدد کرسکتے ہیں؟ [۴۵]
فَكُبۡكِبُوۡا فِيۡهَا هُمۡ وَالۡغَاوٗنَۙ‏ ﴿۹۴﴾	۹۴۔ پھر وہ اور سارے گمراہ لوگ جہنم میں اوندھے منہ پھینک دیے جائیں گے۔
وَجُنُوۡدُ اِبۡلِيۡسَ اَجۡمَعُوۡنَؕ‏ ﴿۹۵﴾	۹۵۔ اور ابلیس کی ساری فوجیں بھی (جہنم رسید کردی جائیں گی)۔
قَالُوۡا وَهُمۡ فِيۡهَا يَخۡتَصِمُوۡنَۙ‏ ﴿۹۶﴾	۹۶۔ وہ گمراہ لوگ جہنم میں ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑا کرتے ہوئے (اپنے معبودان باطل سے) کہیں گے:

[۴۴] جس شخص کا دل کفر و شرک سے پاک اور توحید خداوندی سے آباد ہے اس کا نیک راہ میں خرچ کیا ہوا مال اسے قیامت کے دن فائدہ پہنچائے گا، اس کی مرنے والی معصوم اولاد اس کی شفاعت کرے گی اور اس کی نیک اولاد اس کے لئے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کرے گی، لیکن جس کے دل میں توحید خداوندی کا چراغ روشن نہیں ہے اس کا نیک راہ میں خرچ کیا ہوا مال اسے آخرت میں کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا حتیٰ کہ اگر اس کی اولاد مسلمان اور متقی ہو جائے تو بھی کافر باپ کے حق میں ان کی شفاعت قبول نہیں ہوگی۔

[۴۵] قیامت کے دن گمراہ لوگوں کو کہا جائے گا: اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے تھے آج وہ کہاں ہیں؟ آج دیکھ لو وہ خود بے بس ہیں اور خود اپنی مدد بھی نہیں کرسکتے تو تمہاری مدد کیسے کریں گے، پھر یہ گمراہ اور شیطانی لوگ اور ان کے نام نہاد

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٩٧﴾	۹۷۔ اللہ کی قسم! ہم تو کھلی گمراہی میں تھے۔[۴۶]
اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٨﴾	۹۸۔ جب ہم تم کو سارے جہانوں کے رب کے برابر قرار دیتے تھے۔
وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٩٩﴾	۹۹۔ اور ہمیں صرف مجرم لوگوں نے ہی گمراہ کیا۔
فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿١٠٠﴾	۱۰۰۔ سو (آج) ہمارے لئے کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہے۔
وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿١٠١﴾	۱۰۱۔اور نہ ہی کوئی غم خوار دوست ہے۔
فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٢﴾	۱۰۲۔کاش! اگر ہمیں ایک بار (دنیا میں) پلٹنے کا موقع ملتا تو ہم مومن بن جاتے۔[۴۷]
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾	۱۰۳۔بے شک اس واقعہ میں ایک بڑی نشانی ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔[۴۸]
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾	۱۰۴۔اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب (اور) ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

معبود سب کو جہنم رسید کر دیا جائے گا۔

[۴۶] جہنم میں گمراہ لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا اور وہ اپنے معبودان باطل سے کہیں گے: ہم نے تمہیں رب کے برابر مان کر کھلی گمراہی اختیار کی۔ دراصل ہمیں ہمارے بڑوں اور گمراہ دوستوں نے اس گمراہی میں مبتلا کیا اور اسی گمراہی کی وجہ سے آج ہمارا کوئی سفارشی نہیں ہے۔

[۴۷] قیامت کے دن گمراہ لوگ کہیں گے: کاش اگر ہمیں ایک بار دوبارہ دنیا میں واپس جانے کا موقع دیا جائے تو ہم نافرمانی نہیں کریں گے بلکہ پکے مومن بن جائیں گے مگر وہاں سے واپسی کی کوئی صورت نہیں ہوگی لہٰذا اسی دنیا میں ایمان لانا اور نیک اعمال کرنا ہی آخرت میں فائدہ دے گا۔

[۴۸] حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ میں مشرکین کی بت پرستی کے خلاف بڑی واضح دلیل موجود ہے مگر پھر بھی ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحِ ِالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔[۴۹]

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶۔ جب ان کے بھائی نوح علیہ السلام نے انہیں کہا: کیا تم (اللہ تعالیٰ سے) نہیں ڈرتے ہو؟

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ بے شک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔[۵۰]

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ لہٰذا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹۔ اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف رب العالمین کے ذمہ ہے۔[۵۱]

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱۔ انہوں نے کہا: کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں حالانکہ تمہاری پیروی تو حقیر لوگ کر رہے ہیں۔[۵۲]

---

[۴۹] قوم نوح علیہ السلام نے اگر چہ صرف ایک رسول یعنی حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا مگر اس آیت میں مذکور ہے کہ قوم نوح نے تمام رسولوں کو جھٹلایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام رسولوں کا پیغام اور مشن ایک ہے اس لئے کسی ایک رسول کو جھٹلانا دراصل تمام رسولوں کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔

[۵۰] حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا: میں کوئی اجنبی نہیں ہوں بلکہ تمہارا قومی بھائی ہوں، تم میری امانت وصداقت سے اچھی طرح آگاہ ہو، جب میں نے تمہارے ساتھ کبھی خیانت نہیں کی تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیسے خیانت کر سکتا ہوں، لہٰذا میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور میں جو کچھ تمہیں کہتا ہوں وہ میرا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے اور میں اسے جوں کا توں بغیر کسی کمی بیشی کے آپ تک پہنچاتا ہوں، لہٰذا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے میری اطاعت کرو۔

[۵۱] میں تمہیں جو تبلیغ کر رہا ہوں اس سے تمہاری ہدایت اور بھلائی مقصود ہے، میں اس پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا بلکہ میں اپنے رب کی رضا کا طالب ہوں اور وہ مجھے اس کا اجر عطا فرمائے گا۔

[۵۲] انہوں نے کہا: اے نوح علیہ السلام! آپ پر ایمان لانے والے ایسے لوگ ہیں جو غربت، خاندان اور پیشہ کی وجہ سے معاشرہ

قَالَ وَمَا عِلْمِىْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۱۲

۱۱۲۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: مجھے اس سے کیا غرض کہ وہ پہلے کیا کرتے تھے۔

اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّىْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۝۱۱۳

۱۱۳۔ ان کا حساب لینا تو صرف میرے رب کے ذمہ ہے اگر تمہیں شعور ہے۔[۵۳]

وَمَا اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۴

۱۱۴۔ اور میں مومنوں کو دھتکارنے والا نہیں ہوں۔

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۱۵

۱۱۵۔ میں تو صرف کھول کھول کر نصیحت کرنے والا ہوں۔[۵۴]

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ۝۱۱۶

۱۱۶۔ انہوں نے کہا: اے نوح علیہ السلام! اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں ضرور سنگسار کر دیا جائے گا۔

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِىْ كَذَّبُوْنِ ۝۱۱۷

۱۱۷۔ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! بے شک میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔

فَافْتَحْ بَيْنِىْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِىْ وَمَنْ مَّعِىَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۸

۱۱۸۔ پس تو میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے اور مجھے اور جو مومن میرے ساتھ ہیں ان کو نجات دے دے۔[۵۵]

میں کم تر اور پس ماندہ سمجھے جاتے ہیں اور وہ اس لئے ایمان نہیں لائے کہ انہیں آپ کا دین پسند ہے بلکہ وہ اس دین کے ذریعہ اپنی پسماندگی دور کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا ہم جیسے رئیس، مخلص اور اعلیٰ خاندانوں والوں کے شایان شان نہیں کہ وہ ان حقیر لوگوں کے ساتھ بیٹھیں۔ اگر آپ ان گھٹیا لوگوں کو نکال دیں تو پھر ہم آپ سے مفاہمت کر سکتے ہیں۔

[۵۳] حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں اس لئے نہیں بھیجا گیا کہ جو مجھ پر ایمان لائے میں پہلے اس کا ماضی دیکھوں کہ وہ کس حیثیت کا آدمی تھا اور اس کی نیت کیسی ہے بلکہ میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ جو بھی مجھ پر ایمان لائے میں اس کو اللہ تعالیٰ کے احکام سمجھاؤں اور اس کے عذاب سے ڈراؤں۔ باقی رہا مسئلہ ان کی مالی حیثیت یا نیت کا، تو یہ میرا کام نہیں کیونکہ کسی کے ماضی کے حالات اور دل کے احوال اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اور وہی ان کا حساب لے گا۔

[۵۴] میں سب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے کے لئے بھیجا گیا ہوں خواہ دنیا کی نگاہ میں لوگ اعلیٰ ہوں یا حقیر لیکن ان میں سے جو بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں گے میرے نزدیک وہ سب سے اعلیٰ ہوں گے اور میں انہیں اپنے سے دور بھگانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

[۵۵] حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میری قوم نے میری تبلیغ کو ماننے سے انکار کر دیا ہے بلکہ مجھے سنگسار

فَاَنْجَیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾

۱۱۹۔ پس ہم نے ان کو اور جو ان کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں تھے نجات دے دی۔

ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ ﴿۱۲۰﴾

۱۲۰۔ پھر اس کے بعد ہم نے باقی رہ جانے والے لوگوں کو غرق کر دیا۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾

۱۲۱۔ بے شک اس واقعہ میں بڑی نشانی ہے مگر ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۲﴾ ع

۱۲۲۔ اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب (اور) ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾

۱۲۳۔ (قوم) عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔ [۵۶]

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

۱۲۴۔ جب ان کے بھائی ہود علیہ السلام نے انہیں کہا: کیا تم (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتے نہیں ہو؟

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۲۵﴾

۱۲۵۔ بے شک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾

۱۲۶۔ لہٰذا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۷﴾

۱۲۷۔ اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف رب العالمین کے ذمہ ہے۔

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

۱۲۸۔ کیا تم ہر اونچی جگہ پر فضول کاموں کے لئے ایک یادگار تعمیر کرتے ہو۔

کرنے کی دھمکی دے دی ہے۔ اب ان کے ایمان لانے کی کوئی توقع نہیں ہے، لہٰذا تو ان پر عذاب نازل کرنے کا فیصلہ صادر فرما دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہونے والوں کو بچا لیا اور باقی رہ جانے والے تمام منکروں کو پانی میں غرق کر دیا۔

[۵۶] آیات نمبر ۱۲۳ تا ۱۲۷ کے لئے آیات نمبر ۱۰۵ تا ۱۰۹ کی تفسیر ملاحظہ کرلیں۔

وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

۱۲۹۔ اور تم مضبوط محل بناتے ہو اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے۔[۵۷]

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

۱۳۰۔ اور جب تم کسی کی گرفت کرتے ہو تو بڑے ظالم و جابر بن کر گرفت کرتے ہو۔[۵۸]

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾

۱۳۱۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

---

[۵۷] قوم عاد کے لوگ اونچی جگہوں پر لہو و لعب کے لئے یادگاریں بناتے اور ایک دوسرے سے بڑھنے کے لئے بڑے مضبوط اور اونچے محل بناتے۔ اس پر حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں تنبیہ فرمائی کہ تم فضول یادگاروں اور ایک دوسرے پر فخر کرنے کے لئے اونچے محلات پر سرمایہ ضائع نہ کرو کیونکہ تمہیں ہمیشہ یہاں نہیں رہنا اور ایک دن اس دنیا سے رخصت ہو جانا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں اہل علم لکھتے ہیں: ضرورت کے لئے مضبوط اور بلند عمارت بنانا منع نہیں ہے صرف تکبر اور تفاخر کے لئے ان پر دولت اور وقت ضائع کرنا منع ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کیا: ایک آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں، اس کے جوتے اچھے ہوں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔ تکبر (اس لئے حرام ہے کیونکہ یہ) حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔ (مسلم: ۲۶۵: کتاب الایمان: باب ۳۸)

اس سے معلوم ہوا کہ اچھا لباس پہننا منع نہیں بلکہ نعمتوں کے اظہار کا ذریعہ ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے پر اس کی نعمت کے آثار دکھائی دیں۔

(ترمذی: ۲۸۱۹: ابواب الادب: باب ۵۴)

[۵۸] قوم عاد کے لوگ بڑے بے رحم اور سنگ دل تھے، جب کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تو اس پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیتے، عفو و درگزر کا ان میں نام و نشان تک نہیں تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں تنبیہ فرمائی کہ جب کسی سے غلطی سرزد ہو جائے تو فوراً اس پر سختی نہ شروع کر دو بلکہ پہلے اسے نرمی سے سمجھاؤ اور اسے سنبھلنے کا موقع دو کیونکہ تم بھی کسی کے سامنے جواب دہ ہو۔ اس سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ کریں:

☆ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے ایک غلام (نوکر) کو مار رہا تھا تو میں نے اپنے پیچھے سے دو بار ایک آواز سنی: اے ابو مسعود رضی اللہ عنہ! جان لو! کہ جتنا تم اس نوکر پر قادر ہو اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ تم پر قادر ہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آزاد ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرتے تو تم کو دوزخ کی آگ جلاتی۔ (ابو داؤد: کتاب الادب: باب ۱۳۳)

وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

۱۳۲۔ اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو۔[۵۹]

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

۱۳۳۔ اس نے مویشیوں اور اولاد سے تمہاری مدد کی۔

وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾

۱۳۴۔ اور باغات اور چشموں سے بھی۔

اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾

۱۳۵۔ بے شک مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

۱۳۶۔ انہوں نے کہا: ہمارے لئے برابر ہے خواہ آپ نصیحت کریں یا آپ نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔[۶۰]

اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾

۱۳۷۔ یہ تو صرف پہلے لوگوں کی عادت ہے۔

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

۱۳۸۔ اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

۱۳۹۔ سو انہوں نے ہود علیہ السلام کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا،[۶۱] بے شک اس واقعہ میں بڑی نشانی ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں خادم کو کتنی بار معاف کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ہر روز ستر مرتبہ۔ (ابو داؤد: ۵۱۶۴: کتاب الادب: باب ۱۳۳)

[۵۹] حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا: تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں رنگارنگ نعمتوں سے نوازا ہے مثلاً مویشی، اولاد، باغات اور چشمے وغیرہ، لہٰذا تمہیں چاہیے کہ اس کا شکر ادا کرو اور اس کی نافرمانی سے باز آجاؤ۔

[۶۰] اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور ناشکری سے باز نہ آئے تو تم عذاب الٰہی کے مستحق قرار پاؤ گے۔ یہ عذاب دنیا میں بھی آسکتا ہے ورنہ آخرت میں تو کوئی مجرم سزا سے نہ بچ سکے گا۔ اس پر قوم عاد نے جواب دیا: ہمارے باپ دادا صدیوں سے جو کچھ کرتے چلے آرہے ہیں ہم اسی پر گامزن ہیں، خواہ آپ ہمیں عذاب الٰہی سے ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ہمیں کسی عذاب کا کوئی خطرہ نہیں ہے کیونکہ تمہاری طرح پہلے بھی کئی مذہبی رہنما ہمارے آباؤ و اجداد کو اس قسم کی دھمکیاں دیا کرتے تھے مگر ان پر کوئی عذاب نہیں آیا۔

[۶۱] جب انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلانے پر اصرار جاری رکھا تو ان پر سخت ہوا کا ایسا طوفان آیا جو آٹھ دن جاری رہا جس

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٤٠﴾	١٤٠۔ اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب (اور) ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔
كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٤١﴾	١٤١۔ (قوم) ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا۔ [٦٢]
اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٤٢﴾	١٤٢۔ جب ان کے بھائی صالح علیہ السلام نے انہیں کہا: کیا تم (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتے نہیں ہو؟
اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٤٣﴾	١٤٣۔ بے شک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٤٤﴾	١٤٤۔ لہٰذا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔
وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٤٥﴾	١٤٥۔ اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف رب العالمین کے ذمہ ہے۔
اَتُتْرَكُوْنَ فِىْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿١٤٦﴾	١٤٦۔ کیا تمہیں ان (نعمتوں) میں جو یہاں ہیں امن کے ساتھ رہنے دیا جائے گا؟
فِىْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿١٤٧﴾	١٤٧۔ یعنی ان باغوں اور چشموں میں۔
وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿١٤٨﴾	١٤٨۔ اور کھیتوں میں اور کھجور کے درختوں میں جن کے شگوفے نرم و نازک ہیں۔ [٦٣]
وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿١٤٩﴾	١٤٩۔ اور تم مہارت کے ساتھ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو۔

نے ہر چیز کو تہس نہس کر دیا، اس طاقتور قوم کے لاشے کھجور کے کٹے ہوئے تنوں کی طرح زمین پر بکھرے پڑے تھے۔

[٦٢] آیات نمبر ١٤١ تا ١٤٥ کے لئے آیات نمبر ١٠٥ تا ١٠٩ کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

[٦٣] حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تنبیہ فرمائی: اللہ تعالیٰ نے تمہیں باغات، کھیت، چشمے اور پہاڑوں کی طرح مضبوط مکانات عطا فرمائے ہیں لیکن یاد رکھو تمہیں ہمیشہ یہاں نہیں رہنا ہے ایک دن تمہیں ان نعمتوں سے جدا ہو کر زمین کے اندر دفن ہونا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾

۱۵۰۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

وَلَا تُطِیْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۵۱﴾

۱۵۱۔ اور حد سے تجاوز کرنے والوں کے حکم کی اطاعت نہ کرو۔[۶۴]

الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَ لَا یُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

۱۵۲۔ جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾

۱۵۳۔ انہوں نے کہا: تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔

مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۖۚ فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۵۴﴾

۱۵۴۔ تم تو محض ہمارے جیسے بشر ہو، اگر تم سچوں میں سے ہو تو (اپنی نبوت پر) کوئی نشانی لاؤ۔[۶۵]

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾

۱۵۵۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: (وہ نشانی) یہ اونٹنی ہے، ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک مقرر دن تمہارے پانی پینے کی باری ہے۔[۶۶]

---

[۶۴] لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرو اور اس کی رضا کے لئے میری اطاعت کرو اور حد سے تجاوز کرنے والے فسادی لوگوں کی پیروی نہ کرو۔

[۶۵] انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو کہا: یقیناً تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے جس کی وجہ سے تم نے نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے حالانکہ تم ہماری طرح بشر ہو پھر تم نبی کیسے بن سکتے ہو؟ اور اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو ہمیں کوئی معجزہ دکھاؤ۔

[۶۶] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قوم ثمود نے مطالبہ کیا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ پتھر کی اس چٹان سے ہماری آنکھوں کے سامنے ایک اونٹنی نکالے۔ چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کا مطالبہ پورا کر دیا۔
(تفسیر قرطبی)

اس پر حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: یہ اونٹنی میری نبوت کی نشانی ہے، اس کو آزاد چھوڑ دو، ایک دن صرف یہ اونٹنی پانی پیا کرے گی اور دوسرے دن تم اور تمہارے مویشی پانی پیا کریں گے لیکن یاد رکھنا کوئی اس اونٹنی کو تکلیف نہ پہنچائے ورنہ تم پر عذاب آجائے گا۔

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥٦﴾	۱۵۶۔ اور تم اسے تنگ کرنے کے لئے ہاتھ مت لگانا ورنہ بڑے دن کا عذاب تمہیں آ پکڑے گا۔
فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿١٥٧﴾	۱۵۷۔ پھر بھی انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں، پس وہ پشیمان ہو گئے۔ [۶۷]
فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٨﴾	۱۵۸۔ سو ان کو عذاب نے پکڑ لیا، بے شک اس میں بڑی نشانی ہے مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٥٩﴾	۱۵۹۔ اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔
كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٦٠﴾	۱۶۰۔ قوم لوط نے رسولوں کو جھٹلایا۔ [۶۸]
اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٦١﴾	۱۶۱۔ جب ان کے بھائی لوط علیہ السلام نے انہیں کہا: کیا تم (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتے نہیں ہو؟
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٦٢﴾	۱۶۲۔ بے شک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٦٣﴾	۱۶۳۔ لہٰذا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

[۶۷] اللہ تعالیٰ نے جب چٹان سے اونٹنی نکال دی تو اس معجزہ کو دیکھ کر کچھ لوگ حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لے آئے لیکن متکبر سرداروں نے انکار کر دیا اور سازش کر کے اونٹنی کو ذبح کرا دیا اور حضرت صالح علیہ السلام کو کہا: ہم نے اونٹنی کو ہلاک کر دیا ہے تم اسے نقصان پہنچانے پر جس عذاب کی ہمیں دھمکی دیتے تھے وہ عذاب لے آؤ۔ اس پر حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: تین دنوں کے بعد تم پر عذاب آجائے گا، جب عذاب کی علامتیں ظاہر ہونا شروع ہوئیں تو وہ اپنے کئے پر پشیمان ہوئے لیکن عذاب کی علامتیں دیکھنے کے بعد ندامت کا اور توبہ کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، چنانچہ سخت آواز کے ساتھ ایسا زلزلہ آیا جس میں وہ سارے متکبر اور منکر لوگ ہلاک ہو گئے۔

[۶۸] آیات نمبر ۱۶۰ تا ۱۶۴ کے لئے آیات نمبر ۱۰۵ تا ۱۰۹ کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۴﴾

۱۶۴۔ اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف رب العالمین کے ذمہ ہے۔

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۵﴾

۱۶۵۔ کیا سارے جہان والوں میں سے تم ہی (جنسی خواہش کے لئے) مردوں کے پاس آتے ہو؟[۶۹]

وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

۱۶۶۔ اور اپنی بیویوں کو چھوڑ دیتے ہو جو تمہارے رب نے تمہارے لئے پیدا کی ہیں، بلکہ تم لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہو۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ ﴿۱۶۷﴾

۱۶۷۔ انہوں نے کہا: اے لوط! اگر تم (ان باتوں سے) باز نہ آئے تو تمہیں ضرور ملک بدر کر دیا جائے گا۔ [۷۰]

قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ ﴿۱۶۸﴾

۱۶۸۔ حضرت لوط نے فرمایا: بے شک میں تمہارے (اس قبیح) فعل سے بیزار ہوں۔

رَبِّ نَجِّنِیْ وَ اَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

۱۶۹۔ اے میرے رب! مجھے اور میرے اہل خانہ کو ان (کی بدکاریوں کے وبال) سے نجات عطا فرما جو وہ کرتے ہیں۔[۷۱]

---

[۶۹] مرد کی مرد کے ساتھ بدکاری کرنے کی ابتدا قوم لوط نے کی، اسی لئے اس فعل کو لواطت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں فرمایا: تم حلال بیویوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ حرام کاری کرتے ہو، یہ فطرت کے خلاف اور انسانی حدود سے تجاوز ہے۔ سارے جہان والوں میں جانور بھی شامل ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ فعل بد کوئی جانور بھی نہیں کرتا۔

[۷۰] انہوں نے کہا: ہم کو ہمارے حال پر رہنے دو اور اگر تم ہم کو منع کرنے سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں ملک بدر کر دیں گے۔ اس پر حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: میرے خلاف تم جو چاہو کر لو لیکن یہ فعل حرام اور قابل نفرت ہے اور اس سے منع کرنا میرا فرض ہے۔

[۷۱] حضرت لوط علیہ السلام کو جب یقین ہو گیا کہ یہ لوگ اس بدکاری سے باز نہیں آئیں گے اور ان پر عذاب آنے والا ہے تو آپ نے دعا کی: اے میرے رب! مجھے اور میرے اہل خانہ کو اس عذاب سے نجات عطا فرما جو ان پر نازل ہونے والا ہے۔ چنانچہ

فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

۱۷۰۔ پس ہم نے ان کو اور ان کے سب اہل خانہ کو نجات دی۔

اِلَّا عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

۱۷۱۔ سوائے ایک بوڑھی عورت کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾

۱۷۲۔ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾

۱۷۳۔ اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش برسائی، پس بڑی ہی تباہ کن بارش تھی جو ڈرائے ہوئے لوگوں پر برسی۔ [۷۲]

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾

۱۷۴۔ بے شک اس واقعہ میں بڑی نشانی ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾

۱۷۵۔ اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب (اور) ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾

۱۷۶۔ اہل ایکہ نے رسولوں کو جھٹلایا۔ [۷۳]

اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

۱۷۷۔ جب ان سے حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتے نہیں ہو؟

جب عذاب کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے اہل خانہ کو وہاں سے نکال لیا، البتہ حضرت لوط علیہ السلام کی بوڑھی بیوی پیچھے رہ گئی تھی کیونکہ وہ کافرہ تھی اور دیگر کافروں کے ساتھ اسے بھی ہلاک کر دیا گیا۔

[۷۲] حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں ڈرایا تھا کہ اگر تم اس فعل بد سے باز نہ آئے تو تم پر عذاب آجائے گا اور جب ان کے عذاب کا وقت آ گیا تو ان کی ساری بستیاں تہ وبالا کر دی گئیں، پھر ان پر سخت پتھروں کی ایسی لگاتار بارش برسائی گئی کہ سارے کافر ہلاک ہو گئے جیسا کہ سورہ ہود (۱۱) کی آیات نمبر ۸۲ تا ۸۳ میں مذکور ہے۔

[۷۳] آیات نمبر ۱۷۶ تا ۱۸۰ کے لئے آیات نمبر ۱۰۵ تا ۱۰۹ کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌۙ﴿۱۷۸﴾

۱۷۸۔ بے شک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِۚ﴿۱۷۹﴾

۱۷۹۔ لہٰذا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَؕ﴿۱۸۰﴾

۱۸۰۔ اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف رب العالمین کے ذمہ ہے۔

اَوْفُوا الْكَیْلَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَۚ﴿۱۸۱﴾

۱۸۱۔ پیمانہ پورا بھرا کرو اور نقصان پہنچانے والے نہ بنو۔ [۷۴]

وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِۚ﴿۱۸۲﴾

۱۸۲۔ اور صحیح ترازو سے وزن کیا کرو۔

وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَۚ﴿۱۸۳﴾

۱۸۳۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔

وَ اتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَؕ﴿۱۸۴﴾

۱۸۴۔ اور ڈرو اس سے جس نے تمہیں اور (تم سے) پہلی مخلوق کو پیدا فرمایا۔ [۷۵]

---

[۷۴] یہ لوگ مشرک تھے اور ناپ تول میں خیانت کرتے تھے، حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں فرمایا: ناپ تول کو پورا کرو، لوگوں کی چیزوں میں کمی کر کے انہیں دھوکا نہ دو اور اللہ تعالیٰ کی زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔

[۷۵] جبلت کا ایک معنیٰ مخلوق ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلی مخلوق کو پیدا فرمایا اور اس کا دوسرا معنیٰ ہے: سرشت یعنی ایسی عادت جو کسی کی فطرت میں داخل ہو اور اس سے جدا نہ ہو سکے۔ دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے اس آیت کا معنیٰ ہوگا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کی سرشت کو پیدا فرمایا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم یہ سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اس کی تصدیق کر دو اور جب تم یہ سنو کہ کسی شخص کی خُلق یعنی فطرت بدل گئی ہے تو اس کی تصدیق نہ کرو کیونکہ وہ شخص اسی سرشت کی طرف لوٹ جائے گا جس پر اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ (مسند احمد: جلد ۶: ص ۴۴۳، مجمع الزوائد: جلد ۷: ص ۱۹۶) اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

قَالُوٓا اِنَّمَآ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِيۡنَ ۝۱۸۵

۱۸۵۔ انہوں نے کہا: تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہو۔[۷۶]

وَمَآ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا وَاِنۡ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ۝۱۸۶

۱۸۶۔ تم تو محض ہمارے جیسے بشر ہو اور ہم تمہارے بارے میں یہ خیال کرتے ہیں کہ تم جھوٹے لوگوں میں سے ہو۔

فَاَسۡقِطۡ عَلَيۡنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ۝۱۸۷

۱۸۷۔ پس ہمارے اوپر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو اگر تم سچوں میں سے ہو۔[۷۷]

قَالَ رَبِّىۡۤ اَعۡلَمُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۝۱۸۸

۱۸۸۔ حضرت شعیبؑ نے فرمایا: میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

فَكَذَّبُوۡهُ فَاَخَذَهُمۡ عَذَابُ يَوۡمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۝۱۸۹

۱۸۹۔ سو انہوں نے حضرت شعیبؑ کو جھٹلایا تو ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے آ پکڑا۔ بے شک وہ بڑے دن کا عذاب تھا۔[۷۸]

---

[۷۶] انہوں نے حضرت شعیبؑ کو کہا: یقیناً تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے جس کی وجہ سے تم نے نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے حالانکہ تم ہماری طرح بشر ہو پھر تم نبی کیسے بن سکتے ہو؟ لہٰذا ہمارے خیال میں تم جھوٹے ہو۔

[۷۷] حضرت شعیبؑ نے ناپ تول میں خیانت کے خلاف اپنی تبلیغ جاری رکھی اور انہیں تنبیہ فرمائی: اگر تم اس خیانت سے باز نہ آئے تو تم پر عذاب نازل ہو سکتا ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ اس دھوکا بازی سے باز آ جاتے الٹا کہنے لگے: ہم تمہاری بات نہیں مانتے۔ اگر تم سچے ہو تو جو آسمان تم ہم پر گرانا چاہتے ہو گرا دو۔ اس پر حضرت شعیبؑ نے فرمایا: میرا کام عذاب نازل کرنا نہیں بلکہ عذاب سے ڈرانا ہے، تاہم میرا رب تمہارے کرتوتوں سے اچھی طرح واقف ہے اور مناسب وقت پر عذاب نازل فرمائے گا۔

[۷۸] جب انہوں نے حضرت شعیبؑ کو جھٹلانے کی انتہا کر دی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سائبان اور چھتری کی طرح ایسا بادل بھیجا جس سے آگ برسنے لگی اور سارے منکرین جل کر راکھ ہو گئے۔

حضرت شعیبؑ کو دو مختلف قوموں کی طرف بھیجا گیا تھا، ایک اہل مدین اور دوسری اہل ایکہ۔ یہ دونوں قومیں ناپ تول میں خیانت کرتی تھیں، چنانچہ اہل مدین کو سخت آواز اور زلزلہ کے ذریعہ ہلاک کیا گیا اور اہل ایکہ کو بادل سے آگ برسا کر جلا دیا گیا۔

إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۖ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٠﴾

۱۹۰۔ بے شک اس واقعہ میں بڑی نشانی ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٩١﴾ ع

۱۹۱۔ اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب (اور) ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٩٢﴾

۱۹۲۔ اور بے شک یہ (قرآن) سارے جہانوں کے رب کا نازل فرمایا ہوا ہے۔[۷۹]

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿١٩٣﴾

۱۹۳۔ اس (قرآن) کو الروح الامین (جبریل علیہ السلام) لے کر اترا ہے۔[۸۰]

[۷۹] کفار مکہ کا خیال یہ تھا کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس میں گزشتہ انبیائے کرام علیہم السلام کے جو واقعات بیان کیے گئے ہیں یہ واقعات نہ تو آپ نے کسی مذہبی راہنما سے سنے ہیں اور نہ ہی کسی سابق کتاب سے پڑھے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو ان واقعات سے مطلع فرمایا ہے۔

[۸۰] اس آیت میں جبریل علیہ السلام کو ''الروح الامین'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ الروح اس لئے کہ تمام فرشتے نورانی اور روحانی ہیں یعنی مادی اجسام سے پاک ہیں اور الامین اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل کو قرآن مجید کے الفاظ کا امین بنایا ہے اور اس نے امانت کے ساتھ یہ الفاظ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک تک پہنچادیے۔

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید آپ کے قلب اطہر پر نازل ہوا حالانکہ باقی انبیائے کرام علیہم السلام کی کتابیں تختیوں اور صحیفوں میں یکبارگی نازل کی گئیں۔ (تفسیر روح البیان)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جبریل امین علیہ السلام کتنی بار نازل ہوئے؟

علامہ اسماعیل حقی نے فتاویٰ زینیہ سے نقل کیا ہے کہ السید سے پوچھا گیا کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کتنی بار تشریف لائے تو انہوں نے جواب دیا: مشہور قول یہ ہے کہ وہ آپ کے پاس چوبیس ہزار بار تشریف لائے اور مشکوٰۃ الانوار میں ہے کہ باقی سارے انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس تین ہزار سے زیادہ نہیں آئے۔

(تفسیر روح البیان)

امام قسطلانی نے ابن عادل کی تفسیر سے نقل کیا ہے کہ جبریل امین علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چوبیس ہزار بار تشریف لائے جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس دس بار، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بیالیس بار اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس

عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿١٩٤﴾	١٩۴۔ آپ کے قلب پر تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔
بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿١٩٥﴾	١٩۵۔ (یہ قرآن) بالکل واضح عربی زبان میں ہے۔[٨١]
وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٩٦﴾	١٩٦۔ اور بے شک اس کا ذکر پہلے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں بھی ہے۔[٨٢]
اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٩٧﴾	١٩٧۔ کیا ان (مشرکین مکہ) کے لئے یہ دلیل کافی نہیں ہے کہ اس (قرآن اور نبی ﷺ) کو بنی اسرائیل کے علماء بھی جانتے ہیں۔[٨٣]

چار سو بار تشریف لائے۔ (المواھب اللدنیة: جلداول: ص ٢١٠)

نبی کریم ﷺ کی نورانی اور بشری جہتیں

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی دو جہتیں ہیں، آپ کی ایک جہت ملکی تھی اور اس جہت سے آپ فیض قبول کرتے تھے اور آپ کی دوسری جہت بشری تھی اور اس جہت سے آپ مخلوق کو فیض دیتے تھے۔ (تفسیر روح المعانی)

امام اصفہانی بیان کرتے ہیں کہ جبریل امین علیہ السلام سے وحی وصول کرنے کے دو طریقے تھے، ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ بشریت سے ملکیت کی طرف منتقل ہوتے اور جبریل امین علیہ السلام سے وحی سنتے اور دوسرا یہ کہ جبریل امین علیہ السلام ملکیت سے بشریت کی طرف منتقل ہوتے اور آپ کو وحی پہنچاتے۔ (تفسیر روح المعانی)

[٨١] قرآن مجید بالکل واضح عربی زبان میں نازل کیا گیا تاکہ اہل عرب یہ عذر نہ کرسکیں کہ وہ وحی کی زبان نہیں سمجھتے۔ اس سے عربی زبان کی فضیلت بھی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل فرمایا اور اہل جنت کی زبان بھی عربی ہوگی جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تین وجہوں سے عربوں سے محبت کرو کیونکہ میں عربی ہوں، قرآن کی زبان عربی ہے اور اہل جنت کی زبان بھی عربی ہوگی۔ (مستدرک: جلد ۴: ص ٩٨، کنز العمال: حدیث نمبر ٣٣٩٢٢)

[٨٢] قرآن مجید کوئی غیر معروف کتاب نہیں ہے بلکہ قرآن مجید اور صاحب قرآن حضرت محمد ﷺ کا ذکر خیر پہلی آسمانی کتابوں میں بھی موجود ہے حتیٰ کہ قرآن مجید کی بنیادی تعلیمات یعنی توحید و آخرت وغیرہ بھی پہلی کتابوں میں موجود ہیں۔

[٨٣] بنی اسرائیل کے علماء اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب ہے اور وہی رسول ہیں جن کا ذکر پہلی آسمانی کتابوں میں موجود

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾

۱۹۸۔ اور اگر ہم اس (قرآن) کو کسی غیر عربی شخص پر نازل فرماتے۔

فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾

۱۹۹۔ اور وہ اس کو انہیں پڑھ کر سناتا تو بھی وہ اس پر ایمان نہ لاتے۔ [۸۴]

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾

۲۰۰۔ اسی طرح ہم نے مجرموں کے دلوں میں اس (انکار) کو داخل کر دیا ہے۔ [۸۵]

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾

۲۰۱۔ وہ اس (قرآن) پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب کو خود نہ دیکھ لیں۔

فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

۲۰۲۔ پس عذاب ان پر اچانک آجائے گا اور انہیں (اس کا) شعور بھی نہ ہوگا۔

فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

۲۰۳۔ تب وہ کہیں گے: کیا ہمیں کچھ مہلت دی جائے گی؟ [۸۶]

ہے اور اہل مکہ علمائے یہود سے ان حقائق کی تصدیق بھی کر چکے ہیں تو کیا اہل مکہ کے لئے علمائے یہود کی گواہی کافی نہیں ہے؟

[۸۴] میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! جب آپ کفار مکہ کو قرآن پڑھ کر سناتے ہیں تو وہ یہ کہہ کر انکار کر دیتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ آپ کا اپنا کلام ہے اور اگر ہم یہی کلام کسی غیر عربی شخص پر نازل فرماتے اور وہ ان کو فصیح عربی میں پڑھ کر سناتا تو پھر بھی یہ کفار کسی اور بہانہ سے انکار کر دیتے۔ دراصل قرآن مجید کی تعلیمات ان کے باپ دادا کے عقائد سے متصادم ہیں اس لئے قرآن کی تبلیغ کوئی بھی کرے یہ اس پر ایمان لانے والے نہیں۔

[۸۵] قرآن مجید کا انکار کفار کے دلوں میں اس قدر راسخ ہوگیا ہے کہ جب تک وہ دردناک عذاب کو خود نہ دیکھ لیں وہ ایمان نہیں لائیں گے لیکن عذاب کو دیکھ کر ایمان لانا قابل قبول نہیں ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو پھر ان کا ایمان لانا ان کے کچھ کام نہ آیا۔ (قرآن: ۴۰: ۸۵)

[۸۶] اب تو کفار کہتے ہیں کہ ہمارے انکار کی وجہ سے جس عذاب کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر تم سچے ہو تو پھر عذاب آ کیوں نہیں جاتا لیکن جب وہ عذاب انہیں اچانک آ پکڑے گا تو پھر گھبرا کر کہیں گے: ہمیں کچھ مہلت دے دو ہم سچی توبہ کر کے ایمان

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ ٢٠٤

۲۰۴۔ کیا وہ ہمارے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں؟

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۝ ٢٠٥

۲۰۵۔ کیا تم نے کچھ غور کیا اگر ہم انہیں کئی سالوں تک مزید فائدہ پہنچاتے رہیں۔ [۸۷]

ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ ٢٠٦

۲۰۶۔ پھر ان کے پاس وہ عذاب آجائے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔

مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝ ٢٠٧

۲۰۷۔ تو وہ چیزیں انہیں کیا نفع دیں گی جن سے وہ فائدہ اٹھاتے رہے تھے؟

وَ مَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝ ٢٠٨

۲۰۸۔ اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کے لئے ڈرانے والے (بھیجے گئے) تھے۔ [۸۸]

ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ ٢٠٩

۲۰۹۔ یاددہانی کے لئے اور ہم ظالم نہیں تھے۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۝ ٢١٠

۲۱۰۔ اور اس (قرآن) کو شیاطین لے کر نہیں اترتے۔ [۸۹]

لے آئیں گے لیکن عذاب کو دیکھ کر ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

[۸۷] نافرمان اور مجرم لوگوں سے اگر عذاب کو مؤخر کر دیا جائے اور انہیں دنیا کے مال و متاع سے لطف اندوز ہونے کے لئے مزید کئی سالوں کی مہلت دے دی جائے، پھر بھی ان کی نافرمانیوں کے باعث جب ان پر عذاب آئے گا تو اس دنیا کا ساز و سامان انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا، بلکہ دنیا میں جتنا لمبا عرصہ وہ نافرمانیاں کرتے رہیں گے اتنا ہی زیادہ انہیں عذاب دیا جائے گا۔

[۸۸] اللہ تعالیٰ کی سنت کریمہ یہ رہی ہے کہ اس نے ہر علاقہ کی طرف اپنے منتخب لوگوں کو بھیجا تا کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں اور انہیں یاددہانی کرائیں کہ اگر تم نافرمانی کرو گے تو تم پر عذاب آئے گا۔ اس وارننگ کے بعد بھی جو قومیں ہدایت کا راستہ اختیار نہیں کرتیں انہیں ان کے جرائم کے بدلہ میں ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

[۸۹] کفار مکہ کا خیال یہ تھا کہ جیسے کاہنوں پر شیاطین اترتے ہیں اور آسمانی خبریں لاتے ہیں اسی طرح نبی کریم ﷺ پر بھی معاذ اللہ شیاطین یہ کلام لاتے ہیں۔ ان تین آیات میں ان کا رد کیا گیا ہے کہ شیاطین اس لائق نہیں کہ وہ قرآن مجید جیسا کلام بنا سکیں کیونکہ شیاطین کا مقصد شر اور فساد پھیلانا ہے جب کہ قرآن مجید کا مشن خیر اور امن کی تبلیغ کرنا ہے۔

وَمَا يَنۢبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٢١١﴾

٢١١۔ نہ وہ اس (قرآن) کے لائق ہیں اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔

إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ﴿٢١٢﴾

٢١٢۔ بے شک شیاطین کو (قرآن کے) سننے سے محروم کردیا گیا۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ ﴿٢١٣﴾

٢١٣۔ پس تو (اے مخاطب!) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکار، ورنہ تو عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہوجائے گا۔[٩٠]

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾

٢١٤۔اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔[٩١]

نیز نزول قرآن کے کسی مرحلہ پر بھی شیاطین کی کوئی مداخلت نہیں ہے یعنی عالم بالا میں جہاں اللہ تعالیٰ نے جبریل امین علیہ السلام پر قرآن کو نازل فرمایا وہاں تک شیاطین کی رسائی نہیں ہے۔ اگر یہ اوپر جانے کی کوشش کریں تو ستارے ان پر برق بن کر گرتے ہیں اور ان کو واپس جانے پر مجبور کردیتے ہیں اور عالم زیریں میں جب جبریل امین علیہ السلام نے قرآن مجید کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا تو اس وقت بھی شیاطین کو اتنا دور کردیا جاتا کہ وہ قرآن مجید نہ سن سکتے، لیکن جب قرآن مجید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل ومحفوظ ہوجاتا تو اس کے بعد بے شک شیاطین سنتے رہیں کیونکہ اب وہ اس میں کوئی دخل اندازی نہیں کرسکتے۔ ویسے بھی شیاطین میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ نزول قرآن کو برداشت کرسکیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو تو دیکھتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے جھک کر ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا۔

(قرآن: ٥٩: ٢١)

[٩٠] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمیشہ کے لئے شرک اور گناہوں سے معصوم ہیں اس لئے اس آیت میں خطاب بظاہر اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن درحقیقت اس سے مراد دوسرے لوگ ہیں تاکہ وہ شرک سے دور رہیں۔

[٩١] ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں مگر آپ کی دعوت تین مرحلوں پر مشتمل ہے۔ پہلے آپ نے قریبی رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت دی، پھر اہل عرب اور پھر دیگر ممالک میں تبلیغ کا کام شروع کیا۔

اس ترتیب میں قریبی رشتہ دار پہلے اس لئے ہیں کہ خیر خواہی میں ان کا حق مقدم ہے۔ چنانچہ آپ نے صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہوکر پہلے اپنے رشتہ داروں کو بلایا، جب وہ آپ کے گرد جمع ہوگئے تو آپ نے فرمایا: اگر میں تم کو بتاؤں کہ دشمن کا ایک بڑا لشکر اس پہاڑ کے پیچھے کھڑا ہے (اور تم پر حملہ کرنے والا ہے) تو کیا تم میری تصدیق کروگے؟ سب نے کہا: ہم نے آپ سے کبھی جھوٹ نہیں سنا اس لئے ہم آپ کی تصدیق کریں گے۔ آپ نے فرمایا: تو میں تم کو متنبہ کررہا ہوں (کہ شرک

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢١٥﴾	٢١٥۔ اور آپ اپنے بازو (رحمت) ان مومنوں کے لئے جھکائے رکھیں جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار کر لی ہے۔ [٩٢]
فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢١٦﴾	٢١٦۔ پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرما دیجیے: میں ان کاموں سے بیزار ہوں جو تم کرتے ہو۔ [٩٣]
وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿٢١٧﴾	٢١٧۔ اور آپ سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والے (اللہ تعالیٰ) پر بھروسہ رکھیں۔
الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿٢١٨﴾	٢١٨۔ جو آپ کو دیکھتا رہتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں۔
وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿٢١٩﴾	٢١٩۔ اور جب آپ سجدہ کرنے والوں کے درمیان گھومتے پھرتے ہیں۔ [٩٤]

سے باز آ جاؤ ورنہ) تمہارے سامنے سخت عذاب ہے۔ اس پر ابولہب نے کہا: تمہارے لئے ہلاکت ہو، کیا تم نے ہم کو اس لئے جمع کیا تھا؟ پھر وہ کھڑا ہو گیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: تبت یدا ابی لھب وتب (قرآن: ١١١ : ١) ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے۔ (بخاری: ٤٩٧١: کتاب تفسیر القرآن: سورۃ اللھب) اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو تبلیغ کرنی چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ (قرآن: ٦٦: ٦)

[٩٢] اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ اہل ایمان کے ساتھ رحمت وشفقت اور نرمی سے پیش آئیں حالانکہ آپ تو اعلان نبوت سے پہلے بھی انتہائی شفیق اور مہربان تھے۔ دراصل اس آیت کے ذریعہ حکمرانوں کو ترغیب دی جا رہی ہے کہ وہ اپنی رعایا کے ساتھ رحمت وشفقت اور نرمی کا رویہ اختیار کریں تا کہ لوگ ان کی اطاعت کرنے میں خوشی محسوس کریں۔

[٩٣] آپ کی شفقت ورحمت کے باوجود بھی اگر وہ نافرمانی کریں تو پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کریں اور انہیں واضح کر دیں کہ میں تمہارے برے کاموں سے بیزار ہوں تا کہ انہیں اپنی برائیوں کا احساس ہو اور وہ ان سے باز آ جائیں۔

[٩٤] اللہ تعالیٰ آپ پر بڑا مہربان ہے، اس کی چشم رحمت ہر وقت آپ کی طرف متوجہ رہتی ہے خواہ آپ تنہا کھڑے ہوں یا نمازیوں کے درمیان گھوم رہے ہوں۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾

۲۲۰۔ بے شک وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے والدین کا ایمان

اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کے سارے آباؤ اجداد ساجدین اور مومنین تھے اور جب آپ کا نور اپنے آباء واجداد کی پشتوں اور رحموں سے منتقل ہوتا چلا آرہا تھا تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کی نگاہ رحمت آپ کو دیکھ رہی تھی۔ اسی لئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ اہل سنت کے کثیر تعداد میں جلیل القدر علماء نے اس آیت سے نبی کریم ﷺ کے والدین کے مومن ہونے پر استدلال کیا ہے۔ (تفسیر روح المعانی) علامہ آلوسی کے اس قول کی تائید میں دو احادیث ملاحظہ کریں:

☆ امام ابن مردویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! جب حضرت آدم علیہ السلام جنت میں تھے اس وقت آپ کہاں تھے؟ آپ مسکرائے حتیٰ کہ آپ کی مبارک داڑھیں ظاہر ہوگئیں، پھر آپ نے فرمایا: میں ان کی پشت میں تھا، ان کو زمین پر اتارا گیا اس وقت بھی میں ان کی پشت میں تھا۔ میں اپنے باپ حضرت نوح علیہ السلام کی پشت میں کشتی میں سوار ہوا اور اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت میں مجھے آگ میں ڈالا گیا اور اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل کرتا رہا جب کہ وہ صاف اور مہذب تھے اور جب بھی دو شاخیں باہم ملیں تو میں ان میں سے بہتر شاخ میں تھا۔ (تفسیر در منثور)

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: جب بھی لوگوں کے دو گروہ ہوئے مجھے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے سب سے بہتر گروہ میں رکھا، پس میرا اپنے ماں باپ سے ظہور ہوا تو مجھے زمانہ جاہلیت کی بدکاریوں میں سے کسی چیز نے نہیں چھوا تھا اور میں نکاح کے ذریعہ پیدا ہوا اور میں بدکاری کے ذریعہ پیدا نہیں ہوا حتیٰ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر میں اپنے ماں باپ تک پہنچا، پس میں بھی تم سے خیر اور بہتر ہوں اور میرے باپ بھی تم سب سے خیر اور افضل ہیں۔ (دلائل النبوہ: امام بیہقی: جلد اول: ص ۱۷۴)

نبی کریم ﷺ کو تکلیف پہنچانا

فتح مکہ کے بعد جب حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل مدینہ آئے تو جب بھی حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ مجالس انصار کے پاس سے گزرتے تو انصار کہتے: یہ ابوجہل کا بیٹا ہے اور ابوجہل کو برا کہتے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذاء نہ پہنچاؤ۔

(کنز العمال: ۳۷۴۱۷: جلد ۱۳: ص ۵۴۰)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے والد کو برا اور کافر کہنے سے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو تکلیف پہنچتی ہے تو نبی کریم ﷺ کے والدین کو کافر کہنے سے نبی کریم ﷺ کو کتنی تکلیف ہوگی اور جو نبی کریم ﷺ کو تکلیف پہنچائیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ملاحظہ کریں: بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ؕ﴿۲۲۱﴾

۲۲۱۔ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں؟ [۹۵]

تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۙ﴿۲۲۲﴾

۲۲۲۔ وہ ہر جھوٹے گناہ گار پر اترتے ہیں۔

يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ؕ﴿۲۲۳﴾

۲۲۳۔ وہ سنی سنائی باتیں پہنچاتے ہیں اور ان میں اکثر جھوٹے ہیں۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ؕ﴿۲۲۴﴾

۲۲۴۔ اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں۔ [۹۶]

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِىْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۙ﴿۲۲۵﴾

۲۲۵۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ (شعراء) ہر وادی میں سرگرداں پھرتے رہتے ہیں۔

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۙ﴿۲۲۶﴾

۲۲۶۔ اور وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں ہیں۔

لعنت کرتا ہے اور اس نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (قرآن: ۳۳:۵۷)

[۹۵] کفار کا ایک خیال یہ تھا کہ شیاطین آپ پر قرآن لے کر نازل ہوتے ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آیات نمبر ۲۱۰ تا ۲۱۲ میں بتایا کہ نزول قرآن کے کسی مرحلہ پر بھی شیاطین آپ کے قریب نہیں آسکتے اور یہاں ان تین آیات میں بتایا کہ شیاطین ان لوگوں پر نازل ہوتے ہیں جو جھوٹے اور بدکار ہوں اور یہی جھوٹے لوگ ہی شیاطین کی باتیں غور سے سنتے ہیں، پھر اس میں اپنی طرف سے مزید جھوٹ کا اضافہ کر کے فتنہ وفساد کا بازار گرم کر دیتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیاطین جھوٹے لوگوں پر نازل ہوتے ہیں جب کہ انبیائے کرام علیہم السلام تو صدیق ہوتے ہیں اور ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ تو ایسے صادق اور امین ہیں کہ دشمن بھی ان کی صداقت کی گواہی دیتے ہیں، لہٰذا انبیائے کرام علیہم السلام پر شیاطین نہیں بلکہ فرشتے نازل ہوتے ہیں۔

[۹۶] کفار کا ایک الزام یہ بھی تھا کہ آپ شاعر ہیں اور قرآن میں صرف شاعرانہ تخیلات ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: شاعر لوگ تو اکثر جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں، وہ شہرت اور دولت کمانے کے لئے ہر جائز وناجائز حربہ استعمال کرتے ہیں اور اکثر افراط وتفریط کی وادیوں میں سرگرداں رہتے ہیں اور شاعر لوگوں کی پیروی بھی اکثر وہی لوگ کرتے ہیں جو گمراہ ہوتے ہیں جب کہ نبی کریم ﷺ جو بات کہتے ہیں پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھاتے ہیں اور آپ کے پیروکار بھی حق وصداقت کے راستے پر گامزن ہیں اور گمراہی کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔

إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ

۲۲۷۔ سوائے ان (شعراء) کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا اور انہوں نے اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد (اشعار کے ذریعہ اپنا) بدلہ لیا، [۹۷] اور جن لوگوں نے ظلم کیا

---

[۹۷] علامہ سید محمود آلوسی نقل کرتے ہیں کہ جب گزشتہ تین آیات نازل ہوئیں تو حضرات عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ روتے ہوئے حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے شاعروں کے متعلق یہ آیات نازل کی ہیں اور ہم بھی شاعر ہیں، لہٰذا ہم تو ہلاک ہو گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور رسول اللہ نے ان کو یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ (تفسیر روح المعانی) اس کا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ آیات میں جن شاعروں کی مذمت کی گئی ہے وہ وہ شاعر ہیں جو حق و باطل میں تمیز نہیں کرتے اور دنیاوی مفادات کے لئے افراط و تفریط کی وادیوں میں سرگرداں رہتے ہیں، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے شاعروں کے اشعار کو یاد کرنے اور سننے سے منع فرمایا ہے۔ نیز تم نے قرآن اور صاحب قرآن پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا ہے اس لئے تمہاری شاعری قابل تعریف ہے اور کوئی شعر بذات خود برا نہیں ہوتا جب تک اس میں برے خیالات نہ ہوں۔

اشعار کے متعلق چند احادیث ملاحظہ کریں

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر کا ذکر کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شعر کلام ہے، اس کا اچھا کلام اچھا ہے اور برا کلام برا ہے۔

(سنن دار قطنی: جلد ۴: ص ۱۵۵: کتاب المکاتب: باب خبر الواحد یوجب العمل)

☆ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک بعض اشعار حکمت آمیز ہوتے ہیں۔

(بخاری: حدیث نمبر ۶۱۴۵)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جب تک تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کرتے رہتے ہو جبریل تمہاری تائید کرتے رہتے ہیں، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حسان رضی اللہ عنہ نے ان کی ہجو کی تو خود بھی شفا پائی اور مسلمانوں کو بھی شفا دی۔

(مسلم: ۶۳۹۵: کتاب فضائل صحابہ: باب ۳۴)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد میں منبر رکھتے تھے، وہ اس منبر پر کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل پر فخر کرتے اور ان کی مدافعت کرتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: حسان رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل پر فخر کرتے ہیں اور ان کی مدافعت کرتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ روح القدس (جبریل امین علیہ السلام) سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی تائید فرماتا ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۸۴۶: ابواب الادب: باب ۷۰)

مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ ع

وہ عنقریب جان لیں گے کہ وہ کس جگہ لوٹ کر جاتے ہیں۔[۹۸]

☆ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے شعر کے متعلق وہ آیتیں نازل کی ہیں جو نازل کی ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک مومن اپنی تلوار اور زبان کے ساتھ جہاد کرتا ہے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! ان کے خلاف شعر پڑھ کر تم ان کو تیروں کی طرح زخمی کرتے ہو۔

(مسند احمد: جلد ۶: ص ۳۸۷، صحیح ابن حبان: ۵۷۹۵: کتاب فضائل صحابہ: ص ۳۸۲)

[۹۸] آخر میں کفار کو تنبیہ فرمائی کہ عنقریب جب قیامت قائم ہوگی تو جہنم کی آگ دیکھ کر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تم بڑے ظالم تھے اور جھوٹے الزام لگایا کرتے تھے۔

فقیر : محمد امداد حسین پیرزادہ

یو این پلازہ ہوٹل نیویارک، امریکہ، اکتیسویں منزل کمرہ نمبر ۳۱۰۸

بروز جمعہ ۱۵ مئی ۲۰۰۹ء بمطابق ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ

☆ نیویارک امریکہ میں اقوام متحدہ کی طویل بلڈنگ کے بالمقابل یو۔ این۔ پلازہ ہوٹل میں ۱۵ تا ۱۷ مئی ۲۰۰۹ء کو انٹرنیشنل بین المذاہب کانفرنس منعقد ہوئی جس میں خطاب کے لئے برطانیہ سے مجھے مدعو کیا گیا۔ چنانچہ میں اپنے بیٹے جنید پیرزادہ اور شاگرد علامہ حافظ گل محمد کے ساتھ ۱۳ مئی کو نیویارک پہنچا جہاں محترم سید میر حسین شاہ، علامہ رضاء الدین صدیقی اور دیگر برادران طریقت نے ایئرپورٹ پر استقبال کیا اور پہلی رات ہم نے بروک لین نیویارک میں چوہدری نادر خان کے فلیٹ میں گزاری۔ وہاں ۱۴ مئی کو نماز فجر کے بعد اس سورت کی پانچ آیات (۱۴ تا ۱۸) کی تفسیر لکھنے کا موقع ملا۔ ۱۴ مئی کی شام کو ہم یو۔ این پلازہ ہوٹل میں منتقل ہو گئے جہاں کانفرنس منعقد ہونا تھی۔ مجھے اکتیسویں منزل پر کمرہ نمبر ۳۱۰۸ میں ٹھہرایا گیا اور جنید پیرزادہ اور علامہ حافظ گل محمد کو تیسویں منزل پر کمرہ نمبر ۳۰۲۸ میں ٹھہرایا گیا۔

۱۵ مئی کو نماز فجر کے بعد اس سورت کی بقیہ آیات کی تفسیر لکھی۔ صبح ۹ بجے سے ۱۲ بجے تک کانفرنس میں شرکت کی اور پھر نماز جمعہ پڑھنے کے لئے مسجد بیت الکرم بروک لین میں گئے اور عصر کے وقت ہوٹل میں واپس آ گئے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سورۃ النمل (۲۷)

یہ سورت مکی ہے، اس میں چیونٹیوں کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے جس کی وجہ سے اس کو سورہ ''نمل'' کہا جاتا ہے۔

مضامین

☆ اس سورت کے آغاز میں قرآن مجید کا تعارف کرایا گیا ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے بلکہ حکیم اور علیم اللہ تعالیٰ نے اس کو حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔ یہ ہدایت کی کتاب ہے، اس میں مومنین کے لئے خوش خبری ہے لیکن جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ صرف دنیاوی خواہشات کے پیچھے سرگرداں رہتے ہیں اور قرآن کی تعلیمات سے استفادہ نہیں کرتے اس لئے وہ آخرت میں نقصان اٹھائیں گے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات دے کر فرعون کی طرف بھیجا جن کو دیکھ کر فرعون اور اس کی قوم کے لوگوں کو یقین ہو گیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سچے نبی ہیں لیکن انہوں نے تعصب اور تکبر کی وجہ سے ان معجزات کو جادو کہہ کر انکار کر دیا اور اس تکبر اور سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اپنی قوم سمیت پانی میں غرق کر دیا۔

☆ فرعون صرف مصر کی حکومت ملنے پر اتنا متکبر ہو گیا تھا کہ اپنے آپ کو خدا کہلانے لگا۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو مصر سے بڑی حکومت عطا کی بلکہ انسانوں کے علاوہ ہواؤں، جنوں اور پرندوں کو بھی ان کے لئے مسخر کر دیا اور آپ کے ایک امتی کو اللہ تعالیٰ نے اتنی طاقت عطا فرمائی کہ وہ تخت بلقیس کو آنکھ جھپکنے سے پہلے لے آیا لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس عظیم حکومت پر تکبر نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے میں سرگرم رہے۔

☆ قوم ثمود کو اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکشی کے باعث ہلاک کر دیا اور قوم لوط کی بدکرداری کی وجہ سے ان پر پتھروں کی بارش برسائی جس سے وہ تباہ و برباد ہو گئے۔

☆ آیات نمبر ۶۰ تا ۶۴ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کی چند عام فہم مثالیں بیان فرمائی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین، آسمان، پہاڑ اور سمندر پیدا فرمائے اور ان میں تمہارے لئے رزق کے ذرائع بنائے، لہٰذا وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔

☆ اس سورت کے آخر میں قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر کر کے لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جو لوگ ایمان لا کر نیک اعمال کریں گے انہیں آخرت میں فائدہ ہوگا اور جو لوگ آخرت کا انکار کر کے سرکشی کریں گے انہیں آخرت میں نقصان ہوگا۔

فقیر : محمد امداد حسین پیرزادہ

یو۔این۔ پلازہ ہوٹل نیویارک امریکہ، اکتیسویں منزل کمرہ نمبر ۳۱۰۸

بروز ہفتہ ۱۶ مئی ۲۰۰۹ء بمطابق ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ

اٰیاتہا ۹۳ — ۲۷ سُوْرَۃُ النَّمْلِ مَکِّیَّۃٌ ۴۸ — رکوعاتہا ۷

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

طٰسٓ تِلْكَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِیْنٍ ①

۱۔ طا سین، [۱] یہ قرآن اور روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔

هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ ②

۲۔ (یہ قرآن) ایمان والوں کے لئے ہدایت اور خوش خبری ہے۔ [۲]

الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ③

۳۔ جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَیَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ یَعْمَهُوْنَ ④

۴۔ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے اعمال کو ان کے لئے خوش نما بنا دیا ہے، پس وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ [۳]

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ⑤

۵۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے برا عذاب ہے اور وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ عَلِیْمٍ ⑥

۶۔ اور بے شک آپ کو حکیم اور علیم (رب) کی طرف سے یہ قرآن سکھایا جا رہا ہے۔ [۴]

---

[۱] حروف مقطعات کے لئے سورہ بقرہ کی پہلی آیت کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

[۲] قرآن مجید اگرچہ تمام نسل انسانی کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے مگر حقیقت میں اس سے ہدایت وہی مومن حاصل کرتے ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ان ہی خوش نصیب لوگوں کو یہ قرآن آخرت میں اچھی جزا کی خوش خبری دیتا ہے۔

[۳] جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے انہیں برے اعمال بھی خوش نما دکھائی دیتے ہیں اور وہ انجام سے بے نیاز ہو کر برائیوں میں سرگرم رہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے بدترین عذاب ہے اور وہ آخرت میں سب سے زیادہ خسارے میں ہوں گے۔

[۴] یعنی آپ کو یہ قرآن کوئی جن یا انسان نہیں سکھاتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ سکھاتا ہے جو سب سے بڑا دانا اور سب سے زیادہ علم

اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِاَہۡلِہٖۤ اِنِّیۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیۡکُمۡ مِّنۡہَا بِخَبَرٍ اَوۡ اٰتِیۡکُمۡ بِشِہَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّکُمۡ تَصۡطَلُوۡنَ ﴿۷﴾

۷۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہلیہ سے کہا: بے شک میں نے ایک آگ دیکھی ہے، عنقریب میں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر لاتا ہوں یا کوئی جلتا ہوا انگارہ لے آتا ہوں تاکہ تم گرم ہوسکو۔[۵]

فَلَمَّا جَآءَہَا نُوۡدِیَ اَنۡۢ بُوۡرِکَ مَنۡ فِی النَّارِ وَ مَنۡ حَوۡلَہَا ؕ وَ سُبۡحٰنَ اللّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۸﴾

۸۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس پہنچے تو آواز دی گئی کہ بابرکت ہے جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے، اور پاک ہے اللہ تعالیٰ جو سارے جہانوں کا رب ہے۔[۶]

یٰمُوۡسٰۤی اِنَّہٗۤ اَنَا اللّٰہُ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۙ﴿۹﴾

۹۔ اے موسیٰ علیہ السلام! بے شک میں ہی اللہ ہوں، بہت غالب حکمت والا۔[۷]

وَ اَلۡقِ عَصَاکَ ؕ فَلَمَّا رَاٰہَا تَہۡتَزُّ کَاَنَّہَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدۡبِرًا وَّ لَمۡ یُعَقِّبۡ ؕ یٰمُوۡسٰی لَا تَخَفۡ ۟ اِنِّیۡ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿٭ۖ۱۰﴾

۱۰۔ اور اپنا عصا ڈال دو، پھر جب اسے دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح لہرا رہا ہے تو آپ علیہ السلام پیٹھ پھیر کر واپس بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) اے موسیٰ علیہ السلام! ڈرو نہیں، بے شک رسول میرے حضور ڈرا نہیں کرتے۔[۸]

والا ہے۔

[۵] حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی کے ساتھ مدین سے مصر روانہ ہوئے، جب کوہ طور کے قریب پہنچے تو ایک ٹھنڈی اور اندھیری رات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دور سے ایک آگ دیکھی اور اپنی بیوی سے کہا: تم یہاں ٹھہرو، میں وہاں جاتا ہوں، آگ جل رہی ہے، ضرور کوئی آبادی ہوگی، کسی سے مصر کا صحیح راستہ دریافت کروں گا تاکہ ہم اندھیری رات میں ادھر ادھر بھٹکتے نہ پھریں یا آگ کا شعلہ ہی لے آؤں گا تاکہ آگ جلا کر سردی سے بچ سکیں۔

[۶] حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو عجیب منظر دیکھا، بظاہر جو آگ نظر آتی تھی وہ تو دل کو موہ لینے والا نور کا سماں تھا۔ اس سے اچانک آواز آئی: بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس کی تجلی اس آگ نما روشنی میں جلوہ گر ہے اور اس کا سارا ماحول مبارک ہے۔

[۷] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! یہ آگ نما روشنی جو تمہیں نظر آرہی ہے یہ میری تجلی ہے اور میں آپ سے مخاطب ہوں۔

[۸] اللہ تعالیٰ جب کسی انسان کو نبوت کے لئے منتخب فرماتا ہے تو اس کے اندر ایک ایسا ملکہ پیدا فرما دیتا ہے جس کی وجہ سے نبی کو کلام

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱﴾	۱۱۔ مگر جس نے ظلم کیا، پھر اس نے برائی کے بعد کوئی نیکی کر لی تو بے شک میں بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہوں۔[۹]
وَ اَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهٖ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۱۲﴾	۱۲۔ اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو تو وہ بغیر کسی عیب کے چمکتا ہوا نکلے گا، (یہ دو معجزے) ان نو معجزات میں سے ہیں، (آپ ان کو لے کر) فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ، بے شک وہ نافرمان لوگ ہیں۔[۱۰]
فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۳﴾	۱۳۔ پس جب ان کے پاس ہماری بصیرت افروز نشانیاں آ گئیں تو انہوں نے کہا: یہ تو کھلا جادو ہے۔
وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴﴾ ع	۱۴۔ اور انہوں نے ظلم کیا اور تکبر کی وجہ سے ان نشانیوں کا انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل ان (نشانیوں کی صداقت) کا یقین کر چکے تھے، پس دیکھئے! ان فساد برپا کرنے والوں کا کیسا (برا) انجام ہوا۔[۱۱]

الٰہی اور ملک الوحی کے پہچاننے میں کوئی شک نہیں رہتا۔ اس رات اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرما کر ان کو منصب نبوت پر فائز فرما دیا۔ اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یقین تھا کہ یہ آواز اللہ تعالیٰ کی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس یقین کو مزید راسخ کرنے کے لئے چند معجزات عطا فرمائے اور عصا پھینکنے کا حکم دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب عصا کو اچانک خوفناک سانپ بنتے دیکھا تو ڈر گئے اور وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام ڈرو نہیں کیونکہ جب رسول ہمارے حضور ہوں تو وہ ڈرا نہیں کرتے۔

[۹] البتہ ظالموں کو اللہ تعالیٰ سے ضرور ڈرنا چاہیے لیکن ظالم لوگ بھی سچے دل سے توبہ کر لیں اور نیکی کر کے برائی کے اثرات کو زائل کر دیں تو اللہ تعالیٰ انہیں بھی معاف کر دیتا ہے۔

[۱۰] اللہ تعالیٰ نے دوسرا معجزہ ید بیضا کا عطا فرمایا یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالتے تو وہ چمکنے لگتا۔ ان دو معجزات کے علاوہ سات اور معجزات دے کر فرعونیوں کی طرف بھیجا کیونکہ وہ نافرمان ہو گئے تھے۔ ان نو معجزات کی تفصیل کے لئے سورہ بنی اسرائیل (۱۷) کی آیت نمبر ۱۰۱ کا حاشیہ نمبر ۹۹ ملاحظہ کریں۔

[۱۱] ان معجزات کو دیکھ کر فرعونیوں کے دلوں کو یقین ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سچے نبی ہیں مگر تعصب اور تکبر کی وجہ سے انہوں نے

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَ قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اور بے شک ہم نے داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو علم عطا فرمایا، [۱۲] اور ان دونوں نے کہا: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ [۱۳]

وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَ اُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے جانشین ہوئے اور انہوں نے کہا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر قسم کی چیزیں عطا کی گئی ہیں، بے شک یہ واضح فضل ہے۔ [۱۴]

وَ حُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّیْرِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جنوں، انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے اور ان کو الگ الگ دستوں میں تقسیم کیا جاتا۔ [۱۵]

ان کو جادو کہہ کر انکار کر دیا جس کے نتیجہ میں ان کو سمندر میں غرق کر دیا گیا۔

[۱۲] اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بادشاہی، علم اور لوہا موم کرنے کا معجزہ عطا فرمایا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم، بادشاہی اور جانوروں کی بولیاں عطا فرمائیں، مگر اللہ تعالیٰ نے یہاں صرف علم کا ذکر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا علم بہت ہی اہم نعمت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ذکر فرمایا۔

[۱۳] اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی بندے کو اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت ملے اور خاص طور پر جب کسی کو بہت سے لوگوں پر کوئی نمایاں نعمت ملے تو اس کا شکر بھی اسے نمایاں طریقہ سے ادا کرنا چاہیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے منتخب اور خصوصی بندوں یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام بہت سے انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں مگر ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔

[۱۴] حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے جانشین بنے تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھائیں اور ہمیں ہر قسم کی نعمتیں عطا فرمائیں۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد بہت تھی جن میں حضرت سلیمان علیہ السلام سب سے چھوٹے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جس وراثت کے جانشین بنے وہ نبوت اور بادشاہت کی وراثت تھی۔ اگر وہ دنیاوی مال و متاع کی وراثت ہوتی تو دوسری اولاد کو بھی اس سے حصہ ملتا مگر انبیائے کرام علیہم السلام دنیاوی ساز و سامان نہیں بلکہ علم کی وراثت چھوڑتے ہیں۔ اس کی مزید تشریح کے لئے سورہ مریم (۱۹) کی آیت نمبر ۵ کا حاشیہ ۵ ملاحظہ کریں۔

[۱۵] اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے انسانوں کے علاوہ جنوں اور پرندوں کو بھی مسخر کر دیا اور وہ الگ الگ دستوں کی

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَوۡا عَلٰی وَادِ النَّمۡلِ ۙ قَالَتۡ نَمۡلَۃٌ یّٰۤاَیُّہَا النَّمۡلُ ادۡخُلُوۡا مَسٰکِنَکُمۡ ۚ لَا یَحۡطِمَنَّکُمۡ سُلَیۡمٰنُ وَ جُنُوۡدُہٗ ۙ وَ ہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تمہیں کچل نہ ڈالے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔[۱۶]

فَتَبَسَّمَ ضَاحِکًا مِّنۡ قَوۡلِہَا وَ قَالَ رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡکُرَ نِعۡمَتَکَ الَّتِیۡۤ

۱۹۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس چیونٹی کی بات سے ہنستے ہوئے مسکرائے [۱۷] اور عرض کیا: اے میرے رب! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں

صورت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ چلا کرتے تھے۔

[۱۶] ایک دفعہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کے ساتھ کسی سرزمین سے گزر رہے تھے، راستہ میں جب وہ ایک چیونٹیوں کی وادی کے قریب پہنچے اور آپ کا لشکر ابھی دو میل دور تھا کہ ایک چیونٹی نے اس علاقہ کی ساری چیونٹیوں میں اعلان کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر ابھی یہاں سے گزرنے والا ہے، لہٰذا تم جلدی سے اپنے بلوں میں گھس جاؤ، اگرچہ وہ دانستہ تمہیں نقصان نہیں پہنچائیں گے لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بے خبری میں تمہیں کچل ڈالیں۔

[۱۷] اگر ہم چند چیونٹیوں کو اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھ لیں اور پھر اپنی ہتھیلی کو کان کے قریب لے جائیں تو بھی ہمیں ان چیونٹیوں کی آواز سنائی نہیں دیتی اور اگر کوئی معمولی سی آواز سنائی دے تو بھی ان کی زبان سمجھ نہیں آتی مگر کیا شان ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کہ دو میل کے فاصلہ سے نہ صرف اس چیونٹی کی آواز سنی بلکہ اس کا اعلان اور مقصد سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر خوش ہو کر مسکرائے کہ اس نے چیونٹی جیسی چھوٹی سی مخلوق کو بھی کتنا شعور دے رکھا ہے کہ وہ آنے والے خطرات کو سمجھتی ہے اور اس کے دفاع کے لئے پیشگی منصوبہ بندی کرتی ہے۔ کاش! آج مسلمان بھی آنے والے خطرات کا ادراک کریں اور ان کے دفاع کے لئے پیشگی منصوبہ بندی کریں۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میری امت پندرہ کام کرے گی تو اس پر عذاب کا آنا جائز ہو جائے گا۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ! وہ کون سے کام ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ جب مال غنیمت کو ذاتی ملکیت بنا لیا جائے گا۔

۲۔ امانت کو مال غنیمت بنا لیا جائے گا۔

۳۔ زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھا جائے گا۔

۴۔ مرد اپنی بیوی کی پیروی کرے گا۔

أَنۡعَمۡتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰهُ وَاَدۡخِلۡنِيۡ بِرَحۡمَتِكَ فِيۡ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۹﴾

جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی [۱۸] اور یہ (بھی توفیق دے) کہ میں نیک عمل کروں جو تجھے پسند ہے اور مجھے اپنی رحمت کے ساتھ اپنے نیک بندوں میں شامل فرمالے۔[۱۹]

وَتَفَقَّدَ الطَّيۡرَ فَقَالَ مَالِيَ لَاۤ اَرَى

۲۰۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے (ایک روز) پرندوں کا جائزہ لیا[۲۰] تو فرمایا: کیا وجہ ہے کہ مجھے (آج)

۵۔ اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا۔
۶۔ اپنے دوست کے ساتھ نیکی کرے گا۔
۷۔ اپنے باپ کے ساتھ بے وفائی کرے گا۔
۸۔ مساجد میں آوازیں بلند ہوں گی۔
۹۔ قوم کا سرداران کا سب سے کمینہ شخص ہوگا۔
۱۰۔ آدمی کی عزت وتکریم اس کے شر کے ڈر کی وجہ سے کی جائے گی۔
۱۱۔ شرابیں پی جائیں گی۔
۱۲۔ ریشم پہنا جائے گا۔
۱۳۔ گانے والیوں کو رکھا جائے گا۔
۱۴۔ آلات موسیقی کا رواج ہوگا۔
۱۵۔ اور اس وقت کے پچھلے لوگ اپنے اگلوں کو برا کہیں گے۔

ان حالات میں تم سرخ آندھیوں کا انتظار کرو، خسف (زمین میں دھنسائے جانے اور زلزلہ) کا اور مسخ (شکل تبدیل ہونے) کا انتظار کرو۔ (ترمذی: ۲۲۱۰، ۲۲۱۱: ابواب الفتن: باب ۳۸)

[۱۸] آیت نمبر ۱۵ میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر دیا ہے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے اس لئے بندہ کو بھی شکر کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے اور بار بار شکر ادا کرنے کی توفیق مانگنی چاہیے۔

[۱۹] دعا کے آخری حصہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام نیک اعمال کی توفیق مانگ رہے ہیں اور ساتھ نیک لوگوں کی صحبت بھی مانگ رہے ہیں کیونکہ نیک لوگوں کی صحبت میں ہی نیک اعمال کی ترغیب پیدا ہوتی ہے۔

[۲۰] اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے پرندوں، جنوں اور انسانوں کے علاوہ ہوا کو بھی مسخر کر دیا تھا، آپ جب ہوا کے ذریعہ سفر کرنا چاہتے تو ہوا آپ کے تخت کو اٹھا لیتی اور ہر قسم کے پرندے اوپر اس طرح اڑتے کہ دھوپ کے لئے سائبان کا

الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ۝۲۰

ہدہد نظر نہیں آ رہا؟ یا وہ واقعی غیر حاضر ہے؟[۲۱]

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۱

۲۱۔ میں اسے ضرور سخت سزا دوں گا یا اس کو ضرور ذبح کر دوں گا یا اسے میرے سامنے کوئی واضح دلیل لانا پڑے گی۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ۝۲۲

۲۲۔ پس کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی (کہ وہ آ گیا) اور کہنے لگا: مجھے ایسی بات معلوم ہوئی ہے جس کی آپ کو خبر نہیں اور میں آپ کے پاس سبا سے ایک سچی خبر لایا ہوں۔[۲۲]

اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ۝۲۳

۲۳۔ میں نے ایک عورت کو پایا جو ان (سبا کے باشندوں) پر حکومت کرتی ہے اور اسے ہر قسم کی چیزیں دی گئی ہیں اور اس کے پاس بہت بڑا تخت ہے۔[۲۳]

کام دیتے، یہ آپ کا معجزہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اتنی عقل دی ہے کہ آج انسان نے ایسے ہوائی جہاز تیار کر لئے ہیں جو ہوا میں اڑتے ہیں اور ان میں بیٹھ کر سینکڑوں انسان بڑے سکون سے سفر کر سکتے ہیں۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ میں اس آیت کی تفسیر بھی فضا میں محو پرواز ہوائی جہاز میں لکھ رہا ہوں۔ ہوائی جہاز کی ایجاد سے پہلے تو شاید بعض لوگوں کو ایسے معجزات کے سمجھنے میں دقت پیش آتی ہوگی مگر آج تو اس کو سمجھنا بہت آسان ہے کہ جب انسان کا دماغ ایک لوہے کے تخت کو سینکڑوں انسانوں سمیت ہوا میں اڑا سکتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے، اس کے لئے حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت ہوا میں اڑانا کون سا مشکل ہے۔

نوٹ: اس سورت کی پانچ آیات (۱۵ تا ۱۹) کی تفسیر دمشق (شام) میں لکھی گئی اور بیسویں آیت کی تفسیر تین جون ۲۰۰۹ء کو دمشق سے لندن واپسی پر ہوائی جہاز میں لکھی گئی ہے، تفصیل کے لئے اس سورت کا اختتام ملاحظہ کریں۔

[۲۱] ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کا جائزہ لیا اور ہدہد نظر نہ آیا تو فرمایا: کیا آج مجھے ہدہد نظر نہیں آ رہا یا وہ غیر حاضر ہے؟ اگر تو واقعی غیر حاضر ہے تو اسے اپنی غیر حاضری کی دلیل لانا پڑے گی ورنہ اسے سخت سزا دی جائے گی کیونکہ وہ اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر ہے۔

[۲۲] تھوڑی دیر کے بعد ہدہد آ گیا اور دیر سے آنے کی وجہ یہ بتائی کہ وہ سبا چلا گیا تھا اور وہاں سے آپ کے لئے ایک نئی اور سچی خبر لایا ہے۔ سبا عرب کے جنوبی مغربی علاقہ یعنی ملک یمن کے شہر مآرب کا نام تھا۔ (تفسیر قرطبی)

[۲۳] وہ سچی خبر یہ ہے کہ سبا پر ایک عورت (بلقیس) حکمران ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے گوناگوں نعمتوں سے نوازا ہے اور اس کے

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ میں نے اس کو اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو خوش نما بنا دیا ہے اور انہیں (سیدھے) راستے سے روک دیا ہے، پس وہ ہدایت قبول نہیں کرتے۔[۲۴]

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے [۲۵] جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو باہر نکالتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔[۲۶]

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔[۲۷]

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ہم ابھی دیکھتے ہیں کہ تو نے سچ کہا ہے یا جھوٹ بولنے والوں سے ہے۔

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ

۲۸۔ میرا یہ خط لے جا اور اس کو ان کے پاس ڈال دے، پھر ان

پاس ایک بہت بڑا تخت بھی ہے۔

[۲۴] نیز بلقیس اور اس کی قوم کے لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ شیطان نے ان کے لئے اس کفر و شرک کو اتنا خوش نما بنا دیا ہے کہ وہ سیدھے راستہ کو فراموش کر چکے ہیں اور وہ ہدایت قبول کرنے والے نہیں ہیں۔

[۲۵] ہدہد نے اس خیال کا اظہار کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑے انعامات سے نوازا ہے لیکن یہ کتنے ناشکرے ہیں کہ پھر بھی سورج کی عبادت کرتے ہیں اور اپنے خالق حقیقی کی عبادت نہیں کرتے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

[۲۶] اللہ تعالیٰ ہر چیز کے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے اور زمین کی مخفی چیزیں یعنی معدنیات اور نباتات وغیرہ کو ظاہر فرماتا ہے۔

[۲۷] علامہ رازی لکھتے ہیں کہ آیت نمبر ۲۳ میں ملکہ بلقیس کے تخت کو عظیم کہا گیا ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ کے تخت کو عرش عظیم کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ملکہ بلقیس کا عرش دنیاوی بادشاہوں کے تختوں کے اعتبار سے عظیم تھا اور اللہ تعالیٰ کا عرش تمام کائنات کے تختوں کے اعتبار سے عظیم ہے۔ (تفسیر کبیر)

عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾

سے ہٹ کر کھڑا ہو جا اور دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔[۲۸]

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٩﴾

۲۹۔ ملکہ نے کہا: اے سردارو! میری طرف ایک معزز خط پہنچایا گیا ہے۔

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٣٠﴾

۳۰۔ بے شک وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور وہ اللہ کے نام سے (شروع کیا گیا) ہے جو سب سے بڑا مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔[۲۹]

---

[۲۸] حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو فرمایا: ہم آپ کی بات کی تصدیق کے لئے تحقیق کا عمل شروع کرتے ہیں۔ تم میرا یہ خط لے جاؤ اور ان کے سامنے ڈال دو اور پھر علیحدہ بیٹھ کر دیکھو کہ وہ میرے خط کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کی برکت سے ہدہد کے اندر اتنا شعور پیدا ہو گیا تھا کہ وہ انسانوں کی بولی سمجھ سکتا تھا۔

[۲۹] ملکہ بلقیس نے اپنے سرداروں کو بتایا کہ میرے پاس سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ایک بڑا اہم خط آیا ہے جس کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرنا انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔

☆ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو کہا: اس کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ (بسم اللہ مجریها و مرسٰها) اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا اللہ تعالیٰ کے نام سے ہے۔ (قرآن: ۱۱: ۴۱)

☆ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو لکھا: (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) اللہ تعالیٰ کے نام سے جو سب سے بڑا مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ (قرآن: ۲۷: ۳۰)

☆ علامہ نور الدین حلبی لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے دسویں سال زید بن حارثہ کو ساتھ لے کر طائف تشریف لے گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔

اہل طائف نے پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے نکل کر ایک باغ کے قریب انگور کی بیل کے سائے میں بیٹھ گئے۔ باغ کے ملازم عداس نے زخمی مسافروں پر ترس کھاتے ہوئے انگوروں کا ایک گچھ پیش کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی اور انگور کھانے لگے۔ عداس نے کہا: یہاں تو کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا رواج نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: تم کس ملک کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نصرانی ہوں اور نینوئی کا باشندہ ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ نینوئی جو مرد صالح حضرت یونس بن متی علیہ السلام کا شہر ہے۔ عداس نے پوچھا: آپ یونس بن متی علیہ السلام کو کیسے جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ میرے بھائی ہیں، وہ نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ یہ سن کر عداس اٹھ کھڑا ہوا، جھک کر پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو بوسہ دیا، پھر ہاتھوں کو چوما، پھر زخمی قدموں کو بوسے دینے لگا۔ (السیرۃ الحلبیہ: جلد ۱: ص ۵۰۰)

اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَیَّ وَ اۡتُوۡنِیۡ مُسۡلِمِیۡنَ ﴿۳۱﴾ ع

۳۱۔ (اس کا مضمون یہ ہے) کہ تم میرے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو اور فرمان بردار بن کر میرے پاس آجاؤ۔ [۳۰]

قَالَتۡ یٰۤاَیُّهَا الۡمَلَؤُا اَفۡتُوۡنِیۡ فِیۡۤ اَمۡرِیۡ ۚ مَا كُنۡتُ قَاطِعَةً اَمۡرًا حَتّٰی تَشۡهَدُوۡنِ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ ملکہ نے کہا: اے سردارو! تم میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو، میں کسی کام کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس موجود نہ ہو۔ [۳۱]

قَالُوۡا نَحۡنُ اُولُوۡا قُوَّةٍ وَّ اُولُوۡا بَاۡسٍ شَدِیۡدٍ ۙ۬ وَّ الۡاَمۡرُ اِلَیۡكِ فَانۡظُرِیۡ مَاذَا تَاۡمُرِیۡنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ انہوں نے کہا: ہم طاقتور اور سخت جنگ جو ہیں مگر فیصلہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے، پس آپ خود غور کرلیں کہ آپ کیا حکم دیتی ہیں۔ [۳۲]

قَالَتۡ اِنَّ الۡمُلُوۡكَ اِذَا دَخَلُوۡا قَرۡیَةً اَفۡسَدُوۡهَا وَ جَعَلُوۡۤا اَعِزَّةَ اَهۡلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَ كَذٰلِكَ یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ ملکہ نے کہا: بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے برباد کردیتے ہیں اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کردیتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔ [۳۳]

☆ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان اپنے ہر جائز کام کی ابتداء بسم اللہ سے کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے وہ کام آسان ہوجائے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر وہ کام جس کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع نہ کیا جائے وہ برکت سے محروم رہتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: سورۃ الفاتحہ)

[۳۰] اس خط میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس اور اس کی قوم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور انہیں سرکشی سے منع فرمایا۔

[۳۱] ملکہ بلقیس نے اپنے سرداروں سے کہا: اس معاملہ میں اب تم مشورہ دو کیونکہ میں تمہارے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتی۔

[۳۲] سرداروں نے کہا: ہمارے پاس لڑنے والے طاقتور نوجوانوں کی کمی نہیں۔ اگر انہوں نے حملہ کیا تو ہم ڈٹ کر مقابلہ کریں گے لیکن پھر بھی آخری فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ جو فیصلہ کریں ہم اس کی پیروی کریں گے۔

[۳۳] ملکہ بلقیس نے کہا: جب بادشاہ کسی ملک کو طاقت کے ذریعہ فتح کرتے ہیں تو اسے برباد کردیتے ہیں اور وہاں کے ارباب اقتدار کو قتل کردیتے ہیں یا ذلیل ورسوا کرکے قیدی بنا لیتے ہیں اور ہوسکتا ہے یہ بھی ایسا ہی کریں، لہٰذا پہلے میں ان کی طرف قیمتی ساز وسامان کا ایک تحفہ بھیجتی ہوں اور پھر قاصد کے جواب سے اندازہ کروں گی کہ آیا وہ کوئی دنیادار بادشاہ ہے یا سچا

وَ اِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔اور بے شک میں ان کی طرف ایک تحفہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَیْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ٘ فَمَاۤ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَیْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِیَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ پھر جب وہ قاصد حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھے دیا ہے، وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے، بلکہ تم ہی اپنے تحفہ سے خوش رہو۔[۳۴]

اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ فَلَنَاْتِیَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَ لَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَاۤ اَذِلَّةً وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ تو ان کے پاس واپس چلا جا، ہم ضرور ان پر ایسے لشکروں کے ساتھ حملہ کریں گے جن کے مقابلہ کی ان میں طاقت نہیں اور ہم ضرور ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکالیں گے اور وہ رسوا ہو جائیں گے۔

قَالَ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اے دربار والو! تم میں سے کون ملکہ کا تخت میرے پاس لاسکتا ہے اس سے پہلے کہ وہ لوگ فرماں بردار ہو کر میرے پاس آجائیں۔[۳۵]

نبی ہے اور اگر وہ سچا نبی ہے تو اس کی اطاعت کریں گے۔

[۳۴] جب قاصد نے بلقیس کا تحفہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو پیش کیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: تم مجھے مال و متاع کا لالچ دینا چاہتے ہو مگر تمہیں علم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تم سے بہتر مال عطا فرمایا ہے۔ تم یہ اپنا مال واپس لے جاؤ، یہ تمہیں ہی مبارک ہو، اور انہیں واپس جا کر بتا دو کہ تم میری اطاعت اختیار کرو ورنہ میرے لشکر تم پر حملہ کریں گے اور تمہیں اس ملک سے نکال دیں گے۔

[۳۵] جب قاصد تحفے کا سارا ساز و سامان لے کر واپس آ گئے تو ملکہ بلقیس کو اندازہ ہو گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سچے نبی ہیں اور وہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ ملکہ بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی فرماں برداری کا فیصلہ کر لیا اور اپنے سرداروں کو لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف روانہ ہو گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے غلاموں کی شان دکھانے کے لئے ملکہ بلقیس کا تخت اس کے پہنچنے سے پہلے اپنے پاس منگوانے کا پروگرام بنایا اور اپنے درباریوں سے فرمایا: تم میں کون ہے جو بلقیس

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَ اِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ ایک قوی ہیکل جن نے کہا: میں اس تخت کو آپ کے پاس لاسکتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں اور بے شک میں اس کو اٹھالانے کی طاقت بھی رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں۔ [۳۶]

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ ایک شخص نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا: میں اس تخت کو آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے آپ کے پاس لاسکتا ہوں، پھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو فرمایا: یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری، اور جو شکر کرتا ہے تو وہ اپنے فائدہ ہی کے لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو بے شک میرا رب بے نیاز کریم ہے۔ [۳۷]

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: بلقیس کے لئے اس کے تخت کی شکل بدل دو، ہم دیکھتے ہیں کہ آیا وہ (اپنے تخت کو پہچاننے کی) راہ پاتی ہے یا ان میں سے ہوتی ہے جو راہ نہیں پاتے۔ [۳۸]

کے یہاں پہنچنے سے پہلے اس کا تخت یہاں لے آئے؟ حالانکہ بیت المقدس سے سبا جہاں تخت پڑا تھا ڈیڑھ ہزار میل جانے کا اور ڈیڑھ ہزار میل آنے کا سفر تھا۔

[۳۶] آپ کے درباریوں میں سے ایک قوی ہیکل جن نے عرض کیا: میں آپ کی محفل برخاست ہونے سے پہلے بلقیس کا تخت یہاں لاسکتا ہوں، میں اس پر قادر ہوں اور اس میں کوئی خیانت بھی نہیں کروں گا۔

[۳۷] اس قوی ہیکل جن کے بعد ایک عالم دین جس کا نام آصف بن برخیا تھا اٹھا اور عرض کرنے لگا کہ میں آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس کو یہاں لاسکتا ہوں اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے آنکھ جھپک کر دیکھا تو تخت آپ کے سامنے تھا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے امتی کی کرامت کو دیکھا تو فرمایا: یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں اس پر شکر ادا کرتا ہوں یا نہیں، اور جو بھی کسی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اس سے اس کے مرتبہ میں اضافہ ہوتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

[۳۸] حضرت سلیمان علیہ السلام نے درباریوں کو حکم دیا کہ وہ تخت بلقیس کی شکل وصورت میں کچھ ردو بدل کردیں تاکہ ہم اس کی

فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَ كُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ پھر جب بلقیس آ گئی تو اس سے پوچھا گیا: کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا: یہ تو گویا وہی ہے، اور ہمیں اس سے پہلے ہی علم ہو چکا تھا اور ہم فرماں بردار بن چکے ہیں۔[۳۹]

وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اور بلقیس کو اس نے روک رکھا تھا جس کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پرستش کرتی تھی، بے شک وہ کافر لوگوں میں سے تھی۔[۴۰]

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ۬ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾ ع

۴۴۔ بلقیس سے کہا گیا: اس محل میں داخل ہو جا، جب اس نے اسے دیکھا تو اس نے خیال کیا کہ یہ گہرا پانی ہے اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اونچا کر لیا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: بے شک یہ تو محل (کا صحن) ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہیں، بلقیس نے کہا: اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اب میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اس اللہ پر ایمان لے آئی ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔[۴۱]

آزمائش کریں کہ وہ اپنے تخت کو پہچان سکتی ہے یا نہیں۔

[۳۹] جب بلقیس پہنچ آئی تو اس سے پوچھا گیا: کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ تو اس نے جواب دیا: یہ تو گویا وہی ہے اور آپ کا یہ معجزہ دیکھنے سے پہلے ہی آپ کے جو معاملات ہمارے ساتھ ہوئے تھے ان کی بنا پر ہمیں یقین ہو چکا تھا کہ آپ سچے نبی ہیں اس لیے ہم آپ کے فرماں بردار بن کر حاضر ہوئے ہیں۔

[۴۰] غیر اللہ کی عبادت نے بلقیس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روکے رکھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کافر لوگوں میں رہتی تھی اور اسے توحید کا علم نہیں تھا۔

[۴۱] حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل میں شیشے جڑے ہوئے تھے، جب بلقیس اس محل میں داخل ہوئی تو شیشے کا فرش اسے پانی معلوم ہوا اور اس نے اپنے کپڑوں کو پنڈلیوں سے اونچا کر لیا تا کہ پانی میں بھیگ نہ جائیں۔ اسے یہ اندازہ نہ ہوا کہ یہ پانی ہے یا

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِیْقٰنِ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔اور بے شک ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے (قومی) بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تو وہ دو گروہ بن کر آپس میں جھگڑنے لگے۔[۴۲]

قَالَ یٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم کے لوگو! تم لوگ اچھائی سے پہلے برائی کی طلب میں کیوں جلدی کرتے ہو؟ تم اللہ تعالیٰ سے بخشش کیوں طلب نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے؟[۴۳]

قَالُوا اطَّیَّرْنَا بِكَ وَ بِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔انہوں نے کہا: ہم تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو بدشگون خیال کرتے ہیں، حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: تمہارا بدشگون تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے بلکہ تم لوگ آزمائش میں مبتلا کیے گئے ہو۔[۴۴]

شیشہ۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی غلطی پر اسے متنبہ فرمایا تو اسے اپنی غلطی کے ساتھ یہ بھی احساس ہوا کہ اس نے اپنی زندگی کفر وشرک میں گزار کر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی سابقہ گمراہی پر ندامت کا اظہار کیا اور مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

[۴۲] حضرت صالح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دی کہ وہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں تو کچھ لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت قبول کر لی مگر اکثر نے انکار کر دیا۔ اس طرح آپ کی قوم کے لوگ دو حصوں میں تقسیم ہو کر آپس میں جھگڑنے لگے۔

[۴۳] حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا: تم شرک سے باز آجاؤ ورنہ تمہیں دردناک عذاب سے واسطہ پڑے گا، انہوں نے تکبر میں آکر کہا: جس عذاب سے تم ہمیں ڈراتے ہو، اگر تم سچے ہو تو اسے لے آؤ، ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اس پر حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: تمہیں توبہ کر کے اچھائی کو طلب کرنا چاہیے مگر تم عجیب نادان لوگ ہو جو برائی اور عذاب کو جلد حاصل کرنے کا مطالبہ کر رہے ہو، جب وہ برا وقت آگیا تو تم اس سے چھٹکارا نہیں حاصل کر سکو گے، لہٰذا اب بھی وقت ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، وہ بہت ہی مہربان ہے، تم پر رحم فرمائے گا۔

[۴۴] قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو کہا: آپ ہمیں ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں جب کہ ہم آپ کو اور آپ پر ایمان لانے والے ساتھیوں کو منحوس سمجھتے ہیں کیونکہ آپ کی اس نئی دعوت کے بعد ہم پر بارش کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے اور لوگ بھوک سے

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿٤٨﴾

۴۸۔ اور (قوم ثمود کے) شہر میں نو سردار تھے جو زمین میں فساد پھیلاتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٤٩﴾

۴۹۔ انہوں نے کہا: تم اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر آپس میں یہ عہد کرو کہ ہم ضرور رات کو صالح اور ان کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے، پھر ہم ان کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم تو ان کی ہلاکت کے وقت حاضر ہی نہیں تھے اور بے شک ہم سچے ہیں۔ [۴۵]

وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٥٠﴾

۵۰۔ اور انہوں نے خفیہ سازش کی اور ہم نے خفیہ تدبیر کی اور انہیں اس کا شعور بھی نہ ہوا۔ [۴۶]

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥١﴾

۵۱۔ سو دیکھ لو! ان کی سازش کا انجام کیسا ہوا، بے شک ہم نے ان کو اور ان کی ساری قوم کو ہلاک کر دیا۔ [۴۷]

مرنے لگے ہیں۔ اس پر حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: اہل ایمان منحوس نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے نحوست مقدر کر دی ہے اور یہ نحوست تمہاری بد اعمالیوں کا نتیجہ ہے اور اس کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری آزمائش کے لئے تمہیں قحط میں مبتلا کیا ہے۔

[۴۵] قوم ثمود میں نو سردار تھے جو ہمیشہ تخریبی کارروائیوں میں سرگرم رہتے حتیٰ کہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو بھی ذبح کر دیا۔ اس پر حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: تمہاری اس سرکشی کی وجہ سے تم پر تین دنوں کے بعد عذاب آنے والا ہے۔ چنانچہ ایک دن یہ نو سردار اکٹھے ہوئے اور قسمیں کھا کر آپس میں عہد کیا کہ عذاب جب آئے گا تو دیکھا جائے گا پہلے ہم سب مل کر رات کی تاریکی میں حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو قتل کر دیں اور پھر اگر ان کے کسی وارث نے ہم سے پوچھا تو ہم صاف انکار کر دیں گے کہ ہم تو اس وقت وہاں موجود ہی نہیں تھے اس لئے ہمیں کوئی علم نہیں کہ ان کو کس نے قتل کیا ہے۔

[۴۶] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس رات یہ نو اشخاص حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے اہل خانہ کو قتل کرنے کے لئے پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی حفاظت کے لئے فرشتوں کو بھیج دیا جنہوں نے پتھر مار کر ان تخریب کاروں کو ہلاک کر دیا۔ ان کو پتھر تو نظر آتے تھے مگر مارنے والے نظر نہیں آتے تھے۔ (تفسیر قرطبی)

[۴۷] اب دیکھ لو ان کی سازش کا انجام کیسا برا ہوا۔ نو سرداروں کو پتھروں سے ہلاک کر دیا گیا اور باقی نافرمانوں کو ایک سخت

فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ پس یہ ان کے گھر ویران پڑے ہیں اس لئے کہ انہوں نے ظلم کیا تھا، بے شک اس میں (عبرت کی) نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اور حضرت لوط علیہ السلام (کو یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا: کیا تم بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو حالانکہ تم دیکھتے ہو؟ [۴۸]

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ کیا تم نفسانی خواہش پوری کرنے کے لئے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس جاتے ہو؟ بلکہ تم جاہل لوگ ہو۔ [۴۹]

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اور ان کی قوم کے پاس (اس کا) کوئی جواب نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ (آپس میں) کہنے لگے: تم آل لوط کو اپنی بستی سے نکال دو، یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔ [۵۰]

آواز کے ساتھ آنے والے زلزلہ سے تباہ کر دیا گیا۔ (تفسیر قرطبی) اللہ تعالیٰ نے ان کے ویران گھروں کو آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کا نشان بنا دیا اور حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے اہل ایمان ساتھیوں کو محفوظ کر لیا۔

[۴۸] اللہ تعالیٰ نے نفسانی خواہش کو پوری کرنے کے لئے عورتوں کو پیدا فرمایا مگر حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے لوگ بڑے احمق تھے کہ وہ اپنی خواہش کو مردوں کے ساتھ پورا کرتے۔ اس پر حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: تم جانتے ہو کہ یہ بے حیائی کی بات ہے اور تم سے پہلے کسی قوم نے اس بے حیائی کا ارتکاب نہیں کیا، لہٰذا یہ بے حیائی تو چھپ کر بھی نہیں کرنی چاہیے مگر تمہاری سرکشی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ تم دن کی روشنی میں لوگوں کے سامنے اس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو۔

[۴۹] تم جانتے ہو کہ یہ بے حیائی کی بات ہے مگر اس کے باوجود تم جاہلوں کی طرح ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لے رہے ہو یا پھر تم آخرت میں اس کی سزا سے بے خبر ہو ورنہ شاید تم یہ کام نہ کرتے۔

[۵۰] قوم لوط نے آپس میں مشورہ کیا کہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے ہمیں جاہل اور غلط کار رکھتے ہیں

فَاَنۡجَیۡنٰهُ وَ اَهۡلَهٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرۡنٰهَا مِنَ الۡغٰبِرِیۡنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ پس ہم نے لوط علیہ السلام کو اوران کے گھر والوں کو بچالیا سوائے ان کی بیوی کے، ہم اس کے متعلق فیصلہ کر چکے ہیں کہ وہ پیچھے (عذاب میں) رہ جانے والوں میں سے ہے۔[۵۱]

وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَیۡهِمۡ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الۡمُنۡذَرِیۡنَ ﴿۵۸﴾ ع

۵۸۔اورہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش برسائی، پس وہ بہت ہی بری بارش تھی جو ان لوگوں پر برسائی گئی جن کوڈرایا گیا تھا۔[۵۲]

قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی ؕ آٰللّٰهُ خَیۡرٌ اَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔آپ فرمادیجئے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور سلام ہواس کے ان بندوں پر جن کواس نے چن لیا، کیا اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا جن کووہ شریک ٹھہراتے ہیں؟[۵۳]

اور خود بڑے عالم اور پاک باز بنتے ہیں، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم ان کو اپنی بستی سے نکال دیں تا کہ ہمیں کوئی اس فعل بد سے منع نہ کر سکے۔

[۵۱] بجائے اس کے کہ وہ لوگ اپنی غلط کاری سے توبہ کر کے پاک باز بن جاتے، انہوں نے لوط علیہ السلام اوران کے مومن ساتھیوں کوملک بدر کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھیوں کو وہاں سے بچالیا سوائے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے کیونکہ وہ حضرت لوط علیہ السلام پر ایمان نہیں لائی تھی اوراس کے کفر کی وجہ سے اس پر بھی عذاب کا فیصلہ مقدر ہو چکا تھا اس لئے اسے بھی دیگر کفار کے ساتھ ہلاک کر دیا گیا۔

[۵۲] حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کواس بے حیائی کے برے انجام سے ڈرایا لیکن جب وہ باز نہ آئے تو ان پر پتھروں کی سخت بارش برسائی گئی جس کی وجہ سے وہ تباہ و برباد ہو گئے۔

[۵۳] اس آیت سے آگے توحید پر ایک مستقل خطبہ آرہا ہے۔ یہ آیت اس کے مقدمہ کے طور پر ہے جیسا کہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ علماء اور خطباء کا یہ طریقہ تواتر سے چلا آرہا ہے کہ وہ اپنے ہر وعظ اور خطبہ کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام بھیجتے ہیں بلکہ اپنی کتابوں کی ابتداء بھی حمد وصلاۃ سے کرتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی)

اس سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ کریں

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ عظیم الشان کام جس کو حمد سے شروع نہ کیا جائے وہ ناتمام رہتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۴: ابواب النکاح: باب ۱۹)

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا؟ پھر ہم نے اس پانی سے خوش نما باغات اگائے، تمہارے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ تم ان باغات کے درخت اگا سکتے، کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو راہ راست سے علیحدہ ہو رہے ہیں۔ [۵۴]

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ بھلا وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس کے درمیان نہریں بنائیں؟ اور اس کے لئے بھاری پہاڑ بنائے؟ اور دو سمندروں کے درمیان آڑ بنائی؟ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ [۵۵]

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ کام جس کو اللہ کی حمد سے شروع نہ کیا جائے وہ ناقص رہتا ہے۔ (سنن ابو داؤد: ۴۸۴۰: کتاب الادب: باب ۲۱)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس عظیم الشان کام کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد اور مجھ پر صلاۃ سے نہ کی جائے وہ ناقص اور ہر قسم کی برکت سے محروم رہتا ہے۔ (کنز العمال: ۲۵۱۰: جلد اول: ص ۵۵۸)

اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ ہر خطبہ کو حمد و صلاۃ سے شروع کیا جائے اور دوسرا یہ معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی جائے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور منتخب بندوں پر سلام بھی پڑھا جائے، جیسے ہم ہر نماز میں پڑھتے ہیں: التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین (زبان سے، جسم سے اور مال سے ادا کی جانے والی تمام عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی رحمت اور برکتیں نازل ہوں، ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو۔)

[۵۴] ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے عام فہم دلائل بیان فرمائے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا، سمندروں سے بخارات کی صورت میں پانی کو اوپر اٹھایا اور پھر بارش کی صورت میں زمین پر اتارا جس کے ذریعہ تم نے خوب صورت باغات اگائے حالانکہ تم بذات خود تو ایک درخت بھی نہیں اگا سکتے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ زمین ہی نہ بناتا تو تمہارا اپنا وجود ہی نہ ہوتا تو تم درخت کیسے اگاتے؟ لہٰذا خالق کائنات اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو شریک بناتے ہیں وہ راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

[۵۵] یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے زمین کو رہنے کی جگہ بنایا، اس میں نہریں اور پہاڑ بنائے اور ایسے سمندر بھی بنائے جن کے ایک

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

٦٢۔ بھلا وہ کون ہے جو بے قرار شخص کی دعا قبول فرماتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور تکلیف کو دور فرماتا ہے؟ اور تمہیں زمین میں (پہلے لوگوں کا) جانشین بناتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ تم لوگ بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔ [٥٦]

حصہ میں میٹھا پانی ہے اور دوسرے حصہ میں کڑوا پانی ہے، گویا کہ وہ دو سمندر ہیں اور ان کے درمیان نظر نہ آنے والا ایک ایسا پردہ ہے کہ وہ دونوں پانی ایک دوسرے سے الگ رہتے ہیں۔ سورہ فرقان کی آیت نمبر ٥٣ میں بھی ایسے ہی دو سمندروں کا ذکر ہے۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

اس دنیا کا تین چوتھائی حصہ سمندروں پر مشتمل ہے جن کا پانی نمکین اور کڑوا ہے اور اس دنیا کا ایک چوتھائی خشکی پر مشتمل ہے جس میں بہنے والے چشموں، نہروں اور دریاؤں کا پانی میٹھا اور خوش ذائقہ ہے اور جب یہ میٹھے پانی کے دریا سمندر میں جاکر گرتے ہیں تو کئی میلوں تک ایک طرف دریا کا میٹھا پانی اور دوسری طرف سمندر کا کڑوا پانی ایک ساتھ چلتے ہیں مگر ایسے لگتا ہے جیسے قدرت نے ان کے درمیان ایک حد فاصل قائم کردی ہے جس کی وجہ سے وہ پانی آپس میں نہیں ملتے حالانکہ فطری طور پر دو پانی فوراً آپس میں رل مل جاتے ہیں۔ اسی طرح دریائے نیل جب بحر روم میں جاکر گرتا ہے تو کئی میلوں تک اس کا پانی سمندر کے پانی میں جذب نہیں ہوتا بلکہ اپنے رنگ اور ذائقہ میں منفرد رہتا ہے۔ نیز ہماری زمین کے نیچے جو پانی ہے وہ بھی دو طرح کا ہے بعض دفعہ ایک جگہ نلکا یا ٹیوب ویل لگایا جائے تو پانی میٹھا نکلتا ہے اور چند میٹر کے فاصلے پر دوسرا نلکا یا ٹیوب ویل لگایا جائے تو پانی نمکین اور کھاری نکلتا ہے۔

[٥٦] یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بے قرار شخص کی دعا سنتا ہے اور اس کی تکلیف دور فرماتا ہے اور اسی نے تمہیں زمین میں پہلے لوگوں کا جانشین بنایا۔ اگر وہ تمہیں پیدا ہی نہ کرتا تو تم آج دنیا میں نہ ہوتے، لہٰذا عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے لیکن تم میں نصیحت قبول کرنے والے لوگ بہت کم ہیں۔

بے قرار اور مصیبت زدہ شخص مسلمان ہو یا کافر اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے، جیسا کہ حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد بیان فرمایا: میں مظلوم کی دعا کبھی رد نہیں کروں گا اگرچہ وہ کسی کافر کے منہ سے ہو۔ (تفسیر قرطبی) اگر کسی بے قرار اور مظلوم شخص کو یہ محسوس ہو کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوئی تو وہ مایوس نہ ہو، بعض اوقات دعا تو قبول ہو جاتی ہے مگر کسی حکمت خداوندی کے باعث اس کا ظہور دیر سے ہوتا ہے یا پھر وہ شخص اپنے اخلاص میں غور کرے کہیں اس میں کوتاہی تو نہیں تھی۔ اس سلسلہ میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ١٨٦ کا حاشیہ نمبر ١٤٢ ملاحظہ کریں۔

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ؕ﴿۶۳﴾

۶۳۔ بھلا وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ دکھاتا ہے؟ [۵۷] اور وہ کون ہے جو اپنی رحمت (کی بارش) سے پہلے ہواؤں کو خوش خبری بنا کر بھیجتا ہے؟ [۵۸] کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ اللہ تعالیٰ ان سے برتر ہے جن کو وہ اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں۔

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ بھلا وہ کون ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا فرماتا ہے؟ پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور وہ کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ آپ فرمائیے: (اے مشرکو!) اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ [۵۹]

[۵۷] وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آسمان کو جگمگاتے ستاروں سے مزین کیا۔ رات کی تاریکی میں جب تم راستہ بھول جاؤ تو یہ ستارے تمہارے لئے ہدایت اور راہ نمائی کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور تم ان کی مدد سے اپنے راستے متعین کرتے ہو۔

یہ ۱۴۰۰ سال پہلے کی بات ہے جب کاریں، جہاز اور کمپاس نہیں تھے۔ لوگ زمین پر پیدل یا اونٹ پر سفر کرتے اور سمندر میں کشتیوں کے ذریعہ سفر کرتے اور تاریک راتوں میں ستاروں کی مدد سے اپنے راستوں کا تعین کرتے تھے۔

[۵۸] جب لوگ قحط سالی کا شکار ہو کر بے قرار ہوتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو پہلے ٹھنڈی ہوائیں بھیجتا ہے جن سے بارش کی آمد کی امید لگتی ہے اور لوگوں میں خوشی اور سکون کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

[۵۹] وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے ساری مخلوق کو پہلی بار اپنی قدرت سے پیدا فرمایا، پھر یہ سلسلہ اسی کے پیدا کردہ وسائل سے جاری ہے۔ نیز آسمان سے دھوپ اور پانی اتار کر اور زمین سے نباتات اگا کر اپنی مخلوق کے رزق کا انتظام کیا۔ پھر ایک دن ضرور آئے گا جب ساری مخلوق فنا ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی قدرت سے دوبارہ زندہ فرمائے گا۔

اس آیت کے آخر میں مشرکین کو سمجھایا جا رہا ہے کہ گزشتہ ساری صفات میں اللہ تعالیٰ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس کے باوجود اگر تم کسی اور کو بھی اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو تو پھر اس کی دلیل پیش کرو جو کہ کسی کے پاس نہیں ہے۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ط

۶۵۔ آپ فرمائیے: جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ (ازخود) غیب نہیں جانتے سوائے اللہ تعالیٰ کے،[۶۰]

[۶۰] اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ زمین و آسمان میں جو فرشتے، جن اور انسان موجود ہیں وہ ازخود غیب نہیں جان سکتے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی عالم الغیب ہے، لیکن بہت سی آیات اور احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض فرشتوں اور بعض منتخب بندوں کو غیب پر مطلع فرمایا ہے، اس لئے علم غیب کی تشریح ضروری ہے تاکہ قرآن کی آیات میں تضاد کا شبہ باقی نہ رہے:

علم غیب

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں: غیب سے مراد وہ مخفی امر ہے جو حواس اور عقل کی رسائی سے بالاتر ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ غیب جس کے علم کی کوئی دلیل نہ ہو اور دوسرا وہ غیب جس کے علم پر کوئی دلیل قائم ہو۔

(تفسیر بیضاوی: سورہ بقرہ: زیر آیت نمبر ۳)

پہلی قسم کا غیب جس کے علم کی کوئی دلیل نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔ (قرآن: ۶: ۵۹) اور دوسری قسم کا غیب جس کے علم پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل قائم ہو اس کو انسان ان دلائل کے ذریعہ جان سکتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ غیب کا جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے اس رسول کے جس کو وہ پسند کرے۔ (قرآن: ۷۲: ۲۷:۲۶) یہاں رسول کے غیب جاننے کی دلیل اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کو اپنے غیب پر مطلع نہ فرماتا تو وہ غیب نہ جان سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا علم غیب

اللہ تعالیٰ کا علم اس کا ذاتی ہے کسی دوسرے کا دیا ہوا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا اور اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود ہے اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ ایسا علم اللہ تعالیٰ ہی کے شایان شان ہے کسی مخلوق میں اس کا ثابت کرنا شرک ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا علم غیب

رسول اللہ ﷺ کا علم عطائی اور حادث ہے یعنی پہلے نہیں تھا بعد میں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کا علم محدود ہے یعنی اتنا ہی ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم محیط سے رسول اللہ ﷺ کے علم کی نسبت اتنی بھی نہیں جتنی پانی کے ایک قطرہ کو دنیا کے سمندروں سے ہے مگر مخلوق کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ کا علم اتنا وسیع ہے کہ مخلوق اس کا اندازہ نہیں کر سکتی۔ اس قسم کا عطائی، حادث اور محدود علم انبیائے کرام علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے، اس قسم کے علم غیب کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا کفر ہے۔

فرشتوں کا علم غیب

اللہ تعالیٰ نے ملک الموت علیہ السلام کو بندے کے مرنے کے دن، تاریخ، جگہ اور وقت کا علم عطا فرمایا اور بعض فرشتوں کو ماں کے پیٹ میں بچے کے مستقبل کا علم عطا فرمایا، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص پیدائش کے وقت اپنی ماں کے شکم میں چالیس دن تک (نطفہ) رہتا ہے، پھر علقہ (معلق گاڑھا خون) بن جاتا ہے، پھر چالیس دن گزرنے کے بعد وہ مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) ہوجاتا ہے، پھر چالیس دن گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور اس کو چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اس بچے کا عمل، اس کا رزق، اس کی موت کا وقت اور اس کا بدبخت یا نیک بخت ہونا لکھ دے، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔

(بخاری: حدیث نمبر ۳۲۰۸: کتاب بدء الخلق: باب ٦)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے فرشتے کو علم ہوتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ دنیا میں آئے گا تو اس کا عمل کیسا ہوگا؟ اس کا رزق (مال و دولت اور علم و حکمت کا معیار) کیا ہوگا؟ وہ کب مرے گا؟ اور وہ بدبخت ہوگا یا نیک بخت؟ جس طرح اللہ تعالیٰ کے بتانے سے فرشتے کو ان چیزوں کا علم ہوجاتا ہے اسی طرح انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے کرام کو بھی غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے بتانے سے بطریق معجزہ و کرامت عطا ہوتا ہے۔

ذاتی اور عطائی کی تقسیم کا کیا ثبوت ہے؟

اگر اس فرق کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر قرآن و حدیث میں تعارض پیدا ہوجائے گا، مثلاً ایک طرف اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤف رحیم (قرآن: ۹: ۱۲۸) اور انسان کو سمیع بصیر (قرآن ۷٦: ۲) بنایا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو رؤف رحیم (قرآن: ۲: ۱۴۳) اور سمیع بصیر (قرآن: ۱۷: ۱) فرمایا ہے۔ مذکورہ آیات کو سمجھنے کے لئے اس فرق کو ماننا ناگزیر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت ذاتی، قدیم اور غیر متناہی ہے اور انبیاء و اولیاء اور دیگر مخلوقات کی صفات عطائی، حادث اور متناہی ہیں اور یہی فرق علم غیب میں بھی ماننا پڑے گا، لہٰذا آیات نفی میں ذاتی، قدیم اور غیر متناہی علم مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں ہے اور آیات اثبات میں عطائی، حادث اور متناہی علم مراد ہے جو صرف مخلوق ہی کا خاصہ ہوسکتا ہے۔

مخلوق کے علم غیب کی چند مثالیں

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: {میں تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو (یعنی جو تمہارے پیٹ میں ہے) اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو} (قرآن: ۳: ۴۹)

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم! میرے اوپر نہ تمہارا رکوع پوشیدہ ہے اور نہ تمہارا خشوع اور بے شک میں تمہیں اپنی پشت کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔" (بخاری: کتاب الاذان: باب ۸۸) رکوع نماز کی ظاہری صورت کو اور خشوع باطنی کیفیت کو کہا جاتا ہے، لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز کے ظاہر و باطن کو جانتے ہیں اور جو چیز

نگاہوں سے غائب ہے اسے بھی جانتے ہیں کیونکہ نماز میں آپ ﷺ کا رخ قبلہ کی طرف ہوتا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیچھے صفوں میں ہوتے تھے اس کے باوجود آپ ان کے ظاہر و باطن کا علم رکھتے ہیں۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے دنیا کو پیش فرمادیا تو میں اسے اور اس میں قیامت تک ہونے والی چیزوں کو اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح میں اپنی ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔

(کنز العمال: حدیث نمبر ۳۱۹۷۱: جلد ۱۱: ص ۴۲۰)

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اُحد پر چڑھے، آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے، وہ پہاڑ لرزنے لگا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (اے پہاڑ!) ساکن ہو جا تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید کھڑے ہیں۔ (بخاری، فضائل اصحاب: باب ۷) یعنی آپ ﷺ کو علم تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی طبعی موت کے ساتھ انتقال کریں گے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوں گے۔

☆ جنگ بدر سے ایک روز پہلے حضورِ اکرم ﷺ نے میدانِ جنگ کا معائنہ فرمایا اور مختلف جگہوں کی نشاندہی فرمائی کہ کل فلاں فلاں کافروں کی لاشیں فلاں فلاں جگہوں پر پڑی ہوں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس نے ہمارے نبی کو حق کے ساتھ بھیجا! کفار کی لاشیں ان جگہوں سے ذرہ آگے پیچھے نہ تھیں جہاں حضورِ اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں نشاندہی فرمائی تھی۔ (مسلم: ۷۲۲۲: کتاب الجنۃ: باب ۱۷)

☆ جنگ بدر کے بعد حضورِ اکرم ﷺ نے ستر قیدیوں کے بارے میں مجلس مشاورت قائم کی۔ کئی تجاویز پیش ہوئیں کہ ان ظالموں کو قتل کر دیا جائے وغیرہ۔ مگر حضورِ اکرم ﷺ نے جو تجویز پسند فرمائی وہ یہ تھی کہ حسبِ استعداد فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا جائے اور جو فدیہ ادا نہیں کر سکتے وہ مدینہ کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو وہ آزاد ہیں۔ (مسند احمد: جلد اول: ص ۲۴۷) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انہی میں سے ہیں جن کو کافر قیدیوں نے علم سکھایا۔

(طبقات ابن سعد: جلد ۲: ص ۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسیران بدر کا فدیہ چار سو درہم مقرر فرمایا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کے پاس مال نہیں ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ مال کہاں ہے جو آپ نے اور آپ کی بیوی ام فضل نے زمین میں دفن کیا تھا اور آپ نے اس سے کہا تھا: اگر میں اس سفر جنگ میں مر گیا تو یہ مال میرے بیٹوں کو دے دینا۔ اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: بخدا! میں جان گیا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ اس مال کا میرے اور میری بیوی کے سوا کسی کو علم نہیں ہے۔ (سبل الھدیٰ والرشاد: جلد ۴: ص ۱۰۵، مسند احمد: جلد اول: ص ۳۵۳)

☆ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے خواب میں اپنے رب تعالیٰ کو بڑی حسین صورت میں دیکھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! کیا آپ جانتے ہیں کہ فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے نفی میں جواب دیا، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ہاتھ میرے کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی، پھر میں نے جان لیا، جو کچھ آسمانوں

وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ اَيَّانَ يُبۡعَثُوۡنَ ۝٦٥ اور نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ کب (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے۔[۶۱]

میں تھا اور زمین میں تھا۔ (ترمذی: تفسیر القرآن: احادیث نمبرز: ۳۲۳۳۔۳۲۳۴۔۳۲۳۵)

☆ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمام زمین کو میرے لئے لپیٹ دیا اور میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔ (صحیح مسلم: حدیث نمبر ۲۸۸۹)

☆ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک میں اپنے حوض کو اب دیکھتا ہوں اور بے شک زمین کے خزانوں کی چابیاں مجھے عطا کی گئی ہیں۔ (بخاری: ۱۳۴۴: کتاب الجنائز: باب ۷۳) جو ہستی اس دنیا میں رہتے ہوئے حوضِ کوثر کو دیکھ لے اور جس کو اللہ تعالیٰ زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کردے اس کے علم غیب اور خزانوں کا صحیح اندازہ انسان نہیں کر سکتا، یہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے نبی ﷺ ہی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کتنا علم غیب اور کتنے خزانے عطا فرمائے ہیں۔ حضورِ اکرم ﷺ کا ایک اور ارشاد ملاحظہ ہو: بے شک اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔

(بخاری: ۳۱۱۶: کتاب فرض الخمس: باب ۷)

اس سلسلہ میں مزید سورہ آل عمران (۳) کی آیت نمبر ۱۷۹ کا حاشیہ نمبر ۱۲۶۔۱۲۵، سورہ انعام (۶) کی آیت نمبر ۵۹ کا حاشیہ نمبر ۵۵، آیت نمبر ۶۱ کا حاشیہ نمبر ۵۸ اور سورہ اعراف (۷) کی آیت نمبر ۱۸۸ کا حاشیہ نمبر ۱۰۶ بھی ملاحظہ کریں۔

[۶۱] لوگوں کو یہ علم نہیں ہے کہ قیامت کب آئے گی جس کے بعد انہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا؟ علامہ فخر الدین رازی نے محققین کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے وقت کو لوگوں سے مخفی رکھنے کا سبب یہ ہے کہ جب انہیں یہ معلوم نہیں ہوگا کہ قیامت کب آئے گی تو وہ اس سے ڈریں گے اور ہر وقت گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں گے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گناہوں میں مشغول ہوں اور قیامت آجائے، لہٰذا ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں کوشاں رہیں گے۔ (تفسیر کبیر: سورۃ الاعراف: زیر آیت نمبر ۱۸۷) اسی حکمت کے پیش نظر عوام سے موت کے وقت کو مخفی رکھا گیا ہے کیونکہ اگر کسی کو بتا دیا جائے کہ وہ دس سال بعد مر جائے گا تو ہو سکتا ہے اس پر شیطان غالب آجائے اور وہ یہ فیصلہ کر بیٹھے کہ 9 سال تو عیاشی میں گزارتا ہوں اس کے بعد توبہ کر لوں گا یا اتنا ڈر جائے کہ سارے کام چھوڑ کر صرف عبادت میں مصروف ہو جائے اور اس کے اہل خانہ بھوک اور فقر کا شکار ہو جائیں، یہ دونوں صورتیں اس کے لئے اچھی نہیں ہیں۔ الغرض عوام سے قیامت کا وقت اس لئے مخفی رکھا گیا تا کہ وہ ہر وقت گناہوں سے بچنے میں کوشاں رہیں مگر انبیائے کرام علیہم السلام کو تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی گناہوں سے پاک کر رکھا ہے اور وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، لہٰذا ان سے قیامت کو مخفی رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ احمد صاوی لکھتے ہیں: قیامت کا وقت ان مخفی امور میں سے ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر رکھا ہے وہ اس پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا مگر رسولوں میں سے جن کو چاہے، لہٰذا یہ ایمان رکھنا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یہ دنیا چھوڑنے سے پہلے دنیا و آخرت اور جنت و دوزخ کے تمام غیوب پر مطلع فرمایا لیکن ان میں سے بعض

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ بلکہ آخرت کے متعلق ان کا علم گم ہو گیا ہے بلکہ وہ اس کے متعلق شک میں ہیں بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔ [۶۲]

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾

۶۷۔ اور کافروں نے کہا: کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادا (مرکر) مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم (پھر زندہ کر کے قبروں سے) نکالے جائیں گے؟

لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ بے شک ہم سے بھی اور پہلے ہمارے باپ دادوں سے بھی اس (قیامت کے آنے) کا وعدہ کیا جاتا رہا ہے مگر یہ صرف پہلے لوگوں کے من گھڑت افسانے ہیں۔ [۶۳]

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾

۶۹۔ آپ فرما دیجئے: تم زمین میں سیر و سیاحت کرو، پھر دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟ [۶۴]

کو مخفی رکھنے کا حکم دیا۔ (حاشیہ صاوی: سورۃ الاعراف: زیر آیت نمبر ۱۸۷) اسی لئے آپ ﷺ نے قیامت کی نشانیاں تو بتا دیں مگر اس کی تاریخ کو مخفی رکھا۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ قیامت اچانک آئے اور لوگوں کو پہلے سے پتہ نہ چلے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بے شک قیامت آنے والی ہے میں اس (کے وقت) کو (لوگوں سے) مخفی رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر شخص (قیامت کے ڈر سے نیک کام کرنے کی کوشش کرے اور قیامت میں اس) کو اس کی کوشش کا بدلہ دیا جائے۔ (قرآن: ۲۰:۱۵) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کو مخفی رکھا تا کہ لوگ زیادہ راتیں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزاریں اور جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی کو بھی مخفی رکھا تا کہ لوگ جمعہ کے اکثر اوقات اللہ تعالیٰ کی یاد میں بسر کریں۔

[۶۲] منکرین آخرت میں سے بعض ایسے ہیں جن کا مادی علم آخرت کا ادراک نہیں کر سکا یعنی یہ بات ان کی عقل میں نہیں آسکی کہ انسان مرکر مٹی ہو جائے اور پھر اس کو زندہ کر کے اٹھایا جائے۔ اور بعض آخرت کے متعلق شک میں مبتلا ہیں مگر انہوں نے عناد کی بنا پر دلائل سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں حالانکہ اگر وہ دلائل میں غور و فکر کرتے تو ہدایت حاصل کر سکتے تھے۔

[۶۳] پہلے ہمارے باپ دادوں کو اور آج ہمیں ڈرایا جا رہا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آجاؤ ورنہ جب قیامت آئے گی تو تمہیں قبروں سے زندہ کر کے سزا دی جائے گی۔ اس دھمکی کو سنتے ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں کہیں قیامت کے آثار نظر نہیں آتے۔ دراصل یہ پہلے لوگوں کے من گھڑت افسانے ہیں ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

[۶۴] انبیائے کرام علیہم السلام نے جن پہلی قوموں کو عذاب کی خبر دی تھی تم ان کی برباد بستیوں کا مشاہدہ کر سکتے ہو، ان پر عذاب

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

٧٠۔ اور آپ ان (کے احوال) پر غمزدہ نہ ہوں اور ان کے مکر وفریب سے تنگ دل نہ ہوں۔ [٦٥]

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٧١﴾

٧١۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو (بتاؤ قیامت کے آنے کا) یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟

قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٧٢﴾

٧٢۔ آپ فرما دیجئے: جس (عذاب) کو تم جلدی طلب کر رہے ہو، ممکن ہے اس کا کچھ حصہ تمہارے قریب ہی آپہنچا ہو۔ [٦٦]

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾

٧٣۔ اور بے شک آپ کا رب لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے لیکن ان میں سے اکثر شکر ادا نہیں کرتے۔ [٦٧]

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٤﴾

٧٤۔ اور بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے جو ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ [٦٨]

آیا اور انہیں عبرتناک عذاب سے دوچار ہونا پڑا۔ اسی طرح انبیائے کرام علیہم السلام نے جس قیامت کی خبر دی ہے وہ بھی برحق ہے اور ایک دن ضرور آئے گی۔

[٦٥] اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ جو لوگ اسلام قبول نہیں کرتے آپ ان کے لئے غمگین نہ ہوں اور جو اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں آپ ان سے تنگ دل نہ ہوں کیونکہ آپ نے تبلیغ اسلام کا حق ادا کر دیا ہے، اب وہ اپنے کفر اور مکر وفریب کے خود ذمہ دار ہیں۔

[٦٦] کفار نے جب مطالبہ کیا کہ قیامت کا عذاب کب آئے گا تو آپ نے فرمایا: جس عذاب کو تم جلد طلب کر رہے ہو اس کا ابتدائی حصہ تو شاید تمہارے قریب ہی آپہنچا ہو کیونکہ موت بھی ایک چھوٹی قیامت ہے جس سے عذاب کی ابتداء ہو جاتی ہے اور موت کسی بھی وقت آسکتی ہے۔ حضرت انس ﷛ بیان کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص مرتا ہے تو اسی وقت اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے، سو تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور ہر وقت اس سے استغفار کرتے رہو۔ (کنز العمال: ۴۲۷۴۸؛ جلد ۱۵: ص ۶۸۶)

[٦٧] اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا مہربان ہے، جب بھی کوئی مسلمان یا غیر مسلم نافرمانی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فوراً گرفت نہیں فرماتا بلکہ اسے مہلت دیتا ہے تاکہ وہ اپنی اصلاح کرلے لیکن پھر بھی اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

[٦٨] اللہ تعالیٰ ان کفار کی صرف ظاہری حرکات سے ہی باخبر نہیں بلکہ وہ سازشیں جو وہ اپنے دلوں میں سوچتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۵﴾

۷۵۔ اور آسمان اور زمین میں کوئی پوشیدہ چیز نہیں ہے مگر وہ روشن کتاب میں موجود ہے۔[۶۹]

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَقُصُّ عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَكْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾

۷۶۔ بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے وہ اکثر چیزیں بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔[۷۰]

وَاِنَّهٗ لَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۷﴾

۷۷۔ اور بے شک یہ (قرآن) ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔[۷۱]

اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ ﴿۷۸﴾ۚ

۷۸۔ بے شک آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ فرمائے گا اور وہ بہت غالب، بہت علم والا ہے۔[۷۲]

فَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَی الْحَقِّ الْمُبِیْنِ ﴿۷۹﴾

۷۹۔ پس آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں، بے شک آپ صریح حق پر ہیں۔[۷۳]

ان سے بھی خوب آگاہ ہے اور جب ان کی گرفت کا وقت آپہنچے گا تو ان سے ہر حرکت کا حساب لیا جائے گا۔

[۶۹] اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی ہر مخفی چیز کو لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے جو اپنے اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوگی کسی کے شور مچانے سے اس میں تقدیم یا تاخیر نہیں ہوگی۔

[۷۰] بنی اسرائیل کے علماء آپس میں جن مسائل کے متعلق اختلاف کرتے تھے اور ان میں افراط و تفریط کی وجہ سے انتشار کا شکار تھے، قرآن مجید نے ان کے اکثر مسائل کو اپنی اصلی صورت میں بیان کر دیا ہے، اب اگر وہ خلوص نیت سے قرآن کے بیان میں غور کریں تو ان کے آپس کے اختلافات ختم ہو جائیں گے اور وہ اسلام قبول کر لیں گے۔

[۷۱] قرآن مجید تمام لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے مگر اس سے فائدہ اٹھانے والے صرف اہل ایمان ہیں اس لئے عملاً یہ انہی کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

[۷۲] قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے درمیان فیصلہ فرمائے گا کہ کون حق پر تھا اور کون گمراہ تھا۔ اللہ تعالیٰ غالب ہے اور کوئی اس کے فیصلے کو مسترد نہیں کر سکے گا۔

[۷۳] آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں اور منکرین کی مخالفت کی پرواہ نہ کریں کیونکہ آپ حق پر ہیں اور آخر کار اہل حق ہی کامیاب

اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى وَ لَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ ۸۰۔ بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے [۷۴] اور نہ

ہوتے ہیں۔

[۷۴] علامہ خازن لکھتے ہیں: اس آیت میں مردوں سے مراد وہ کافر ہیں جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں۔ (تفسیر خازن) یعنی انہوں نے مسلسل سرکشی اور ہٹ دھرمی کے باعث اپنے عقل و فہم کو اس حد تک ناکارہ بنا دیا ہے کہ انہیں کوئی بات سنانا بالکل نہ سنانے کے برابر ہے کیونکہ وہ سننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ مردے زندوں کا کلام نہیں سن سکتے حالانکہ یہاں وہ مردے مراد نہیں ہیں جن کے جسم سے روح پرواز کر جائے بلکہ وہ زندہ کافر مراد ہیں جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں۔ ان کے برعکس جو حقیقی مردے ہیں وہ سن سکتے ہیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ اس سلسلہ میں چند دلائل ملاحظہ کریں:

☆ قوم ثمود کو جب سخت آواز اور زلزلہ کے ساتھ تباہ و برباد کر دیا گیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان مردوں سے خطاب کیا: ''اے میری قوم! بے شک میں نے تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم لوگ خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔'' (قرآن: ۷: ۷۹)

اس سے معلوم ہوا مردے سنتے ہیں ورنہ حضرت صالح علیہ السلام انہیں خطاب نہ فرماتے۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس گڑھے کے کنارے تشریف لے گئے جس میں کفار مکہ کے لاشے پڑے تھے اور ان کے نام لے کر ان سے خطاب فرمایا: اے ابو جہل، اے امیہ، اے عتبہ، اور اے شیبہ! میرے ساتھ میرے رب نے فتح و نصرت کا جو وعدہ کیا تھا میں نے اس کو سچ پایا اور تمہارے ساتھ تمہارے رب نے عذاب کا جو وعدہ کیا تھا کیا تم نے اسے سچ نہیں پایا؟ یہ سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ لوگ کیسے سنیں گے اور کس طرح جواب دیں گے؟ حالانکہ یہ تو مردہ ہیں۔ (یعنی آپ ان کے جسموں سے کیسے خطاب کر رہے ہیں جن میں روح نہیں ہے؟) اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! میرا کلام تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو، فرق صرف اتنا ہے کہ وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

(مسلم: ۷۲۲۳: کتاب الجنة: باب ۱۷، بخاری: ۳۹۷۶: کتاب المغازی: باب ۸)

جب کافر قبر میں سنتا ہے تو پھر مومن کیوں نہیں سن سکتا؟

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ کو جب قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس چلتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ (بخاری: ۱۳۳۸: کتاب الجنائز: باب ۶۷)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں تشریف لے گئے اور فرمایا: اے ایمان والوں کے گھر! السلام علیکم، ہم بھی ان شاء اللہ تمہارے پاس آنے والے ہیں۔ (مسلم: ۵۸۴: کتاب الطھارت: باب ۱۲)

الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾

بہروں کو (اپنی) پکار سنا سکتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے جا رہے ہوں۔ [۷۵]

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ اور نہ ہی آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت دینے والے ہیں، آپ صرف ان لوگوں کو سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، سو وہی مسلمان ہیں۔ [۷٦]

اسی لئے جب ہم قبرستان کے پاس سے گزریں تو سنت یہ ہے کہ ہم انہیں السلام علیکم کہیں حالانکہ ان کے جسم تو مٹی میں مٹی ہو چکے ہوتے ہیں مگر ان کی روحوں کا ان قبروں سے ایک طرح کا رابطہ ہوتا ہے جن کو السلام علیکم کہتے ہیں۔

☆ حضرت ابو ہریرہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی ایسی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا ہو اور اس کو سلام کرے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور جب وہ ایسی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ نہ پہچانتا ہو اور اس کو سلام کرے تو وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ (شعب الایمان: ۹۲۹٦: جلد۷: ص۱۷)

☆ بشر بن منصور ﷛ بیان کرتے ہیں کہ طاعون کے زمانہ میں ایک شخص جبان کے پاس آتا تھا اور جنازوں کی نماز پڑھتا تھا اور شام کو قبرستان کے دروازے پر کھڑے ہو کر یہ دعا کرتا تھا: اللہ تعالیٰ تمہاری وحشت کو دور کرے اور آخرت کے سفر میں تم پر رحم فرمائے اور تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے اور اللہ تعالیٰ تمہاری نیکیوں کو قبول فرمائے۔ اس شخص نے کہا: ایک شام میں گھر چلا گیا اور قبرستان نہ جا سکا، اس رات میں نے خواب میں دیکھا کہ بہت لوگ میرے پاس آئے۔ میں نے کہا: آپ لوگ کون ہیں اور کیوں آئے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم قبروں والے ہیں، تم ہر روز گھر جانے سے پہلے ہمیں ہدیہ پیش کرتے تھے۔ میں نے پوچھا: وہ کیا ہدیہ تھا؟ انہوں نے کہا: وہ دعائیں تھیں جو تم ہمارے لئے کرتے تھے۔ اس شخص نے کہا: میں پھر دعا کیا کروں گا اور اس کے بعد میں نے دعاؤں کو ترک نہیں کیا۔ (شعب الایمان: ۹۲۹۸: جلد۷: ص۱۷)

☆ بشار بن غالب ﷛ بیان کرتے ہیں کہ میں رابعہ عدویہ رضی اللہ عنہا کے لئے بہت دعا کرتا تھا، ایک دن میں نے ان کو خواب میں دیکھا، انہوں نے مجھ سے کہا: اے بشار! تمہارے ہدیئے ہمارے پاس نور کے طباقوں میں ریشمی رومالوں میں ڈھکے ہوئے آتے ہیں۔ میں نے پوچھا: وہ کیسے؟ انہوں نے کہا: جب مردوں کے لئے دعا کی جائے اور وہ دعا قبول ہو جائے تو اس دعا کو طباق میں رکھ کر ریشمی رومال سے ڈھانپ کر وہ طباق اس مردے کو پیش کیا جاتا ہے جس مردے کے لئے دعا کی جاتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے: یہ تمہارے لئے فلاں شخص کا ہدیہ ہے۔ (شعب الایمان: ۹۲۹۹: جلد۷: ص۱۷)

[۷۵] یہاں بھی بہروں سے مراد وہ کافر ہیں جن کے دل حق کی بات سننے سے بہرے ہیں نیز وہ دور بھاگے جا رہے ہیں۔ بہرہ آدمی سامنے کھڑا ہو تو اسے سنانا مشکل ہوتا ہے لیکن جب وہ بہرہ پیٹھ پھیر کر بھاگا جا رہا ہو پھر تو اسے سنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

[۷٦] یہاں بھی اندھوں سے مراد وہ کافر ہیں جن کے دل حق کو دیکھنے سے اندھے ہیں۔ آپ انہیں لاکھ حق دکھانا چاہیں وہ اپنے

وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ ۠﴿۸۲﴾

۸۲۔ اور جب ان پر ہمارا قول پورا ہونے کا وقت آجائے گا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا کیونکہ وہ لوگ ہماری نشانیوں پر یقین نہیں کرتے تھے۔ [۷۷]

وَ یَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ یُّكَذِّبُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ اور جس دن ہم ہر امت میں سے اس گروہ کو جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے تو وہ الگ کر لئے جائیں گے۔

تعصب اور عناد کی وجہ سے دیکھنے والے نہیں ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: درحقیقت (ایسے لوگوں کی) آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں لیکن جن کے دلوں میں بغض وعناد نہیں ہوتا وہ سنتے بھی ہیں اور ایمان بھی لاتے ہیں۔

[۷۷] امام ابن کثیر لکھتے ہیں: آخر زمانہ میں جب لوگوں میں فساد پیدا ہو جائے گا، وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا چھوڑ دیں گے اور دین حق کو تبدیل کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

یعنی جب قیامت قریب آجائے گی تو زمین سے ایک عجیب وغریب جانور نمودار ہوگا جو ان فسادی اور نافرمان لوگوں سے کلام کرے گا اور انہیں بتائے گا کہ تم قیامت کی نشانیوں کا انکار کرتے تھے اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو وہ ظاہر ہو رہی ہیں۔

☆ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک دن ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: تم کیا باتیں کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کیا: ہم قیامت کے متعلق باتیں کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو، پھر آپ نے ان دس نشانیوں کا ذکر فرمایا یعنی دھواں، دجال، زمین کا جانور، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول، اور یاجوج اور ماجوج، اور تین جگہ زمین کا دھنسنا یعنی مشرق میں زمین کا دھنسنا، مغرب میں زمین کا دھنسنا اور جزیرہ عرب میں زمین کا دھنسنا اور آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانک کر محشر کی طرف لے جائے گی۔ (مسلم: ۷۲۸۵: کتاب الفتن: باب ۱۳) یعنی ان نشانیوں کے ظہور کے بعد اچانک قیامت قائم ہو جائے گی۔

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا: بے شک قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ علم اٹھا لیا جائے گا، جہالت زیادہ ہوگی، زنا زیادہ ہوگا، شراب نوشی زیادہ ہوگی، مرد کم ہوں گے اور عورتیں زیادہ ہوں گی حتیٰ کہ پچاس عورتوں کا کفیل ایک مرد ہوگا۔ (بخاری: ۵۲۳۱: کتاب النکاح: باب ۱۱۱)

حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰیٰتِیْ وَلَمْ تُحِیْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ حتیٰ کہ جب وہ (مقام حساب پر) آجائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم میری آیتوں کو جھٹلاتے تھے حالانکہ تمہیں ان کا پورا علم نہیں تھا؟ یا اس کے علاوہ اور کیا تھا جو تم کیا کرتے تھے؟ [۷۸]

وَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا یَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ اور ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے ان پر (عذاب کا) وعدہ پورا ہو کر رہے گا، پھر وہ کچھ بول نہ سکیں گے۔ [۷۹]

اَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّیْلَ لِیَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات اس لئے بنائی تاکہ وہ اس میں آرام کر سکیں اور دن کو روشن بنایا، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ [۸۰]

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا: بے شک اللہ تعالیٰ بندوں (کے دلوں) سے علم نہیں نکالے گا لیکن علماء کے اٹھانے سے علم کو اٹھالے گا، حتیٰ کہ جب وہ کسی عالم کو باقی نہیں رکھے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، پھر ان سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے، پس وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ (بخاری: ۱۰۰: کتاب العلم: باب ۳۴)

[۷۸] قیامت کے دن تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں میں سے ان گروہوں کو الگ کر لیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور جب وہ مقام حساب پر پہنچیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا: کیا تم بغیر سوچے سمجھے اور بغیر کسی دلیل کے میری آیتوں کو جھٹلاتے تھے؟ اور اگر یہ نہیں تو پھر تم اور کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے تمہیں میری آیتوں میں غور وفکر کرنے کا موقع ہی نہ ملا؟

[۷۹] قیامت کے دن جب ظالموں کے حق میں عذاب کا فیصلہ سنایا جائے گا تو ان کے مظالم اتنے واضح ہوں گے کہ وہ کوئی عذر پیش نہیں کر سکیں گے اور حیرانی کے عالم میں ایسے خاموش کھڑے رہ جائیں گے جیسے ان کی زبانوں کو سی دیا گیا ہو۔

[۸۰] اللہ تعالیٰ نے رات اس لئے بنائی تاکہ اس کی تاریکی میں لوگ آرام کر سکیں اور دن اسے لئے بنایا تاکہ اس کی روشنی میں لوگ روزگار کما سکیں۔ یہ حسین نظام ایک عظیم مدبر یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتا ہے جس نے نظام زندگی میں توازن قائم رکھنے کے لئے دن اور رات کا سلسلہ شروع کیا۔

وَ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ۝۸۷

۸۷۔ اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو وہ سب گھبرا جائیں گے جو آسمان میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سوائے ان کے جن کو اللہ چاہے، اور سب اس کی بارگاہ میں عاجزی کرتے ہوئے حاضر ہوں گے۔ [۸۱]

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ۝۸۸

۸۸۔ اور (اے انسان!) تو پہاڑوں کو دیکھے گا تو گمان کرے گا کہ وہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے، [۸۲] یہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے، بے شک وہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ [۸۳]

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ۝۸۹

۸۹۔ جو شخص نیکی لے کر آئے گا اس کے لئے اس سے بہتر اجر ہوگا اور وہ لوگ اس دن گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے۔ [۸۴]

---

[۸۱] حضرت اسرافیل علیہ السلام جب پہلی بار صور پھونکیں گے تو زمین و آسمان میں رہنے والے سب گھبرا جائیں گے سوائے ملائکہ، انبیاء اور شہداء کرام کے۔ (صفوۃ التفاسیر) ان کو اللہ تعالیٰ گھبراہٹ سے محفوظ رکھے گا اور دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا جس سے سارے لوگ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے تو سب عاجزی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔

[۸۲] قیامت کے دن پہاڑوں کی مختلف حالتیں بیان کی گئی ہیں یعنی بظاہر تو وہ اپنی جگہ پر جمے ہوئے نظر آئیں گے لیکن حقیقت میں وہ چل رہے ہوں گے کیونکہ بڑی جسامت والی چیزیں جب چل رہی ہوں تو ان کی حرکت محسوس نہیں ہوتی جیسے زمین متحرک ہے مگر ہم اس کی حرکت کو محسوس نہیں کرتے اسی طرح قیامت کے دن یہ پہاڑ بھی چل رہے ہوں گے، پھر اچانک انہیں اٹھا کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور وہ غبار، بادل اور روئی کے گالوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے۔

[۸۳] یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم کاریگری ہے کہ اس نے ہر چیز کو اس کی ضرورت کے مطابق درست، مضبوط اور عمدہ پیدا کیا ہے۔ زمین و آسمان اور سورج، چاند کے نظام کو ہی دیکھیں عرصہ دراز سے کیسا درست اور عمدہ چل رہا ہے، اس میں کہیں کوئی نقص پیدا نہیں ہوا، لیکن اس کی قدرت ہر چیز پر غالب ہے اور قیامت کے دن یہ بلند و بالا اور بھاری بھرکم پہاڑ اس کے حکم سے بادلوں اور روئی کے گالوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے۔ اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبی نے نبی کریم ﷺ کا ایک ارشاد نقل فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو جس کام کو کرے بڑی عمدگی سے کرے۔'' (تفسیر قرطبی) یعنی مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر کام کو پوری توجہ اور عمدگی سے کرے کیونکہ نماز جیسا اچھا کام بھی اگر نیم دلی سے کیا جائے تو وہ بھی قبول نہیں ہوتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔ (قرآن ۱۰۷: ۵)

[۸۴] قیامت کے دن سب لوگ اللہ تعالیٰ کے جلال سے خوف زدہ ہوں گے لیکن جو لوگ مقبول نیکیاں لے کر آئیں گے انہیں ہر نیکی

وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

۹۰۔ اور جو شخص برائی لے کر آئے گا تو ان کو منہ کے بل آگ میں پھینک دیا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا:) تمہیں وہی بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ [۸۵]

اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَ لَهٗ كُلُّ شَیْءٍ ؗ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۱﴾

۹۱۔ مجھے صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اس شہر کو عزت والا بنایا ہے اور ہر چیز اسی کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں رہوں۔ [۸۶]

وَ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴿۹۲﴾

۹۲۔ اور یہ کہ میں قرآن پڑھ کر سناؤں، پس جس نے ہدایت قبول کی تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے ہدایت قبول کرتا ہے اور جو گمراہ ہوا تو آپ فرمادیں کہ میں تو صرف عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ہوں۔ [۸۷]

کے بدلہ میں کم از کم دس گنا زیادہ اجر ملے گا۔ جب انہیں اپنی نیکیوں کا عظیم اجر ملے گا تو وہ قیامت کی گھبراہٹ سے محفوظ ہو جائیں گے۔

[۸۵] قیامت کے دن جو لوگ کفر و شرک لے کر آئیں گے ان کو جہنم میں پھینکا جائے گا اور انہیں بتایا جائے گا کہ تمہارے ساتھ کوئی ظلم نہیں ہو رہا بلکہ جو تم دنیا میں کرتے تھے آج اسی کا بدلہ دیا جا رہا ہے۔

[۸۶] نبی کریم ﷺ نے اہل مکہ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی دعوت دی اور فرمایا: اگر تم اس کی عبادت نہ کرو تو پھر بھی مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں جو نہ صرف مکہ شہر کا رب ہے بلکہ کائنات کی ہر چیز اسی کی ملکیت میں ہے۔ میں اسی حقیقی رب کا فرماں بردار ہوں اور اسی کا نازل کردہ قرآن تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں۔

اس آیت میں شہر سے مراد مکہ مکرمہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کئی لحاظ سے عزت عطا فرمائی ہے یعنی اس شہر میں خانہ کعبہ اور صفا و مروہ ہیں، نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت بھی اسی شہر میں ہوئی اور اسی شہر میں ہر سال لاکھوں لوگ حج کے لئے جمع ہوتے ہیں۔

[۸۷] اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ میں لوگوں کو گمراہی کے انجام بد سے خبردار کروں، پس جس نے ہدایت قبول کر لی اس میں اسی کا فائدہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائے گا اور جو گمراہی پر قائم رہا اسے اپنی گمراہی کے انجام بد سے

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۹۳

۹۳۔ اور آپ فرما دیجئے: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، وہ عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا تو تم انہیں پہچان لو گے، اور آپ کا رب ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔ [۸۸]

ہمکنار ہونا پڑے گا۔

[۸۸] جو لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں جب وہ قیامت کی نشانیاں دیکھ لیں گے اور حشر کا میدان قائم ہو جائے گا تو انہیں آخرت کا یقین ہو جائے گا مگر اس وقت کا ایمان مقبول نہیں ہو گا۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ : جامعہ الکرم، انگلستان

بعد از نماز ظہر بروز بدھ ۱۹ راگست ۲۰۰۹ء بمطابق ۲۷ شعبان ۱۴۳۰ھ

☆ اس سورت کی ابتدائی چودہ آیات کی تفسیر نیویارک امریکہ میں لکھی گئی جس کی تفصیل گزشتہ سورت کے آخر میں ملاحظہ کریں۔

☆ اس سورت کی پانچ آیات (۱۵ تا ۱۹) کی تفسیر ایبلا شام ہوٹل دمشق کے کمرہ نمبر ۵۴۷ میں لکھی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دمشق میں برٹش سفارت خانہ اور شام کے محکمہ اوقاف نے مل کر ''اسلام میں پیغام امن'' کے نام سے یکم اور دو جون ۲۰۰۹ء کو ایک کانفرنس کا انتظام کیا جس میں مختلف ممالک سے تین سو علماء و مشائخ کو دعوت دی گئی۔ اس میں شرکت کے لئے مجھے بھی مدعو کیا گیا۔ اجلاسات کے علاوہ فارغ اوقات میں تفسیر لکھتا رہا۔ اس سفر میں میرا بڑا بیٹا بختیار حیدر پیرزادہ میرے ساتھ تھا اور اس کا قیام کمرہ نمبر ۵۴۹ میں تھا۔

☆ اس سورت کی سات آیات (۲۵ تا ۳۱) کی تفسیر المملکۃ المغربیۃ کے شہر مراکش کے ہوٹل منصور الذہبی کے کمرہ نمبر ۱۴۴۴ میں لکھی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مراکو (morroco) کے محکمہ اوقاف نے ۱۰ تا ۱۲ جولائی ۲۰۰۹ء کو دوسری عالمی تصوف کانفرنس منعقد کی جس میں برطانیہ سے مجھے بھی مدعو کیا گیا، جہاں میں نے اپنے فارغ اوقات میں ان آیات کی تفسیر لکھی۔ اس سفر میں میرے ساتھ میرا چھوٹا بیٹا معروف پیرزادہ بھی تھا اور اس کا قیام کمرہ نمبر ۱۴۴۰ میں تھا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سورۃ القصص (۲۸)

یہ سورت مکی ہے اور اس کا نام ''القصص'' ہے جو کہ آیت نمبر ۲۵ سے ماخوذ ہے۔

اس سورت کا ابتدائی آدھا حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصص پر مشتمل ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے لے کر ان کے رسول بنائے جانے تک کے واقعات کو اس قدر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ نزول قرآن سے پہلے کسی کو اتنی تفصیل کا علم نہیں تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعات اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

فرعون کی حکمرانی اور بنی اسرائیل کی غلامی میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ مادہ پرست قوتیں کچھ عرصہ کے لئے اہل ایمان کو کمزور تو کرسکتی ہیں لیکن انہیں ہمیشہ کے لئے فنا نہیں کرسکتیں۔ اہل ایمان جب کوتاہی کرتے ہیں تو انہیں آزمائشوں میں مبتلا کیا جاتا ہے لیکن جب وہ اپنی اصلاح کرلیں تو پھر ایمان کی برکتوں کا ظہور ہوتا ہے۔

اس واقعہ میں ایک طرف کفار مکہ کے لئے درس عبرت ہے کہ وہ فرعون اور اس کی حکومت سے زیادہ طاقتور نہیں ہیں۔ جب فرعون اور اس کے لشکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغام توحید سے نہ روک سکے تو اہل مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام توحید سے کیسے روک سکتے ہیں، اور دوسری طرف اہل ایمان کو تسلی دی جارہی ہے کہ جب فرعون جیسا طاقتور حکمران اسلام کو ختم نہیں کرسکا تو کفار مکہ بھی اسلام کو ختم نہیں کرسکتے۔ بالآخر اہل ایمان ہی غالب آئیں گے۔

اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ایک شخص (قارون) کا بھی قصہ بیان کیا گیا ہے جو انتہائی غریب تھا اور جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ بہت بڑا امیر ہوگیا تو انتہائی کنجوس اور سرکش بن گیا جس کی سزا کے طور پر اس کو خزانوں سمیت زمین میں غرق کردیا گیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اس دنیاوی مال ومتاع کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھتے ہیں وہ سخی بن جاتے ہیں، خود بھی اس سے استفادہ کرتے ہیں اور مخلوق خدا کو بھی فائدہ پہنچاتے ہیں، وہ لوگوں میں بھی عزت پاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی سرخرو ہوتے ہیں اور جو لوگ اس مال و دولت کو اپنے علم کا نتیجہ سمجھتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ علم بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی عطا ہے تو وہ قارون کی طرح کنجوس بن جاتے ہیں، نہ خود اس مال کو استعمال کرتے ہیں اور نہ ہی مخلوق خدا کو اس سے استفادہ کرنے دیتے ہیں وہ اس دنیا میں لوگوں کی نفرت کا نشانہ بنتے ہیں اور آخرت میں پچھتاتے ہیں۔

فقیر : محمد امداد حسین پیرزادہ : جامعہ الکرم ایٹن ہال، انگلستان
بعد از نماز ظہر بروز ہفتہ ۲۲/اگست ۲۰۰۹ء بمطابق یکم رمضان ۱۴۳۰ھ

ایاتہا ۸۸ ۲۸ سُوْرَۃُ الْقَصَصِ مَکِّیَّۃٌ ۴۹ رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ۝۱

۱۔ طا سین میم۔[۱]

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲

۲۔ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔[۲]

نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۳

۳۔ ہم آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا کچھ حال ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں[۳] ان لوگوں (کے فائدہ) کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔[۴]

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ

۴۔ بے شک فرعون ملک (مصر) میں سرکش ہو گیا تھا اور اس نے ملک (مصر) کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا، اس نے ان میں سے ایک گروہ (بنی اسرائیل) کو کمزور کر دیا تھا،[۵] وہ ان کے لڑکوں کو

[۱] حروف مقطعات کے لئے سورہ بقرہ کی پہلی آیت کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

[۲] قرآن مجید ایک واضح اور روشن کتاب ہے، اس میں کسی شک یا ابہام کی گنجائش نہیں ہے، لہٰذا اس میں بیان ہونے والے سارے احکام اور قصص بھی بالکل واضح اور روشن ہیں۔

[۳] عرب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ بڑا مشہور تھا مگر وہ مختصر اور مبہم تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کو پوری تفصیل کے ساتھ بالکل اس طرح بیان فرمایا جس طرح پیش آیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔

[۴] اس واقعہ میں اگرچہ سب لوگوں کے لئے درس عبرت ہے مگر اس سے فائدہ وہی حاصل کرتے ہیں جو قرآن مجید اور اس کے قصص کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سچے تاریخی واقعات کا سننا اور سنانا اور ان میں غور و فکر کرنا عبادت ہے۔

[۵] ملک مصر میں فرعون کی بادشاہی تھی اور وہ اتنا متکبر اور سرکش تھا کہ اپنے آپ کو سب سے بڑا رب کہلاتا تھا اور لوگ اس کی عبادت کرتے تھے۔ اس نے اپنے ملک کے عوام کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک گروہ یعنی قبطیوں کو اس نے سردار

مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ④

ذبح کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا، بے شک وہ فسادی لوگوں میں سے تھا۔ [۶]

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ⑤

۵۔ اور ہم نے چاہا کہ ہم ان لوگوں پر احسان کریں جن کو ملک (مصر) میں کمزور کر دیا گیا تھا اور یہ کہ ہم ان کو پیشوا بنا دیں اور ان کو (مصر کا) وارث بنا دیں۔ [۷]

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ⑥

۶۔ اور یہ کہ ہم انہیں ملک (مصر) میں اقتدار بخشیں اور فرعون، ہامان اور ان دونوں کے لشکروں کو ان (بنی اسرائیل) کی طرف سے وہ انجام دکھا دیں جس سے وہ ڈرا کرتے تھے۔

بنا رکھا تھا کیونکہ مصر کے اصلی باشندے قبطی تھے اور فرعون بھی انہی میں سے تھا۔ دوسرا گروہ بنی اسرائیل کا تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے دور حکومت میں مصر آ کر آباد ہو گئے تھے، ان کو فرعون نے ذلیل کر رکھا تھا، یہ نچلے شہری شمار ہوتے تھے اور قبطیوں کی خدمت کر کے گزر اوقات کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مصر میں جب بنی اسرائیل کی تعداد زیادہ ہو گئی تو وہ متکبر اور نافرمان بن گئے، نہ خود نیکی کرتے، نہ نیکی کرنے کا حکم دیتے اور نہ برائی سے روکتے جس کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان پر قبطیوں کو مسلط کر دیا تھا۔ (تفسیر خازن)

[۶] فرعون کو نجومیوں نے بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جو اس کے اقتدار کے زوال کا سبب بنے گا اس لئے فرعون نے بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ہر بچے کو قتل کر دینے کا حکم جاری کر دیا اور بنی اسرائیل کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیا جاتا تاکہ وہ قبطیوں کی لونڈیاں بن کر رہیں۔ نیز عورتوں سے کسی مخالفت کا خطرہ بھی نہیں تھا کیونکہ کاہنوں نے صرف لڑکے کا ذکر کیا تھا۔ بنی اسرائیل کو ذلیل کرنے اور ان کے لڑکوں کو قتل کر دینے کی وجہ سے واقعی وہ بڑا ظالم اور فسادی تھا۔

[۷] فرعون نے ایک ظلم تو یہ کیا کہ بنی اسرائیل کو اپنے ملک میں نچلے درجے کا شہری اور غلام بنا دیا اور دوسرا ظلم یہ کیا کہ بنی اسرائیل کے پیدا ہونے والے ہزاروں لڑکوں کو صرف اس لئے قتل کرا دیا کہ کہیں ان میں وہ بچہ نہ ہو جو اس کے اقتدار کے لئے خطرہ بننے والا ہے مگر اسے یہ علم نہیں تھا کہ کفر و شرک کے ساتھ تو حکومتیں قائم رہ سکتی ہیں لیکن ظلم و ستم کی وجہ سے حکومتیں ٹوٹ جاتی ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اس کے مظالم کی سزا دینے کے لئے بنی اسرائیل پر احسان فرمایا اور ان کو ملک مصر کا مذہبی رہنما، وارث اور حکمران بنانے کا ارادہ فرمایا اور فرعون، اس کے وزیر ہامان اور اس کے لشکروں کو جس بچے سے خطرہ تھا اللہ تعالیٰ نے اسی بچے کو فرعون کے محلات میں پروان چڑھانے کا انتظام فرما دیا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

۷۔ اور ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف الہام کیا کہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلاتی رہو، پھر جب تمہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اندیشہ لاحق ہو تو ان کو دریا میں ڈال دینا اور کوئی خوف اور غم نہ کرنا، بے شک ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی طرف لوٹا دیں گے اور ہم ان کو رسولوں میں سے بنانے والے ہیں۔ [۸]

فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا

۸۔ پھر فرعون کے گھر والوں نے اس (بچہ) کو اٹھا لیا تاکہ

[۸] فرعون نے بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ہر بچے کو قتل کرنے کا حکم جاری کر دیا، اس طرح ۷۰ ہزار کمسن بچے قتل کر دیئے گئے۔ (تفسیر قرطبی) انہی دنوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔

علامہ بغوی نے وہب بن منبہ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو حمل ہو گیا تو نہ تو ان کا پیٹ پھولا، نہ ان کا رنگ بدلا اور نہ ان کا دودھ ظاہر ہوا، اس لئے کسی دائی کو ان کے حمل کا احساس نہ ہوا اور جس رات حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو سوائے ان کی بہن مریم کے کسی کو علم نہ ہوا۔ تین ماہ تک حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کا دودھ پیتے رہے، اس دوران نہ وہ روئے اور نہ انہوں نے حرکت کی جس کی وجہ سے کسی پڑوسی کو بھی ان کی پیدائش کا علم نہ ہوا۔

(تفسیر بغوی: معالم التنزیل)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ماں کا حمل ظاہر نہ ہونا اور پیدائش کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نہ رونا، یہ ایسے غیر فطری عوامل تھے جن کی وجہ سے ان کی والدہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا یہ بچہ غیر معمولی شان کا حامل ہوگا اور ان کو اس وقت مزید تسلی ہوگئی جب اللہ تعالیٰ نے ان کو الہام فرمایا یعنی ان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ اس بچے کو دودھ پلاتی رہیں اور جب ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے متعلق اندیشہ لاحق ہو تو ان کو صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیں، ان کے متعلق کوئی فکر اور غم نہ کریں، ان کو اپنی ماں کی طرف لوٹا دیا جائے گا، وہ سلامتی کے ساتھ پروان چڑھے گا اور جوان ہونے کے بعد ان کو رسول بنایا جائے گا۔

اس آیت میں وحی سے مراد وہ وحی نہیں جو نبیوں کی طرف کی جاتی ہے بلکہ یہ وہ الہام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے دلوں میں ڈالتا ہے کیونکہ کوئی عورت نبی نہیں بنائی گئی۔ اس سلسلہ میں سورہ آل عمران (۳) کی آیت نمبر ۴۲ کا حاشیہ نمبر ۱۲ ملاحظہ کریں۔

وَحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ ⑧

وہ ان کے لئے دشمن اور باعث غم ہو جائے، بے شک فرعون، ہامان اور ان دونوں کے لشکر سب خطا کار تھے۔[۹]

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑨

۹۔اور فرعون کی بیوی نے (فرعون سے) کہا: یہ بچہ تو میری اور تیری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، شاید یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں، اور وہ (اس کے انجام سے) بے خبر تھے۔[۱۰]

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑩

۱۰۔اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا، اگر ہم نے اس کے دل کو مضبوط نہ کر دیا ہوتا تو قریب تھا کہ وہ اس راز کو ظاہر کر دیتیں تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر) یقین کرنے والوں میں سے رہے۔[۱۱]

---

[۹] حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صندوق دریائے نیل میں بہتا ہوا جب فرعون کے محل کے قریب پہنچا تو درباریوں نے اسے نکال کر فرعون اور اس کی بیوی کے سامنے پیش کر دیا۔انہوں نے اس بچے کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک سمجھ کر اپنے محل میں رکھنے کا فیصلہ کیا لیکن اس کا انجام یہ ہوا کہ وہ بچہ فرعون کے لئے دشمن اور باعث رنج و غم ثابت ہوا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ فرعون اور اس کے لشکر سارے ظالم اور خطا کار تھے۔اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ان کے محل میں پروان چڑھنے والے بچے کو ہی ان کی ہلاکت کا ذریعہ بنا دیا۔

[۱۰] اس بچے کو دیکھ کر فرعون کی بیوی نے فرعون سے کہا: ہمارے ہاں بیٹا نہیں ہے، یہ خوبصورت بچہ ہے، ہم اس کو اپنا بیٹا بنا لیتے ہیں، یہ بڑا ہو کر ہماری آنکھوں کے لئے خوشی اور سکون کا ذریعہ ہو گا لیکن وہ اس کے انجام سے بے خبر تھے کہ یہ تو وہی بچہ ہے جو بالآخر فرعون کی ہلاکت کا سبب بنے گا۔

[۱۱] علامہ فخر الدین رازی نقل کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو جب یہ اطلاع ملی کہ اس کا بیٹا فرعون کے پاس پہنچ گیا ہے تو شیطان نے اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ تو نے اپنے بچے کو دریا میں اس لئے ڈالا تھا کہ اسے فرعون قتل نہ کر سکے لیکن اب تیرے بچے کو دریا سے نکال کر فرعون کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے، لہٰذا وہ اسے قتل کر دے گا۔(تفسیر کبیر) اس وسوسہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل ہر قسم کے دیگر خیالات سے خالی ہو گیا اور صرف اپنے بیٹے کے غم اور فکر سے بھر گیا کہ اب اس کے بیٹے کا کیا بنے گا؟ اور یہ بے قراری اتنی شدید ہو گئی کہ قریب تھا کہ وہ اس راز کو فاش کر دیتیں کہ یہ اس کا بیٹا ہے

وَقَالَتْ لِأُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۙ﴿۱۱﴾

۱۱۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہا: تو اس کے پیچھے پیچھے جا، سو وہ دور دور سے اسے دیکھتی رہی اور فرعونیوں کو اس کا شعور نہ ہوا۔[۱۲]

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اور ہم نے پہلے ہی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا: کیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کی نشاندہی کروں جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کریں اور وہ اس بچہ کے لئے خیر خواہ بھی ہوں۔[۱۳]

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع

۱۳۔ پس ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمگین نہ ہو اور تاکہ وہ یہ بھی جان لے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔[۱۴]

لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو مضبوط کیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین رکھے کہ وہ اس کا بچہ اسے واپس لوٹا دے گا۔

[۱۲] حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے اپنے بیٹے کو دریا میں ڈالنے کے بعد اپنی بیٹی سے کہا کہ وہ اس صندوق کا تعاقب کرے کہ یہ کہاں جاتا ہے؟ چنانچہ وہ دور دور سے اپنے بھائی کے صندوق کو اس انداز سے دیکھتی رہی کہ فرعونیوں کو یہ احساس نہ ہوا کہ اس لڑکی کا صندوق اور بچہ کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔

[۱۳] جب یہ صندوق فرعون کے محلات میں پہنچ گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زندہ رکھنے کا فیصلہ کر لیا گیا تو فرعون کی بیوی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کے لئے کئی عورتوں کو بلایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن بھی دیگر عورتوں کے ساتھ محل میں داخل ہو گئی اور دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کا دودھ نہیں پیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوسری عورتوں کا دودھ پینا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حرام کر دیا تھا۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے فرعون کی بیوی سے کہا: میں تمہیں ایک عورت بتاتی ہوں۔ اس کا دودھ یہ بچہ پی لے گا اور وہ عورت تمہارے لئے بڑی محبت اور خیر خواہی کے ساتھ اس بچے کی پرورش کرے گی۔

[۱۴] حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن اپنی ماں کو بلا لائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں کا دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کی بیوی بڑی خوش ہوئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں سے کہا: تم یہاں محلات میں رہ کر اس بچے کی پرورش کرو، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے کہا: میں اپنے خاوند اور بچوں کو چھوڑ کر یہاں نہیں رہ سکتی، چنانچہ یہ طے پایا کہ وہ بچے کو اپنے ساتھ

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤی اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی جوانی کو پہنچ گئے اور توانا ہو گئے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا، اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔ [۱۵]

وَدَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰی حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ ٭ هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْهِ ٭ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام (ایک روز ایسے وقت مصر) شہر میں داخل ہوئے جب کہ شہر کے باشندے غفلت میں تھے تو انہوں نے اس میں دو مردوں کو آپس میں لڑتے ہوئے پایا، یہ ایک تو ان کی اپنی قوم (بنی اسرائیل) سے تھا اور یہ دوسرا ان کے دشمنوں (قوم فرعون) میں سے تھا، پس جو شخص ان کی اپنی قوم سے تھا، اس نے موسیٰ علیہ السلام سے مدد مانگی اس شخص کے خلاف جو ان کے دشمنوں میں سے تھا، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کو مکا مارا تو اس کا کام تمام کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہ شیطان کا کام ہے، بے شک وہ بہکانے والا صریح دشمن ہے۔ [۱۶]

اپنے گھر لے جائے، وہیں اس کی پرورش کرے اور اس کی اجرت شاہی خزانہ سے دی جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے یہ اجرت اس لئے قبول کر لی تاکہ اس کا راز فاش نہ ہو کیونکہ اگر فرعون کو یہ پتہ چل جاتا کہ یہ اس کی حقیقی ماں ہے اور اس نے قتل سے بچنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈالا تھا تو ممکن ہے فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی کوشش کرتا۔ بہرحال اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واپس اپنی ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو اور اسے یہ بھی یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے لیکن اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین نہیں رکھتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دودھ چھوڑنے تک اپنی والدہ کے پاس اپنے گھر میں رہے، اس کے بعد فرعون کے محل میں منتقل ہو گئے۔

[۱۵] حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بھرپور جوانی کو پہنچ گئے اور ان کی نشو و نما مکمل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت و دانائی اور ان کے آباء کے دین کا علم عطا فرمایا۔ (تفسیر قرطبی) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ دونوں نیکوکار تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر خصوصی کرم فرمایا یعنی ان کو فرعون کے مظالم سے بچایا اور نیکی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اسی طرح بہتر بدلہ عطا فرماتا ہے۔

[۱۶] حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم و حکمت کے ذریعہ اپنے دین توحید کا عرفان ہو گیا تو آپ نے فرعون اور اس کی قوم کے کفر و شرک کی مذمت شروع کر دی۔ اس پر فرعون کی قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف ہو گئی اور فرعون نے بھی

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَغَفَرَلَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، سو تو مجھے معاف فرما دے، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا، بے شک وہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ [۱۷]

قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! اس وجہ سے کہ تو نے مجھ پر احسان فرمایا اب میں ہرگز مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔ [۱۸]

ان سے تعلق توڑ کر انہیں شہر سے نکال دیا۔ وہ چند سال شہر سے غائب رہے اور جب کسی کام کے لئے ان کو شہر میں آنا پڑتا تو ایسے اوقات میں آتے کہ کسی کو ان کے آنے کی خبر نہ ہو۔ (تفسیر قرطبی)

چنانچہ آپ ایک روز ایسے ہی وقت شہر میں داخل ہوئے جب لوگ سو رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ دو آدمی آپس میں دست و گریباں ہیں، ان میں سے ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے اسرائیلی تھا اور دوسرا فرعون کی قوم سے قبطی تھا۔ اسرائیلی نے قبطی کے خلاف مدد مانگی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو دست درازی سے منع فرمایا تو وہ اسرائیلی کو چھوڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لڑنے لگا تو حضرت موسیٰ نے اس سے جان چھڑانے کے لئے اسے ایک مکا رسید کر دیا جس سے اس قبطی کی موت واقع ہوگئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس قبطی کو قتل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ کسی کو قتل کرنا شیطان کا کام ہے اور وہ انسان کا کھلا دشمن ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس فریادی کی مدد اس لئے نہیں کی کہ وہ اسرائیلی تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ مظلوم کی مدد کرنا ہر دین میں فرض ہے۔ (تفسیر قرطبی)

[۱۷] بلا ارادہ قتل اگرچہ گناہ نہیں تھا لیکن نبی کا تقویٰ اتنا عظیم ہوتا ہے کہ وہ خلاف اولیٰ اور معمولی خطا کو بھی اپنے حق میں ظلم تصور کرتا ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے آپ کو ظالم کے لفظ سے یاد فرمایا، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس اتفاقیہ قتل کو اپنے حق میں ظلم تصور کیا اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔

[۱۸] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! تو نے مجھ پر بے شمار احسانات فرمائے یعنی پیدائش کے وقت مجھے قتل ہونے سے بچایا، مجھے علم و حکمت اور اپنا عرفان عطا فرمایا، مجھے فرعونیوں کے کفر و شرک سے بچایا اور ہدایت پر ثابت قدم رکھا، اب مزید کرم فرما اور توفیق دے کہ میں آئندہ بھی تیرے منکروں اور مجرموں کا مددگار نہ بنوں۔ (تفسیر قرطبی) کیونکہ مجرموں اور ظالموں کا مددگار بھی ظالم ہوتا ہے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں کبھی بھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔

☆ اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے: جو شخص کسی مظلوم کی مدد کے لئے اس کے ساتھ

فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآىِٕفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤى اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں صبح کی (کہ اب اس قتل کا کیا ہوگا؟) پس اچانک وہی شخص جس نے گزشتہ روز ان سے مدد طلب کی تھی (آج پھر) ان کو مدد کے لئے پکار رہا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا: بے شک تو صریح گمراہ ہے۔[۱۹]

فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوْسٰۤى اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖۗ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَ مَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ اس (قبطی) کو پکڑیں جو ان دونوں کا دشمن ہے تو اس (اسرائیلی) نے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام! کیا تم چاہتے ہو کہ مجھے بھی قتل کر ڈالو جس طرح کل تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا، تم تو صرف یہی چاہتے ہو کہ اس ملک میں بڑے جابر بن جاؤ اور تم نہیں چاہتے کہ اصلاح کرنے والوں میں سے بنو۔[۲۰]

چلے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے قدموں کو پل صراط پر ثابت قدم رکھے گا اور جو شخص کسی ظالم کی مدد کے لئے اس کے ساتھ چلے گا تو قیامت کے دن اس کے قدم پل صراط سے پھسل جائیں گے۔ (تفسیر قرطبی)

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں مظلوم کی مدد کروں (یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے) لیکن میں ظالم کی مدد کیسے کروں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ظالم کو ظلم سے روکو، یہ اس کی مدد ہے۔ (ترمذی: ۲۲۵۵: ابواب الفتن: باب ۶۸)

[۱۹] قبطی کے مرجانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے ریت میں دفن کر دیا اور اس ساری کاروائی کا اس اسرائیلی کے علاوہ کسی کو علم نہیں تھا کیونکہ سب لوگ اس وقت سو رہے تھے اور بازار خالی تھے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اندیشہ تھا کہ کہیں وہ اسرائیلی اس راز کو فاش نہ کر دے اس لئے وہ حالات کا جائزہ لینے کے لئے جب دوسرے دن باہر نکلے تو دیکھا کہ وہی اسرائیلی آج پھر کسی اور کے ساتھ دست و گریباں ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدد کے لئے پکار رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس پر بڑا غصہ آیا اور اسے ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا: آج پھر تم لڑائی میں ملوث ہو، اس سے معلوم ہوا تم بڑے جھگڑالو اور گمراہ ہو۔

[۲۰] حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے تاکہ قبطی کو پکڑیں اور لڑائی ختم کرا دیں مگر چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلی پر غصہ کا اظہار کیا تھا اس لئے اسرائیلی کو غلط فہمی ہوگئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے پکڑنے کے لئے آگے آ رہے ہیں، چنانچہ وہ پکار اٹھا: کیا تم

وَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰی ۫ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور ایک شخص شہر کے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا: اے موسیٰ! بے شک (قوم فرعون کے) سردار آپ کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ وہ آپ کو قتل کر ڈالیں، لہٰذا آپ یہاں سے نکل جائیں، بے شک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں۔[۲۱]

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۱﴾ ع

۲۱۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام (اپنی گرفتاری کی) توقع کرتے ہوئے خوفزدہ ہو کر اس شہر سے نکل کھڑے ہوئے اور دعا کی: اے میرے رب! مجھے اس ظالم قوم سے نجات عطا فرما۔[۲۲]

وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْیَنَ قَالَ عَسٰی رَبِّیْۤ اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کی طرف رخ کیا تو کہنے لگے: امید ہے میرا رب مجھے سیدھا راستہ دکھا دے گا۔[۲۳]

آج مجھے بھی قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح کل تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا۔ تم تو اس ملک میں جابر بننا چاہتے ہو اور صلح کرانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ اس طرح اسرائیلی کی حماقت سے گزشتہ دن کے قتل کا راز فاش ہو گیا اور قبطی نے جا کر فرعون کو بتا دیا کہ کل کے قتل کے ذمہ دار حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

[۲۱] جب فرعون کو قاتل کا علم ہو گیا تو اس نے اپنی قوم کے سرداروں کو شہر کے آخری کنارے اپنے دارالحکومت میں بلایا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک خیر خواہ کو اس سازش کا علم ہوا تو وہ دوڑتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور حکومت کے ارادہ سے مطلع کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ وہ فوراً اس شہر سے نکل جائیں ورنہ انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے گا۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہو سکتا ہے کہ جب کفار مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کریں گے اور آپ کو مکہ سے نکلنا پڑے گا تو آپ کو علم ہو گا کہ یہ صرف میرے ہی ساتھ نہیں ہوا بلکہ پہلے انبیاء علیہم السلام کے خلاف بھی ان کی قوموں نے اس قسم کی سازشیں کی تھیں۔

[۲۲] چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکل کھڑے ہوئے اور گرفتاری کا اندیشہ بھی دامن گیر تھا اس لئے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ انہیں ظالم قوم کی گرفتاری سے بچالے۔

[۲۳] اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب مصر میں اپنی جان کا خطرہ لاحق ہوا تو انہوں نے مدین

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۠ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں لوگوں کا ایک ہجوم ہے جو (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہا ہے اور ان سے الگ دو عورتوں کو دیکھا جو (اپنی بکریوں کو پانی پر جانے سے) روکے ہوئے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: تم دونوں اس حال میں کیوں کھڑی ہو؟ ان دونوں نے جواب دیا: ہم (اپنی بکریوں کو) پانی نہیں پلا سکتیں جب تک کہ سارے چرواہے (اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر) واپس نہ چلے جائیں اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں۔ [۲۴]

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ پس ان دونوں (کی بکریوں) کو پانی پلا دیا، پھر سایہ کی طرف آ گئے اور عرض کیا: اے میرے رب! بے شک میں اس بھلائی کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف اتاری ہے۔ [۲۵]

کا رخ کیا کیونکہ مدین فرعون کی حکومت سے باہر تھا۔ مصر سے مدین کا سفر آٹھ دن کا تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہ سواری تھی اور نہ زادِ راہ اس لئے راستہ میں درختوں کے پتوں سے اپنی بھوک کا مداوا کرتے رہے۔ نیز آپ کو مدین کا راستہ بھی معلوم نہیں تھا صرف سمت کا علم تھا اس لئے اندازاً اس سمت رخ کر کے روانہ ہو گئے اور اضطرار کی اس حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا کہ وہی ان کو سیدھا راستہ دکھا دے گا۔ (تفسیر قرطبی)

[۲۴] حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک کنویں پر بہت سے لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے ہیں اور دو عورتیں علیحدہ ایک کونے میں خاموش کھڑی ہیں جو اپنی بکریوں کو کنویں پر جانے سے روکے ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا: تم اس طرح الگ کیوں کھڑی ہو اور اپنی بکریوں کو پانی کیوں نہیں پینے دیتیں؟ انہوں نے جواب دیا: ہم کمزور عورتیں ہیں مردوں کے اس رش میں آگے بڑھ کر اپنی بکریوں کے لئے پانی نکالنا ہمارے بس میں نہیں ہے، پھر ہم کو مردوں سے اختلاط کرنے میں شرم بھی آتی ہے، اس لئے ہم انتظار کر رہی ہیں جب یہ سارے چرواہے اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر چلیں جائیں گے تو ہم اپنی بکریوں کو پانی پلائیں گی۔ ہمارے باپ بہت بوڑھے اور ضعیف ہیں، اگر طاقتور ہوتے تو وہ خود آ کر بکریوں کو پانی پلا دیتے۔

[۲۵] حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان عورتوں پر رحم آیا اور خود پانی نکال کر ان کی بکریوں کو سیراب کر دیا۔ چونکہ آپ طویل سفر کر کے

فَجَآءَتۡهُ اِحۡدٰٮهُمَا تَمۡشِىۡ عَلَى اسۡتِحۡيَآءٍ قَالَتۡ اِنَّ اَبِىۡ يَدۡعُوۡكَ لِيَجۡزِيَكَ اَجۡرَ مَا سَقَيۡتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيۡهِ الۡقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفۡ نَجَوۡتَ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ پھران دونوں میں سے ایک عورت شرم وحیا سے چلتی ہوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی اور کہا: میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ وہ آپ کو اس کا معاوضہ دیں جو آپ نے ہمارے لئے (ہماری بکریوں کو) پانی پلایا ہے، پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آئے اور ان کے سامنے اپنا قصہ بیان کیا تو انہوں نے کہا: اب خوف نہ کرو تم نے ظالم قوم سے نجات پالی ہے۔[۲۶]

قَالَتۡ اِحۡدٰٮهُمَا يٰۤاَبَتِ اسۡتَاۡجِرۡهُ اِنَّ خَيۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِىُّ الۡاَمِيۡنُ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ ان دونوں خواتین میں سے ایک نے کہا: اے میرے باپ! ان کو اجرت پر رکھ لیں، بے شک جس کو آپ اجرت پر رکھیں ان میں سب سے بہتر وہ ہے جو مضبوط (اور) امانت دار ہو۔[۲۷]

مدین پہنچے تھے اور وہاں ان کا کوئی جاننے والا بھی نہیں تھا اس لئے آپ ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے اور عرض کی: اے میرے رب! جو مہربانی تو مجھ پر فرمانے والا ہے اس پردیس میں مجھے اس کی سخت ضرورت ہے، لہٰذا جلد کرم نوازی فرما۔

[۲۶] ان دو عورتوں کا بوڑھا باپ کون تھا؟ اگر چہ ان کے بارے میں اختلاف ہے لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک وہ حضرت شعیب علیہ السلام ہیں جو اہل مدین کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔

ان دو عورتوں نے گھر جا کر اپنے بوڑھے باپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بتایا کہ اس نے بکریوں کو پانی پلانے میں ان کی مدد کی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کے احسان کا بدلہ دینے اور ان کی میزبانی کا شرف حاصل کرنے کے لئے انہیں اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ ان دونوں میں سے ایک عورت شرم وحیا کے ساتھ چلتی ہوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی اور کہا کہ میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے باپ کے پاس پہنچے اور اپنا سارا قصہ سنایا تو حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: تم ظالموں کی گرفت سے نکل آئے ہو، لہٰذا اب تمہیں کسی فکر کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہاں فرعون کی حکومت نہیں ہے۔

[۲۷] حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے گھر چند دن مہمان رہے، اس دوران ایک روز ان دونوں عورتوں میں سے ایک نے عرض کیا: ابا جان! آپ تو بڑھاپے کی وجہ سے باہر نہیں نکل سکتے، ہمارا کوئی بھائی بھی نہیں ہے کہ وہ باہر کے کام کر سکے اور ہمیں مجبوراً باہر نکلنا پڑتا ہے، لہٰذا میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ ان کو ملازم رکھ لیں اور یہ اس کام کے لئے بہترین آدمی ہیں۔ یہ طاقتور بھی ہیں کیونکہ انہوں نے لوگوں کے ہجوم کو ہٹا کر ہماری بکریوں کے لئے پانی نکالا اور یہ دیانت دار بھی ہیں کیونکہ انہوں نے

قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَۚ وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَؕ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ انہوں نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا آپ کے ساتھ نکاح کر دوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک میرے پاس اجرت پر کام کریں، اور اگر آپ نے دس سال پورے کر دیئے تو یہ آپ کی طرف سے (احسان) ہوگا اور میں نہیں چاہتا کہ تم پر سختی کروں، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے نیک لوگوں میں سے پائیں گے۔[۲۸]

قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكَؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿۲۸﴾ ع

۲۸۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے پا گئی، ان دونوں میں سے جو مدت بھی میں نے پوری کر دی تو مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی، اور جو بات ہم کہہ رہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نگہبان ہے۔[۲۹]

ہماری کمزوری کو دیکھ کر بغیر کسی لالچ کے ہماری مدد کی اور کبھی ہماری طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنی بیٹی کا مشورہ پسند آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے ان کا کام کرنے کی حامی بھر لی۔

[۲۸] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اخلاق و کردار اور کام کو دیکھ کر حضرت شعیب علیہ السلام نے ان سے کہا: اگر تم آٹھ سال ہمارے ہاں ٹھہرنا پسند کرو تو میں اپنی ایک بیٹی کا تمہارے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہوں اور اگر آپ دس سال ٹھہرے رہیں تو یہ آپ کا احسان ہوگا لیکن اگر آپ آٹھ سال کے بعد جانا چاہیں تو آپ کو روکا نہیں جائے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے نیک اور وعدہ کا پابند پائیں گے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رضامندی ظاہر کر دی اور حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مشورہ کے بعد اپنی چھوٹی بیٹی (جس کا نام صفورہ یا صفور یا تھا) کا ان کے ساتھ نکاح کر دیا۔

☆ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: اگر تم سے دریافت کیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو مدتوں میں سے کون سی مدت پوری کی تھی؟ تو تم کہنا: جوان دونوں میں سے بہتر اور زیادہ مکمل تھی اور اگر تم سے دریافت کیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو عورتوں میں سے کس کے ساتھ نکاح کیا تھا؟ تو تم کہہ دینا: چھوٹی سے کیا تھا اور اسی نے کہا تھا: ابا جان! ان کو اجرت پر رکھ لیں۔ (معجم صغیر: طبرانی: جلد ۲: ص ۱۹)

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی تھی تو آپ نے فرمایا: جوان دونوں میں سے دور والی تھی۔ (مستدرک: امام حاکم: ۳۵۳۱: جلد ۲: ص ۴۰۷) یعنی دس سال کی مدت پوری کی تھی۔ (تفسیر کبیر)

[۲۹] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اب ہمارے درمیان بات طے ہوگئی اور اس پر اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ ان دونوں مدتوں میں سے جو

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مقررہ مدت پوری کر لی اور اپنی اہلیہ کو لے کر چلے تو انہوں نے (کوہ) طور کی جانب سے ایک آگ دیکھی، انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا: تم یہیں ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے، عنقریب میں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر لاتا ہوں یا آگ کی کوئی چنگاری لاتا ہوں تا کہ تم گرم ہو سکو۔[۳۰]

فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ﴿۳۰﴾

۳۰۔ پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو وادی کے دائیں کنارے سے بابرکت مقام میں ایک درخت سے آواز دی گئی: اے موسیٰ علیہ السلام! بے شک میں ہی اللہ ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔[۳۱]

وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَ لَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اور اپنا عصا ڈال دو، پھر جب اسے دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح لہرا رہا ہے تو آپ پیٹھ پھیر کر واپس بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (تو آواز آئی:) اے موسیٰ علیہ السلام! سامنے آؤ اور ڈرو نہیں، بے شک تم محفوظ لوگوں میں سے ہو۔[۳۲]

مدت بھی میں اپنی خوشی سے پوری کر لوں اور اس کے بعد جانا چاہوں تو آپ اس مدت میں اضافہ کا مطالبہ نہیں کریں گے۔

[۳۰] حضرت شعیب علیہ السلام کی دس سال تک بکریاں چرانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی کے ساتھ مدین سے مصر روانہ ہوئے، جب کوہ طور کے قریب پہنچے تو ایک ٹھنڈی اور اندھیری رات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دور سے ایک آگ دیکھی اور اپنی بیوی سے کہا: تم یہاں ٹھہرو، میں وہاں جاتا ہوں، آگ جل رہی ہے، ضرور کوئی آبادی ہوگی، کسی سے مصر کا صحیح راستہ دریافت کروں گا تا کہ ہم اندھیری رات میں ادھر ادھر بھٹکتے نہ پھریں یا آگ کا شعلہ ہی لے آؤں گا تا کہ آگ جلا کر سردی سے بچ سکیں۔

[۳۱] حضرت موسیٰ علیہ السلام جب وہاں پہنچے تو عجیب منظر دیکھا، وادی کے دائیں کنارے پر ایک درخت سے جو آگ بلند ہو رہی تھی وہ تو بڑا دلکش نور کا سماں تھا اور اس سے اچانک آواز آئی: اے موسیٰ علیہ السلام! اس وقت جو تم سے مخاطب ہے وہ میں اللہ ہوں اور یہ آگ نما روشنی جو تمہیں نظر آ رہی ہے یہ میری تجلی ہے۔

[۳۲] اس رات اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرما کر ان کو منصب نبوت پر فائز فرمایا۔ اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یقین

اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّ اضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۠ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو تو وہ بغیر کسی عیب کے چمکتا ہوا نکلے گا اور خوف (دور کرنے کے لئے) اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لو، پس آپ کے رب کی طرف سے یہ دو معجزے فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف (لے جانے کے لئے) ہیں، بے شک وہ نافرمان لوگ ہیں۔[۳۳]

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾

۳۳۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میں نے ان میں سے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا، سو مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

وَ اَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۫ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾

۳۴۔اور میرا بھائی ہارون وہ گفتگو کرنے میں مجھ سے زیادہ فصیح ہے، سو اس کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج دے کہ وہ میری تصدیق کرے کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔[۳۴]

تھا کہ یہ آواز اللہ تعالیٰ کی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو مزید راسخ کرنے کے لئے چند معجزات عطا فرمائے اور عصا پھینکنے کا حکم دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب عصا کو اچانک خوفناک سانپ بنتے دیکھا تو ڈر گئے اور وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! ڈرو نہیں بے شک تم ہماری حفاظت میں ہو۔

[۳۳] اللہ تعالیٰ نے عصا کے بعد دوسرا معجزہ ید بیضا کا عطا فرمایا یعنی جب آپ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالیں تو وہ چمکتا ہوا نکلے گا اور اگر کبھی خوف محسوس ہو تو اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ لو تو خوف کی کیفیت ختم ہو جائے گی، پس ان دونوں معجزات کو لے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس جاؤ، انہیں یہ معجزات دکھاؤ اور دین کی دعوت دو کیونکہ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔

[۳۴] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! فرعون کی قوم کا ایک شخص مجھ سے قتل ہو گیا تھا اس لئے ایک تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ اس طرح مجھے تو شہادت کی سعادت مل جائے گی مگر تبلیغ کا کام رک جائے گا، اور اگر انہوں نے قتل کرنے کی کوشش نہ کی تو دوسرا خطرہ یہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور میری زبان میں لکنت ہے، اس لئے میرے بھائی ہارون کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج دے کیونکہ ایک تو وہ گفتگو کرنے میں مجھ سے زیادہ فصیح ہے اور دوسرا اس کی تصدیق اور سنگت سے میرا حوصلہ بلند رہے گا۔

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عنقریب ہم تمہارے بھائی کے ساتھ تمہارا بازو مضبوط کردیں گے اور ہم تم دونوں کو ایسا غلبہ عطا کریں گے کہ وہ (تمہارے دشمن) تم تک نہیں پہنچ سکیں گے، ہماری نشانیوں کے باعث تم دونوں اور تمہارے پیروکار ہی غالب آئیں گے۔[۳۵]

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں کے پاس ہماری روشن نشانیاں لے کر پہنچے تو وہ کہنے لگے: یہ تو صرف ایک گھڑا ہوا جادو ہے اور ہم نے اپنے پہلے آباء واجداد کے زمانہ میں اس قسم کی باتیں کبھی نہیں سنیں۔[۳۶]

وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میرا رب خوب جانتا ہے جو اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے اور اس کو بھی جس کا دار آخرت میں اچھا انجام ہوگا، بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔[۳۷]

---

[۳۵] حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عنقریب ہم تمہارے بھائی ہارون علیہ السلام کو نبی بنا کر تمہارا ساتھی اور مددگار بنا دیں گے اور تم دونوں کو ایسا غلبہ عطا کریں گے کہ فرعون کے حواری تمہارے قریب نہیں آسکیں گے اور ہم نے تمہیں ایسے معجزے عطا فرمائے ہیں جن کی برکت سے بالآخر تم دونوں اور تمہارے پیروکار ہی غالب آئیں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ وہبہ زحیلی نے بعض اسلاف کا یہ قول نقل کیا ہے کہ کسی بھائی نے اپنے بھائی پر اس سے بڑا احسان نہیں کیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام پر کیا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ نے ان کے بھائی کو نبی بنا دیا اور ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا۔ (تفسیر منیر)

[۳۶] حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قوم فرعون کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے معجزات کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صرف ایک ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو وہ کہنے لگے: یہ معجزات تو کوئی گھڑا ہوا جادو ہیں اور جس دین کی یہ دعوت دیتے ہیں یہ ایسی عجیب وغریب باتیں ہیں جو نہ تو ہماری سمجھ میں آتی ہیں اور نہ ہی ہمارے باپ دادا کے زمانہ میں کبھی ایسی باتیں سنی گئیں، لہٰذا ہم ان کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

[۳۷] عصا کا اژدہا بننا اور ہاتھ کا چمکنا جیسے واضح معجزات دیکھنے کے بعد بھی جب فرعونی ایمان نہ لائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

وَ قَالَ فِرْعَوْنُ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَ اِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور فرعون نے کہا: اے درباریو! میں تمہارے لئے اپنے سوا کوئی معبود نہیں جانتا، اے ہامان! میرے لئے گارے پر آگ جلا (کر کچھ اینٹیں پکا) دے اور میرے لئے ایک اونچی عمارت بنا دے شاید میں (اس پر چڑھ کر) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خدا کا سراغ لگا سکوں اور بے شک میں تو یہی گمان کرتا ہوں کہ موسیٰ جھوٹوں میں سے ہیں۔[۳۸]

وَ اسْتَكْبَرَ هُوَ وَ جُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اور فرعون نے اور اس کے لشکروں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور انہوں نے گمان کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے۔

فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ سو ہم نے فرعون کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا اور انہیں سمندر میں پھینک دیا، پس دیکھ لو! ظالموں کا کیسا (برا) انجام ہوا؟[۳۹]

فرمایا: تم خواہ مجھے مانو یا نہ مانو بہر حال میرا رب خوب جانتا ہے کہ میں اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہوں اور وہ اس کو بھی خوب جانتا ہے جو میری دعوت کو قبول کر کے اپنے آخرت کے گھر کو اچھا بنائے گا لیکن جو لوگ اپنے حقیقی رب پر ایمان نہیں لائیں گے ظاہر ہے وہ ظالم ناشکرے ہیں اور کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔

[۳۸] اہل مصر نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا مشاہدہ کیا تو فرعون کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں اس کی قوم ان معجزات سے متاثر ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہ کر لے، اس لئے اس نے اپنے درباریوں سے کہا: میرے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے اور جس خدا کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام بلاتے ہیں ہم نے زمین پر اس کو کبھی نہیں دیکھا اور اگر آسمانوں پر کوئی ایسا خدا ہے تو ہم اس کی بھی تحقیق کر لیتے ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ وہ گارے سے اینٹیں بنوا کر انہیں آگ میں پختہ کرائے اور ان سے ایک بلند منارہ تعمیر کرائے تاکہ ہم اس پر چڑھ کر آسمان میں جھانک سکیں کہ وہاں موسیٰ کا کوئی خدا ہے یا نہیں، لیکن میرا گمان یہی ہے کہ وہاں بھی کوئی دوسرا خدا نہیں ہے اور موسیٰ اس لئے جھوٹ بول رہا ہے تاکہ تمہیں مجھ سے بدظن کر کے اس ملک پر قبضہ کر سکے۔

[۳۹] فرعون اور اس کے لشکر قیامت کے حساب و کتاب پر ایمان نہیں رکھتے تھے اس لئے انہوں نے مصر میں ظلم اور تکبر کا بازار گرم کر رکھا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کے بعد بھی وہ اپنے مظالم سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اس کے لشکروں

وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اور ہم نے ان کو (کافروں کا) پیشوا بنا دیا جو (لوگوں کو) آگ کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ [۴۰]

وَ اَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ﴿۴۲﴾ ع

۴۲۔ اور ہم نے اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگا دی ہے اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اور بے شک ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی جو لوگوں کے لئے بصیرت افروز، ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔ [۴۱]

وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ اِذْ قَضَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَ مَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ اور آپ (کوہ طور کی) مغربی جانب نہیں تھے جب ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف (رسالت کا) حکم بھیجا اور نہ آپ دیکھنے والوں میں سے تھے۔ [۴۲]

سمیت سمندر میں غرق کر دیا۔ اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے درس عبرت ہے جو انجام سے بے نیاز ہو کر مظالم کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔

[۴۰] فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور ان کی تردید کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں تھی، اس کے باوجود انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور اپنی قوم کو ہدایت سے دور رکھا۔ اس طرح وہ کفر و شرک کے پیشوا قرار پائے جو لوگوں کو جہنم کی آگ کی طرف بلاتے ہیں، لہٰذا قیامت کے دن وہ بے یار و مددگار ہوں گے، جس طرح اس دنیا میں ان پر لعنت برسی اور وہ سمندر میں غرق ہو گئے اسی طرح آخرت میں بھی ان پر لعنت برسے گی اور وہ جہنم رسید ہوں گے۔

[۴۱] حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے جن قوموں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات کو بھلا دیا اور زمین میں ظلم و زیادتی اور سرکشی کا بازار گرم کر دیا، اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی جس میں بصیرت، ہدایت اور رحمت تھی تاکہ لوگ حق کو پہچان سکیں اور ہدایت کا راستہ اختیار کر کے رحمت کے مستحق قرار پائیں۔

[۴۲] کوہ طور پر جب ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا اس وقت نہ تو آپ وہاں موجود

وَ لٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَ مَا كُنْتَ ثَاوِیًا فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ تَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۙ وَ لٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ لیکن ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کئی قومیں پیدا کیں، پھران پر طویل زمانہ گزر گیا اور نہ آپ اہل مدین میں مقیم تھے کہ آپ انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہوں لیکن ہم ہی رسول بنا کر بھیجنے والے ہیں۔ [۴۳]

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَیْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور نہ آپ (کوہ) طور کے کنارے پر تھے جب ہم نے (حضرت موسیٰ علیہ السلام کو) ندا فرمائی لیکن یہ آپ کے رب کی رحمت ہے تا کہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جس کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا تا کہ وہ نصیحت قبول کریں۔ [۴۴]

وَ لَوْ لَاۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ مُّصِیْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ فَیَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْ لَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ جب بھی ان کے کرتوتوں کے باعث ان پر کوئی مصیبت آئے تو وہ کہنے لگیں: اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تا کہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اور ہم ایمان والوں سے ہو جاتے۔ [۴۵]

تھے اور نہ اس منظر کو دیکھ رہے تھے بلکہ یہ وہ غیب کی باتیں ہیں جو ہم نے وحی کے ذریعہ آپ کو بتائی ہیں اور یہ اس چیز کا ثبوت ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔

[۴۳] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یکے بعد دیگرے کئی قومیں گزر چکی ہیں، ان پر طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی آپ نے ان کے واقعات پوری صحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں، ایسا نہیں کہ آپ اس وقت مدین میں موجود تھے اور ان واقعات کو خود دیکھتے اور سناتے تھے اور نہ یہ بات ہے کہ آپ نے ان واقعات کو کتابوں میں پڑھا ہے یا لوگوں سے سنا ہے، بلکہ یہ واقعات ہم نے آپ کو وحی کے ذریعہ بتائے ہیں اور جس طرح ہم نے پہلے انبیاء و رسل علیہم السلام کو بھیجا اسی طرح آپ کو بھی ہم ہی رسول بنا کر بھیجنے والے ہیں۔

[۴۴] یعنی جب ہم نے کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اس وقت آپ وہاں موجود نہیں تھے لیکن یہ ہماری رحمت ہے کہ ہم نے آپ کو تمام گفتگو بتا دی تا کہ آپ اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرائیں کیونکہ ان کے پاس حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد ایک طویل عرصہ تک کوئی نبی نہیں آیا۔

[۴۵] گزشتہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات کے گم ہو جانے یا تبدیل ہو جانے کے باعث آپ کو نبی بنا کر بھیجا گیا تا کہ

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ۭ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۣ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ گیا تو وہ کہنے لگے: ان کو ایسے معجزے کیوں نہیں دیئے گئے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے؟ کیا انہوں نے ان معجزات کا انکار نہیں کیا تھا جو اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے؟ انہوں نے کہا: یہ دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور انہوں نے کہا: ہم ان سب کے منکر ہیں۔ [۴۶]

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ آپ فرمایئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو ان دونوں (تورات اور قرآن) سے زیادہ ہدایت بخش ہو تو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہو۔ [۴۷]

لوگوں کے لئے ایمان نہ لانے کا کوئی عذر باقی نہ رہے اور جب قیامت کے دن ان کو عذاب دیا جائے تو وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمارے پاس تو کوئی رسول آیا نہیں تھا تو پھر ہم کیسے ایمان لاتے؟ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات یعنی قرآن و حدیث کو ہر قسم کی تبدیلی سے محفوظ کر کے دنیا کے کونے کونے میں پہنچا دیا ہے تاکہ کسی نئے نبی کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔

[۴۶] اہل مکہ عجیب لوگ ہیں، اگر ان میں رسول نہ بھیجتے تو عذر کرتے کہ ہماری طرف رسول نہیں بھیجا گیا تو پھر ہم کیسے ایمان لاتے؟ اب جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے تو کہتے ہیں: ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے معجزات یعنی عصا اور ید بیضا کیوں نہیں دیئے گئے؟ حالانکہ ان معجزات کو دیکھنے کے بعد فرعونیوں نے کہا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام یہ دونوں جادوگر ہیں اور ہم ان پر ایمان نہیں لاتے۔ اگر اہل مکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات کو نبوت کی دلیل تصور کرتے ہیں تو پھر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان کیوں نہیں لائے۔ دراصل یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں صرف حجت بازی کرتے ہیں۔

[۴۷] مشرکین مکہ کا انکار جب انتہا کو پہنچ گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: تم تورات کو نہیں مانتے کیونکہ اس میں میری نبوت کی نشانیاں موجود ہیں اور نہ تم قرآن کو مانتے ہو کیونکہ یہ مجھ پر نازل ہوا ہے اور تم ان دونوں آسمانی کتابوں کو جادو کہتے ہو تو پھر تم ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسی کتاب لاؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت بخش ہو تو میں بھی اس کی پیروی کر لوں گا کیونکہ میں تو ہدایت کا طالب ہوں جہاں سے ملے اس کی پیروی کے لئے تیار ہوں۔

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۟ع

۵۰۔ پھر اگر وہ آپ کی دعوت قبول نہ کریں تو آپ جان لیں کہ وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت چھوڑ کر اپنی خواہشات کی پیروی کرے، بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ [۴۸]

وَ لَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۟ؕ

۵۱۔ اور ہم مسلسل لوگوں کے لئے اپنا کلام بھیجتے رہے تا کہ وہ نصیحت قبول کریں۔ [۴۹]

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۟

۵۲۔ جن لوگوں کو ہم نے اس (قرآن) سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ [۵۰]

---

[۴۸] مشرکین مکہ نے قرآن اور تورات کو ماننے سے انکار کر رکھا ہے، اب اگر وہ ان کتابوں سے بہتر کتاب پیش نہ کریں اور ہرگز نہ کر سکیں گے تو پھر ہر ایک کو یقین کر لینا چاہیے کہ نہ وہ ہدایت کے طالب ہیں اور نہ ہی انکار ہدایت کی ان کے پاس کوئی دلیل ہے، وہ صرف اپنی خواہشات کے پیروکار ہیں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ سب سے بڑے گمراہ ہیں، ان کے لئے ہدایت کی طرف واپس آنا ممکن نہیں۔

جو شخص نفسانی اور شیطانی خواہشات کی مخالفت پر ثابت قدم رہتا ہے اس کا ایمان اتنا مضبوط ہو جاتا ہے کہ اس کی خواہش ہدایت کے موافق ہو جاتی ہے جیسا کہ قرآن مجید کی کئی آیات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خواہش کے مطابق نازل ہوئی ہیں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں کوئی شخص کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش اس (ہدایت) کے تابع نہ ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں۔ (مشکوۃ المصابیح: باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ: الفصل الثانی)

[۴۹] ہم قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا نازل کر کے مسلسل نصیحت کرتے رہے تا کہ کسی وقت کوئی بات مشرکین مکہ کے دل پر اثر کر جائے لیکن جو لوگ تعصب اور عناد کی تاریکی میں گم ہوں انہیں ہدایت کی روشنی نظر نہیں آتی۔

[۵۰] اس آیت میں جن اہل کتاب کی طرف اشارہ ہے ان کے متعلق ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ ہجرت حبشہ کے بعد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبریں حبشہ میں پھیل گئیں تو وہاں سے ۲۰ کے قریب عیسائیوں کا ایک وفد مکہ میں آیا اور مسجد حرام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا۔ قریش کے بہت سے لوگ بھی وہاں موجود تھے۔ عیسائی وفد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور کچھ سوالات پوچھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جوابات دینے کے بعد انہیں اسلام کی دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن مجید کی آیات تلاوت کیں۔ قرآن مجید سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان

وَ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اور جب ان کے سامنے (قرآن) پڑھا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لائے بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے، بے شک ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان تھے۔ [۵۱]

اُولٰٓىٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دوبارہ دیا جائے گا اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو نیکی سے دور کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ [۵۲]

لے آئے۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو ابوجہل اور اس کے ساتھی اس وفد کے پاس گئے اور انہیں کہا: ''خدا تمہارے وفد کو نامراد کرے، تم کو اپنے ہم مذہب لوگوں نے اس لئے بھیجا تھا کہ تم اس شخص کے بارے میں تحقیق کرو اور واپس آکر انہیں حالات سے آگاہ کرو مگر تم ابھی اس کے پاس بیٹھے ہی تھے کہ اپنا دین چھوڑ دیا اور اس پر ایمان لے آئے۔ ہم نے تم سے زیادہ احمق وفد کبھی نہیں دیکھا۔'' اس پر انہوں نے قریش کو جواب دیا: تم پر سلام ہو، ہم تمہارے ساتھ جہالت کا معاملہ نہیں کر سکتے، ہمیں ہمارے طریقے پر چلنے دو اور تم اپنے طریقے پر گامزن رہو، ہم اپنے آپ کو دانستہ خیر و برکت سے محروم نہیں رکھ سکتے۔

(سیرت ابن ہشام: جلد ۲: ص ۲۸، البدایہ والنہایہ: جلد ۳: ص ۸۲)

اس آیت میں اہل مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ دور کے لوگ آکر اس شمع نبوت سے روشنی حاصل کر رہے ہیں اور تم ان کے پاس رہتے ہوئے تاریکی میں سرگرداں ہو۔

[۵۱] قرآن مجید کو سن کر جو اہل کتاب ایمان لائے انہوں نے کہا: ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان تھے۔ اس کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ وہ آسمانی کتابوں میں آخری کتاب اور آخری نبی کے بارے میں جو سن چکے تھے وہ اس پر ایمان رکھتے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ جونہی وہ نبی آئے گا وہ اس پر ایمان لے آئیں گے تو گویا وہ پہلے ہی سے نبی کریم ﷺ کو تسلیم کر چکے تھے، اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ ہر نبی کے صحیح پیروکار مسلمان ہیں یعنی وہ پہلے نبی کو مان کر پہلے بھی مسلمان تھے اور اب نبی آخر الزمان پر ایمان لا کر بھی مسلمان ہیں جیسا کہ ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں: ہر وہ شخص جو توحید اور سلسلہ وحی کا قائل ہے وہ مسلمان ہے۔

(تفسیر بحر محیط)

[۵۲] کسی شخص کا اپنا مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنا انتہائی مشکل مرحلہ ہے، رشتہ دار اور دوست احباب سارے مخالفت پر اتر آتے ہیں اور اسے ذہنی یا جسمانی طور پر تاراج کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے مگر جو حق کے طالب ہوتے ہیں وہ ان رکاوٹوں کو خاطر میں نہیں لاتے اور پورے استقلال اور صبر کے ساتھ حق کے راستے پر گامزن رہتے ہیں ہلکہ

وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں، تم پر سلام ہو، ہم جاہل لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔ [۵۳]

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ بے شک آپ جس کو چاہیں اس کو آپ خود ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے، اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جانتا ہے۔ [۵۴]

مخالفین کے طعنوں اور برائیوں کا بدلہ حسن اخلاق اور نیکیوں سے دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق کو مخلوق خدا پر خرچ کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو دوگنا اجر ملے گا: پہلے اپنے نبی اور اس کی کتاب پر ایمان لانے کا اور پھر نبی کریم ﷺ اور قرآن مجید پر ایمان لانے کا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمیوں کو دوگنا اجر ملے گا: ایک وہ اہل کتاب جو اپنے نبی پر بھی ایمان لایا اور پھر حضرت محمد ﷺ پر بھی ایمان لایا، دوسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے مالک کا حق بھی ادا کرے اور تیسرا وہ شخص جس کے پاس ایک لونڈی ہو، وہ اس کو خوب اچھا ادب سکھائے اور اس کو خوب اچھی تعلیم دے، پھر وہ اس کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لے تو اس کو دو اجر ملیں گے۔

(بخاری: ۹۷: کتاب العلم: باب ۳۲)

[۵۳] اسلام قبول کرنے والوں کو جب مشرکین طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے تو وہ ان سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے کہتے: جب تم خود وہی کام کرتے ہو جو تمہیں پسند ہیں تو ہمیں بھی وہی کام کرنے کا حق ہے جو ہمیں پسند ہے لیکن اس کے باوجود اگر تم ہمیں گالیاں دیتے ہو تو نادان لوگوں سے الجھنا ہمارا کام نہیں ہے بلکہ اس کے جواب میں ہم تمہیں سلامتی کی دعا دیتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ تم پر کرم فرمائے اور تمہیں بے ہودہ گوئی اور جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت اور سلامتی کی روشنی سے آشنا فرمائے۔

[۵۴] نبی کریم ﷺ نے تبلیغ اسلام میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا اور آپ کی خواہش تھی کہ سب لوگ مسلمان ہو جائیں لیکن جب آپ کے بہت سے قریبی رشتہ دار اور اہل مکہ مسلمان نہ ہوئے تو آپ پریشان رہنے لگے۔ اس آیت میں آپ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ نے ہدایت کا راستہ دکھانے کا حق ادا کر دیا ہے لیکن کسی کے دل میں قبول ہدایت کا جذبہ پیدا کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کیونکہ وہی بہتر جانتا ہے کہ کس کا خلوص اس قابل ہے کہ اسے ہدایت کے راستہ پر گامزن کیا جائے۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک آپ جس کو چاہیں اس کو خود ہدایت نہیں دے سکتے اور سورۃ الشوریٰ میں فرمایا: بے شک آپ صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔ (قرآن: ۴۲: ۵۲) یعنی ذاتی طور پر تو ہدایت کا خالق اللہ تعالیٰ ہے وہ

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

۵۷۔ اور انہوں نے کہا: اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو ہم اپنے ملک سے اچک لئے جائیں گے، کیا ہم نے انہیں حرم (مکہ شہر) میں آباد نہیں کیا جو امن والا ہے، اس کی طرف ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں، یہ ہماری طرف سے (ان کے لئے) رزق ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ [۵۵]

نہ چاہے تو کسی کو ہدایت نہیں مل سکتی لیکن اللہ تعالیٰ کی اجازت سے سارے انبیائے کرام علیہم السلام ہدایت دینے کے لئے ہی آتے ہیں۔

اکثر مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ آیت جناب ابو طالب کے ایمان کے متعلق نازل ہوئی لیکن ان کے ایمان کے بارے میں اختلاف ہے، جیسا کہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: جناب ابو طالب کے ایمان کا مسئلہ اختلافی ہے لیکن جو ان کے ایمان کے قائل نہیں ہیں انہیں بھی ان کے بارے میں بری اور فضول بحث نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس سے حضرت علی کی اولاد کو اذیت پہنچتی ہے بلکہ یہ بھی بعید نہیں ہے کہ اس سے نبی کریم ﷺ کو بھی اذیت پہنچے کیونکہ اس آیت سے بہر حال یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ابو طالب سے محبت تھی اور کسی عقل مند شخص سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ ایسے مقامات پر احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

(تفسیر روح المعانی)

[۵۵] اس آیت کے ابتدائی حصہ میں اس عذر کا بیان ہے جو مشرکین نے اسلام قبول نہ کرنے کے لئے پیش کیا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حرث بن عثمان قرشی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: بے شک ہم جانتے ہیں کہ آپ کا پیغام حق ہے لیکن ہمیں یہ خطرہ ہے کہ اگر ہم آپ پر ایمان لا کر آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو سارے عرب اکٹھے ہو کر ہمیں مکہ سے نکال دیں گے۔ (تفسیر قرطبی) کیونکہ ان کی اکثریت ہماری طرح مشرک ہے، جب ہم شرک سے دست بردار ہوں گے تو ان کے دلوں سے احترام نکل جائے گا اور وہ ہمیں ذلیل و خوار کر دیں گے۔

اس آیت کے دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بہانہ سازی کی تردید فرمائی ہے یعنی عرب والے تمہارا احترام اس لئے نہیں کرتے کہ تم مشرک ہو بلکہ اس لئے کہ تم مکہ میں آباد ہو لیکن کیا تم نے کبھی غور کیا کہ تمہیں اس شہر میں کس نے آباد کیا؟ اس شہر کو امن والا کس نے بنایا؟ اس شہر میں سبزہ کا نام و نشان نہیں اس کے باوجود ہر قسم کے پھل لانے والا کون ہے؟ یہ سب انتظام اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، اگر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ مکہ میں کعبہ تعمیر نہ کراتا تو آج یہاں کوئی بھی نہ آتا اور اگر وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں آباد نہ کرتا تو آج نہ یہ شہر ہوتا اور نہ تم یہاں پیدا ہوتے، لہٰذا عقل کے ناخن لو اور اپنے محسن حقیقی کو سمجھنے کی کوشش کرو جس نے تمہارے شرک کے باوجود تمہیں عرب میں ایک بلند مقام دیا اور جب تم اس کی توحید کو تسلیم کر لو گے تو تمہارا مقام اتنا بلند ہو گا جس کا تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور ہم نے بہت سی بستیوں کو برباد کر ڈالا جن کے باشندے اپنی خوش حالی پر فخر کرنے لگے تھے، سو یہ ان کے مکان ہیں جن میں ان کے بعد بہت کم سکونت اختیار کی گئی ہے، اور (آخر کار) ہم ہی سب کے وارث ہیں۔ [۵۶]

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ اور آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو برباد نہیں کرتا جب تک ان کے مرکزی شہر میں کسی رسول کو نہ بھیج دے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ہم صرف ان بستیوں کو برباد کرتے ہیں جن کے باشندے ظالم ہوں۔ [۵۷]

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

۶۰۔ اور تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ دنیاوی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے مگر جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ زیادہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے، کیا تم (اس حقیقت کو) نہیں سمجھتے؟ [۵۸]

[۵۶] جو قومیں خوش حالی پر شکر کرنے کی بجائے تکبر کرتی ہیں اور انبیائے کرام علیہم السلام کی تبلیغ کے باوجود سرکشی سے باز نہیں آتیں ان کو بالآخر تباہ کر دیا جاتا ہے۔ اس آیت میں اہل مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اگر تم بھی سرکشی اور نافرمانی سے باز نہ آئے تو تم پر بھی عذاب آ سکتا ہے جیسا کہ تم اپنے تجارتی سفروں میں ایسی بہت سی بستیاں دیکھ چکے ہو جو ویران پڑی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی وارث نہیں ہے اور ان میں رہنا کوئی پسند نہیں کرتا صرف مسافر ہی ہیں جو ایک دو دن آرام کرنے کے لئے وہاں ٹھہر جاتے ہیں۔

[۵۷] اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ بستیوں پر عذاب نازل کرنے سے پہلے ان کے مرکزی شہر میں کسی رسول کو بھیجتا ہے تاکہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائے اور اگر وہ قومیں ظلم و ستم سے باز نہ آئیں تو پھر بھی ایک مخصوص مدت تک اللہ تعالیٰ انہیں توبہ کرنے کے لئے مہلت دیتا ہے لیکن ان کے مسلسل ظلم و ستم کے باعث بالآخر انہیں تباہ کر دیا جاتا ہے۔ اسی سنت کے پیش نظر حضرت محمد ﷺ کو عرب کے مرکزی شہر مکہ میں مبعوث کیا گیا۔

[۵۸] اس آیت میں دنیا کی زینت اور آخرت کی نعمت کا فرق واضح کیا گیا ہے یعنی آج تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ اس دنیاوی زندگی کا ساز و سامان اور اس کی زیب و زینت ہے۔ ممکن ہے کہ آج رات کو زلزلہ آئے، یہ سارا مال و متاع تباہ ہو جائے

اَفَمَنۡ وَّعَدۡنٰهُ وَعۡدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيۡهِ كَمَنۡ مَّتَّعۡنٰهُ مَتَاعَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ثُمَّ هُوَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ مِنَ الۡمُحۡضَرِيۡنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ بھلا وہ (خوش نصیب) جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا، پھر وہ اسے پانے والا ہے، کیا وہ اس (بدنصیب) کی طرح ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیاوی زندگی کا سامان دیا، پھر وہ قیامت کے دن (مجرموں کے ساتھ) پیش کیا جائے گا؟[۵۹]

وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ فَيَقُوۡلُ اَيۡنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں پکارے گا اور فرمائے گا: میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کو تم (میرا شریک) گمان کرتے تھے؟

قَالَ الَّذِيۡنَ حَقَّ عَلَيۡهِمُ الۡقَوۡلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيۡنَ اَغۡوَيۡنَا ۚ اَغۡوَيۡنٰهُمۡ كَمَا

۶۳۔ وہ لوگ جن پر (عذاب کا) فرمان ثابت ہو چکا کہیں گے: اے ہمارے رب! یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے

اور صرف تم بھیک مانگنے کے لئے بچ جاؤ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آج رات تمہاری موت واقع ہو جائے اور یہ سارا سامان کسی اور کے پاس چلا جائے اور اگر تم بھی زندہ رہے اور یہ تمہارا مال و متاع بھی تمہارے قبضہ میں رہے تو پھر بھی تمہیں ایک دن مرنا ہے کیونکہ یہ ساری کائنات اور اس میں موجود ہر چیز عارضی ہے، اسے ایک دن فنا ہو جانا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ایمان والوں کے لئے جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں وہ اس دنیاوی مال و متاع سے بدرجہا بہتر ہیں اور لطف یہ ہے کہ وہ دائمی ہیں اور ہمیشہ ایمان والوں کے ساتھ رہیں گی، جنت میں نہ زلزلہ آئے گا اور نہ ہی وہاں موت ہوگی۔ کیا تم اس دنیا کی عارضی زینت اور آخرت کی دائمی نعمت کے فرق کو نہیں سمجھتے؟

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا مؤمن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔

(مسلم: ۷۴۱۷: کتاب الزهد: باب ۵۳)

☆ حضرت ابراہیم بن مہدی اپنے باپ اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی بندہ کا مرتبہ اس قدر بلند ہوتا ہے کہ وہ اپنے عمل سے اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے جسم میں یا اس کے مال میں یا اس کی اولاد کے مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

(ابوداؤد: ۳۰۹۰: کتاب الجنائز: باب ۲۰)

[۵۹] یعنی جو شخص ایمان لایا اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق قیامت کے دن جنت کا مستحق قرار پایا، کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیاوی زندگی کا مال و متاع عطا فرمایا مگر اس نے سرکشی کی اور قیامت کے دن مجرموں کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا؟ ظاہر ہے یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

غَوَيۡنَا ۚ تَبَرَّاۡنَاۤ اِلَيۡكَ ۖ مَا كَانُوۡۤا اِيَّانَا يَعۡبُدُوۡنَ ﴿۶۳﴾

گمراہ کیا تھا، ہم نے انہیں اسی طرح گمراہ کیا جیسے ہم خود گمراہ ہوئے تھے، ہم (ان سے) بے زار ہو کر تیری طرف رجوع کرتے ہیں، وہ صرف ہماری ہی عبادت نہیں کرتے تھے۔ [۶۰]

وَقِيۡلَ ادۡعُوۡا شُرَكَآءَكُمۡ فَدَعَوۡهُمۡ فَلَمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَهُمۡ وَرَاَوُا الۡعَذَابَ ۚ لَوۡ اَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَهۡتَدُوۡنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ اور (ان سے) کہا جائے گا: تم اپنے شریکوں کو بلاؤ تو وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور (جب) وہ عذاب دیکھ لیں گے (تو تمنا کریں گے) کاش! وہ ہدایت پالیتے۔ [۶۱]

وَ يَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ فَيَقُوۡلُ مَاذَاۤ اَجَبۡتُمُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۶۵﴾

۶۵۔ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکارے گا تو فرمائے گا: تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟

فَعَمِيَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡاَنۡۢبَآءُ يَوۡمَئِذٍ فَهُمۡ لَا يَتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ اس دن ان پر ساری خبریں پوشیدہ ہو جائیں گی، سو وہ ایک دوسرے سے پوچھ بھی نہ سکیں گے۔ [۶۲]

---

[۶۰] قیامت کے دن اللہ تعالیٰ غضب ناک ہو کر مشرکین سے فرمائے گا: آج وہ کہاں ہیں جن کو تم میرا شریک قرار دیتے تھے؟ تو اس وقت شیاطین اور مشرکین کے لیڈر جن کے بارے میں عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہوگا وہ حاضر ہو کر عرض کریں گے: اے ہمارے رب! ان کی گمراہی کا سبب ہم ہیں مگر ہم نے ان کو گمراہی پر مجبور نہیں کیا بلکہ جس طرح ہم خود اپنی مرضی سے گمراہ ہوئے اسی طرح یہ بھی اپنی مرضی سے گمراہ ہوئے تھے اور یہ صرف ہماری ہی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ اصل میں وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے تھے یعنی جو چیز ان کو پسند آتی اس کو اختیار کر لیتے تھے اور جو چیز ان کی خواہش سے ٹکراتی اس کو مسترد کر دیتے، لہٰذا آج ہم ان سے بے زار ہو کر تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔

[۶۱] قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مشرکین سے فرمائے گا کہ ان کو پکارو جن کو تم میرا شریک بناتے تھے تاکہ وہ آج تمہیں میرے عذاب سے بچائیں تو وہ انہیں پکاریں گے مگر وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور جب انہیں عذاب کا یقین ہو جائے گا تو تمنا کریں گے کہ کاش! وہ ہدایت کا راستہ اختیار کرتے تو آج عذاب میں مبتلا نہ ہوتے۔

[۶۲] قیامت کے دن اللہ تعالیٰ غضب ناک ہو کر مشرکوں سے فرمائے گا: ہمارے رسول تمہارے پاس توحید کی دعوت لے کر آئے تھے تم نے ان کی دعوت قبول کیوں نہ کی؟ اس وقت اپنے انجام کو دیکھ کر ان پر سکتہ طاری ہو جائے گا اور کوئی جواب سمجھ میں نہیں آئے گا بلکہ وہ سارے دلائل جو وہ شرک کے حق میں دیا کرتے تھے اس دن ڈر کے مارے وہ بھی بھول جائیں گے اور

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾

۶۷۔ البتہ جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے، پس عنقریب وہ فلاح پانے والوں میں سے ہوگا۔[۶۳]

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) منتخب کرلیتا ہے، اس میں ان (مشرکین) کا کوئی اختیار نہیں ہے، اللہ تعالیٰ پاک ہے اور ان چیزوں سے بالاتر ہے جن کو وہ شریک قرار دیتے ہیں۔[۶۴]

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾

۶۹۔ اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔[۶۵]

وَهُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ

۷۰۔ اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، دنیا اور آخرت میں سب تعریفیں اسی کے لئے ہیں،[۶۶] اور

کسی اپنے ساتھی سے پوچھنے کی جرأت بھی نہیں کریں گے کیونکہ ان میں سے ہر ایک پریشان ہوگا اور انہیں یقین ہو چکا ہوگا کہ ہم غلط تھے اس لئے ہم جہنم میں داخل ہونے والے ہیں۔

[۶۳] انسان خواہ کتنا ہی بڑا گناہ گار اور مشرک کیوں نہ ہو جب وہ سچے دل سے توبہ کرلے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کردیتا ہے اور قیامت کے دن وہ فلاح پانے والوں میں سے ہوگا۔

[۶۴] علامہ قرطبی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنی نبوت کے لئے منتخب فرماتا ہے۔ (تفسیر قرطبی) علامہ خازن لکھتے ہیں: مشرکین نے جب کہا کہ یہ قرآن کسی بڑے آدمی یعنی ولید بن مغیرہ یا عروہ بن مسعود ثقفی پر کیوں نہیں اتارا گیا تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی یعنی اللہ تعالیٰ مشرکین کی پسند کے مطابق رسول نہیں بھیجتا بلکہ وہ قادر مطلق ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہ جس کو چاہے منتخب کرلے اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔ (تفسیر خازن)

[۶۵] اللہ تعالیٰ ان مشرکین کی صرف ظاہری حرکات سے ہی باخبر نہیں بلکہ وہ سازشیں جو وہ اپنے دلوں میں سوچتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے بھی خوب آگاہ ہے اور جب ان کی گرفت کا وقت آپہنچے گا تو ان سے ہر حرکت کا حساب لیا جائے گا۔

[۶۶] اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ دنیا اور آخرت میں ہر قسم کی کامل تعریفوں کا حقیقی مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ مومن اس دنیا میں بھی اپنے ہر کام اور کلام کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی حمد سے کرتا ہے۔ (ابن ماجہ: ۱۸۹۴: ابواب النکاح:

تُرْجَعُوْنَ ۝

اسی کا حکم ہے[۶۷]اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَاۗءٍ ۭ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝

۷۱۔آپ فرمایئے: بھلا یہ تو بتاؤ! اگر اللہ تعالیٰ تم پر قیامت کے دن تک ہمیشہ رات ہی طاری کر دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں روشنی لا دے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝

۷۲۔آپ فرمایئے: بھلا یہ بتاؤ! اگر اللہ تعالیٰ تم پر قیامت تک ہمیشہ دن ہی طاری کر دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں رات لا دے جس میں تم آرام کر سکو؟ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟[۶۸]

باب ۱۹، ابو داؤد: ۴۸۴۰: کتاب الادب: باب ۲۱) اور جنت میں بھی مومن کی زبان اللہ تعالیٰ کی حمد سے تر رہے گی۔ مثال کے طور پر:

۱۔ (الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن۔ قرآن: ۳۵: ۳۴) سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا۔

۲۔ (الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ۔ قرآن: ۳۹: ۷۴) سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ حمد کی مزید تشریح کے لئے سورہ فاتحہ کی پہلی آیت کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

[۶۷] جس طرح ہر قسم کی تعریف کا حقیقی مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح کسی چیز کے بارے میں حکم کا حقیقی اختیار بھی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس دنیا میں تو کئی حکمران اپنا حکم چلاتے ہیں اور حقیقی مالک کو تسلیم نہیں کرتے مگر قیامت کے دن جب سارے مومن اور کافر میدان حشر میں حاضر ہوں گے تو انہیں مشاہدہ ہو جائے گا کہ حقیقی مالک تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس دن صرف اسی کے حکم کے مطابق فیصلے ہوں گے اور کوئی فیصلہ عدل و انصاف کے خلاف نہیں ہوگا۔ حکم کی مزید تشریح کے لئے سورہ انعام کی آیت نمبر ۵۷ کا حاشیہ نمبر ۵۴ ملاحظہ کریں

[۶۸] مشرکین مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ کیا تم نے کبھی غور کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے رات ہی مسلط کر دے تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہے جو تمہیں دن کی روشنی دے سکے؟ اور اگر وہ ہمیشہ کے لئے دن ہی طاری کر دے تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہے جو تمہیں آرام کرنے کے لئے رات مہیا کر سکے؟ ہرگز نہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے آرام کرنے کے لئے رات کو اور رزق تلاش کرنے کے لئے دن کو بنایا، تو کیا تم اتنی سادہ سی بات بھی نہیں سمجھتے تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔

وَ مِنۡ رَّحۡمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيۡلَ وَ النَّهَارَ لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۳﴾

۷۳۔ اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تا کہ تم رات میں آرام کرو اور (دن میں) اس کا فضل (روزی) تلاش کرو اور تا کہ تم شکر ادا کرو۔

وَ يَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ فَيَقُوۡلُ اَيۡنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان (مشرکین) کو پکارے گا اور فرمائے گا: میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کو تم (میرا شریک) گمان کرتے تھے؟

وَ نَزَعۡنَا مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيۡدًا فَقُلۡنَا هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ فَعَلِمُوۡۤا اَنَّ الۡحَقَّ لِلّٰهِ وَ ضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۷۵﴾ ع ۱۵

۷۵۔ اور ہم ہر امت سے ایک گواہ نکالیں گے، پھر ہم (مشرکین سے) کہیں گے کہ تم اپنی دلیل لاؤ تو وہ جان لیں گے کہ بے شک حق اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور جو کچھ افتراء وہ باندھا کرتے تھے وہ ان سے گم ہو جائے گا۔ [۶۹]

اِنَّ قَارُوۡنَ كَانَ مِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰى فَبَغٰى عَلَيۡهِمۡ ۖ وَ اٰتَيۡنٰهُ مِنَ الۡكُنُوۡزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوۡٓاُ بِالۡعُصۡبَةِ اُولِى الۡقُوَّةِ ۗ اِذۡ قَالَ لَهٗ قَوۡمُهٗ لَا تَفۡرَحۡ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡفَرِحِيۡنَ ﴿۷۶﴾

۷۶۔ بے شک قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا، پھر اس نے ان پر سرکشی کی اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ اس کی چابیوں کو اٹھانا ایک طاقتور جماعت کے لئے مشکل ہوتا تھا، جب قارون کی قوم نے اس سے کہا: مت اترا بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ [۷۰]

---

[۶۹] قیامت کے دن ہر امت کے سامنے اس کا نبی تشریف لائے گا اور گواہی دے گا کہ اس نے ان کو توحید کا پیغام پہنچایا تھا، پھر مشرکین سے پوچھا جائے گا کہ تم اپنے شرک کی دلیل لاؤ، اس وقت وہ تصویر حیرت بن کر کھڑے رہ جائیں گے، کوئی جواب نہ دے سکیں گے اور دنیا میں جو جھوٹے دلائل دیا کرتے تھے وہ بھی ان کے ذہنوں سے غائب ہو جائیں گے کیونکہ میدان حشر کے حالات سے انہیں یقین ہو جائے گا کہ نبیوں کی دعوت ہی برحق تھی اور حقیقی معبود صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

[۷۰] علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا، ابتدا میں قارون ایمان لے آیا تھا اور وہ تورات کو بڑے اچھے انداز میں پڑھتا تھا لیکن بعد میں مال و دولت کی کثرت کی وجہ سے یہ سامری کی طرح منافق ہو گیا۔ (تفسیر روح البیان)

وَ ابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾

۷۷۔ اور جو (مال وزر) اللہ تعالیٰ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر تلاش کر اور دنیا سے اپنے حصہ کو بھی فراموش نہ کر اور احسان کر جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد انگیزی نہ کر، بے شک اللہ تعالیٰ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَ لَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَ لَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾

۷۸۔ قارون نے کہا: یہ (مال وزر) مجھے اس علم کی وجہ سے دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے، کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے کئی قوموں کو ہلاک کر چکا ہے جو طاقت میں بھی اس سے زیادہ شدید تھیں، اور مال جمع کرنے میں بھی کہیں زیادہ تھیں اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔[۷۱]

چنانچہ اپنی دولت کو بڑھانے کے لئے وہ فرعون کے ساتھ مل گیا اور اس کو خوش کرنے کے لئے اپنی ہی قوم یعنی بنی اسرائیل پر ظلم کرنے لگا۔ فرعون کی سرپرستی میں اس کی دولت اتنی بڑھ گئی کہ اس کے خزانوں کے تالوں کی صرف چابیاں بھی ایک طاقتور جماعت بڑی مشکل سے اٹھاتی تھی۔ بنی اسرائیل نے قارون کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: تم اس دولت پر فخر اور غرور نہ کرو۔ اس کو اپنی دنیاوی ضروریات کے لئے بھی ضرور خرچ کرو مگر آخرت کو بھی فراموش نہ کرو اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا ہے اسی طرح اب تم اس کی غریب مخلوق پر خرچ کر کے جنت میں اپنا گھر بناؤ اور ظلم وستم کر کے زمین میں فساد نہ پھیلاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ فسادیوں کو پسند نہیں فرماتا۔

[۷۱] قارون اتنا متکبر اور سرکش ہو چکا تھا کہ اس نے ان نصیحتوں کے جواب میں کہا: جو مال ومتاع میرے پاس ہے یہ میں نے اپنے علم وہنر سے کمایا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے احسان کا کوئی تعلق نہیں کہ میں اس کو اس کی مخلوق پر بھی خرچ کروں۔ اس پر اسے تنبیہ کی گئی کہ وہ اپنے اس فانی مال ومتاع پر غرور نہ کرے کیونکہ قارون سے پہلے کئی قومیں ایسی گزر چکی ہیں جن کے پاس قارون سے بھی زیادہ طاقت اور دولت تھی مگر جب انہوں نے سرکشی کی اور ظلم وستم کا بازار گرم کیا تو ان کا مال ومتاع انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچا سکا اور وہ تباہ کر دیئے گئے، اسی طرح قارون پر بھی خدا کا عذاب آسکتا ہے بلکہ اس کے مظالم اتنے زیادہ اور واضح ہیں کہ ان کی وجہ سے وہ عذاب کا مستحق ہو چکا ہے، لہٰذا جب اس پر عذاب آئے گا تو اس سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ اس نے کتنے اور کون سے گناہ کئے ہیں بلکہ اس کو اچانک زمین میں غرق کر دیا جائے گا۔ اس

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۷۹﴾

۷۹۔ پھر (ایک دن) قارون اپنی زینت کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے نکلا، جو لوگ دنیاوی زندگی کے طالب تھے انہوں نے کہا: اے کاش! ہمارے لئے بھی ایسا (مال وجاہ) ہوتا جیسا قارون کو دیا گیا ہے، بے شک وہ بڑے نصیب والا ہے۔ [۷۲]

وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

۸۰۔ اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا انہوں نے کہا: تم پر افسوس ہے، جو شخص ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کئے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا ثواب بہتر ہے اور یہ نعمت صرف صبر کرنے والوں کو دی جاتی ہے۔ [۷۳]

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَ مَا

۸۱۔ پھر ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، پس اس کے پاس کوئی جماعت نہیں تھی جو اللہ تعالیٰ

واقعہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص دنیاوی مال و دولت کو صرف اپنے علم و ہنر کا نتیجہ سمجھتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ اسے یہ علم و ہنر دینے والا کون ہے تو وہ قارون کی طرح سرکش اور قوم فروش ہو جاتا ہے لیکن جو یہ یقین رکھتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اس کا اپنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا صرف آسان ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ اس خرچ کرنے میں خوشی اور اطمینان محسوس کرتا ہے۔

[۷۲] ایک دن قارون اپنی پوری امیرانہ شان وشوکت اور خدم وحشم کے ساتھ نکلا تو اسے دیکھ کر طالبان دنیا کہنے لگے: یہ بڑا خوش قسمت آدمی ہے، کاش! ہمیں بھی ایسا مال وجاہ ملتا جیسا قارون کو دیا گیا ہے۔

[۷۳] بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے علم وتقویٰ کی دولت سے نوازا تھا اور وہ اس دنیا کی حقیقت سے باخبر تھے، انہوں نے طالبان دنیا سے کہا: تم پر افسوس ہے تم اس دنیا کی فانی شان وشوکت پر للچا گئے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لئے جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں وہ اس سے کہیں بہتر ہیں مگر یہ دائمی نعمتیں صرف ان کو ملتی ہیں جو نفسانی خواہشات کے خلاف جہاد کرتے ہیں اور دنیاوی مشکلات پر صبر کرتے ہیں۔

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال پیدا ہوا ہے۔

(بخاری: ۳۲۴۴: کتاب بدء الخلق: باب ۸)

كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾

کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود اپنی مدد کر سکا۔[۷۴]

وَ اَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

۸۲۔ اور جو لوگ کل تک اس کے مرتبہ کی تمنا کر رہے تھے وہ کہنے لگے: افسوس، ہم بھول گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو وہ ہمیں بھی (زمین میں) دھنسا دیتا، افسوس، ہم بھول گئے تھے کہ کفار فلاح نہیں پاتے۔[۷۵]

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو زمین میں نہ تکبر کا ارادہ کرتے ہیں اور نہ فساد کا، اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔[۷۶]

---

[۷۴] قارون نے جب موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور تکبر و سرکشی میں آگے ہی بڑھتا گیا تو بالآخر اللہ تعالیٰ نے اسے خزانوں اور محلات سمیت زمین میں غرق کر دیا۔ اس وقت نہ تو وہ خود اپنے آپ کو بچا سکا اور نہ ہی اس کے حمایتی اس کی کوئی مدد کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اور کوئی بھی اس کے فیصلوں کو چیلنج نہیں کر سکتا۔

[۷۵] جو لوگ قارون کی دنیاوی شان و شوکت دیکھ کر للچا گئے تھے جب انہوں نے اس کا عبرت ناک انجام دیکھا تو نادم ہو کر کہنے لگے: ہماری خواہش اور سوچ غلط تھی، مال کی کمی بیشی کسی کے مقبول یا مردود ہونے کی دلیل نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی کو دنیاوی شان و شوکت اور مال و دولت کثرت سے دیتا ہے تو اس کا یہ لازمی نتیجہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی بھی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ صرف اس پر راضی ہوتا ہے جو اس کے احکام کی پیروی کرے خواہ وہ امیر ہو یا غریب۔ یہ ہماری غلط فہمی تھی کہ ہم اس کی دنیاوی شان و شوکت کو حقیقی فلاح سمجھ کر اس کی خواہش کر بیٹھے اور یہ بھول گئے کہ کفار فلاح نہیں پاتے خواہ وہ کتنے ہی بڑے مالدار ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہماری خواہش کو پورا فرما دیتا اور ہم بھی قارون کی طرح ناشکری پر اتر آتے تو وہ ہمیں بھی زمین میں غرق کر دیتا مگر اس نے ہم پر احسان فرمایا اور ہماری اس غلط خواہش کو پورا نہ فرمایا۔

[۷۶] اللہ تعالیٰ نے اچھا گھر یعنی جنت اور اچھا انجام ان لوگوں کے لئے مخصوص کر رکھا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں کو حقیر نہیں سمجھتے اور نہ ہی ظلم و ستم کر کے زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ جو شخص (قیامت کے دن) نیکی لے کر آئے گا اس کے لئے اس نیکی سے بہتر اجر ہوگا اور جو شخص برائی لے کر آئے گا تو برے کام کرنے والوں کو اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا وہ (برے) کام کیا کرتے تھے۔[۷۷]

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ بے شک جس نے آپ پر قرآن (کی تبلیغ کو) فرض کیا ہے وہ آپ کو لوٹنے کی جگہ (مکہ مکرمہ) کی طرف ضرور واپس لائے گا،[۷۸] آپ فرما دیجئے کہ میرا رب اسے خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا اور اسے بھی جو کھلی گمراہی میں ہے۔[۷۹]

---

[۷۷] قیامت کے دن ہر نیکی کا کم از کم بدلہ دس گنا ہوگا اور زیادہ کے لئے کوئی حد نہیں ہے لیکن برائی کا بدلہ برائی کے برابر ہی ملے گا یعنی نیکی کی جزا میں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم جلوہ گر ہوگا اور برائی کی سزا میں اس کے عدل و انصاف کا مظاہرہ ہوگا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص نیکی کا ارادہ کرے اور اس نے ابھی وہ نیکی نہ کی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک مکمل نیکی کا ثواب لکھ دیتا ہے اور اگر اس نیکی کو کر لے تو اس کے لئے دس سے سات سو بلکہ بے شمار گنا زیادہ نیکیاں لکھ لیتا ہے، اور جو شخص گناہ کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک مکمل نیکی لکھ لیتا ہے، لیکن جو گناہ کا ارادہ کرے اور پھر اس گناہ کو عملاً کر گزرے تو اللہ تعالیٰ اس کا صرف ایک گناہ لکھتا ہے۔ (مسلم: ۳۳۸: کتاب الایمان: باب ۵۹)

ہر ملک کی اپنی کرنسی ہوتی ہے جس کے ذریعہ وہاں کے لوگ اپنی ضروریات زندگی خریدتے ہیں۔ آخرت کی کرنسی نیکیاں ہیں، جو لوگ اس دنیا میں نیکیوں کا ذخیرہ نہیں کرتے وہ آخرت میں نامراد رہتے ہیں۔

[۷۸] مقاتل رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہجرت کی رات جب غار ثور سے مدینہ روانہ ہوئے تو راستے میں جحفہ کے مقام پر آپ کو مکہ کی یاد آئی۔ اس وقت حضرت جبریل امین علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ (تفسیر قرطبی) یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن مجید کی تبلیغ کو فرض کیا ہے اس لئے آپ کو مکہ کو چھوڑنا پڑ رہا ہے کیونکہ فی الحال مکہ والے قرآن کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں لیکن آپ فکر نہ کریں اللہ تعالیٰ آپ کو پھر مکہ شہر میں واپس لے آئے گا، چنانچہ آٹھ سال کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا اور آپ فتح و نصرت کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔

[۷۹] مشرکین مکہ کا دعویٰ یہ تھا کہ محمد ﷺ ہمارے آباء و اجداد کے مذہب یعنی بت پرستی سے انحراف کر کے العیاذ باللہ گمراہ ہو گئے ہیں۔ اس کے جواب میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم مجھے ہادی مانو یا نہ مانو بہرحال میرا رب خوب جانتا ہے کہ ہم میں سے کون ہدایت یافتہ ہے اور کون کھلی گمراہی میں ہے؟ الغرض قیامت کے دن تم سب کو مشاہدہ ہو جائے گا کہ میں ہدایت یافتہ ہوں۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ اور آپ اس بات کی امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر کتاب نازل کی جائے گی مگر یہ محض آپ کے رب کی رحمت ہے، سو آپ کافروں کے ہرگز مددگار نہ بنیں۔ [۸۰]

وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ اور وہ (مشرکین) آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات (کی تبلیغ) سے نہ روک دیں اس کے بعد کہ وہ آپ کی طرف نازل کی گئی ہیں اور آپ (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف بلاتے رہیں اور شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہونا۔ [۸۱]

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۣ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾

۸۸۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارو، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے، حکم اسی کا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ [۸۲]

---

[۸۰] پیارے نبی ﷺ! آپ نے تو کبھی خواہش نہیں کی تھی کہ آپ پر قرآن مجید نازل کیا جائے مگر یہ آپ کے رب کا فضل و کرم ہے کہ اس نے آپ کو نبوت کے لئے منتخب فرمایا، لہٰذا آپ پر ایمان لانے والے ہر امتی پر فرض ہے کہ وہ آپ کی پیروی کرتے ہوئے توحید پر ثابت قدم رہے اور کافروں کے کفر و شرک میں ان کا مددگار نہ بنے۔

[۸۱] پیارے نبی ﷺ! مشرکین کی مخالفت کی پرواہ نہ کریں اور لوگوں کو توحید کی طرف بلاتے رہیں اور جو بھی آپ پر ایمان لائے پھر وہ شرک کے ہرگز قریب نہ جائے۔

[۸۲] پیارے نبی ﷺ! آپ کے ہر امتی پر فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور وہ ہمیشہ رہنے والا ہے جب کہ کائنات کی ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے۔ نیز قیامت کے دن سارے لوگ اس کی عدالت میں پیش کئے جائیں گے جہاں اس کے حکم کے مطابق فیصلے ہوں گے اور کسی کے ساتھ ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اس دنیا کی ہر چیز فانی ہے اور باقی رہنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ جو کام بھی دنیا کے لئے کیا جائے وہ دنیا کے ساتھ ہی فنا ہو جائے گا اور جو کام اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کیا جائے وہ ہمیشہ باقی رہتا ہے اور قبر و حشر میں نجات کا ذریعہ بنتا ہے۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعہ الکرم، انگلستان

بعد از نماز تراویح بروز ہفتہ ۱۲ ستمبر ۲۰۰۹ء بمطابق ۲۲ رمضان ۱۴۳۰ھ

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے رمضان شریف کے ۲۱ بابرکت دنوں میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہوئی۔

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ العنکبوت (۲۹)

یہ سورت مکی ہے اور اس کا نام ''العنکبوت'' ہے جو آیت نمبر ۴۱ سے ماخوذ ہے۔ اس آیت میں معبودان باطل کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی جس طرح مکڑی کا جالہ تیز ہوا کے سامنے کھڑا نہیں رہ سکتا اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے اسی طرح جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے کارساز بناتے ہیں اور مشکل میں ان کی مدد پر بھروسہ رکھتے ہیں انہیں عقل کے ناخن لینے چاہئیں کیونکہ معبودان باطل خود اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتے تو کسی اور کو کیسے بچا سکیں گے؟

مکہ میں جو بھی اسلام قبول کرتا اس کے گھر والے، رشتہ دار اور مکہ کے سارے مشرکین اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے اور اسے ہر قسم کی ذہنی اور جسمانی اذیت کا نشانہ بناتے۔ اس سورت کی ابتدا میں انہیں تسلی دی جا رہی ہے کہ وہ ثابت قدم رہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ ﷺ کی سنت ہے کہ وہ اہل ایمان کا امتحان لیتا ہے۔ ان سے پہلے ایمان لانے والے بھی آزمائے گئے تھے اور اب نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے والوں کو بھی آزمایا جا رہا ہے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ جو سچے دل سے ایمان لاتے ہیں دنیا کی کوئی تکلیف ان کے ایمان کو متزلزل نہیں کر سکتی اور اس سورت کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو لوگ مشکلات کے باوجود ہماری رضا کے لئے سرگرم عمل رہتے ہیں ہم انہیں ہدایت کے راستوں پر گامزن کر دیتے ہیں۔

والدین کا اسلام میں بہت بڑا مقام ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک پر بڑا زور دیا گیا ہے لیکن والدین بھی اگر شرک کی ترغیب دیں تو ان کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کائنات کی عظیم سے عظیم تر اور محبوب تر چیز بھی کسی کو شرک اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی دعوت دے تو اس کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

فقیر : محمد امداد حسین پیرزادہ : جامعہ الکرم، ایٹن ہال، انگلستان

بعد از نماز عصر بروز ۱۴ ستمبر ۲۰۰۹ء بمطابق ۲۴ رمضان ۱۴۳۰ھ

ایاتھا ۶۹ ۲۹ سورۃ العنکبوت مکیۃ ۸۵ رکوعاتھا ۷

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ①

۱۔الف لام میم۔[۱]

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ②

۲۔کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کو آزمایا نہیں جائے گا؟[۲]

وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ③

۳۔اور بے شک ہم نے ان لوگوں کو بھی آزمایا تھا جو ان سے پہلے تھے، سو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کردے گا جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو بھی ضرور ظاہر کردے گا جو جھوٹے ہیں۔

---

[۱] حروف مقطعات کے لئے سورہ بقرہ کی پہلی آیت کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

[۲] یہ دنیا دارالعمل ہے اور آخرت دارالجزا ہے۔ آخرت میں جس کو جتنا بڑا مرتبہ ملے گا اس دنیا میں اس کا اتنا ہی بڑا امتحان لیا جاتا ہے تاکہ قیامت کے دن کوئی یہ اعتراض نہ کرسکے کہ اس کو اتنا بڑا رتبہ کیوں دیا جارہا ہے بلکہ ہر ایک کا مشاہدہ ہوگا کہ اس نے اپنے رب کی رضا کے لئے بڑی تکلیفیں برداشت کی تھیں اس لئے واقعی اس کا حق بنتا ہے کہ اس کو عظیم مرتبہ سے نوازا جائے۔ امتحان کا یہ سلسلہ کوئی نیا نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ اس نے انبیاء پر ایمان لانے والوں کو بھی آزمایا تھا اور اب جو نبی کریم ﷺ پر ایمان لا رہے ہیں ان کو بھی آزمایا جائے گا تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ مخلص کون ہے اور منافق کون ہے؟

☆ حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کون سے لوگ مصائب میں مبتلا ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء کرام علیہم السلام، پھر جو ان کے زیادہ قریب ہوں۔ انسان اپنے دین کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے، اگر وہ اپنے دین میں زیادہ مضبوط ہو تو اس کی مصیبت زیادہ سخت ہوگی اور اگر وہ اپنے دین میں نرم ہو تو وہ اپنے دین کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوگا۔ انسان پر اس طرح مصائب آتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ اس حال میں زمین پر چلے گا کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ (ترمذی: ۲۳۹۸: ابواب الزھد: باب ۵۶)

☆ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے سائے میں اپنی چادر پر ٹیک لگائے تشریف

اَمۡ حَسِبَ الَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ اَنۡ يَّسۡبِقُوۡنَا ؕ سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ ۝۴

۴۔ جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ ہم سے (بچ کر) آگے نکل جائیں گے؟ بہت برا ہے جو وہ فیصلہ کر رہے ہیں۔ [۳]

مَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۝۵

۵۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی امید رکھتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے، اور وہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے [۴]

وَمَنۡ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفۡسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۶

۶۔ اور جو شخص کوشش کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے کوشش کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔ [۵]

فرماتے، ہم نے آپ سے (کفار کی اذیتوں کا) شکوہ کرتے ہوئے عرض کیا: کیا آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب نہیں کرتے؟ کیا آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں میں ایسا شخص بھی گزرا ہے جس کے لئے زمین میں گڑھا کھودا جاتا اور اسے اس میں گاڑھ دیا جاتا، پھر اس کے سر پر آری چلا کر اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے مگر یہ ظلم بھی اسے اس کے دین سے نہیں روکتا تھا اور اس کے جسم میں لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتیں جو اس کے گوشت اور ہڈیوں کو ادھیڑ کے رکھ دیتیں مگر یہ ظلم بھی اسے اس کے دین سے منحرف نہیں کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ تعالیٰ اس دین کو ضرور مکمل فرمائے گا حتیٰ کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک کا سفر کرے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوگا، البتہ اسے اپنی بکریوں کے متعلق بھیڑیے کا ڈر ہوگا لیکن تم لوگ جلد بازی سے کام لیتے ہو۔

(بخاری: ۳۶۱۲: کتاب المناقب: باب ۲۵)

[۳] نافرمان اور غلط کار لوگوں نے اگر یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ کہیں بھاگ کر یا چھپ کر سزا سے بچ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے قابو میں نہیں آئیں گے تو یہ ان کی احمقانہ اور انتہائی غلط سوچ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور قادر مطلق ہے، نہ کوئی اس سے چھپ سکتا ہے اور نہ کوئی اس کی گرفت سے باہر ہو سکتا ہے۔

[۴] جو شخص قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہونے پر یقین رکھتا ہے اور اس کی رضا جوئی کے لئے نیک اعمال کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں آنے والی مشکلات پر صابر رہنا چاہیے۔ بے شک قیامت ضرور آنے والی ہے جس میں اس کے صبر کا اس کو اچھا اجر ملے گا۔

[۵] جو شخص نیک عمل کرتا ہے اس میں اس کا اپنا ہی فائدہ ہے کیونکہ قیامت کے دن اس کی نیکیوں کا ثواب اس کو ہی ملے گا، اللہ تعالیٰ کو

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

۷۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ہم ضرور ان کے گناہوں کو ان سے دور کر دیں گے اور ہم ان کو بہترین بدلہ دیں گے ان کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے۔[۶]

وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا

۸۔ اور ہم نے انسان کو حکم دیا کہ وہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے، اور اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک بنائے جس کا تجھے کوئی علم نہیں تو تو ان کی اطاعت نہ کر،[۷] میری ہی

کسی کی عبادت اور ریاضت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے، کوئی نیکی کرے یا برائی اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نفع یا نقصان نہیں ہوتا، جیسا کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے میرے بندو! تم مجھے نہ نقصان پہنچا سکتے ہو اور نہ مجھے نفع پہنچا سکتے ہو۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے جن اور انسان سب اعلیٰ درجے کے متقی بن جائیں تو وہ میری بادشاہی میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کر سکتے اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے جن اور انسان سب بدترین نافرمان بن جائیں تو میری بادشاہی میں کسی چیز کی کمی نہیں کر سکتے۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے جن اور انسان سب کسی ایک جگہ کھڑے ہو کر مجھ سے مانگیں اور میں ہر انسان کو اس کے سوال کے مطابق عطا کر دوں تو جو کچھ میرے پاس ہے اس سے صرف اتنا کم ہوگا جس طرح سوئی کو سمندر میں ڈال کر نکالنے سے اس میں کمی ہوتی ہے (یعنی کوئی کمی نہیں ہوتی)۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جن کو میں تمہارے لئے جمع کر رہا ہوں، پھر میں تم کو ان کی پوری پوری جزا دوں گا، پس جو شخص خیر کو پائے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور جس شخص کو خیر کے سوا کوئی اور چیز (یعنی نقصان) پہنچے تو وہ اپنے نفس کے سوا کسی اور کو ملامت نہ کرے۔

(مسلم: ۶۵۷۲: کتاب البیوع: باب ۱۵)

[۶] جو لوگ ایمان لائے اور اس کے بعد نیک عمل کرتے رہے اس آیت میں انہیں خوش خبری دی جا رہی ہے کہ ایمان لانے سے ان کے کفر و شرک کے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور نیک اعمال کا انہیں بہترین بدلہ ملے گا۔

[۷] قرآن و حدیث میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید آئی ہے، اس کے لئے سورہ النساء (۴) کی آیت ۳۶ کا حاشیہ نمبر ۵۱ اور سورہ بنی اسرائیل (۱۷) کی آیت نمبر ۲۳ کا حاشیہ نمبر ۲۳ ملاحظہ کریں۔

والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے لیکن اگر والدین کسی کو شرک اور گناہ کا حکم دیں تو اس صورت میں والدین کی اطاعت بھی جائز نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کائنات کی عظیم تر اور محبوب سے محبوب تر چیز بھی کسی کو شرک اور گناہ کی ترغیب

كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝۸

طرف تم سب نے لوٹنا ہے، پھر میں تم کو آگاہ کردوں گا جو تم کیا کرتے تھے۔[۸]

وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدۡخِلَنَّهُمۡ فِى الصّٰلِحِيۡنَ ۝۹

۹۔اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ہم ضرور ان کو نیکو کاروں میں داخل کردیں گے۔[۹]

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوۡذِىَ فِى اللّٰهِ جَعَلَ فِتۡنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنۡ جَآءَ نَصۡرٌ مِّنۡ رَّبِّكَ لَيَقُوۡلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمۡ ؕ اَوَلَيۡسَ اللّٰهُ بِاَعۡلَمَ بِمَا

۱۰۔اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، پھر جب انہیں اللہ کی راہ میں ستایا جاتا ہے تو وہ لوگوں کے ستانے کو اللہ کے عذاب کی مانند قرار دیتے ہیں، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے کوئی مدد آجائے تو وہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم تو تمہارے

دے تو اس کی اطاعت جائز نہیں ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں ہے، اطاعت صرف نیکی میں ہوتی ہے۔ (مسلم: کتاب الامارہ: باب ۸)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں: حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی ماں کے ساتھ بہت نیکی کرتا تھا لیکن جب میں نے اسلام قبول کرلیا تو اس نے مجھے کہا: تم اسلام کو چھوڑ دو ورنہ میں نہ کھانا کھاؤں گی اور نہ پانی پیوں گی حتیٰ کہ مرجاؤں گی اور لوگ تجھے طعنہ دیں گے کہ تو اپنی ماں کا قاتل ہے۔ چنانچہ ان کی ماں نے سارا دن کھائے پیئے بغیر گزار دیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اے میری ماں! اگر آپ کے پاس سو زندگیاں ہوں اور اسی طرح ایک ایک کر کے ساری زندگیاں ختم کردیں تو پھر بھی میں اسلام کو ترک کرنے والا نہیں ہوں آپ کھانا کھائیں یا نہ کھائیں۔ جب وہ سعد رضی اللہ عنہ کے اسلام چھوڑنے سے مایوس ہوگئیں تو انہوں نے کھانا کھانا شروع کردیا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی) اس آیت میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو شرک کے بارے میں ماں کی بات ماننے سے منع کیا گیا ہے۔

[۸] چونکہ سب نے ایک دن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہونا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کے ظاہر اور باطن کو خوب جانتا ہے اس لئے اس کی نافرمانی سے ڈرو ورنہ اس دن جب برائیوں سے پردہ اٹھے گا تو ذلت وخواری کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

[۹] جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے، اللہ تعالیٰ انہیں جو بہترین جزا عطا فرمائے گا ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو نیک لوگوں کی سنگت میں داخل فرمادیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کی سنگت اور معیت بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے۔

فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ⑩

ساتھ تھے، [۱۰] کیا اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو خوب جاننے والا نہیں ہے جو جہان والوں کے سینوں میں (پوشیدہ) ہیں۔[۱۱]

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ⑪

۱۱۔اور اللہ تعالیٰ ضرور ظاہر کردے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور منافقوں کو بھی ضرور ظاہر کردے گا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑫

۱۲۔اور کافروں نے ایمان والوں سے کہا: تم ہماری راہ کی پیروی کرو اور ہم تمہارے گناہوں (کے بوجھ) کو اٹھالیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں سے کچھ بھی نہیں اٹھا سکیں گے، بے شک وہ جھوٹے ہیں۔[۱۲]

---

[۱۰] علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ وہ زبان سے کہتے تھے: ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، پھر جب انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں ستایا جاتا تو وہ لوگوں کے ستانے کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی مانند قرار دیتے اور اسلام چھوڑ کر مرتد ہوجاتے۔ (تفسیر قرطبی) اور کفار کے پاس جاکر کہتے: دراصل ہم تمہارے ساتھ ہیں مسلمانوں کو تو صرف دھوکہ دیتے ہیں لیکن جب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی نصرت سے فتح نصیب ہوتی تو مسلمانوں کے پاس آکر جھوٹا دعویٰ کرتے کہ ہم کفار کے پاس تو صرف راز لینے گئے تھے دراصل تو ہم کل بھی تمہارے ساتھ تھے اور آج بھی تمہارے ساتھ ہیں، لہٰذا مال غنیمت سے ہمیں بھی حصہ ملنا چاہیے کیونکہ ہم تمہارے مسلمان بھائی ہیں۔

[۱۱] منافقین اس دنیا میں مسلمانوں اور کافروں دونوں کو دھوکہ دے کر مطلب براری کرسکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے اور دلوں میں پوشیدہ رازوں سے اچھی طرح آگاہ ہے، قیامت کے دن جب وہ ان کے دلوں کے راز فاش کردے گا اور مومن اور منافق کے احوال کو ظاہر کردے گا تو پھر منافقین کا کیا حشر ہوگا؟

[۱۲] مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو کہا: تم ہماری راہ یعنی کفر و شرک کی طرف واپس آجاؤ تو ہم تمہیں ستانا چھوڑ دیں گے اور اگر تمہیں یہ خطرہ ہے کہ شرک گناہ ہے اور اس کی وجہ سے قیامت کے دن تمہیں عذاب میں مبتلا کیا جائے گا تو اس کے متعلق پہلی بات تو یہ ہے کہ مرکر مٹی ہوجانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو عقل تسلیم نہیں کرتی اور بفرض محال اگر ایسا ہوا تو خدا کے ہاں ہمارا نام لے دینا کہ انہوں نے ہم کو شرک کا مشورہ دیا تھا اور ہم بھی وعدہ کرتے ہیں کہ اس مشورہ کی ذمہ داری بھی قبول کریں گے اور تمہارے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے۔

اس آیت میں مشرکین کو جواب دیا جارہا ہے کہ وہ سراسر جھوٹ بول رہے ہیں، قیامت کے دن ہر ایک کو اپنی اپنی فکر

وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع

۱۳۔ اور وہ ضرور اپنے (گناہوں کے) بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے (گناہوں کے) بوجھ کے ساتھ کئی اور بوجھ بھی (اٹھائیں گے) اور قیامت کے دن ان سے ان (جھوٹی باتوں) کے متعلق ضرور باز پرس ہوگی جو وہ گھڑا کرتے تھے۔ [۱۳]

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور بے شک ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار سال رہے، پھر ان لوگوں کو طوفان نے آ پکڑا اس حال میں کہ وہ ظالم تھے۔ [۱۴]

دامن گیر ہوگی کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ (قرآن: ۶: ۱۶۴) اس دن آدمی اپنے بھائی، اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ (قرآن: ۸۰: ۳۴) حتیٰ کہ سارے دوست احباب اس دن ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔ (قرآن: ۴۳: ۶۷) یعنی پرہیزگار اس دن بھی اسی طرح ایک دوسرے کے دوست ہوں گے جس طرح آج ہیں، اور جس طرح آج ایک دوسرے کے کام آتے ہیں اسی طرح اس دن بھی ایک دوسرے کے کام آئیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

[۱۳] قیامت کے دن مشرکین کو اپنے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھانا ہوگا اور ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی مشرکین ہی کو اٹھانا پڑے گا جو ان کی کوشش سے گمراہ ہوئے تھے۔ نیز قیامت کے دن مشرکین سے ان جھوٹی باتوں کے متعلق بھی باز پرس ہوگی جن کے ذریعہ وہ لوگوں کو گمراہ کرتے تھے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ہدایت کی دعوت دی اس کو ہدایت کی اتباع کرنے والوں کا اجر ملے گا اور اتباع کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی بھی نہیں ہوگی اور جس شخص نے گمراہی کی دعوت دی اس کے اوپر اس گمراہی کی اتباع کرنے والوں کے گناہ بھی ہوں گے اور گمراہوں کے گناہوں میں کوئی کمی بھی نہیں ہوگی۔
(مسلم: ۲۶۷۴: کتاب العلم: باب ۶)

[۱۴] حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو تبلیغ کرتے رہے، اتنی طویل تبلیغ کے بعد بھی جب وہ اپنے مظالم سے باز نہ آئے تو بالآخر ان پر پانی کا طوفان آیا جس میں وہ غرق ہو گئے اور صرف وہی لوگ بچے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے تھے۔ وہ کشتی جودی پہاڑ کی چوٹی پر جا رکی اور آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کی نشانی بن گئی یعنی صرف وہی لوگ نجات پا سکے جو نبی کی دعوت پر کشتی میں سوار ہوئے۔ اسی طرح آخرت میں بھی صرف وہی لوگ نجات پا سکیں گے جو اپنے نبی کی دعوت پر ایمان لائیں گے۔

فَاَنْجَیْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِیْنَةِ وَ جَعَلْنٰهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ پھر ہم نے نوح علیہ السلام کو اور کشتی والوں کو نجات دے دی اور ہم نے اس (کشتی) کو تمام جہان والوں کے لئے ایک نشانی بنا دیا۔

وَ اِبْرٰهِیْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور ابراہیم علیہ السلام کو یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرتے رہو، یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے ہو اور محض جھوٹ گھڑتے ہو، بے شک اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہارے لئے رزق کے مالک نہیں ہیں، سو تم اللہ تعالیٰ سے رزق طلب کرو اور اس کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو، تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ [۱۵]

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ اہل مکہ کی ایذا رسانی اور ان کے ایمان نہ لانے پر کبیدہ خاطر نہ ہوں بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کے صبر و استقلال کو دیکھیں وہ ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو تبلیغ کرتے رہے اور اسی (۸۰) افراد کے سوا کوئی اور ایمان نہ لایا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ساڑھے نو سو سال نہیں تھی بلکہ یہ وہ عمر ہے جو نبوت پر فائز ہونے کے بعد سے طوفان نوح کے آنے تک ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: چالیس سال کی عمر میں حضرت نوح علیہ السلام کو نبوت کے منصب پر فائز کیا گیا اور ساڑھے نو سو سال تک قوم کو تبلیغ کرتے رہے، پھر طوفان نوح آیا اور اس طوفان کے بعد بھی حضرت نوح علیہ السلام ساٹھ سال تک زندہ رہے۔ (تفسیر قرطبی) اس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار پچاس سال بنتی ہے۔ اگرچہ انسان کی طبعی عمر اتنی لمبی نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔

[۱۵] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے فرمایا: بتوں کی عبادت کرنا تمہارا اپنا گھڑا ہوا فلسفہ ہے اس کا تمہارے پاس کوئی علمی یا عقلی ثبوت نہیں ہے اور نہ ہی تمہارا رزق ان کے اختیار میں ہے بلکہ وہ خود اپنے وجود میں تمہارے محتاج ہیں، اگر تم پتھروں کو تراش کر بت نہ بناؤ تو ان میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ خود بت ہی بن سکیں، جب کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے،

وَ اِنۡ تُكَذِّبُوۡا فَقَدۡ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور اگر تم جھٹلاتے ہو تو تم سے پہلے کئی قومیں جھٹلا چکی ہیں، اور رسول کے ذمہ تو صاف طور پر پیغام پہنچا دینے کے سوا (کچھ اور لازم) نہیں ہے۔ [۱۶]

اَوَ لَمۡ يَرَوۡا كَيۡفَ يُبۡدِئُ اللّٰهُ الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح تخلیق کا آغاز فرماتا ہے، پھر (فنا کے بعد) اس کو دوبارہ پیدا فرمائے گا، بے شک (دوبارہ پیدا کرنا) اللہ تعالیٰ کے لئے بہت ہی آسان ہے۔ [۱۷]

قُلۡ سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانْظُرُوۡا كَيۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنۡشِئُ النَّشۡاَةَ الۡاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۲۰﴾ۚ

۲۰۔ آپ فرما دیجیے: تم زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح تخلیق کا آغاز فرمایا، پھر اللہ تعالیٰ دوسری بار پیدا فرمائے گا، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

ساری کائنات کا خالق اور رازق ہے اور ایک دن تم سب کو اس کی بارگاہ میں لوٹ کر جانا ہے اور اعمال کا حساب دینا ہے، لہٰذا اسی کی عبادت کرو اور اسی سے رزق طلب کرو۔

[۱۶] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا: اگر تم میری دعوت کو جھٹلاتے ہو تو یہ کوئی نئی بات نہیں، تم سے پہلے بھی کئی قومیں اپنے نبیوں کی دعوت کو جھٹلا چکی ہیں۔ اس سے نبی کو کوئی نقصان نہیں ہوا بلکہ ان قوموں پر عذاب نازل ہوا کیونکہ نبی کا فرض یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام اپنی قوم تک پہنچائے جو اس نے پہنچا دیا۔ اب کوئی اس پر عمل کرے یا نہ کرے یہ نبی کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔

[۱۷] مشرکین مکہ کا خیال یہ تھا کہ انسان مر کر مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتا، اس آیت میں تخلیق اول کے ذریعہ زندہ ہونے پر دلیل قائم کی گئی ہے یعنی جس ہستی نے انسان کو پہلی مرتبہ بغیر کسی مادہ اور بغیر کسی سابقہ شکل وصورت کے پیدا کیا، اب اسی شکل وصورت میں دوبارہ پیدا کرنا تو اس کے لئے اور زیادہ آسان ہوگا۔ ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو تو سہی، جس نے بڑے بڑے پہاڑ اور سمندر، رنگا رنگ مخلوق کو بغیر کسی سابقہ نمونے کے پیدا فرما دیا ہے اس مخلوق کو فنا کر کے پھر اس جیسی مخلوق دوبارہ پیدا کرنا اس کے لئے کیا مشکل ہے۔

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ وہ جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رحم فرماتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ [۱۸]

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اور تم (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو اور نہ آسمان میں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارے لئے نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار۔ [۱۹]

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اور (قیامت کے دن) اس کی ملاقات کا انکار کیا وہ میری رحمت سے مایوس ہو گئے اور ان ہی لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ [۲۰]

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ

۲۴۔ پس ابراہیم ؑ کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ کہنے لگے: تم اس کو قتل کر ڈالو یا اس کو جلا دو، پھر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم ؑ کو آگ سے بچا لیا،

---

[۱۸] اللہ تعالیٰ حاکم مطلق ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے اپنی مخلوق میں تصرف کرتا ہے، تاہم اس سزا و جزا کے عمل میں وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

[۱۹] مشرکین کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم چاہے قیامت کو مانو یا نہ مانو، حقیقت یہی ہے کہ قیامت ضرور آئے گی اور تمہیں اس دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے، تم زمین و آسمان میں کہیں بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت سے باہر نہیں ہو سکتے اور نہ ہی تمہارا کوئی ایسا طاقتور دوست یا مددگار ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تمہیں پناہ دے سکے، لہٰذا تمہارا فائدہ اسی میں ہے کہ آج ہی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آؤ کیونکہ وہی تمہارا حقیقی دوست اور مددگار ہے۔

[۲۰] یہ دنیا دارالعمل اور دارالامتحان ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سب کے لئے عام ہے جس سے مومن اور کافر سب استفادہ کر رہے ہیں لیکن قیامت کا دن دارالجزا ہے جس میں نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت اور برے لوگوں کو ان کی برائیوں کی وجہ سے جہنم ملے گی۔ اسی طرح جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات اور آخرت کے منکر ہیں ظاہر ہے انہوں نے آخرت کے لئے تیاری نہیں کی ہوگی، لہٰذا قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾

بے شک اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان لائے ہیں۔[۲۱]

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَیْنِكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّیَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۵﴾ ۙ

۲۵۔اور ابراہیم نے کہا: تم نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو اپنا (معبود بنا) لیا ہے محض دنیاوی زندگی میں باہمی دوستی کی خاطر، پھر قیامت کے دن تم میں سے ہر ایک دوسرے (کی دوستی) کا انکار کردے گا اور تم میں سے ہر ایک دوسرے پر لعنت بھیجے گا اور تمہارا ٹھکانا (جہنم کی) آگ ہوگا اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔[۲۲]

[۲۱] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے توحید کے حق میں اور شرک کے خلاف دلائل دیئے، جب ان کی قوم ان دلائل کا جواب نہ دے سکی تو وہ ظلم وتشدد پر اتر آئی اور دنیا میں اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم عقل کے میدان میں لاجواب ہوجاتی ہے تو وہ تعصب میں آکر تشدد پر اتر آتی ہے اور انہوں نے آپس میں فیصلہ کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو قتل کردیا جائے یا زندہ جلا کر نشان عبرت بنادیا جائے تاکہ آئندہ کوئی ان کے شرک کو چیلنج نہ کرسکے۔ چنانچہ انہوں نے بہت بڑی آگ جلائی اور ابراہیم کو اس میں پھینک دیا مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اردگرد والی آگ کو سلامتی والا بنادیا جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ اس کی تفصیل سورہ الانبیاء (۲۱) کی آیت نمبر ۶۹ کے حاشیہ نمبر ۵۶ میں ملاحظہ کریں۔

اس واقعہ میں اہل ایمان کے لئے ایک سبق یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو آزمائے تو اسے مشکل سے مشکل حالات میں بھی ایمان پر ثابت قدم رہنا چاہیے اور دوسرا سبق یہ ہے کہ جب کوئی مومن آزمائش میں پورا اترتا ہے تو آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کو عظیم الشان اجر عطا فرمائے ہی گا، اس دنیا میں بھی اکثر اس کو امتیازی شان کے ساتھ سرخرو فرماتا ہے، جیسے نمرود کے مقابلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو، فرعون کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور مشرکین مکہ کے مقابلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نمایاں کامیابیاں حاصل ہوئیں۔

اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور قدرت اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت اور صداقت کا ثبوت بھی موجود ہے جو کہ مشرکین کے لئے لمحہ فکر یہ ہے کہ جس قادر مطلق اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلتی ہوئی آگ سے بچالیا وہی اس لائق ہے کہ اس کی توحید پر ایمان لایا جائے اور اس کی عبادت کی جائے۔

[۲۲] بت پرستی کی ان کے پاس کوئی مضبوط دلیل نہیں تھی صرف آباء واجداد کی اندھی تقلید کے باعث وہ بت پرستی کے ساتھ اس قدر

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَ قَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ (یہ سن کر) لوط ان (ابراہیم علیہ السلام) پر ایمان لے آئے اور انہوں (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا: میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں، بے شک وہی سب پر غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔ [۲۳]

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ وَ اٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی

۲۷۔ اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق (جیسا بیٹا) اور یعقوب (جیسا پوتا) عطا فرمایا اور ہم نے ابراہیم کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی [۲۴] اور ہم نے ان کو

وابستہ ہو چکے تھے کہ یہ ان کی آپس میں محبت اور وحدت کا ذریعہ بن چکی تھی، قیامت کے دن جب انہیں جہنم میں اپنا ٹھکانا نظر آئے گا تو پھر ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے، ہر ایک دوسرے پر لعنت بھیجے گا اور اسے اپنی گمراہی کا ذمہ دار قرار دے گا کہ اس نے مجھے گمراہ کر کے اس انجام تک پہنچایا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب ایک امت (دوزخ میں) داخل ہوگی تو وہ اپنی پیش روامت پر لعنت بھیجے گی حتیٰ کہ جب وہ سب اس میں دوزخ میں جمع ہو جائیں گی تو ان کی پچھلی امت پہلی امت کے متعلق کہے گی: اے ہمارے رب! ہم کو ان لوگوں نے گمراہ کیا تھا، پس تو ان کو آگ کا دگنا عذاب دے۔ (قرآن: ۷: ۳۸) ایک ان کی اپنی گمراہی کا اور دوسرا ہمیں گمراہ کرنے کا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آج تم میں سے ہر ایک کے لئے دوگنا عذاب ہے کیونکہ اگر انہوں نے تمہیں غلط راستہ دکھایا تو کیا تم اندھے تھے تم نے ان کی پیروی کیوں کی؟ لہٰذا تمہارا جرم بھی دوگنا ہے ایک اپنی گمراہی کا اور دوسرا گمراہ لوگوں کی اندھی تقلید کا۔

[۲۳] حضرت لوط علیہ السلام توحید پرست تو پہلے ہی تھے کیونکہ نبی ہمیشہ کفر و شرک سے پاک ہوتا ہے، چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کی دعوت دی تو حضرت لوط علیہ السلام نے سب سے پہلے آپ کی رسالت کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لے آئے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی کے بیٹے تھے۔ (صفوۃ التفاسیر)

آگ کے گلزار بننے کا عظیم معجزہ دیکھنے کے بعد بھی جب اہل عراق آپ پر ایمان نہ لائے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ تنگ کرنا شروع کر دیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہاں سے ہجرت کا پروگرام بنالیا۔ اس سفر ہجرت میں آپ کی اہلیہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام آپ کے ہمراہ تھے۔ ہجرت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فلسطین میں قیام فرمایا جب کہ حضرت لوط علیہ السلام کو سدوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔

[۲۴] اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں دو بیٹے عطا فرمائے، ایک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جن کی نسل سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ دوسرے حضرت اسحاق علیہ السلام جن کے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے اور بنی اسرائیل کے

الدُّنْيَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾

دنیا میں بھی ان کا اجر عطا فرمایا اور بے شک وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں سے ہیں۔[۲۵]

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اور لوط نے جب اپنی قوم سے کہا: بے شک تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے تمام جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کی۔

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ۬ وَ تَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ کیا تم (نفسانی خواہش کے لئے) مردوں کے پاس آتے ہو اور عام راستوں پر ڈاکے ڈالتے ہو اور اپنی مجلسوں میں برے کام کرتے ہو؟ تو ان کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ کہنے لگے: اگر تم سچے ہو تو ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آؤ۔[۲۶]

تمام انبیاء علیہم السلام ان ہی کی نسل سے پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ کے بعد جتنے انبیاء علیہم السلام تشریف لائے وہ سارے آپ ہی کی اولاد سے تھے اور چاروں آسمانی کتابیں یعنی تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید بھی آپ ہی کی نسل سے پیدا ہونے والے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں۔

[۲۵] اللہ تعالیٰ آخرت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے نیک بندوں میں شامل کر کے جس عظمت سے نوازے گا اس کا تو تصور کرنا بھی ہمارے لئے ممکن نہیں ہے لیکن اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امتیازی شان عطا فرمائی ہے جس کی وجہ سے آج بھی دنیا کے تمام مسلمان، عیسائی اور یہودی آپ کو اپنا پیشوا مانتے ہیں اور آپ کی تعظیم اور تکریم کرتے ہیں۔

[۲۶] قوم لوط کے لوگ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ نفسانی خواہش پوری کرتے تھے جو کہ ایسا غیر فطری اور غیر طبعی عمل ہے کہ جنگل کے جانور بھی اس سے پرہیز کرتے ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا کہ تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے ساری دنیا میں کسی نے نہیں کی اور پھر تم اس بے حیائی کا ارتکاب عام راستوں اور کھلی مجلسوں میں کرتے ہو، نیز مسافروں کو قتل کر کے ان کے مال لوٹ لیتے ہو۔ تم اس زیادتی اور بے حیائی سے باز آ جاؤ ورنہ تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگا۔ اس نصیحت کو رد کرنے کا ان کے پاس کوئی معقول جواب نہیں تھا اس لئے وہ ضد اور تعصب میں آ کر حضرت لوط علیہ السلام سے کہنے لگے: ہم تو اس کرتوت کو چھوڑنے والے نہیں ہیں، البتہ تم ہمیں جس عذاب سے ڈراتے ہو اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اس عذاب کو لے آؤ، کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ نہ اب تک قیامت آئی ہے اور نہ آئندہ کبھی آئے گی۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِىْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ لوط نے عرض کیا: اے میرے رب! ان فسادی لوگوں کے خلاف میری مدد فرما۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے حضرت ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر آئے تو انہوں نے کہا: بے شک ہم اسی بستی کے باشندوں کو ہلاک کرنے والے ہیں کیونکہ اس بستی کے باشندے ظالم ہیں۔ [۲۷]

قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۗ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ ابراہیم نے کہا: اس بستی میں تو لوط بھی ہیں، فرشتوں نے کہا: ہم ان کو خوب جانتے ہیں جو اس بستی میں ہیں، ہم ضرور بچا لیں گے لوط کو اور ان کے گھر والوں کو سوائے ان کی بیوی کے کیونکہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔ [۲۸]

وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا

۳۳۔ اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس آئے تو لوط ان کے آنے سے غمگین ہوئے اور ان کی وجہ سے تنگ دل ہوئے اور (انہیں پریشان دیکھ کر) فرشتوں نے کہا: آپ نہ خوفزدہ ہوں، اور نہ غمزدہ ہوں، بے شک ہم نجات دینے والے ہیں آپ کو اور

---

[۲۷] حضرت لوط علیہ السلام جب اپنی قوم کی اصلاح سے ناامید ہو گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے فرشتوں کو بھیجا۔ فرشتے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے اور انہیں بڑھاپے کے باوجود اولاد کی خوش خبری سنائی اور انہیں یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت لوط علیہ السلام کی بستی والوں کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجا ہے کیونکہ وہ بڑے ظالم اور سرکش ہو گئے ہیں۔

[۲۸] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: اس بستی میں تو لوط بھی موجود ہیں کیا ان کے سامنے اس بستی کے باشندوں کو ہلاک کیا جائے گا یا پہلے ان کو اس بستی سے نکال لیا جائے گا؟ فرشتوں نے جواب دیا: ہم اس بستی کے سارے باشندوں کو خوب جانتے ہیں۔ ہم حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو پہلے اس بستی سے نکال لیں گے، البتہ ان کی بیوی پیچھے رہ جائے گی کیونکہ وہ کافرہ ہے اور اس کو بستی والوں کے ساتھ ہلاک کر دیا جائے گا۔

امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٣٣﴾

آپ کے گھر والوں کو سوائے آپ کی بیوی کے کیونکہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔[٢٩]

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٣٤﴾

٣٤۔ بے شک ہم اس بستی کے باشندوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٣٥﴾

٣٥۔ اور بے شک ہم نے اس بستی کے کچھ آثار عقل مند لوگوں (کی عبرت) کے لئے بطور ایک واضح نشانی کے باقی رہنے دیئے ہیں۔[٣٠]

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٣٦﴾

٣٦۔ اور (ہم نے) مدین کی طرف ان کے (قومی) بھائی شعیب کو (بھیجا)، انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور آخرت کے دن کی امید رکھو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ

٣٧۔ پھر انہوں نے شعیب کو جھٹلایا تو انہیں ایک زلزلے

---

[٢٩] جب فرشتے حسین لڑکوں کی صورت میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو آپ گھبرا گئے کیونکہ ان کی قوم کے لوگ لڑکوں کے ساتھ بدفعلی کے دلدادہ تھے، اس لئے آپ کو خطرہ لاحق ہوا کہ انہیں ان لڑکوں کا علم ہوا تو وہ یہاں آکر میرے مہمانوں کی توہین کریں گے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو پریشان دیکھ کر فرشتوں نے کہا: آپ گھبرائیں نہیں ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں، یہ ہمیں تنگ نہیں کر سکتے بلکہ ہم ان پر عذاب نازل کرنے والے ہیں لیکن ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو پہلے یہاں سے نکال لیں گے، البتہ آپ کی بیوی ان نافرمانوں کے ساتھ ہی عذاب میں مبتلا کی جائے گی کیونکہ وہ آپ پر ایمان نہیں لائی۔ اس واقعہ کی تفصیلات کے لئے سورہ الاعراف (٧) کی آیات نمبر ٨٠۔٨٤، سورہ ہود (١١) کی آیات نمبر ٧٧۔٨٣ اور سورۃ الحجر (١٥) کی آیات نمبر ٦١۔٧٩ کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

[٣٠] جب قوم لوط کا وقت آپہنچا تو ان کی بستی کو تہہ و بالا کر دیا گیا۔ اب بھی اس الٹی ہوئی بستی میں کچھ کھنڈرات مدینہ اور شام کے درمیان موجود ہیں اور اہل مکہ جب تجارت کی غرض سے شام کو جاتے ہیں تو راستے میں ان کھنڈرات کا مشاہدہ کرتے ہیں مگر ان سے عبرت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو اپنی عقل سے کام لیتے ہیں۔

دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٣٧﴾

نے آ پکڑا، پس صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے تھے۔[٣١]

وَ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاۡ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۟ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿٣٨﴾

٣٨۔اور عاد اور ثمود کو (بھی ہم نے ہلاک کر دیا) اور ان کے (تباہ شدہ) مکانات تمہارے لئے ظاہر ہو چکے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لئے خوش نما بنا دیا تھا اور انہیں سیدھے راستے سے روک دیا تھا حالانکہ وہ سمجھ دار لوگ تھے۔[٣٢]

وَقَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۟ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿٣٩﴾

٣٩۔اور (ہم نے) قارون اور فرعون اور ہامان کو (بھی ہلاک کیا) اور بے شک موسیٰ ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے تھے، پھر بھی انہوں نے زمین میں سرکشی کی حالانکہ وہ (ہماری گرفت سے بچ کر) آگے بڑھ جانے والے نہ تھے۔[٣٣]

---

[٣١] اہل مدین ناپ تول میں کمی اور خیانت کرتے اور چونکہ وہ قیامت کے منکر تھے اس لئے انجام سے بے فکر ہو کر زمین میں فساد پھیلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا اور انہوں نے اہل مدین کو قیامت پر ایمان لانے اور فساد نہ پھیلانے کی دعوت دی مگر انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا اور اپنی خیانت اور فساد انگیزی پر قائم رہے جس کے نتیجہ میں ان پر زبردست آواز کے ساتھ ایسا زلزلہ آیا کہ وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے تھے۔ اس کی تفصیل کے لئے سورۃ الاعراف (٧) کی آیات نمبر ٩٣۔٨٥ اور سورہ ہود (١١) کی آیات نمبر ٩٥۔٨٤ کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

[٣٢] اس آیت میں اہل مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم نے اپنے تجارتی سفروں کے دوران یمن میں قوم عاد اور حجاز و شام کے درمیان قوم ثمود کے تباہ شدہ مکانات دیکھے ہوں گے۔ شیطان نے ان کے کفر و شرک اور ان کے مظالم کو ان کے لئے اس قدر خوش نما بنا دیا تھا کہ وہ سیدھے راستے کو چھوڑ کر غلط راستے پر گامزن ہو گئے حالانکہ وہ بڑے سمجھ دار لوگ تھے، اگر وہ اپنی عقل کو استعمال کرتے تو حق کو سمجھ سکتے تھے مگر جو لوگ اپنی عقل پر ضد اور تعصب کے پردے ڈال دیتے ہیں وہ حق کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔

[٣٣] قارون، فرعون اور ہامان بڑے سرکش ہو چکے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر ان کی طرف بھیجا۔ حضرت

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ پھر ہم نے ہر ایک (سرکش) کو اس کے گناہ کے باعث پکڑ لیا، پس ان میں سے بعض پر ہم نے پتھر برسائے اور ان میں سے بعض کو ایک خوف ناک کڑک نے آ پکڑا اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے (سمندر میں) غرق کر دیا اور اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ ان پر ظلم کرے بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔[۳۴]

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚۖ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور مددگار بنا لئے ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے جس نے (جالے سے) گھر بنایا اور بے شک تمام گھروں میں سب سے زیادہ کمزور مکڑی کا گھر ہوتا ہے، کاش! وہ لوگ (اس حقیقت کو) جانتے۔[۳۵]

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ

۴۲۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جس کو وہ اس کے سوا پوجتے

موسیٰ علیہ السلام نے انہیں توحید کی دعوت دی اور اپنی نبوت کے لئے معجزات بھی دکھائے مگر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور اپنی سرکشی پر قائم رہے جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے قارون کو زمین میں دھنسا دیا اور فرعون اور ہامان کو سمندر میں غرق کر دیا۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اور کوئی بڑے سے بڑا سرکش بھی اس کی گرفت سے بچ کر کہیں بھاگ نہیں سکتا۔

[۳۴] اللہ تعالیٰ نے سب اقوام کی طرف انبیائے کرام علیہم السلام بھیجے۔ انہوں نے اپنی قوموں کو سرکشی سے منع فرمایا لیکن جو لوگ سرکشی اور ظلم و زیادتی سے باز نہ آئے اللہ تعالیٰ نے بالآخر ان کے جرائم کے موافق انہیں مختلف سزائیں دیں۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ ان لوگوں کے اپنے کئے ہوئے مظالم تھے جن کی وجہ سے وہ اس سزا کے مستحق قرار پائے تھے۔

[۳۵] اس آیت میں معبودان باطلہ کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی جس طرح مکڑی کا جالا تمام گھروں میں سب سے زیادہ کمزور ہوتا ہے جو بارش اور تیز ہوا کے سامنے کھڑا نہیں رہ سکتا اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے اسی طرح جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے کارساز بناتے ہیں اور مشکل میں ان کی مدد پر بھروسہ رکھتے ہیں انہیں اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ معبودان باطلہ تو خود مکڑی کے جالے کی طرح اتنے کمزور ہیں کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتے تو پھر وہ کسی اور کو کیسے بچا سکیں گے؟

شَیۡءٍ ؕ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۴۲﴾

ہیں، اور وہ سب پر غالب بڑی حکمت والا ہے۔[۳۶]

وَ تِلۡکَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَ مَا یَعۡقِلُهَاۤ اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اور یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور ان مثالوں کو صرف علماء ہی سمجھتے ہیں۔[۳۷]

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۴۴﴾ ع

۴۴۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا، بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے (اس کی قدرت کی بڑی) نشانی ہے۔[۳۸]

اُتۡلُ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡهٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ

۴۵۔ (اے رسول مکرم!) جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اسے پڑھیے [۳۹] اور نماز قائم رکھیے، بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے،

[۳۶] اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن چیزوں کی یہ مشرکین عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کی حقیقت کو خوب جانتا ہے اور وہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں بے بس ہیں، حقیقت میں طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہی ہے، وہی سب پر غالب ہے اور اسی کی کامل حکمت سے یہ نظام کائنات چل رہا ہے اور وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

[۳۷] یہ مثالیں اس لئے بیان کی گئی ہیں تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت کو سمجھیں اور اس پر ایمان لائیں۔ اگرچہ یہ مثالیں سب لوگوں کے لئے ہیں مگر ان کو صرف علماء ہی سمجھتے ہیں کیونکہ وہ ان میں غور و فکر کرتے ہیں اور جو ان میں غور و فکر نہ کریں ظاہر ہے وہ ان مثالوں سے کچھ نہیں سمجھ سکیں گے۔

[۳۸] اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو صحیح اندازے کے مطابق پیدا فرمایا ہے، اس میں ذرہ برابر کمی بیشی کی ضرورت نہیں ہے۔ زمین و آسمان کے اس کامل نظام میں اہل ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک بڑی نشانی ہے۔

[۳۹] اس آیت میں خطاب بظاہر تو نبی کریم ﷺ سے ہے مگر حقیقت میں تمام ایمان والوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت کے آداب

قرآن مجید کی تلاوت اگرچہ بغیر وضو کے کھڑے ہو کر، بیٹھ کر، لیٹ کر یا چلتے پھرتے کی جاسکتی ہے مگر افضل یہ ہے کہ پہلے وضو کرے اور پھر قبلہ رو کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر بڑے ادب و سکون کے ساتھ تلاوت کرے اور دل و دماغ میں اس احساس کو تازہ کرے کہ یہ کتاب کسی انسان کی تصنیف نہیں بلکہ ہمارے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس نے ہماری ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے۔ تلاوت شروع کرتے وقت یہ پڑھے: اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن

الرحیم۔ میں مردود شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

تلاوت قرآن مجید کے مقاصد

ا۔ اجر وثواب کے لئے

حضرت ابوامامہ ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن کی تلاوت کیا کرو کیونکہ قیامت کے دن یہ تلاوت کرنے والوں کی شفاعت کرے گا۔ (مسلم: صلاۃ المسافرین: باب ۴۲)

قرآن مجید کے ایک حرف کی تلاوت سے دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ایک حرف کی تلاوت کی اس کے لئے اس تلاوت کے بدلے میں ایک نیکی ہے اور یہ ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ''الم'' ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے، اور میم ایک حرف ہے۔ (ترمذی: فضائل القرآن: باب ۱۶) گویا صرف ''الم'' پڑھنے سے تیس نیکیاں مل جاتی ہے۔ اہل علم کہتے ہیں: جو صرف الف کی تلاوت کرتا ہے اس کی زبان سے تین حروف (ال م) ادا ہوتے ہیں، لہٰذا صرف ''الم'' کی تلاوت سے ۹۰ نیکیوں کا ثواب ملے گا اور یہ ثواب ہر مومن کو ملے گا خواہ وہ آیات کا معنیٰ جانتا ہے یا نہیں کیونکہ ''الم'' حروف مقطعات ہیں اور قرآن مجید میں حروف مقطعات پر مشتمل ۲۹ آیات ہیں جن کا معنیٰ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی نہیں جانتا مگر ان کے ہر حرف کی تلاوت کے بدلے میں دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔

قرآن مجید خود پڑھنے کے علاوہ اگر کسی کو پڑھتے ہوئے سنا جائے تو بھی اجر وثواب ملتا ہے۔ امام دارمی نے اپنی سنن میں قرآن سننے کی فضیلت کے بارے میں ایک باب قائم کیا ہے جس میں حضرت خالد بن معدان ﷜ بیان کرتے ہیں: بے شک جو شخص قرآن کی تلاوت کرتا ہے اس کے لئے ایک اجر ہے اور جو اس کو غور سے سنتا ہے اس کے لئے دو اجر ہیں۔ (سنن دارمی: کتاب فضائل القرآن: باب ۱۰) قرآن مجید کا پڑھنا فرض نہیں مگر اس کا سننا فرض ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو۔ (قرآن: ۷: ۲۰۴) فرض کا ثواب چونکہ واجب، سنت اور مستحب کے مقابلہ میں زیادہ ہے اس لئے قرآن مجید سننے کے ثواب کو دو اجر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس ﷜ بیان کرتے ہیں: جس شخص نے کتاب اللہ کی ایک آیت بھی غور سے سنی تو یہ آیت اس کے لئے (قیامت کے دن بمنزلہ) نور ہوگی۔ (سنن دارمی: کتاب فضائل القرآن: باب ۱۰)

۲۔ علم حاصل کرنے اور علم دینے کے لئے

حضرت عثمان بن عفان ﷜ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن کا علم حاصل کرے اور دوسروں کو علم دے۔ (بخاری: فضائل القرآن: باب ۲۱) ساری کائنات میں سب سے زیادہ سچی اور سب سے بڑی عظمت والی کتاب قرآن مجید ہے، جو اس کا علم حاصل کرے اور اس کی تعلیم دے وہ سب سے بہتر نہیں ہوگا تو

اور کون ہوگا؟

یہ اتنی عظیم کتاب ہے کہ سب سے پہلے اس کا علم سکھانے والا خود اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے سب سے پہلے طالب علم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ سورۂ رحمٰن کی تفسیر میں اہل علم لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو قرآن مجید کا علم سکھایا اور پھر حضرت محمد ﷺ نے اپنی امت کو اس کا علم سکھایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا علم پڑھانا اللہ تعالیٰ کی بھی سنت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی بھی سنت ہے اور قرآن مجید کا علم حاصل کرنا ہمارے پیارے نبی ﷺ کی بھی سنت ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بھی سنت ہے، الغرض قرآن مجید کا علم حاصل کرنا اور اس کی تعلیم دینا دونوں ہمارے پیارے نبی ﷺ کی سنت ہیں۔

قرآن مجید کے الفاظ کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ (قرآن: ۱۵: ۹) اور قرآن مجید کا علم اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے نبی ﷺ کو عطا فرمایا جس کے محافظ علمائے کرام ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء دینار اور درہم کی میراث نہیں چھوڑتے وہ صرف علم کی میراث چھوڑتے ہیں، سو جس شخص نے علم حاصل کیا اس نے بہت بڑا حصہ حاصل کرلیا۔ (ترمذی: ۲۶۸۲: ابواب العلم: باب ۱۹) اسی لئے قرآن کے الفاظ میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ ان کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے اور قرآن کے علم میں اختلاف ہے کیونکہ اس کے محافظ علماء ہیں مگر اہل علم کا اختلاف رحمت ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ (کنز العمال: جلد ۱۰: ص ۱۳۶) لہٰذا آج قرآن، حدیث اور شریعت کا جتنا علم موجود ہے یہ علمائے کرام کا مرہون منت ہے۔ دنیا کا ہر مسلمان خواہ وہ ڈاکٹر ہے یا لیڈر، عابد ہے یا شیخ سب بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی عالم کے شاگرد ہیں اور اگر کوئی یہ خیال کرے کہ اس نے اسلام کو علماء سے نہیں بلکہ بخاری سے سیکھا ہے تو صحیح بخاری بھی دراصل ایک عالم دین کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن علماء (کے قلم) کی سیاہی اور شہیدوں کے خون کا وزن کیا جائے گا اور علماء (کے قلم) کی سیاہی شہیدوں کے خون سے بھاری ہوگی۔ (کنز العمال: جلد ۱۰: ص ۱۴۱) امام بخاری کے عہد میں نہ جانے کتنے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جام شہادت نوش کیا ہوگا، وہ خود تو جنت کے مستحق قرار پائے ہوں گے مگر آج ہمیں ان کا نام تک معلوم نہیں جب کہ حضرت امام بخاری اپنے قلم کی سیاہی کی وجہ سے آج بھی اہل ایمان کے دلوں میں زندہ ہیں، انہوں نے صحیح بخاری میں جو احادیث جمع کی ہیں وہ سینکڑوں سالوں سے لوگوں کی رہنمائی کر رہی ہیں اور قیامت تک کرتی رہیں گی۔ اسی طرح اگر کوئی یہ خیال کرے کہ اس نے اسلام کو علماء سے نہیں بلکہ براہ راست قرآن مجید سے سیکھا ہے تو قرآن مجید بھی اللہ تعالیٰ یا نبی کریم ﷺ نے نہیں لکھا بلکہ اہل علم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے لکھا ہے، لہٰذا ہر شخص بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی عالم کا شاگرد ہے اور اسے علماء کا احسان مند رہنا چاہیے۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: قرآن کا علم حاصل کرو اور لوگوں کو اس کا علم سکھاؤ۔ اگر اسی حالت میں تمہاری موت آگئی تو فرشتے تیری قبر کی زیارت اس طرح کریں گے جس طرح بیت اللہ کی زیارت کی جاتی ہے۔ (کنز

العمال: جلد ۱۰: ص ۲۵۹) یعنی جس طرح مسلمانوں کے دلوں میں بیت اللہ کی زیارت کا شوق ہوتا ہے اسی طرح فرشتوں کو تیری قبر کی زیارت کا شوق ہوگا۔ صرف حج کے موقع پر دو تین ملین مسلمان بیت اللہ کی زیارت کے لئے جاتے ہیں اور پورے سال میں نامعلوم کتنے ملین مسلمان بیت اللہ کے طواف کے لئے جاتے ہیں۔ ذرا اندازہ کریں جتنی مقدار میں مسلمان بیت اللہ کے طواف کے لئے جاتے ہیں اتنی مقدار میں اللہ تعالیٰ کے نورانی فرشتے جس عالم دین کی قبر کی زیارت کے لئے آئیں گے اور صاحب قبر کی مغفرت اور بلندی درجات کے لئے دعا کریں گے تو اس عالم دین کی عظمت کا کیا عالم ہوگا، عالم کی فضیلت کے بارے میں تین اور احادیث ملاحظہ کریں:

☆ ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عالم کا مقام عابد سے اتنا بلند ہے جتنا تمہارے ادنیٰ آدمی سے میرا مقام بلند ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور زمین و آسمان میں رہنے والی مخلوق حتیٰ کہ چیونٹی اور مچھلی بھی لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دینے والے کے لئے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔

(ترمذی: ابواب العلم: باب ۱۹)

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ شدید ہے۔ (ترمذی: ۲۶۸۱: ابواب العلم: باب ۱۹)

☆ حضرت عبداللہ بن بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن پڑھا اور اس کا علم حاصل کیا اور اس پر عمل کیا اسے قیامت کے دن نور کا ایک تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی کے مانند ہوگی اور اس کے والدین کو دو ایسے حلے (لباس) پہنائے جائیں گے کہ ساری دنیا بھی ان کی قیمت کے برابر نہ ہوگی، وہ عرض کریں گے: ہمیں یہ لباس کس وجہ سے پہنایا گیا ہے؟ انہیں جواب دیا جائے گا: اس لئے کہ تمہارے بیٹے نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا تھا۔ (المستدرک: حاکم: ۲۰۸۶: جلد اول: ص ۷۵۶)

۳۔ نصیحت حاصل کرنے کے لئے

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اس لئے نازل کیا ہے کہ انسان اس کو زبان سے پڑھ کر دل میں اتارے اور اس کے پند و نصائح کو قبول کر کے ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بار بار ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن اس لئے نازل فرمایا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو، تم نصیحت حاصل کیوں نہیں کرتے، کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ وغیرہ

☆ جو لوگ زبان سے تو قرآن کی تلاوت کرتے ہیں مگر دل میں نہیں اتارتے اور اس کی نصیحت قبول نہیں کرتے ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں خواہ وہ ظاہری طور پر کتنی ہی اچھی نمازیں پڑھتے ہوں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت میں ایک جماعت نکلے گی، یہ نہیں فرمایا کہ اس امت سے ہوگی۔ وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ ان کی نمازوں کے مقابلے میں تم اپنی نمازوں کو حقیر سمجھو گے، وہ قرآن پڑھیں گے اور قرآن ان کے حلقوم یا گلوں سے نیچے نہیں اترے گا، وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ (بخاری: ۶۹۳۱: کتاب المرتدین: باب ۶) ایک اور حدیث میں نبی

کریم ﷺ نے فرمایا: وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے، وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور غیر مسلموں کو چھوڑ دیں گے۔ (بخاری: ۳۳۴۴: کتاب الانبیاء: باب ۶)

☆ جو لوگ قرآن مجید سے نصیحت حاصل کر کے اس پر عمل کرتے ہیں، قرآن ان کے حق میں ایسی حجت قائم کر دے گا کہ وہ جنت کے مستحق قرار پائیں گے اور جو لوگ قرآن مجید سے نصیحت حاصل نہیں کرتے، یہ قرآن ان کے خلاف ایسا ثبوت فراہم کرے گا کہ وہ جہنم کے مستحق قرار پائیں گے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن حجت ہے تیرے حق میں یا تیرے خلاف۔

(مسلم: ۵۳۴: کتاب الطہارۃ: باب ۱)

☆ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن قرآن مجید شفاعت کرنے والا ہے اور اس کی شفاعت مقبول ہوگی اور نافرمان لوگوں کا شکوہ کرے گا جو سنا جائے گا۔ جس شخص نے قرآن کو اپنا امام بنایا یہ قرآن اسے جنت میں لے جائے گا اور جس نے اس کو پس پشت ڈال دیا یہ اسے جہنم کی طرف ہانک کر لے جائے گا۔

(صحیح ابن حبان: ۱۲۴: جلد اول: ص ۱۲۲)

۴۔ غور و فکر کرنے کے لئے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ کتاب برکت والی ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل فرمایا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں۔ (قرآن: ۳۸: ۲۹) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عالم اپنے بستر پر لیٹے ہوئے ایک گھڑی کے لئے جب اپنے علم میں غور و فکر کرتا ہے تو اس کی وہ ایک گھڑی ایک عابد کی ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (کنز العمال: جلد ۱۰: ص ۱۵۴)

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں: کائنات میں غور و فکر کرنا سب سے افضل عبادت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تفکر کے ہم پایہ کوئی عبادت نہیں۔ (تفسیر بیضاوی: سورہ آل عمران: زیر آیت نمبر ۱۹۱)

اس افضل عبادت کے سلسلہ میں آج ہماری غفلت کا عالم یہ ہے کہ غیر مسلم چاند پر اترنے کا دعویٰ کر رہے ہیں اور ہمارے لئے عید کا چاند تلاش کرنا ابھی ایک مسئلہ بنا ہوا ہے۔ غیر مسلم قومیں کائنات میں غور و فکر کر کے سائنس اور ٹیکنالوجی کے آسمان پر پہنچ چکی ہیں اور ہم ابھی زمین پر ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچ رہے ہیں۔

افسوس یہ نہیں کہ ہم ہوئے بے حس — افسوس تو یہ ہے کہ احساس بے حسی بھی نہ رہا
وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا — کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

جب تک مسلمان کائنات میں غور و فکر کرتے رہے وہ دنیا کو نئی ایجادات سے بہرہ ور کرتے رہے اور دنیا ان کی عظمت کے گیت گاتی رہی لیکن جب مسلمانوں نے تفکر اور تدبر سے پہلوتہی کر لیا تو ذلت و رسوائی ان کا مقدر بن گئی۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر — ہم خوار ہوئے ہیں تارک قرآں ہو کر
درس قرآن نہ اگر ہم نے بھلایا ہوتا — یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا

وَ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَ لَذِكۡرُ اللّٰهِ اَكۡبَرُ ؕ [۴۰] اور واقعی اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑا ہے،

[۴۰] نماز قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو اس کے تمام ظاہری اور باطنی آداب کے ساتھ ادا کیا جائے۔ نماز کے ظاہری آداب سے مراد یہ ہے کہ تمام نمازیں پابندی کے ساتھ ان کے صحیح اوقات میں پیارے نبی ﷺ کی سنت کے مطابق ادا کی جائیں اور نماز کے باطنی آداب سے مراد یہ ہے کہ نماز کے دوران تیری عاجزی وانکساری، خدا خوفی اور یکسوئی کا عالم یہ ہو گویا تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے ورنہ کم از کم اتنا یقین تو ضرور ہو کہ اللہ تعالیٰ تجھے دیکھ رہا ہے اور ہر نماز کو اتنی احتیاط سے ادا کر جیسے وہ تیری زندگی کی آخری نماز ہے کیونکہ ہوسکتا ہے اس نماز کے بعد زندگی تیرا ساتھ چھوڑ جائے اور دوسری نماز پڑھنے کا موقع ہی نہ ملے۔ نماز کے ظاہری و باطنی آداب کے لئے سورہ مومنون (۲۳) کی آیت نمبر ۲ کا حاشیہ نمبر ایک ملاحظہ کریں۔

نماز بے حیائی اور برائی سے کیسے روکتی ہے؟

☆ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو ہر وقت اور ہر جگہ دیکھ رہا ہے اگرچہ اس کا احساس بہت کم ہوتا ہے لیکن کم از کم نماز کے دوران اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی گزارشات پیش کرتے وقت تو بھرپور یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ جو شخص ہر روز پانچ مرتبہ اس یقین کے ساتھ نماز ادا کرے گا کہ اس کا رب اسے دیکھ رہا ہے تو آہستہ آہستہ یہ اس کی فطرت ثانیہ بن جائے گی اور نماز کے باہر بھی جب شیطان اس کے دل میں برائی کا وسوسہ ڈالے گا تو اسے فوراً خیال آجائے گا کہ اس کا رب اسے دیکھ رہا ہے اور وہ فوراً اس برائی سے باز آجائے گا۔

☆ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نماز قائم کرنے کا ایک مقصد یہ بتایا ہے: اور میری یاد کے لئے نماز قائم رکھو۔ (قرآن: ۲۰: ۱۴) یعنی روزانہ پانچ بار تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد نماز قائم کر کے اللہ تعالیٰ کی یاد کو تازہ رکھو اور نماز کے باہر جب شیطان اس کے دل میں برائی کا وسوسہ ڈالے گا تو اسے فوراً خیال آجائے کہ ابھی تھوڑی دیر کے بعد نماز میں اللہ تعالیٰ کے حضور جائے گا تو کیا منہ کھائے گا، اس طرح نماز اور اللہ تعالیٰ کی یاد اسے برائی سے روک دیتی ہے۔

☆ انسان کتنا ہی بے حیا اور بدکار کیوں نہ ہو جب تک وہ نماز میں مشغول رہتا ہے وہ برائی سے محفوظ رہتا ہے۔ اس طرح اگر وہ نماز سے باہر برائیوں میں مبتلا رہتا ہے تو بہر حال نماز کی حالت میں تو نماز اسے برائیوں سے روک دیتی ہے۔

☆ نماز بے حیائی اور برائی سے روکنے کا سبب اور ذریعہ بنتی ہے۔ جو شخص نماز پڑھنے کے باوجود برائی کا ارادہ کرتا ہے تو یہ خیال اسے برائی سے روکتا ہے کہ جب وہ نماز پڑھنے مسجد میں جائے گا تو دوسرے نمازی کیا کہیں گے کہ یہ شخص نماز بھی پڑھتا ہے اور برائی بھی کرتا ہے، چنانچہ اسے دوسرے نمازیوں سے شرم محسوس ہوگی اور کم از کم لوگوں کے سامنے برائی کا ارتکاب نہیں کرے گا۔

☆ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ نماز کے تین اوصاف ہیں اور جس نماز میں ان تین اوصاف میں سے کوئی ایک وصف بھی نہ ہو اس کی کوئی نماز نہیں ہے یعنی (۱) اخلاص (۲) خشیت (۳) اللہ تعالیٰ کا ذکر، پس اخلاص اس نیکی

کا حکم دیتا ہے اور خشیت اس کو برائی سے روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر یعنی قرآن پڑھنا اس کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

☆ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک نوجوان انصاری کی شکایت کی گئی کہ وہ نماز بھی پڑھتا ہے اور بے حیائی اور چوری کے گناہوں سے باز بھی نہیں آتا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک نہ ایک دن نماز اسے برائیوں سے روک دے گی۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ بعد وہ توبہ کر کے نیک بن گیا۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا میں نے تمہیں کہا نہ تھا کہ ایک دن نماز اسے گناہوں سے روک دے گی۔ (تفسیر قرطبی)

☆ جو شخص پورے خشوع وخضوع اور خلوص نیت سے نماز ادا کرتا ہے، نماز اسے ایک دن برائیوں سے روک دے گی مگر اس کے لئے وقت درکار ہے کیونکہ بیماری آنے میں دیر نہیں لگتی، بعض دفعہ صرف ٹھنڈی ہوا لگی اور چند لمحوں میں بیماری آ گئی مگر اس کو جانے میں کئی دن لگتے ہیں۔ اسی طرح برائیوں سے جان چھڑانے میں بھی وقت لگتا ہے، اگر انسان صبر و استقامت سے مقابلہ کرتا رہے تو بالآخر برائیوں سے نجات پالیتا ہے۔

☆ جو شخص نماز پڑھنے کے باوجود عمر بھر گناہوں میں مبتلا رہا تو ظاہر ہے وہ نماز پڑھنے میں مخلص نہیں تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس افسوس ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔ (یہ وہ لوگ ہیں) جو ریا کاری کرتے ہیں۔ (قرآن: ۱۰۷: ۶-۴) اور ایسے ہی نمازیوں کے لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو اس کی نماز نے بے حیائی اور برائی سے نہیں روکا اس نماز سے اس شخص کو اللہ تعالیٰ سے دوری حاصل ہوگی۔ (تفسیر ابن کثیر)

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: ذرا بتلاؤ تو اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ دفعہ غسل کرتا ہو تو تمہارا کیا خیال ہے! یہ غسل اس کے جسم پر میل کو باقی رہنے دے گا؟ صحابہ نے عرض کیا: یہ غسل اس کے جسم پر کوئی میل نہیں چھوڑے گا تو آپ ﷺ نے فرمایا: پانچ نمازوں کی بھی یہی مثال ہے، اللہ تعالیٰ نماز کے ذریعہ اپنے بندے کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

(بخاری: ۵۲۸: کتاب مواقیت الصلاۃ: باب ۶)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سردی کے موسم میں جب درختوں کے پتے جھڑ رہے تھے باہر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے ایک درخت کی ایک شاخ کو پکڑا (اور اس کو حرکت دی تو) اس شاخ سے پتے جھڑنے لگے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! بندہ رضائے خداوندی کے لئے نماز پڑھتا ہے تو اس سے اس کے گناہ یوں جھڑتے ہیں جیسے اس درخت سے پتے جھڑ رہے ہیں۔ (مسند احمد: جلد ۵: ص ۱۷۹) مذکورہ دو احادیث سے معلوم ہوا کہ نماز قائم کرنے سے چھوٹے گناہ تو اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے مگر بڑے گناہ اور حقوق العباد میں کوتاہی معاف نہیں ہوتے۔ جب بندے کو یہ علم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کی برکت سے اس کے چھوٹے گناہ معاف کر دیئے ہیں تو پھر اسے اللہ تعالیٰ سے شرم آئے گی اور بڑے گناہوں سے پرہیز کرے گا۔

☆ سید محمود آلوسی نے ابو عبداللہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جو شخص یہ جاننا چاہتا ہے کہ اس کی نماز مقبول ہوئی ہے یا نہیں تو وہ یہ دیکھے کہ کیا اس کی نماز اسے بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے یا نہیں، وہ جس قدر برائی سے دور ہوگا اسی قدر اس کی نماز مقبول ہوگی۔ (تفسیر روح المعانی)

☆ اس آیت پر ایک عمومی اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ کئی لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں اور برائی بھی کرتے ہیں تو پھر نماز انہیں برائی سے کیوں نہیں روکتی؟

علامہ محمود آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں اس اعتراض کا جو جواب دیا ہے میں اس کو اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہوں یعنی ایک ہے نمازی کو برائی سے روکنا اور ایک ہے نمازی کا برائی سے رک جانا، ان دونوں میں فرق ہے۔ اس آیت میں یہ ذکر تو ہے کہ نماز برائی سے منع کرتی ہے مگر یہ ذکر نہیں ہے کہ نمازی برائی سے رک جاتا ہے کیونکہ جن کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہوتا وہ برائی سے نہیں رکتے۔ جس طرح قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ عدل کرنے، نیکی کرنے اور قریبی رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برائی اور زیادتی سے روکتا ہے۔ (قرآن: ۱۶:۹۰) یعنی اللہ تعالیٰ تو سب کو نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے مگر پھر بھی اکثر لوگ برائی سے باز نہیں آتے تو جب اللہ تعالیٰ کے روکنے سے تمام لوگ برائیوں سے نہیں رکتے تو نماز کے منع کرنے سے کیسے رک سکتے ہیں؟ الغرض روکنے والا اللہ تعالیٰ ہو یا اس کا پیارا رسول ﷺ، قرآن ہو یا نماز صرف وہی لوگ برائیوں سے رک جاتے ہیں جن کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہو۔ یارب العالمین! اس فقیر پر تقصیر، اس کے جملہ متعلقین اور ساری امت مسلمہ کے دلوں میں اپنا خوف پیدا فرما دے اور تمام مومنین اور مومنات کے دلوں میں اپنی اور اپنے پیارے نبی کی حقیقی محبت پیدا فرما دے۔ آمین ثم آمین!

نماز کے فوائد

۱۔ نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہوتا ہے۔
۲۔ نماز دین کا ستون ہے۔
۳۔ نماز جنت کی چابی ہے۔
۴۔ نماز آخرت میں نجات کا ذریعہ ہے۔
۵۔ نماز مومن کی معراج ہے۔
۶۔ نماز سے دل کو سکون ملتا ہے۔
۷۔ نماز اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ کرتی ہے۔
۸۔ نماز اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان رابطے کا ایک ذریعہ ہے۔
۹۔ نماز انسان کے جسم اور کپڑوں کو پاک رکھتی ہے۔
۱۰۔ نماز پڑھنے سے وقت کی پابندی کی عادت پڑتی ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۴۵ [۴۱] اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

۱۱۔ ہر شخص نماز پڑھنے والے کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔
۱۲۔ دن میں پانچ مرتبہ وضو کرنے سے انسان کی تھکاوٹ دور ہوتی ہے اور چہرہ تر و تازہ رہتا ہے۔
۱۳۔ نماز باجماعت سے حقیقی مساوات اور بھائی چارے کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

[۴۱] اللہ تعالیٰ کے ذکر کی فضیلت

☆ ابن زید اور قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر چیز سے بڑا اور تمام عبادات سے افضل ہے۔ (تفسیر قرطبی) حتیٰ کہ نماز جیسی اہم عبادت کا ایک مقصد بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو۔ (قرآن: ۱۴۲۰)

☆ سلمان نے کہا: کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے افضل نہیں۔ (تفسیر ابن جریر طبری)

☆ حضرت انس بن مالک ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم جنت کے باغوں کے پاس سے گزرو تو ان سے اپنا حصہ لے لیا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا: وہ جنت کے باغات کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ذکر کے حلقے ہیں۔ (شعب الایمان: بیہقی: ۵۲۹: جلد اول: ص ۳۹۸)

☆ حضرت عبداللہ بن عمر ﷜ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر چیز کو صاف کرنے اور چمکانے کے لئے ایک آلہ ہوتا ہے اور دلوں کو صاف کرنے اور چمکانے والا اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دینے والی سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ (شعب الایمان: بیہقی: ۵۲۲: جلد اول: ص ۳۹۶)

☆ حضرت ابو درداء ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو یہ خبر نہ دوں کہ تمہارے رب کے نزدیک تمہارا کون سا عمل سب سے اچھا، سب سے پاکیزہ اور سب سے بلند درجہ والا ہے اور جو تمہارے سونے اور چاندی کے صدقہ کرنے سے زیادہ اچھا ہے اور اس سے بھی اچھا ہے کہ تمہارا تمہارے دشمنوں سے مقابلہ ہو، تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون سا عمل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔ (ترمذی: ۳۳۷۷: کتاب الدعوات: باب ٦)

☆ حضرت ابو ہریرہ ﷜ اور حضرت ابو سعید ﷜ دونوں نے رسول اللہ ﷺ پر گواہی دیتے ہوئے کہا کہ آپ نے فرمایا: جو قوم بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لئے بیٹھتی ہے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر اطمینان اور سکون نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ان میں فرماتا ہے جو اس کے پاس ہیں۔

(مسلم: ٦٦٥٥: کتاب الذکر والدعاء: باب ۱۱)

☆ حضرت ابو درداء ﷜ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی نصیحت فرمائیں، آپ نے فرمایا: میں تجھے اللہ تعالیٰ کے خوف و تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں کہ یہی سارے معاملے کی اصل ہے۔ میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ! مجھے کچھ مزید نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: قرآن کی تلاوت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کو لازم پکڑو کیونکہ یہ زمین میں تمہارے لئے نور اور آسمان میں تمہارے لئے (نیکیوں کا) ذخیرہ ہوگا۔

(صحیح ابن حبان: ۳۶۳: جلد اول: ص ۲۰۹)

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کا ایک معنیٰ یہ بھی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو تمہارا ذکر کرتا ہے وہ اس سے زیادہ بڑا ہے جو تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہو۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی: تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ (تفسیر روح المعانی) اس قول کی تائید میں ایک حدیث قدسی ملاحظہ کریں جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میرا بندہ جیسے مجھ سے گمان رکھتا ہے ویسا ہی میں اس کے ساتھ برتاؤ کرتا ہوں اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں۔ اگر بندہ مجھے دل میں یاد کرے تو میں بھی اسے دل میں یاد کروں گا اور اگر وہ مجھے اجتماع میں یاد کرے تو میں اس سے بہتر اجتماع میں اسے یاد کروں گا۔ (بخاری: ۷۴۰۵: کتاب التوحید: باب ۱۵) ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کا کسی بندے کو یاد کرنا اور پھر نورانی فرشتوں کے جھرمٹ میں اس کا ذکر کرنا اتنا بڑا اعزاز ہے جس کا مقابلہ کائنات میں کوئی چیز نہیں کرسکتی۔

☆ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور جو شخص اپنے رب کا ذکر نہیں کرتا ان کی مثال زندہ اور مردہ کی طرح ہے۔ (بخاری: ۶۴۰۷: کتاب الدعوات: باب ۶۶)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں گھومتے ہیں اور اہل ذکر کو تلاش کرتے ہیں اور جب وہ کسی جماعت کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکار کر کہتے ہیں: آؤ تمہارا مقصد یہ لوگ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھر فرشتے آسمان دنیا تک اپنے پروں کے ساتھ ان لوگوں پر چھا جاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے سوال کرتا ہے حالانکہ وہ خود ہی خوب جانتا ہے۔ میرے بندے کیا کہتے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ تیری پاکی، بڑائی اور حمد بیان کرتے ہیں (یعنی سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ کہتے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں، خدا کی قسم! انہوں تجھے نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کی کیفیت کیا ہوتی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر وہ تجھے دیکھ لیتے تو وہ تیری عبادت، بزرگی اور پاکی اور زیادہ بیان کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ مجھ سے کیا مانگتے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ تجھ سے جنت مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں اے ہمارے رب! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو وہ جنت کی خواہش، طلب اور رغبت اور زیادہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا انہوں نے جہنم دیکھی ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں اے ہمارے رب! خدا کی قسم! انہوں نے جہنم نہیں دیکھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ جہنم کو دیکھ لیتے تو ان کی کیفیت

وَ لَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۖۗ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَ قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔اور (اے مسلمانو!) اہل کتاب سے بحث مباحثہ نہ کیا کرو مگر ایسے طریقہ سے جو عمدہ ہو سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا [۴۲] اور (ان سے) کہہ دو: ہم اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتارا گیا اور (اس پر بھی ایمان لائے) جو تمہاری طرف اتارا گیا اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔ [۴۳]

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَ مِنْ هٰۤؤُلَآءِ

۴۷۔اور (اے رسول مکرم ﷺ!) ہم نے اسی طرح آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے، پس جن کو ہم نے

کیا ہوتی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر وہ جہنم کو دیکھ لیتے تو اس سے دور بھاگتے اور بہت زیادہ اس سے ڈرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ بے شک میں نے ان کو بخش دیا ہے۔ ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے: ان ذکر کرنے والوں میں فلاں شخص بھی تھا جو ان میں سے نہیں تھا (یعنی ذکر کرنے کی غرض سے نہیں آیا تھا) وہ اپنے کسی کام کے لئے وہاں آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ (ذکر کرنے والے) ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا۔

(بخاری: ۶۴۰۸: کتاب الدعوات: باب ۶۶)

[۴۲] تبلیغ کے دوران اگر اہل کتاب سے نوبت مناظرہ تک پہنچ جائے تو ان کے ساتھ بڑے مہذب، معقول اور عمدہ طریقہ سے گفتگو کرو تاکہ ان کے دل میں تعصب پیدا نہ ہو اور تمہاری تبلیغ کو غور سے سنیں لیکن ان میں سے جو زیادتی اور بدتہذیبی پر اتر آئیں تو ان کے ساتھ تکرار میں وقت ضائع کرنے کے بجائے ان سے کنارہ کشی اختیار کرلو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو وہ صرف یہ کہتے ہیں: (تم پر) سلام ہو۔

(قرآن: ۲۵: ۶۳)

[۴۳] جب اہل کتاب سے گفتگو کا موقع ملے تو منفی اور اختلافی مسائل کے بجائے مثبت اور مشترک امور سے گفتگو کا آغاز کیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ پر قرآن مجید نازل فرمایا اور تمہارے انبیائے کرام پر تورات وانجیل کو نازل فرمایا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں اور ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ نیز تمہارا اور ہمارا خدا ایک ہی ہے اور ہم سب اسی کے فرماں بردار ہیں، اس لئے تمہارے اور ہمارے درمیان بہت سے بنیادی امور میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس طرح مشترک امور پر گفتگو کے آغاز سے فریقین کے درمیان باہمی احترام کے جذبات پیدا ہوں گے اور ایک دوسرے کی بات سننے میں دلچسپی لیں گے۔

مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِہٖ ؕ وَ مَا یَجۡحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۴۷﴾

(پہلے) کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور ان (اہل مکہ) سے بھی بعض اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں، اور ہماری آیتوں کا صرف کفار ہی انکار کرتے ہیں۔[۴۴]

وَ مَا کُنۡتَ تَتۡلُوۡا مِنۡ قَبۡلِہٖ مِنۡ کِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیۡنِکَ اِذًا لَّارۡتَابَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔اور اس سے پہلے آپ کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ آپ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے ورنہ اہل باطل ضرور شک میں پڑھ جاتے۔[۴۵]

---

[۴۴] اے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم! جس طرح ہم نے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام پر آسمانی کتابیں نازل فرمائیں اسی طرح ہم نے آپ پر بھی قرآن مجید نازل فرمایا ہے اور پہلی کتابوں میں بھی قرآن مجید کا ذکر موجود تھا، لہٰذا جو اہل کتاب اپنی کتابوں پر عمل پیرا تھے وہ قرآن مجید پر ایمان لے آئیں گے بلکہ کئی مشرکین مکہ بھی جو اگر چہ سابقہ آسمانی کتب کا علم نہیں رکھتے مگر قرآن اور صاحب قرآن کی صداقت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر رہے ہیں۔ قرآن مجید کے حق ہونے کے دلائل اس قدر روشن ہیں کہ صرف وہی کفار ہی منکر رہیں گے جو تعصب اور عناد کا شکار ہیں۔

[۴۵] اہل مکہ اچھی طرح جانتے تھے کہ نزول قرآن سے پہلے اپنی چالیس سالہ زندگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی کوئی کتاب پڑھی اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا۔ اگر ایسا ہوتا تو اہل باطل یہ شبہ کر سکتے تھے کہ آپ نے پہلی کتابیں پڑھ کر یہ باتیں نوٹ کر لی ہیں اور اب آہستہ آہستہ لوگوں کو سنا رہے ہیں۔ اگر چہ دنیا کے سارے پڑھے لکھے لوگ مل کر بھی قرآن جیسی کتاب تیار نہیں کر سکتے تھے، تاہم اہل باطل کو بات بنانے کا ایک موقع مل سکتا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن سے پہلے آپ کو پڑھنے لکھنے سے دور رکھا۔

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں کہ محققین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں یہ قید ہے کہ آپ نزول قرآن سے پہلے پڑھتے لکھتے نہیں تھے اور نزول قرآن کے بعد جو آپ نے لکھا یا پڑھا وہ اس آیت کے خلاف نہیں ہے بلکہ کسی مخلوق سے پڑھنا لکھنا سیکھے بغیر آپ کا لکھنا پڑھنا ایک الگ معجزہ ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن)

اعلان نبوت کے بعد آپ سے لکھنا اور پڑھنا دونوں ثابت ہیں۔ اس سلسلے میں صلح نامہ حدیبیہ کا واقعہ ملاحظہ کریں جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں نقل کیا ہے:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقعدہ کے مہینہ میں عمرہ کا احرام باندھا (اور مکہ روانہ ہوئے) لیکن اہل مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ آخر صلح اس پر ہوئی کہ (اس سال آپ عمرہ کے

بغیر واپس چلے جائیں، آئندہ سال آئیں اور) مکہ میں تین دن تک قیام کریں گے۔ جب انہوں نے معاہدہ میں یہ لکھا کہ یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی۔ کفار نے کہا: ہم اس کو نہیں مانتے، اگر ہم کو یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو عمرہ کرنے سے منع نہ کرتے لیکن آپ محمد بن عبداللہ ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں رسول اللہ بھی ہوں اور میں محمد بن عبداللہ بھی ہوں، پھر آپ نے حضرت علی ؓ سے فرمایا: رسول اللہ (کے الفاظ) مٹادو۔ (چونکہ حضرت علی ؓ معاہدہ تحریر کررہے تھے اس لئے) حضرت علی ؓ نے کہا: خدا کی قسم! میں (رسول اللہ کے الفاظ) کبھی نہیں مٹاؤں گا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے اس مکتوب کو پکڑا اور ''رسول اللہ'' کے الفاظ اپنے ہاتھ سے مٹائے۔ (بخاری: حدیث نمبر ۲۶۹۸) اور لکھا: یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے صلح کی۔۔۔ (بخاری: ۲۶۹۹: کتاب الصلح: باب ۶)

عمر بن شیبہ ؓ نے ذکر کیا ہے کہ صلح حدیبیہ سے پہلے نبی کریم ﷺ لکھنا نہیں جانتے تھے اور یہ آپ کا عظیم معجزہ ہے کہ اس وقت اچانک آپ نے لکھنا شروع کردیا۔ (خصائص کبریٰ: جلد دوم: ص ۲۳۶) علامہ آلوسی نے آپ ﷺ کے لکھنے پڑھنے کی تصدیق کرتے ہوئے حضرت عتبہ ؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ ''نبی کریم ﷺ اس وقت تک فوت نہیں ہوئے جب تک آپ نے پڑھا اور لکھا نہیں۔'' (تفسیر روح المعانی: سورہ الاعراف (۷): زیر آیت نمبر ۱۵۷) اس سے معلوم ہوا کہ اعلان نبوت سے پہلے آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے جس طرح آپ کو علم عطا فرمایا اسی طرح لکھنا پڑھنا بھی سکھایا، البتہ تبلیغ اسلام میں آپ کو لکھنے پڑھنے کی ضرورت بہت کم پڑی کیونکہ اہل عرب کی اکثریت ان پڑھ تھی اور انہیں زبانی تبلیغ کی ہی ضرورت تھی۔ شہاب الدین خفاجی نے نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث ذکر کی ہے جس میں آپ نے نہ لکھنے کی وجہ بیان فرمائی ہے یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں لکھنے کا ارادہ اس لئے نہیں کرتا تاکہ قلم کا سایہ اللہ تعالیٰ کے نام پر نہ پڑے'' اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین سے اٹھالیا تاکہ کسی کا پاؤں آپ کے سایہ پر نہ پڑے۔

(نسیم الریاض: جلد ۲: ص ۳۹۸: النبی الامی)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن مجید نے نبی کریم ﷺ کو ''امی'' کہا ہے جس کا معنیٰ ''ان پڑھ'' بھی ہے تو پھر آپ کیسے پڑھ سکتے ہیں؟ لیکن قرآن مجید میں یہ بھی تو ہے: {وہ اللہ ہی ہے جس نے امیوں (ان پڑھ لوگوں) میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں قرآن کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے} (قرآن: ۶۲: ۲) نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (دارمی: مقدمہ: باب ۳۲) اب جس کو اللہ تعالیٰ پوری امت کا معلم اور استاد بنائے اس کو ان پڑھ کہنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔ اگر اعلان نبوت سے پہلے آپ کو ان پڑھ کہا جائے تو اس پر بات ہوسکتی ہے مگر اعلان نبوت کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو امت کا معلم بنادیا ہے تو اب ان کو ان پڑھ کہنا درست نہیں ہے۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوتے ہی عرش کے ستونوں پر لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا پڑھ لیں۔ (البدایہ والنہایہ: جلد اول: ص ۸۱) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات کی لکھی ہوئی تختیاں پڑھ لیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سارے انبیاء کے امام اور سردار حضرت محمد ﷺ نہ پڑھ سکیں۔ جس اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۹

۴۹۔ بلکہ وہ روشن آیتیں ہیں جو ان کے سینوں میں محفوظ ہیں جن کو علم دیا گیا ہے، اور ظالموں کے سوا ہماری آیتوں کا کوئی انکار نہیں کرتا۔[۴۶]

وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۵۰

۵۰۔ اور کافروں نے کہا: ان (نبی کریم ﷺ) پر ان کے رب کی طرف سے (ہمارے مطلوبہ) معجزات کیوں نہیں نازل کیے گئے، آپ فرما دیجئے: معجزات تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں، اور میں تو صرف واضح طور پر (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں۔[۴۷]

پڑھنا سکھایا اس اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو بھی سکھایا: اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی اور آپ کو سکھا دیا جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔ (قرآن: ۴:۱۱۳)

[۴۶] قرآن مجید کے الفاظ حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہیں اور اس کے اسرار و معانی علماء کے سینوں میں محفوظ ہیں۔ قرآن مجید کی آیات اس قدر واضح اور روشن ہیں کہ کوئی عقل مند انسان ان کا انکار نہیں کر سکتا صرف وہی لوگ ان کا انکار کر سکتے ہیں جو حق و انصاف کی حدود سے تجاوز کر کے ظلم و عدوان کی وادیوں میں سرگرداں ہیں۔

[۴۷] کفار مکہ کی طرف سے جب یہ مطالبہ کیا گیا کہ آپ پر حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مائدہ کی مثل معجزات نازل کیوں نہیں کیے گئے۔ (صفوۃ التفاسیر) تو آپ نے فرمایا: معجزات کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہ جب مناسب سمجھتا ہے نازل فرماتا ہے، میں تو صرف اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے آیا ہوں تاکہ تم اس کے فرماں بردار بندے بن جاؤ۔

مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے معجزات تین قسم کے ہیں، ایک وہ جو بغیر اختیار ہر وقت آپ سے صادر ہوتے ہیں جیسے آپ کے جسم پاک کا سایہ نہ ہونا یا پسینہ مبارک سے مشک و عنبر کی خوشبو۔ دوسرے وہ جن کے ظاہر کرنے میں نبی کریم ﷺ کو اختیار نہیں دیا گیا، جیسے قرآن کی آیات (کیونکہ قرآن کی ہر آیت معجزہ ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے ہی نازل فرماتا ہے)، اور تیسرے وہ جو نبی کریم ﷺ کے اختیار سے صادر ہوئے جیسے کنکروں سے کلمہ پڑھانا، چاند توڑنا اور سورج کو لوٹانا۔ یہاں دوسری قسم کے معجزات مراد ہیں۔ (تفسیر نور العرفان) یعنی جو معجزات نبی کریم ﷺ کے اختیار میں نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت پر منحصر ہیں۔

اَوَلَمۡ یَکۡفِہِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ یُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَرَحۡمَۃً وَّ ذِکۡرٰی لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۱﴾ ع

۵۱۔ کیاان کے لئے یہ (معجزہ) کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے، بے شک اس (کتاب) میں ایمان والوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے۔ [۴۸]

قُلۡ کَفٰی بِاللّٰہِ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَکُمۡ شَہِیۡدًا ۚ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡبَاطِلِ وَ کَفَرُوۡا بِاللّٰہِ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ آپ فرمادیجئے: میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے، [۴۹] وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کا انکار کیا وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

وَ یَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَ لَوۡ لَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّی لَّجَآءَہُمُ الۡعَذَابُ ؕ وَ لَیَاۡتِیَنَّہُمۡ بَغۡتَۃً وَّ ہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اور وہ آپ سے عذاب کو جلد لانے کا مطالبہ کرتے ہیں، اور اگر (عذاب کا) ایک وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر عذاب ضرور آچکا ہوتا، اور بے شک ان پر عذاب اچانک آئے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ [۵۰]

---

[۴۸] کیا کفار مکہ کے لئے بطور معجزہ یہ قرآن کافی نہیں ہے جس کو وہ صبح وشام سنتے ہیں اور اس کی نظیر لانے سے قاصر ہیں، یہ سب سے بڑا معجزہ ہے، دوسرے معجزات ختم ہو گئے مگر قرآن مجید ایسا معجزہ ہے جو ہمیشہ موجود رہے گا، لہٰذا اگر وہ قرآن جیسے عظیم معجزہ پر ایمان نہیں لاتے تو پھر کسی اور معجزہ پر کیسے ایمان لائیں گے۔ قرآن اگرچہ تمام انسانوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے مگر اس سے فائدہ وہی حاصل کرتے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں۔

[۴۹] یعنی قرآن مجید جیسا واضح معجزہ دیکھنے کے باوجود بھی اگر تم میری نبوت کی تصدیق نہیں کرتے تو اس کا تمہیں ہی نقصان ہوگا مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کیونکہ میری نبوت کا گواہ تو اللہ تعالیٰ خود ہے اور اس کے علم کا عالم یہ ہے کہ وہ زمین وآسمان کی ہر چیز کو اچھی طرح جانتا ہے، اس لئے وہ سب سے بڑا اور کامل گواہ ہے۔

[۵۰] پیارے نبی ﷺ! یہ مشرکین کہتے ہیں کہ اگر وہ واقعی گمراہ ہیں تو پھر ان پر عذاب کیوں نہیں آجاتا؟ دراصل ان کے کرتوت تو اس لائق ہیں کہ انہیں فوراً تباہ کر دیا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے لئے عذاب کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، اس سے پہلے انہیں اصلاح احوال کی مہلت دی جاتی ہے لیکن جو لوگ اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور اپنی اصلاح نہیں کرتے تو پھر ان پر اچانک عذاب آجاتا ہے اور انہیں خبر بھی نہیں ہوتی، چنانچہ مشرکین مکہ کو جنگ بدر اور فتح مکہ کے وقت خلاف توقع

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۟ۙ

۵۴۔ وہ آپ سے عذاب کو جلد لانے کا مطالبہ کرتے ہیں، اور بے شک جہنم کافروں کو گھیر لینے والی ہے۔

يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَ يَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۟

۵۵۔ جس دن عذاب انہیں ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے ڈھانپ لے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جو کچھ تم کرتے تھے اس کا مزہ چکھو۔ [۵۱]

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ۟

۵۶۔ اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو بے شک میری زمین کشادہ ہے، سوتم میری ہی عبادت کرو۔ [۵۲]

اچانک شکست کے عذاب سے دو چار ہونا پڑا اور موت کے بعد جو قیامت ان پر برپا ہوگی اس کی شدت تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص مرتا ہے تو اسی وقت اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے، سوتم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور ہر وقت اس سے استغفار کرتے رہو۔

(کنز العمال: ۴۲۷۴۸: جلد ۱۵: ص ۶۸۶)

[۵۱] مشرکین مکہ پر بڑا تعجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت اور آخرت کے عذاب کو محض دھمکی خیال کرتے ہیں اور اسی لئے جلد عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ان آیات میں انہیں تنبیہ کی جارہی ہے کہ آخرت بہر صورت آکر رہے گی اور جس طرح اس دنیا میں ان کے ذہن وضمیر کو چاروں طرف سے کفر وعناد نے گھیر رکھا ہے اور کہیں سے ہدایت کے داخل ہونے کا راستہ نہیں چھوڑا اسی طرح آخرت میں جہنم کی آگ بھی انہیں چاروں طرف سے اس طرح گھیر لے گی کہ کہیں سے نکلنے کا راستہ نہیں ملے گا اور آواز دی جائے گی کہ یہ تم پر ظلم نہیں ہو رہا بلکہ یہ تمہارے ان مظالم کا لازمی نتیجہ ہے جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے۔

[۵۲] مکہ میں جو شخص بھی اسلام قبول کرتا اس کے لئے عرصہ حیات تنگ کر دیا جاتا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اس کے لئے مشکل ہو جاتا۔ ایسے حالات میں انہیں ہجرت کا حکم دیا جارہا ہے کہ میری زمین بڑی وسیع ہے، یہاں سے ہجرت کر کے ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں میری عبادت کرنا اور دین کے دیگر امور پر عمل کرنا آسان ہو کیونکہ انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور اسے وہاں قیام کرنا چاہیے جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اسی لئے مسلمانوں نے پہلے حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی اور آج بھی اگر کسی جگہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں تو وہاں سے ہجرت کرنا واجب ہے۔

حضرت ابو یحییٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سارے شہر اللہ تعالیٰ کے شہر ہیں اور سارے بندے اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اس لئے جس جگہ تم خیر کو پاؤ وہاں اقامت اختیار کرو۔ (تفسیر ابن کثیر)

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے، [۵۳] پھر تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ہم انہیں ضرور جنت کے بالاخانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، نیک عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے۔ [۵۴]

[۵۳] اپنا گھر، مال ومتاع، رشتہ دار اور احباب کو چھوڑ کر صرف ایمان بچانے کے لئے ہجرت کر جانا آسان نہیں ہے، اکثر یہ دنیاوی تعلقات ہجرت کے راستے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں لیکن موت ایک عالم گیر اور ناگزیر صداقت ہے اور جب موت آتی ہے تو یہ سارے تعلقات مجبوراً چھوٹ جاتے ہیں اس سے بہتر ہے کہ ہم آج اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنی مرضی سے ان کو چھوڑ دیں اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخروئی حاصل کریں۔

اس آیت کی تفسیر میں صاحب تفسیر کبیر لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ہجرت کا حکم دیا تو ان پر وطن کو چھوڑنا اور بھائیوں سے جدا ہونا مشکل ہو گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آج تم جس جدائی کو ناپسند کر رہے ہو یہ تو ایک دن واقع ہو کر رہے گی کیونکہ ''ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔'' اور جب موت آئے گی تو سارے احباب از خود جدا ہو جائیں گے، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ یہ جدائی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خود اختیار کی جائے تاکہ وہ تمہیں اس کا اچھا اجر عطا فرمائے۔ (تفسیر کبیر)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے دین کو بچانے کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ گیا خواہ وہ ایک بالشت کے فاصلہ پر ہی گیا ہو (اور اس اثنا میں اس کی موت آ گئی ہو) وہ جنت کا مستحق ہو گا اور حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ساتھی ہو گا۔ (تفسیر قرطبی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! مومنوں میں سے افضل کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں، پھر پوچھا: مومنوں میں سے سب سے زیادہ دانا کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جو موت کو سب سے زیادہ یاد کرے اور موت سے بعد والی زندگی کے لئے سب سے اچھی تیاری کرے۔ (ابن ماجہ: ۴۲۵۹: ابواب الزھد: باب ۳۱)

اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ انسان تسبیح اٹھائے اور روزانہ ''یا موت، یا موت'' کا ورد شروع کر دے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہر قدم اٹھانے سے پہلے موت کو یاد رکھے کہ جو کام وہ کرنے لگا ہے کیا مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ کام اس کے لئے مصیبت تو نہیں بن جائے گا؟

[۵۴] اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ ان کو دل کا سکون اور ایمان کی سلامتی عطا فرماتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ

الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا وَعَلٰی رَبِّہِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔

وَکَاَیِّنۡ مِّنۡ دَآبَّۃٍ لَّا تَحۡمِلُ رِزۡقَہَا ٭ۖ اَللّٰہُ یَرۡزُقُہَا وَاِیَّاکُمۡ ۫ۖ وَہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، اللہ تعالیٰ انہیں بھی رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی اور وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ [۵۵]

انہیں دنیا میں ان نیک اعمال کا کوئی ظاہری اجر بھی نظر آئے جیسے ایک انسان اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے گھر سے نکلے، میدان جہاد میں داد شجاعت دے اور پھر شہید ہو جائے تو اس دنیا میں بظاہر اسے کیا فائدہ ہوا؟ اس آیت میں ایسے ہی نیکوکاروں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر کسی حکمت کے تحت وہ اس زندگی میں آزمائش ہی کا شکار رہیں تو انہیں یقین رکھنا چاہیے کہ ایک دن ایسا ضرور آنے والا ہے جس میں انہیں ان کے صبر و توکل اور نیک اعمال کا عمدہ اجر ملے گا اور وہ جنت کے ایسے بالا خانوں میں ہمیشہ رہیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

[۵۵] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو تنگ کرنے کی انتہا کر دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کو ہجرت کر کے مدینہ جانے کا حکم دیا۔ بعض صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارا وہاں کوئی گھر یا جائداد نہیں ہے تو ہمارے کھانے پینے کا انتظام کون کرے گا؟ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی) یعنی ذرا ان بے شمار پرندوں اور چوپایوں کو دیکھو انہوں نے اپنی خوراک اپنے ساتھ نہیں اٹھا رکھی بلکہ وہ روزانہ خوراک کی تلاش میں نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں رزق عطا فرماتا ہے تو فکر نہ کرو وہ تمہارا بھی رازق ہے اور تم جہاں بھی جاؤ گے وہ تمہیں بھی رزق دے گا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرتے جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو اس طرح رزق دیا جاتا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے، وہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔ (ترمذی: ۲۳۴۴: ابواب الزھد: باب ۳۳) اس حدیث میں توکل سے مراد ترک عمل نہیں بلکہ اس میں حصول رزق کے لئے سعی اور جد و جہد کی دلیل ہے جس طرح پرندے پہلے تلاش رزق میں نکلتے ہیں تو پھر شام کو شکم سیر ہو کر لوٹتے ہیں، اگر وہ گھونسلوں میں ہی بیٹھے رہتے تو رزق اڑ کر ان کے پاس نہ آتا۔ توکل کے لئے ایک اور حدیث ملاحظہ کریں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا چھوڑ کر؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلے اونٹنی کو باندھ اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کر۔ (ترمذی: ۲۵۱۷: ابواب القیامۃ: باب ۶۰) تاکہ کوئی چور اس کو نہ لے جائے۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ اور اگر آپ ان (کفار) سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے فرماں بردار بنایا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے، پھر وہ کدھر الٹے جارہے ہیں۔ [۵۶]

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ ع

۶۳۔ اور اگر آپ ان (کفار) سے پوچھیں کہ آسمان سے پانی کس نے اتارا، پھر اس پانی سے زمین کو اس کے مردہ (خشک) ہو جانے کے بعد زندہ (تروتازہ) کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے، آپ فرما دیجئے: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ [۵۷]

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ

۶۴۔ اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے اور بے شک آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے، کاش! وہ

حضرت ابن عباس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ زمین پر چلنے والا کوئی جانور اپنے لئے رزق کا ذخیرہ نہیں کرتا سوائے چیونٹی، چوہا اور انسان کے۔ (تفسیر قرطبی) یہ تینوں جاندار کھاتے کم ہیں اور جمع کرنے کی فکر زیادہ کرتے ہیں۔

[۵۶] یعنی کفار مکہ جب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ زمین و آسمان کا خالق اور سورج و چاند کا مالک اللہ تعالیٰ ہے تو پھر ان کی عقل کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو چھوڑ کر شرک کی طرف بھاگے جارہے ہیں؟

[۵۷] یعنی کفار مکہ جب یہ اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے پانی اتار کر خشک زمین کو دوبارہ تروتازہ کرتا ہے اور مخلوق کے لئے رزق کے وسائل پیدا فرماتا ہے تو پھر وہ اس حقیقت کو کیوں نہیں سمجھتے کہ دراصل سب تعریفوں کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٤﴾

(اس حقیقت کو) جانتے۔[۵۸]

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٥﴾

۶۵۔ پھر جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے دین کو خالص کرتے ہوئے اس سے دعا مانگتے ہیں، پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو وہ اسی وقت پھر شرک کرنے لگتے ہیں۔[۵۹]

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَ لِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾

۶۶۔ تاکہ وہ اس (نجات) کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں عطا کی اور (اس دنیا سے عارضی) فائدہ اٹھائیں، پس وہ عنقریب جان لیں گے۔[۶۰]

---

[۵۸] یہ دنیا اور اس کا مال و متاع سب فانی ہے کھیل تماشے کی طرح ایک دن ختم ہو جائے گا جب کہ آخرت کی زندگی اور جنت کا گھر دائمی ہے۔ کاش! وہ اس حقیقت کو جان لیتے کہ یہ دنیاوی زندگی تو محض آزمائش کی ایک مختصر سی مدت ہے تو وہ اس کو کھیل تماشے میں ضائع نہ کرتے۔

یہاں دنیوی زندگی سے مراد کافر کی زندگی ہے کیونکہ وہ اس فانی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے اور آخرت کی فکر نہ ہونے کے باعث وہ اس زندگی کو بے مقصد اور کھیل تماشا میں گزار دیتا ہے لیکن جن کے دلوں میں آخرت کا یقین اور اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے یہ دنیا ان کے لئے نعمت ہے کیونکہ اگر دنیوی زندگی کی آزمائش نہ ہوتی تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار اور جنت کی نعمت کیسے ملتی جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ دنیا اس شخص کے لئے بہترین گھر ہے جو اس دنیا سے اپنی آخرت کے لئے توشہ تیار کرتا ہے۔ (المقاصد الحسنة: ص۲۲۷) اور دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ (المقاصد الحسنة: ص۲۲۷) اسی طرح اہل علم کہتے ہیں کہ بچپن جوانی کی کھیتی اور جوانی بڑھاپے کی کھیتی ہے۔

[۵۹] مشرکین جب کشتی میں سوار ہوتے اور سمندر میں طوفان آ جاتا اور ان کی کشتی ہچکولے کھانے لگتی تو وہ پورے خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے اور وعدہ کرتے کہ اگر وہ انہیں اس طوفان سے بچا لے تو وہ شرک نہیں کریں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ انہیں خیریت کے ساتھ خشکی پر پہنچا دیتا تو وہ فوراً اپنا وعدہ بھول جاتے اور شرک کرنے لگ جاتے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے عکرمہ کا بیان نقل کیا ہے کہ دور جاہلیت والے سمندر میں سفر کرتے تو اپنے بتوں کو ساتھ رکھتے لیکن جب سمندر میں طوفان آتا تو بتوں کو سمندر میں پھینک دیتے اور پکار اٹھتے: یارب یارب! (تفسیر مظہری) اس آیت کی مزید تفسیر کے لئے سورہ یونس (۱۰) کی آیت نمبر ۲۲ کا حاشیہ نمبر ۲۳ ملاحظہ کریں۔

[۶۰] چونکہ وہ شرک اور دنیاوی لذات کو چھوڑنا نہیں چاہتے اس لئے وہ جونہی ڈوبنے سے بچ کر خشکی پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے احسان کا انکار کر دیتے ہیں اور دنیاوی لذات میں گم ہو جاتے ہیں، لیکن انہیں عنقریب اس سرکشی اور ناشکری کا برا انجام معلوم ہو جائے گا۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ﴿٦٧﴾

۶۷۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا ہے حالانکہ ان کے اردگرد سے لوگوں کو اچک لیا جاتا ہے، تو کیا پھر بھی وہ باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں۔[۶۱]

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِلْكَافِرِينَ ﴿٦٨﴾

۶۸۔ اور اس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگایا اور حق کو جھٹلایا جب کہ وہ اس کے پاس آچکا؟ کیا ایسے کفار کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہوگا؟[۶۲]

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٦٩﴾ ع

۶۹۔ اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ضرور انہیں اپنی راہیں دکھاتے ہیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ نیکوں کاروں کے ساتھ ہے۔[۶۳]

---

[۶۱] مشرکین پر اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ وہ حرم کی وجہ سے ہمیشہ امن میں رہتے ہیں جب کہ عرب کے دیگر علاقوں میں قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم رہتا ہے لیکن یہ مشرکین بڑے ناشکرے ہیں کہ اتنے بڑے احسان کے باوجود بھی وہ اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں اور باطل پر ایمان رکھتے ہیں۔

[۶۲] جس شخص کے پاس قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کی صورت میں حق بالکل واضح ہو کر آ گیا لیکن اس نے بغیر کسی دلیل کے حق کو جھٹلا دیا، نیز اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھا یعنی کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا کر یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اسی طرح کرنے کا حکم دیا ہے تو اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا یعنی حق کو جھٹلانا اور کسی پر جھوٹا الزام لگانا ہر حالت میں ظلم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے حق کو جھٹلانا اور اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کا منسوب کرنا سب سے بڑا ظلم ہے، لہٰذا ایسے منکروں اور بہتان سازوں کا ٹھکانا جہنم نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا؟

[۶۳] جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے پوری کوشش کرتے ہیں اور اس کے راستہ میں آنے والی مشکلات برداشت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ایسے راستوں کی نشاندہی کر دیتا ہے جن پر چل کر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر لیتے ہیں یعنی جو لوگ خلوص نیت کے ساتھ نیک کام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی دستگیری فرماتا ہے اور انہیں اپنی رحمت کے سایہ میں منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ : جامعہ الکرم، ایٹن ہال، انگلستان

بعد از نماز عصر بروز منگل ۱۳/ اکتوبر ۲۰۰۹ء بمطابق ۲۴ شوال ۱۴۳۰ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الروم (۳۰)

یہ سورت مکی ہے اور اس کا نام ''الروم'' ہے جو اس سورت کی دوسری آیت سے ماخوذ ہے۔ اس سورت کا نام روم اس لئے رکھا گیا ہے کیونکہ اس سورت کے شروع میں اہل ایران اور اہل روم کی جنگ کا ذکر ہے جس میں اہل ایران رومیوں پر غالب آئے تھے۔

رومی مسلمانوں کی طرح اہل کتاب تھے اور ایرانی مجوسی تھے یعنی مشرکین مکہ کی طرح توحید اور آخرت کے منکر تھے اس لئے مشرکین کو ایرانیوں کی فتح پر بڑی خوشی ہوئی۔ اس وقت اس سورت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ چند سالوں کے بعد اہل روم ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے جو کہ بظاہر مشکل نظر آتا تھا لیکن تاریخ شاہد ہے کہ قرآن مجید کی یہ پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی اور صرف سات سال بعد غزوہ بدر کے دن اہل روم ایرانیوں پر غالب آ گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کا دن مکہ کے بت پرستوں اور ایران کے آتش پرستوں دونوں کے لئے شکست کا دن تھا۔ (صفوۃ التفاسیر: سورۃ الروم: زیر آیت نمبر ۵) یہ قرآن مجید کا عظیم معجزہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا واضح ثبوت ہے۔

اس سورت کی آیت نمبر ۳۰ میں بتایا گیا ہے کہ اسلام دین فطرت ہے اور تم پوری یکسوئی کے ساتھ اس پر قائم رہو۔

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت پر دلائل قائم کئے گئے ہیں۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعہ الکرم، انگلستان

بعد از نماز مغرب بروز جمعرات ۱۵/ اکتوبر ۲۰۰۹ء بمطابق ۲۶ شوال ۱۴۳۰ھ

ایاتها ۶۰ ۳۰ سورۃ الروم مکیۃ ۸۴ رکوعاتها ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں/کرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ۱۔الف لام میم۔[۱]

غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ ۲۔رومی مغلوب ہو گئے۔

فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ ۳۔قریب کی سرزمین میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے۔[۲]

---

[۱] یہ حروف مقطعات ہیں، ان کے لئے سورہ بقرہ کی پہلی آیت کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

[۲] حضرت عکرمہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ اہل روم اور اہل ایران کے درمیان جنگ ہوئی جس میں اہل روم مغلوب ہو گئے۔ مکہ میں مسلمانوں پر یہ خبر شاق گزری کیونکہ نبی کریم ﷺ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ ایران کے مجوسی روم کے اہل کتاب پر غالب ہوں لیکن مکہ کے کافر اس خبر سے بڑے خوش ہوئے اور انہوں نے صحابہ کو کہا: تم بھی اہل کتاب ہو اور روم کے عیسائی بھی اہل کتاب ہیں مگر ہمارے مجوسی بھائی تمہارے اہل کتاب بھائیوں پر غالب آگئے ہیں اور بے شک اگر تم ہم سے قتال کرو گے تو ہم بھی تم پر غالب آجائیں گے۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں (جن میں یہ خبر دی گئی کہ اگرچہ حجاز کے قریب شام کی سرزمین پر رومیوں کو شکست ہوئی ہے لیکن چند ہی سال بعد ان کے درمیان پھر جنگ ہونے والی ہے جس میں رومی غالب آجائیں گے۔) تب حضرت ابوبکر صدیق ؓ کفار کی طرف گئے اور ان سے کہا: اپنے مشرک بھائیوں کے غلبہ پر زیادہ خوشیاں نہ مناؤ کیونکہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے بتایا ہے کہ عنقریب اہل روم ایرانیوں پر غالب آجائیں گے۔ یہ سن کر ابی ابن خلف کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: اے ابوبکر! تم نے جھوٹ بولا ہے۔ حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا: اے اللہ کے دشمن! تم زیادہ جھوٹے ہو۔ میں تم سے شرط لگاتا ہوں کہ تین سال کے بعد اہل روم ایرانیوں پر غالب آجائیں گے، اگر اہل روم غالب آگئے تو میں تم سے دس اونٹنیاں لوں گا اور اگر ایرانی غالب آئے تو میں تمہیں دس اونٹنیاں دوں گا، پھر حضرت ابوبکر ؓ وہاں سے نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ کو اس واقعہ کی خبر سنائی۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں نے اس طرح ذکر نہیں کیا تھا۔ عربی کے لفظ بضع کا معنی صرف تین نہیں بلکہ یہ تین سے نو تک کے لئے بولا جاتا ہے، لہٰذا شرط میں اونٹنیوں کی تعداد بھی بڑھاؤ اور مدت میں بھی اضافہ کرو، چنانچہ حضرت ابوبکر ؓ نے ابی ابن خلف سے دوبارہ ملاقات کی اور شرط کی مدت ۹ سال اور اونٹنیوں کی تعداد سو تک کر دی۔ (تفسیر ابن جریر طبری)

فِىْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۴﴾

۴۔ چند ہی سال میں، اور اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی، اور اس دن اہل ایمان خوش ہوں گے۔[۳]

بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۙ﴿۵﴾

۵۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے، وہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے، اور وہ سب پر غالب، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾

۶۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔[۴]

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾

۷۔ وہ تو (صرف) دنیاوی زندگی کے ظاہری پہلو کو جانتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں۔[۵]

تاریخ شاہد ہے کہ قرآن مجید کی یہ پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی اور نو سال کی مدت پوری ہونے سے پہلے صرف سات سال کے بعد ہی غزوہ بدر کے دن اہل روم ایرانیوں پر غالب آ گئے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کا دن مکہ کے بت پرستوں اور ایران کے آتش پرستوں دونوں کے لئے شکست کا دن تھا۔(صفوۃ التفاسیر: سورہ الروم: زیر آیت نمبر ۵) یہ قرآن مجید کا عظیم معجزہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا واضح ثبوت ہے۔

چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے شرط جیت لی اور ۱۰۰ اونٹنیاں لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: اے ابو بکر رضی اللہ عنہ! یہ حرام مال ہے اس کو صدقہ کر دو تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ۱۰۰ اونٹنیوں کو صدقہ کر دیا۔(تفسیر ابن ابی حاتم) اسلام میں شرط لگانا ممنوع ہے، جس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے شرط لگائی تھی اس وقت تک اس کی ممانعت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اونٹنیوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا۔

[۳] رومیوں کے غلبہ سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی یہ سب نشیب و فراز اللہ تعالیٰ ہی کی قضا و قدر سے ہیں اور جس دن رومیوں کو ایرانیوں پر فتح حاصل ہوئی اسی دن غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے مسلمانوں کو بھی مشرکین مکہ پر فتح حاصل ہوئی، اس طرح اس دن مسلمانوں کو دو خوشیاں حاصل ہوئیں، ایک تو یہ کہ قرآن مجید کی پیش گوئی سچ ثابت ہوئی یعنی رومیوں کو فتح حاصل ہوئی اور دوسرا یہ کہ اسی روز غزوہ بدر میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔

[۴] یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ رومی چند سالوں کے بعد دوبارہ غالب آ جائیں گے اور یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی اس کے وعدہ پورا کرنے میں رکاوٹ پیدا کر سکتا ہے کیونکہ وہ قادر مطلق ہے لیکن مشرکین مکہ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

[۵] اکثر لوگ اس دنیاوی زندگی کے صرف ظاہری معاملات کو جانتے ہیں اور ان کو خوب سے خوب تر بنانے اور دوسروں سے آگے

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۗ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ⑧

۸۔ کیا انہوں نے کبھی اپنے آپ میں غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سب کو صرف حق کے ساتھ اور مقررہ مدت تک کے لئے ہی پیدا کیا ہے، اور بے شک اکثر لوگ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔ [٦]

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۟ ⑨

۹۔ کیا انہوں نے کبھی زمین میں سیر و سیاحت نہیں کی تاکہ وہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے پہلے تھے؟ وہ لوگ ان سے زیادہ طاقتور تھے اور انہوں نے زمین میں خوب ہل چلائے تھے اور انہوں نے زمین کو اس سے زیادہ آباد کیا تھا جتنا انہوں نے اسے آباد کیا ہے اور ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے، پس اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہ تھی کہ وہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ [٧]

بڑھنے میں ہر جائز و ناجائز ذریعہ استعمال کرتے ہیں اور آہستہ آہستہ ظلم اور تکبر کی اس انتہا کو پہنچ جاتے ہیں کہ اسی دنیا میں ان کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ اگر وہ اس دنیاوی زندگی کے باطنی معاملات کو سمجھنے کی کوشش کرتے اور اپنے مظالم کے انجام پر غور کرتے تو وہ اس دنیا میں زوال پذیر نہ ہوتے۔

نیز اس دنیا کی عارضی زندگی میں ایک دوسری دائمی زندگی کا راز چھپا ہوا ہے جہاں اچھے اور برے اعمال کے نتائج سامنے آجائیں گے اور جو لوگ دائمی زندگی یعنی آخرت سے غافل ہو کر اسی دنیا کی ظاہری لطف اندوزی میں سرگرم رہتے ہیں وہ آخرت میں ناکام ہوں گے۔

[٦] کیا انہوں نے کبھی غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو کتنا خوب صورت پیدا کیا، پھر ہر انسان اپنی مخصوص مدت گزار کر فنا ہو جاتا ہے، اسی طرح زمین و آسمان کے لئے بھی ایک وقت مقرر ہے جس کے بعد وہ بھی فنا ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ انسان کو دوبارہ زندہ کر کے ان کا حساب و کتاب لے گا لیکن اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کی اس ملاقات یعنی قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔

[٧] مشرکین مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم لوگوں نے اپنے تجارتی سفروں کے دوران قوم عاد و ثمود وغیرہ کے تباہ شدہ مکانات دیکھے ہوں گے۔ وہ لوگ تم سے زیادہ طاقتور تھے اور انہوں نے پانی کے کنویں اور نہریں بنا کر زمین میں اس قدر کھیتی باڑی کی کہ

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓآٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝١٠ ع

۱۰۔ پھر ان لوگوں کا انجام بہت برا ہوا جنہوں نے برائی کی تھی کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔[۸]

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝١١

۱۱۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر (قیامت کے دن) اس کو دوبارہ پیدا کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔[۹]

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝١٢

۱۲۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم لوگ مایوس ہو جائیں گے۔[۱۰]

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝١٣

۱۳۔ اور ان کے بنائے ہوئے شریکوں میں سے کوئی ان کے سفارشی نہیں ہوں گے اور وہ (خود بھی) اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے۔[۱۱]

تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلایا تو انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ لوگ خود سرکشی اور نافرمانی کر کے اپنے آپ کو عذاب کا مستحق بناتے ہیں، لہٰذا اے اہل مکہ! تم ان سے عبرت حاصل کرو اور اس رسول مکرم کی تکذیب نہ کرو ورنہ تم پر بھی عذاب نازل ہو سکتا ہے۔

[۸] جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا اور ان کا مذاق اڑایا انہوں نے بہت بڑی برائی کی اس لئے ان کا انجام بھی بہت برا یعنی جہنم میں ہوگا۔

[۹] یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی چیز کو ایجاد کرنا مشکل ہے لیکن اس جیسی چیز کو دوبارہ بنانا آسان ہے، اب جس ہستی نے انسان کو پہلی مرتبہ بغیر کسی سابقہ شکل وصورت کے پیدا کیا اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ انسان کو فنا کر کے پھر اسی شکل وصورت میں دوبارہ زندہ کر دے۔ اس سادہ اور عام فہم دلیل کے بعد بھی اگر کوئی عقیدہ آخرت کو تسلیم نہیں کرتا تو قیامت کے دن جب اسے زندہ کر کے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش کیا جائے گا تو پھر اس کے پاس اس انکار کا کیا جواب ہوگا؟

[۱۰] قیامت کے دن کفار ومشرکین جب میزان عدل پر پہنچیں گے تو ان کے پاس اپنے کفر وشرک کی کوئی دلیل نہیں ہوگی، لہٰذا وہ ششدر و حیران اور گم سم رہ جائیں گے اور انہیں نجات کی کوئی امید نظر نہیں آئے گی۔

[۱۱] قیامت کے دن کفار ومشرکین جب دیکھیں گے کہ جن کو وہ خدا کا شریک بناتے تھے اور مشکل میں ان سے نجات کی امید رکھتے

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ۝

۱۴۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن سب لوگ الگ الگ ہو جائیں گے۔ [۱۲]

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ۝

۱۵۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے وہ (جنت کے) باغ میں خوش و خرم کئے جائیں گے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝

۱۶۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا وہ لوگ عذاب میں رکھیں جائیں گے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝

۱۷۔ پس تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیا کرو جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو۔ [۱۳]

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝

۱۸۔ اور سب تعریفیں اسی کے لئے ہیں آسمانوں میں اور زمین میں اور (تم تسبیح کیا کرو) سہ پہر کو اور جب تم دوپہر کرو۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ

۱۹۔ وہ مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے اور زندہ سے مردہ کو

تھے وہ تو خود بے بس ہیں، تب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگا اور اپنے شریکوں سے بیزاری کا اعلان کر دیں گے۔

[۱۲] قیامت کے دن حساب و کتاب کے بعد اہل ایمان اور کفار کو الگ الگ کر دیا جائے گا اور پھر کبھی وہ اکٹھے نہیں ہوں گے یعنی اہل ایمان کو جنت میں بھیج دیا جائے گا جہاں وہ ہمیشہ خوش و خرم رہیں گے اور کفار کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا جہاں وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

[۱۳] ان آیات میں تسبیح سے مراد نماز ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس ؓ نے بیان فرمایا کہ ان دو آیات میں نمازوں کے اوقات بیان کئے گئے ہیں، شام سے مراد مغرب اور عشاء کی نماز کا وقت ہے، صبح سے نماز فجر کا وقت، سہ پہر سے نماز عصر کا اور دوپہر سے نماز ظہر کا وقت مراد ہے۔ (تفسیر ابن جریر طبری) اس کے علاوہ چند دیگر مقامات پر بھی اوقات نماز کی طرف اشارات کئے گئے ہیں جن کے لئے سورہ ہود (۱۱) کی آیت نمبر ۱۱۴، سورہ بنی اسرائیل (۱۷) کی آیت نمبر ۷۸ اور سورہ طٰہٰ (۲۰) کی آیت نمبر ۱۳۰ ملاحظہ کریں۔

مِنَ الْحَيِّ وَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ وَ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾

نکالتا ہے اور زمین کو اس کے مردہ (خشک) ہوجانے کے بعد زندہ (تروتازہ) کرتا ہے، اور اسی طرح تم بھی (قبروں سے زندہ کرکے) نکالے جاؤ گے۔[۱۴]

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اب تم انسان بن کر (زمین میں) پھیلتے جارہے ہو۔[۱۵]

---

[۱۴] اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ جو مردہ انڈہ سے زندہ مرغی اور زندہ مرغی سے مردہ انڈہ نکال سکتا ہے اور زمین کے خشک ہوجانے کے بعد اسے دوبارہ سرسبز و شاداب کرسکتا ہے اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ تمہیں فنا ہوجانے کے بعد دوبارہ زندہ کردے۔

[۱۵] آنے والی چند آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی توحید کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے کس طرح بے جان مٹی سے ایک خوبصورت شکل والا جاندار اور عقل مند انسان پیدا فرمایا جس کی ذریت ہر طرف پھیل رہی ہے اور زمین میں چھپے ہوئے خزانوں کو بے نقاب کررہی ہے۔

انسان نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں مگر انسان اول چونکہ مٹی سے پیدا کیا گیا تھا اس لئے اصل کی وجہ سے انسان کو مٹی کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور آج بھی کئی حوالوں سے انسان کا مٹی کے ساتھ رشتہ قائم ہے، مثلاً مٹی ہی کی پیداوار سے انسان نشوونما پاتا ہے۔ نیز پیدائش کے وقت اس کی ناف پر مٹی کا رنگ بھی چڑھایا جاتا ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مولود کی ناف پر اس مٹی کا رنگ چڑھایا جاتا ہے جس سے اس کو پیدا کیا جاتا ہے، اور آخری عمر میں انسان کو اسی مٹی کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے جس سے اسے پیدا کیا گیا تھا حتیٰ کہ اس مٹی میں اس کو دفن کردیا جاتا ہے۔ بے شک میں اور ابوبکر اور عمر ایک مٹی سے پیدا کئے گئے تھے اور اسی میں دفن کئے جائیں گے۔

(کنز العمال: ۳۲۶۷۳: جلد ۱۱: ص ۵۶۵)

اس حدیث سے اندازہ کریں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کتنا قرب حاصل ہے۔ شیخین کی فضیلت کے لئے چند احادیث ملاحظہ کریں۔

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ارادہ کیا کہ بعض صحابہ کو بادشاہوں کی طرف بھیجوں تاکہ وہ انہیں اسلام کی دعوت دیں جس طرح عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو بھیجا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا: آپ ابوبکر اور عمر کو کیوں نہیں بھیجتے کیونکہ وہ اچھے طریقہ سے تبلیغ کرسکتے ہیں تو آپ نے فرمایا: مجھے ان کی ضرورت ہے کیونکہ دین میں ان کا وہی درجہ ہے جو جسم میں آنکھ اور کان کا ہے۔ (کنز العمال: ۳۲۶۷۴: جلد ۱۱: ص ۵۶۷)

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱

۲۱۔ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔ [۱۶]

☆ حضرت علی ﷜ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسلام میں کوئی بچہ حضرت ابوبکر ﷜ اور حضرت عمر ﷜ سے زیادہ پاک، صاف اور فضیلت والا پیدا نہیں ہوا۔ (کنز العمال: ۳۲۶۸۵: جلد ۱۱: ص ۵۶۷)

☆ حضرت ابو ہریرہ ﷜ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت ابوبکر ﷜ اور حضرت عمر ﷜ آسمان و زمین والوں سے بہتر ہیں بلکہ قیامت تک سب آنے والوں سے بہتر ہیں۔ (کنز العمال: ۳۲۶۸۶: جلد نمبر ۱۱: ص ۵۶۷)

☆ حضرت سفینہ ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مسجد بنائی تو ابوبکر ﷜ ایک پتھر لے کر آئے اور اس کو رکھ دیا، پھر عمر ﷜ ایک پتھر لے آئے اور اس کو رکھ دیا، پھر عثمان ﷜ ایک پتھر لے کر آئے اور اس کو رکھ دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد یہ (تینوں یکے بعد دیگرے) حکمران ہوں گے۔ (مستدرک للحاکم: ۴۲۸۴: جلد ۳: ص ۱۴) امام حاکم نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابوبکر منی و انا منہ و ابوبکر اخی فی الدنیا والآخرۃ۔ ابوبکر مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور ابوبکر دنیا اور آخرت میں میرا بھائی ہے۔

(کنز العمال: ۳۲۵۰۰: جلد ۱۱: ص ۵۴۴)

☆ حضرت ابو درداء ﷜ بیان کرتے ہیں: میں حضرت ابوبکر ﷜ کے آگے چل رہا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: اے ابو درداء! کیا تم اس شخص کے آگے چلتے ہو جو تم سے دنیا و آخرت میں بہتر ہے؟ قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے! نبیوں اور رسولوں کے بعد حضرت ابوبکر ﷜ سے افضل کوئی شخص نہیں ہے جس پر سورج طلوع یا غروب ہوا ہو۔ (السیرۃ الحلبیۃ: جلد ۲: ص ۵۶)

☆ حضرت انس ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت ابوبکر ﷜ کی محبت میری امت پر واجب ہے۔

(السیرۃ الحلبیۃ: جلد ۲: ص ۵۶)

☆ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص ﷜ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: میرے پاس جبریل امین آئے اور کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ حضرت ابوبکر ﷜ سے مشورہ کیا کریں۔

(السیرۃ الحلبیۃ: جلد ۲: ص ۵۶)

[۱۶] اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے سکون کے لئے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں، اگر تمہاری

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے، بے شک اس میں اہل علم کے لئے نشانیاں ہیں۔[۱۷]

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن میں تمہارا سونا اور تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا ہے، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور سے سنتے ہیں۔[۱۸]

بیویاں کسی اور جنس یعنی جنات یا حیوانات سے ہوتیں تو تمہیں آپس میں سکون حاصل نہ ہوتا بلکہ بداعتقادی اور بے قراری کی فضا پروان چڑھتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ اس نے انسان کی بیوی انسان ہی بنائی۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا اندازہ لگائیں کہ ایک ہی مادہ اور ایک ہی عمل سے پیدا کرنے کے باوجود سب کو مرد یا سب کو عورتیں نہیں بنایا بلکہ بعض کو مرد اور بعض کو عورت بنایا اور ہر ایک کے اعضاء، اخلاق، جذبات اور شکل وصورت میں ایسا حسین فرق اور امتیاز رکھا جو دوسرے کے لئے کشش، محبت اور رحمت کا باعث ہے۔ اور اس فرق کی بدولت نسل انسانی کا سلسلہ جاری ہے۔ ایک ہی پیٹ سے مرد اور عورت کی تخلیق محض اتفاق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی کمال حکمت کا مظہر ہے اور اس میں جتنا غور کیا جائے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل روشن ہوجاتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ازدواجی زندگی کا مقصد سکون قلب کا حصول ہے لیکن اس کے لئے باہمی محبت اور رحمت ضروری ہے جس سے گھر کا ماحول جنت نظیر بن جاتا ہے۔

[۱۷] بلند وبالا آسمان اور اس میں چمکنے والے ستارے، چاند اور سورج کو دیکھو جن کے نظم ونسق میں کبھی خلل پیدا نہیں ہوا۔ طویل و عریض زمین اور اس پر پھیلے ہوئے درخت اور کھیت دیکھو جو ہماری خوراک کا ذریعہ ہیں، پھر ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہونے والی نسل انسانی کو دیکھو ان کی پہچان کے لئے ان کی زبانوں اور ان کے رنگوں میں کتنا واضح فرق ہے حالانکہ کسی کارخانہ کے ایک سانچہ سے نکلنے والی ہر چیز ایک جیسی ہوتی ہے مگر یہاں ہر انسان اتنا مختلف ہے کہ اس کے انگوٹھے کی لکیریں بھی دوسرے انسانوں سے نہیں ملتیں تو یہ سب محض اتفاق نہیں بلکہ اہل علم کے لئے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی تدبیر کی نشانیاں موجود ہیں۔

[۱۸] جب رات کی تاریکی چھا جاتی ہے تو لوگ دن بھر کی تھکاوٹ دور کرنے کے لئے سوجاتے ہیں اور جب دن کی روشنی آتی ہے تو تازہ دم ہوکر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور رزق کی تلاش میں سرگرم عمل ہوجاتے ہیں۔ اگرچہ بعض لوگ اس کے برعکس دن کو

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ تمہیں ڈرانے اور امید دلانے کے لئے بجلی دکھاتا ہے اور آسمان سے پانی اتارتا ہے، پھر اس پانی سے زمین کو اس کے مردہ (خشک) ہوجانے کے بعد زندہ (سرسبز و شاداب) کرتا ہے، بے شک اس میں عقل مند لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔[۱۹]

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں، پھر جب وہ تم کو زمین سے (نکلنے کے لئے) بلائے گا تو تم فوراً باہر نکل آؤ گے۔[۲۰]

وَ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ

۲۶۔ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اسی کا ہے

سونے اور رات کو کام کرنے کا عمل بھی کرتے ہیں لیکن اکثر لوگ صرف دن کو ہی کام کرتے ہیں اور جہاں بجلی نہیں وہاں تو دن ہی میں کام کرنا پڑتا ہے۔ بہرحال جو لوگ نصیحت کو غور سے سنتے ہیں ان کے لئے رات اور دن کے اس حسین نظام میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی تدبیر کی نشانیاں موجود ہیں۔

[۱۹] جب آسمان پر بجلی چمکتی ہے تو تمہیں یہ خوف لاحق ہوجاتا ہے کہ کہیں یہ بجلی گر کر تمہیں نقصان نہ پہنچائے لیکن ساتھ ہی یہ امید بھی پیدا ہوجاتی ہے کہ ابھی بارش ہوگی اور خشک زمین میں سرسبز و شاداب فصلیں لہلہانے لگیں گی جن سے پرندوں، حیوانوں اور انسانوں کو خوراک مہیا ہوگی۔ اگر بارش کا یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے بند ہوجائے تو کئی علاقے بنجر ہوجائیں اور وہاں انسانوں کا زندہ رہنا محال ہوجائے۔ زمین کی سیرابی کا یہ سلسلہ ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔ اس میں عقل مند لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی نشانیاں موجود ہیں کیونکہ یہ نظام کائنات اسی کی حسن تدبیر سے رواں دواں ہے۔

[۲۰] اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین و آسمان وجود میں آئے، اسی کے حکم سے بدستور قائم ہیں اور ہزاروں سال سے ان میں کوئی نقص اور خلل پیدا نہیں ہوا، لیکن جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا تو زمین و آسمان کا یہ سارا نظام یک دم درہم برہم ہوجائے گا۔ مرنے کے بعد قبروں میں تمہارے جسم بھی فنا ہوچکے ہوں گے مگر جونہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا ایک نیا زمین و آسمان وجود میں آجائے گا اور تم بھی دوبارہ زندہ ہوکر فوراً قبروں سے باہر نکل آؤ گے۔ ان مثالوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت کی واضح نشانیاں موجود ہیں۔

قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور سب اسی کے تابع فرمان ہیں۔[۲۱]

وَ هُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ؕ وَ لَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۷﴾ ع

۲۷۔ اور وہی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر (قیامت کے دن) اس کو دوبارہ زندہ کرے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے،[۲۲] اور آسمانوں اور زمین میں سب سے اونچی شان اسی کی ہے اور وہ سب پر غالب بڑی حکمت والا ہے۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِیْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ

۲۸۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہارے حالات سے ہی ایک مثال بیان فرمائی ہے: کیا تمہارے غلاموں میں سے کوئی اس رزق میں شریک ہے جو ہم نے تم کو دیا ہے؟ کہ تم (اور وہ غلام) اس رزق میں برابر کے

[۲۱] زمین و آسمان اور ان میں موجود سب چیزوں کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے اور سب اس کے حکم کے مطابق سرگرم عمل ہیں۔ البتہ انسانوں اور جنوں کو اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں میں اختیار دیا ہے ان میں اکثر انسان اور جن نافرمانی بھی کرتے ہیں لیکن وہ بھی بعض چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: سب لوگ اپنی پیدائش، زندگی، موت اور قیامت کے دن دوبارہ اٹھنے میں حکم کے پابند ہیں خواہ وہ عبادت میں سرکشی کرتے ہوں۔ (تفسیر خازن) اس آیت کی تفسیر میں امام متولی الشعراوی لکھتے ہیں: اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کوئی بھی اس کی نافرمانی نہ کرتا لیکن اللہ تعالیٰ کسی کو مجبور کرنا پسند نہیں کرتا بلکہ چاہتا ہے کہ جو بھی فرماں بردار بنے وہ اپنے اختیار اور اخلاص سے اطاعت اختیار کرے۔

(تفسیر الشعراوی)

[۲۲] اللہ تعالیٰ نے ہی مخلوق کو پہلی بار پیدا فرمایا اور وہی قیامت کے دن اس کو دوبارہ زندہ کرے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے۔ یہاں پر بات کو عام فہم بنانے کے لئے مخلوق کے تجربہ کی مثال بیان کی گئی ہے یعنی مخلوق کے لئے کسی چیز کو دوبارہ بنانا آسان ہے مگر اللہ تعالیٰ کے لئے پہلی بار پیدا کرنا اور دوبارہ زندہ کرنا سب برابر ہیں۔ وہ قادر مطلق ہے اور اس کے لئے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کے لئے دوبارہ زندہ ہونا پہلی تخلیق سے آسان ہوگا کیونکہ سب لوگ صرف ایک آواز سے فوراً اٹھ کھڑے ہوں گے، یہ لوگوں کے لئے اس سے آسان ہوگا کہ وہ پہلے نطفہ بنیں، پھر معلق گاڑھا خون، پھر گوشت کا لوتھڑا، پھر بچہ یا بچی بنیں اور پھر پیدا ہوں۔

(تفسیر الخازن، تفسیر قرطبی)

كَخِيفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

شریک ہو اور تم ان سے اس طرح ڈرنے لگو جس طرح تم اپنوں سے ڈرتے ہو، اسی طرح ہم اپنی نشانیاں کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ [۲۳]

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ بلکہ جن لوگوں نے ظلم کیا وہ بغیر علم کے اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، پس جس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا ہو اسے کون ہدایت دے سکتا ہے، اور ان لوگوں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ [۲۴]

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ پس تم یکسو ہو کر اپنا رخ دین (اسلام) کی طرف رکھو (یعنی اللہ تعالیٰ کی (پیدا کردہ اسلامی) فطرت پر (قائم رہو) جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی تخلیق (فطرت) میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، یہی دین قیم ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ [۲۵]

---

[۲۳] اہل عرب میں غلامی کا رواج عام تھا اور کوئی غلام نہ تو اپنے مالک کے مال میں شریک ہوتا اور نہ اس میں اپنی مرضی سے تصرف کر سکتا تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غلاموں کی مثال سے توحید کا ثبوت اور شرک کا بطلان بیان کیا ہے یعنی تمہارے غلام تمہارے مال میں حصہ دار نہیں ہیں جس طرح تمہارے بھائی تمہارے برابر کے حصہ دار ہیں اور تم اپنے مال میں تصرف کرتے وقت اپنے غلاموں سے نہیں ڈرتے جس طرح تم اپنے بھائیوں سے ڈرتے ہو، سوائے مشرکو! اگر تم اپنے غلاموں کو اپنا شریک گوارا نہیں کرتے جو تمہاری طرح انسان ہیں اور ہاتھ پاؤں، شکل وصورت اور دیگر ضروریات زندگی میں تمہارے برابر ہیں تو یہ کتنی بڑی ناانصافی ہے کہ تم ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہو جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور مملوک ہیں اور کسی ذاتی یا صفاتی کمال میں اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں ہیں۔

[۲۴] جو لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی ہدایت کو ٹھکرا دیتے ہیں وہ ایسے ظالم اور گمراہ ہیں جن کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور نہ ہی قیامت کے دن کوئی ان کی مدد کر سکے گا۔

[۲۵] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو انسانی فطرت سے تعبیر کیا ہے کیونکہ اسلام دین فطرت ہے اور انسانی فطرت کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے، لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ باطل سے منہ موڑ کر صرف ایک خدا کی طرف رخ کرے اور پوری یکسوئی سے دین اسلام پر قائم رہے، یہی دین مستقیم ہے لیکن اکثر لوگ اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اس لئے وہ حقیقت سے ناآشنا رہتے ہیں۔

مُنِيۡبِيۡنَ اِلَيۡهِ وَاتَّقُوۡهُ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝۳۱

۳۱۔ (اسی دین پر قائم رہو) اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور نماز قائم رکھو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

مِنَ الَّذِيۡنَ فَرَّقُوۡا دِيۡنَهُمۡ وَكَانُوۡا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزۡبٍۢ بِمَا لَدَيۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ ۝۳۲

۳۲۔ (ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ) جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ گروہ در گروہ ہو گئے، ہر گروہ اسی پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔ [۲۶]

ایک خدا کا تصور ہر انسان کی فطرت میں موجود ہے

ایک مافوق الفطرت عظیم ہستی کا تصور ہر شخص کی فطرت اور اس کے تحت الشعور میں موجود ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، پھر یہ اس کے ماں باپ ہیں جو اس کو یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔
(بخاری: ۱۳۵۸: کتاب الجنائز: باب ۷۹)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی فطرت میں توحید کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھی ہے اس میں مسلمان اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں ہے اور نہ ہی کسی میں یہ طاقت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ فطرت میں کوئی رد و بدل کر سکے یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی بچہ کفر پر پیدا ہو بلکہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور اگر ماحول یا ماں باپ کسی کو عیسائی یا یہودی بنا دیں پھر بھی اس میں قبول اسلام کی صلاحیت موجود رہتی ہے، جب بھی وہ غور و فکر کرے گا وہ اسلام قبول کر سکتا ہے، اگر ابوجہل اور ابولہب کی فطرت میں قبولیت توحید کی صلاحیت نہ ہوتی تو انہیں قبول اسلام کی دعوت دینا اور پھر انہیں جہنم کا مستحق قرار دینا صحیح نہ ہوتا۔

ایک خدا کی طرف رجوع

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: یہ چیز انسان کی فطرت میں رکھ دی گئی ہے کہ مصیبت کے وقت وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ پریشان حال کی دعا قبول کرتا ہے خواہ وہ کافر ہی ہو کیونکہ اس وقت سارے جھوٹے اور مادی سہارے ختم ہو چکے ہوتے ہیں اور صرف ایک خدا کی رحمت کا سہارا باقی رہ جاتا ہے جس کی طرف وہ رجوع کرتا ہے۔
(تفسیر قرطبی: سورہ یونس (۱۰): زیر آیت نمبر ۲۲)

اس لئے نبی کریم ﷺ نے مظلوم کی بد دعا سے بچنے کی تلقین فرمائی، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مظلوم کی بد دعا سے بچو خواہ وہ کافر ہو کیونکہ اس کی بد دعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔ (مسند احمد: جلد ۳: ص ۱۵۳) اور اس کی بد دعا بہت جلد درجہ قبولیت تک پہنچ جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں سورہ یونس (۱۰) کی آیت نمبر ۲۲ کا حاشیہ نمبر ۲۳ بھی ملاحظہ کریں۔

[۲۶] اہل اسلام کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ تم اصل دین پر قائم رہو اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اپنی خواہشات کے

وَ اِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَاۤ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ یُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس کو پکارتے ہیں، پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک گروہ فوراً اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔

لِیَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ٙ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ تاکہ وہ اس نعمت کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں عطا کی ہے، پس تم (اس دنیا سے عارضی) فائدہ اٹھالو، پھر عنقریب تم (اس کا انجام) جان لوگے۔ [۲۷]

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ یَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ یُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی دلیل اتاری ہے جو ان کے شرک کی تصدیق کرتی ہے۔ [۲۸]

وَ اِذَاۤ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ اِذَا هُمْ یَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں، اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے ان کرتوتوں کی وجہ سے جو ان کے ہاتھ پہلے کر چکے تھے تو وہ فوراً مایوس ہو جاتے ہیں۔ [۲۹]

مطابق دین میں تبدیلی کر کے کئی فرقے بنالئے اور ہر فرقہ اپنے نظریات کو صحیح اور دوسرے کے نظریات کو غلط سمجھتا ہے۔

[۲۷] مشرکین مکہ جب مصائب اور قحط سالی کا شکار ہوتے تو بتوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کو پکارتے اور جب اللہ تعالیٰ ان پر کرم فرماتا اور انہیں مصائب سے نجات دے دیتا تو ان میں سے سرکش لوگ پھر شرک کرنے لگتے۔ چونکہ وہ شرک اور دنیاوی لذات کو چھوڑنا نہیں چاہتے اس لئے جونہی وہ مصائب سے نجات پاتے تو اللہ تعالیٰ کے احسان کا انکار کر دیتے اور دنیاوی لذات میں سرگرم عمل ہو جاتے لیکن عنقریب انہیں اس سرکشی اور ناشکری کا برا انجام معلوم ہو جائے گا۔

[۲۸] اہل مکہ جس شرک کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں ان کے پاس نہ تو اس شرک کی کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے اس شرک کے حق میں کوئی دلیل نازل کی ہے بلکہ یہ محض ان کی جہالت، گمراہی اور ہٹ دھرمی ہے۔

[۲۹] بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب انہیں کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور تکبر میں آ کر عیاشی اور سرکشی میں سرگرم ہو جاتے ہیں اور جب انہیں اپنے کرتوتوں کی سزا ملتی ہے اور کسی مصیبت کا شکار ہوتے ہیں تو فوراً مایوس

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَآءُ وَ يَقْدِرُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ پس رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو بھی، یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب ہیں اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔[۳۰]

ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرنے لگتے ہیں، یہ دونوں حالتیں ان کے لئے نقصان اور عذاب کا سبب بنتی ہیں۔ ان کے برعکس بعض لوگ ایسے ہیں جو نعمت کے ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہیں اور اس نعمت کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق استعمال کرتے ہیں اور مصیبت کے آنے پر صبر کرتے ہیں اور اس مصیبت سے نجات کی کوشش اور دعا کرتے ہیں، یہ دونوں حالتیں ان کے لئے خیر و برکت اور اجر و ثواب کا باعث بنتی ہیں۔

[۳۰] اللہ تعالیٰ نے جس مومن کے رزق میں وسعت عطا فرمائی ہے اس کے کشادہ رزق میں غریب لوگوں کا حق بھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بطور امانت اس مومن کے حوالے کیا ہے۔ یہ امانت اس کے لئے آزمائش ہے کہ آیا وہ غریبوں کی امانت ان تک پہنچا کر جنت کا مستحق قرار پاتا ہے یا خود ہی غصب کر کے اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے پیش نظر اگر کسی کو غریب بنایا ہے تو اس کی عزت نفس اور کفالت کا انتظام بھی کیا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دولت مند مومن کو حکم دیا ہے کہ اس کی دولت میں غریب رشتہ داروں، مساکین اور مسافروں کا حق ہے جو اسے ادا کرنا ہے، اس لئے جس خوش نصیب کو اللہ تعالیٰ نے غریبوں کی مدد کی توفیق بخشی ہے وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ غریبوں پر احسان کر رہا ہے بلکہ یقین رکھے کہ وہ امانت کو اس کے وارثوں تک پہنچا رہا ہے۔

غریبوں اور محتاجوں کی مدد کے حوالے سے چند احادیث ملاحظہ کریں

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی۔ وہ شخص کہے گا: اے میرے رب! میں تیری عیادت کیسے کرتا حالانکہ تو تمام جہانوں کا رب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی تھی، اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

(پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا:) اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ وہ شخص کہے گا:

اے میرے رب! میں تجھے کھانا کیسے کھلاتا حالانکہ تو رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا تھا، اگر تو اس کو کھانا کھلا دیتا تو تو اس کو میرے پاس پاتا۔

(پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا:) اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا تھا۔ وہ شخص کہے گا: اے میرے رب! میں تجھے کیسے پانی پلاتا حالانکہ تو رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا اور تو نے اسے پانی نہیں پلایا تھا، اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو اس کو میرے پاس پاتا۔

(مسلم: ۶۵۵۶: کتاب البر: باب ۱۳)

۲۔ حضرت سالم رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑے۔ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی میں رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت دور کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مصیبت دور کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کا پردہ رکھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا پردہ رکھے گا۔

(مسلم: ۶۵۷۸: کتاب البر: باب ۱۵)

۳۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پہلی وحی کے بعد جب نبی کریم ﷺ نے گھبراہٹ کا اظہار فرمایا تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو رسوا نہیں فرمائے گا کیونکہ آپ

☆ صلہ رحمی کرتے ہیں۔

☆ بے کسوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

☆ ناداروں کو کما کر کھلاتے ہیں۔

☆ مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں۔

☆ راہ حق میں پیش آنے والے مصائب پر لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

(بخاری: حدیث نمبر ۳: کتاب بدء الوحی: باب ۳)

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے گھبراہٹ کے وقت آپ کو تسلی دینے کے لئے جن اوصاف کا ذکر کیا ان کا تعلق غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کرنے سے ہے حالانکہ آپ کا صادق اور امین ہونا زیادہ مشہور تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے نزدیک غریبوں کی مدد کرنے والے صرف آخرت میں ہی کامیاب نہیں ہوں گے بلکہ اس دنیا میں بھی سرخرو ہوتے ہیں۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگوں میں سب سے اچھا وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔ (کنز العمال: ۴۴۱۵۴: جلد ۱۶ ص ۱۲۸)

علامہ اقبال کہتے ہیں:

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

وَ مَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ مَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اور جو مال تم سود پر دیتے ہو تا کہ وہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو مال تم اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے زکوۃ میں دیتے ہو، پس وہی لوگ (اپنے مال کو) بڑھانے والے ہیں۔ [۳۱]

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع ۱۲

۴۰۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تم تمہیں پیدا کیا، پھر تم کو رزق دیا، پھر تمہیں موت دیتا ہے، پھر تمہیں زندہ کرے گا، کیا تمہارے بنائے ہوئے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے، اللہ تعالیٰ پاک ہے اور ان چیزوں سے بہت بلند ہے جنہیں وہ (اس کا) شریک بناتے ہیں۔ [۳۲]

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ خشکی اور تری میں لوگوں کے کئے ہوئے کرتوتوں کے باعث فساد پھیل گیا تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں بعض (برے) اعمال کا مزہ چکھائے، شاید وہ باز آجائیں۔ [۳۳]

---

[۳۱] جس طرح شراب کے احکام بتدریج نازل ہوئے اسی طرح سود کی قطعی حرمت اگرچہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۷۵ میں نازل ہوئی مگر اس آیت میں اس حکم کی طرف پہلا قدم اٹھایا گیا ہے۔

سود سے بظاہر مال میں اضافہ معلوم ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اضافہ نہیں بلکہ غریبوں کا استحصال اور انجام کے اعتبار سے تباہی کا باعث ہے۔ اس کے برعکس زکوۃ سے بظاہر مال میں کمی معلوم ہوتی ہے لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے زکوۃ دیتے ہیں ان کے مال میں برکت آتی ہے اور قیامت کے دن ان کے مال میں اتنا اضافہ ہوگا کہ ایک کھجور کے برابر دیا ہوا مال احد پہاڑ کے برابر بن چکا ہوگا۔

[۳۲] مشرکین مکہ کو بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے کیونکہ اس نے تمہیں پیدا کیا، تمہارے لئے زمین میں رزق کے وسائل پیدا کئے، وہی تمہیں موت دیتا ہے اور وہی آخرت میں دوبارہ زندہ کرے گا لیکن جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے وہ تو ان میں سے کوئی ایک کام بھی نہیں کر سکتے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے شریک کیسے ہو سکتے ہیں؟

[۳۳] اس کی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمین ظلم اور گمراہی سے بھری ہوئی

قُلۡ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلُ ؕ کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ مُّشۡرِکِیۡنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ آپ فرما دیجئے: زمین میں چل کر دیکھو ان لوگوں کا انجام کیسا (برا) ہوا جو ان سے پہلے تھے، ان میں سے اکثر مشرک تھے۔ [۳۴]

فَاَقِمۡ وَجۡہَکَ لِلدِّیۡنِ الۡقَیِّمِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ یَوۡمَئِذٍ یَّصَّدَّعُوۡنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ پس اپنا رخ دین مستقیم کی طرف رکھیے اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹالا نہیں جائے گا، اس دن سب لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔ [۳۵]

مَنۡ کَفَرَ فَعَلَیۡہِ کُفۡرُہٗ ۚ وَ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنۡفُسِہِمۡ یَمۡہَدُوۡنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ جس نے کفر کیا اس کے کفر کا وبال اس پر ہوگا اور جن لوگوں نے نیک کام کئے تو اپنے ہی لئے (جنت) تیار کر رہے ہیں۔

لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

۴۵۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان لوگوں کو بدلہ دے

تھی، پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو کفار مکہ میں سے کچھ لوگ ہدایت کی طرف لوٹ آئے۔ (تفسیر بغوی، تفسیر روح المعانی) لیکن جو کفار مکہ اپنی سرکشی اور نبی کریم ﷺ کی اذیت رسانی پر قائم رہے اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض گناہوں کے بدلے انہیں قحط سالی میں مبتلا کر دیا جس کی وجہ سے انہیں ہڈیاں اور مردار بھی کھانا پڑے۔ (تفسیر مظہری) اگرچہ نیکیوں اور گناہوں کی مکمل جزا و سزا تو آخرت میں ملے گی مگر کچھ سزا اس دنیا میں بھی دی جاتی ہے تاکہ وہ گناہوں سے باز آجائیں۔

[۳۴] کفار مکہ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلانے والوں کا حشر کیا ہوا، ان کی آباد بستیوں کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا گیا اور ان میں اکثر مشرک تھے کیونکہ مشرکین قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور آخرت کے حساب و کتاب سے بے نیاز ہو کر اس دنیا میں فساد پھیلاتے ہیں۔

[۳۵] روز قیامت کے آنے سے پہلے دین مستقیم یعنی اسلام کا راستہ اختیار کر لو کیونکہ قیامت کا دن بہر صورت آکر رہے گا اسے کوئی ٹال نہیں سکتا اور اس دن حساب و کتاب کے بعد سب لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ہمیشہ کے لئے جدا جدا کر دیا جائے گا۔ ایک اہل ایمان جن کو نیکیوں کے باعث جنت میں بھیج دیا جائے گا اور دوسرا منکرین توحید جن کو گناہوں کے باعث جہنم رسید کر دیا جائے گا۔

مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۴۵﴾

جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے، بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔[۳۶]

وَ مِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ يُّرۡسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّ لِيُذِيۡقَكُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَ لِتَجۡرِىَ الۡفُلۡكُ بِاَمۡرِهٖ وَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ خوش خبری سنانے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے تا کہ وہ تمہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائے اور تا کہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں اور تا کہ تم اس کا فضل (رزق) تلاش کرو اور تا کہ تم شکرادا کرو۔[۳۷]

وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوۡمِهِمۡ فَجَآءُوۡهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَانۡتَقَمۡنَا مِنَ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيۡنَا نَصۡرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بھی رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا اور وہ ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے، پھر ہم نے ان سے انتقام لیا جنہوں نے جرم کیے، اور مومنوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔[۳۸]

[۳۶] جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کیا اس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے دور اور کفر کے عذاب کے قریب کر دیا ہے لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی جنت کے مستحق قرار پاتے ہیں۔
یہاں فضل سے مراد ہے: ایک نیکی کا ثواب دس سے سات سو تک یا اس سے بھی زیادہ دیا جائے گا۔

[۳۷] اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک ہوا بھی ہے جو باران رحمت کی خوش خبری لاتی ہے جس کی بدولت زمین سے تمہارے رزق کے وسائل پیدا ہوتے ہیں اور اسی ہوا کے ذریعہ (پٹرول اور ڈیزل کی دریافت سے پہلے) تمہاری کشتیاں چلتی ہیں تا کہ تم سامان تجارت منتقل کر کے اپنا رزق تلاش کرو۔ یہ ساری نعمتیں تمہیں اس لئے دی گئی ہیں کہ تم ان سے فائدہ اٹھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

[۳۸] پیارے نبی ﷺ! آپ سے پہلے بھی ہمارے رسول ہماری نشانیاں لے کر اپنی قوموں کے پاس گئے۔ جن لوگوں نے ان کی تکذیب کی ہم نے ان پر عذاب نازل کیا مگر اہل ایمان کو ہم نے اس عذاب سے محفوظ رکھا کیونکہ ان کی مدد کرنا ہمارے ذمہ کرم پر لازم ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اپنے بھائی کی عزت کی مدافعت کی اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہے کہ قیامت کے دن اس سے جہنم کی آگ کو دور کر دے، پھر نبی کریم ﷺ نے سورہ روم کی یہ آیت نمبر ۴۷ تلاوت فرمائی۔ (مسند احمد: جلد ۶ :ص ۴۴۹، تفسیر قرطبی)

اَللّٰہُ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیۡرُ سَحَابًا فَیَبۡسُطُہٗ فِی السَّمَآءِ کَیۡفَ یَشَآءُ وَ یَجۡعَلُہٗ کِسَفًا فَتَرَی الۡوَدۡقَ یَخۡرُجُ مِنۡ خِلٰلِہٖ ۚ فَاِذَاۤ اَصَابَ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖۤ اِذَا ہُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں، پھر وہ اس بادل کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان سے بارش نکلتی ہے، پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے ان تک بارش پہنچاتا ہے تو وہ بندے خوش ہو جاتے ہیں۔ [۳۹]

وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یُّنَزَّلَ عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ قَبۡلِہٖ لَمُبۡلِسِیۡنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اگرچہ ان پر بارش نازل کیے جانے سے پہلے وہ لوگ مایوس ہو چکے تھے۔

فَانۡظُرۡ اِلٰۤی اٰثٰرِ رَحۡمَتِ اللّٰہِ کَیۡفَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ اِنَّ ذٰلِکَ لَمُحۡیِ

۵۰۔ پس اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار دیکھو کہ وہ کس طرح زمین کو اس کے مردہ (خشک) ہو جانے کے بعد زندہ (سرسبز و شاداب) کرتا ہے، بے شک وہی مردوں کو

اہل ایمان کی مدد کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی تکالیف کے بدلے میں ان کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو جو بھی تھکاوٹ، بیماری، فکر، حزن، تکلیف یا غم ہو حتیٰ کہ اس کو کوئی کانٹا بھی چبھا ہو تو اسے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

(بخاری: ۵۶۴۱: کتاب المرضیٰ: باب ۱)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکلیف پہنچتی ہے۔ (بخاری: ۵۶۴۵: کتاب المرضیٰ: باب ۱)

☆ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری میں گیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت تیز بخار تھا۔ میں نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو بہت تیز بخار ہے اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوہرا اجر ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ اس طرح ساقط فرما دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔ (بخاری: ۵۶۴۷: کتاب المرضیٰ: باب ۲)

[۳۹] اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے حکم سے ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں، کبھی وہ بادل سارے علاقہ پر چھا جاتے ہیں اور کبھی ٹکڑے بن کر بعض علاقوں پر منتشر ہو جاتے ہیں، پھر جن علاقوں پر بارش ہوتی ہے وہاں کے لوگ خوش ہو جاتے ہیں حالانکہ نزول بارش سے پہلے وہ مایوس ہو چکے تھے کیونکہ ان کے کھیت خشک ہو چکے تھے۔

الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۵۰

زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔[۴۰]

وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ۝۵۱

۵۱۔ اگر ہم ایسی ہوا بھیج دیں (جس کے باعث) وہ دیکھیں کہ ان کی کھیتی زرد پڑ گئی ہے تو وہ اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں گے۔[۴۱]

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝۵۲

۵۲۔ بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ ہی بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں (بالخصوص) جب وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے جا رہے ہوں۔[۴۲]

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۵۳ ع

۵۳۔ اور نہ ہی آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت دینے والے ہیں، آپ صرف ان لوگوں کو سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، سو وہی مسلمان ہیں۔[۴۳]

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَ

۵۴۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں کمزور پیدا کیا، پھر کمزوری کے بعد قوت عطا فرمائی، پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دے دیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور وہی سب کچھ جاننے والا بڑی قدرت

[۴۰] اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ کریں کہ وہ تمہیں رزق مہیا کرنے کے لئے کس طرح خشک زمین کو بارش کے ذریعہ سرسبز و شاداب کر دیتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن وہ مردوں کو بھی زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

[۴۱] جو لوگ اللہ تعالیٰ کے منکر ہیں ان کا حال بڑا عجیب ہے، اگر ان پر بارش نہ ہو تو بالکل مایوس ہو جاتے ہیں اور اگر بارش ہو جائے تو اتنے خوش ہوتے ہیں کہ تکبر کرنے لگتے ہیں اور اگر کبھی ایسی سخت ہوا چل پڑے جس سے فصلیں خشک ہو کر زرد پڑ جائیں تو پہلی نعمتوں کو بھول جاتے ہیں اور پھر ناشکری کرنے لگتے ہیں۔

[۴۲] اس آیت کی تفسیر کے لئے سورہ النمل (۲۷) کی آیت نمبر ۸۰ کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

[۴۳] اس آیت کی تفسیر کے لئے سورہ النمل (۲۷) کی آیت نمبر ۸۱ کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

هُوَالْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ۝ والا ہے۔[۴۴]

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ۝

۵۵۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم لوگ قسمیں کھائیں گے کہ وہ (دنیا میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے، اسی طرح وہ (دنیا میں بھی حق کو چھوڑ کر) الٹا چلا کرتے تھے۔[۴۵]

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ؗ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

۵۶۔ اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا وہ کہیں گے: بے شک تم نوشتۂ الٰہی کے مطابق روز حشر تک ٹھہرے رہے ہو، اور یہ حشر کا دن ہے لیکن تم نہیں جانتے تھے۔[۴۶]

---

[۴۴] اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت کمزور پیدا فرمایا، انسان تمام جانوروں کے بچوں سے زیادہ کمزور اور ناسمجھ پیدا ہوتا ہے۔ دیگر جانوروں کے بچے چند ہفتوں اور چند مہینوں میں اپنے آپ کو سنبھال لیتے ہیں جب کہ انسان ایک طویل عرصہ تک والدین کا محتاج رہتا ہے اور جب انسان جوان ہوتا ہے تو اس میں اتنی قوت آجاتی ہے کہ بڑے سے بڑا جانور بھی اس کے مقابلے میں کھڑا نہیں ہو سکتا اور جوانی کے بعد جب بڑھاپا آتا ہے تو انسان پھر کمزوری کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔

انسانی زندگی کے ان مختلف احوال میں غور کیا جائے تو انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے کیونکہ نہ تو کوئی چیز اس کے علم سے پوشیدہ ہے اور نہ ہی کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر ہے۔

[۴۵] قیامت کے دن جب مجرموں سے دنیاوی زندگی کا حساب لیا جائے گا تو وہ جھوٹی قسمیں کھا کر کہیں گے: ہم دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے تھے تو پھر ہم سے اتنا سخت محاسبہ کیوں کیا جا رہا ہے؟

دراصل وہ پچاس ساٹھ سالہ طویل زندگی کو ایک گھڑی کہہ کر صریح جھوٹ بول رہے ہیں اور یہ کوئی نئی بات نہیں وہ دنیا میں بھی راہ راست کو چھوڑ کر الٹا چلا کرتے تھے اور واضح دلائل کے باوجود آخرت کا انکار کرتے تھے۔

[۴۶] فرشتے، انبیاء اور علماء اس وقت ان مجرموں کی تردید کریں گے کہ تم نے دنیا میں بھی اور قبر میں بھی پیدائش سے لے کر حشر تک ایک طویل عرصہ گزارا ہے، نیز تم عقیدہ آخرت کا مذاق اڑاتے تھے، لہٰذا آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لو یہ ہے وہ حشر کا دن جس کا تم دنیا میں انکار کرتے تھے۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٥٧﴾

۵۷۔ پس اس دن ظالموں کو ان کی معذرت کوئی فائدہ نہیں دے گی اور نہ ہی ان کی توبہ قبول کی جائے گی۔[۴۷]

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَلَئِن جِئْتَهُم بِآيَةٍ لَّيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ ﴿٥٨﴾

۵۸۔اور بے شک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں اور اگر آپ ان کے پاس کوئی بھی نشانی لے آئیں تب بھی کفار یہی کہیں گے کہ آپ تو محض جھوٹے ہیں۔[۴۸]

كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٩﴾

۵۹۔اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جو نہیں جانتے۔

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ﴿٦٠﴾

۶۰۔پس آپ صبر کریں بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور کہیں وہ لوگ آپ کو کمزور نہ کردیں جو یقین نہیں رکھتے۔[۴۹]

---

[۴۷] حشر کے دن ظالموں کو جب اپنا برا انجام نظر آئے گا تو پکار اٹھیں گے: ہم سے غلطی ہوئی، ہم اب توبہ کرتے ہیں، لہٰذا ہمیں معاف کردیا جائے یا ہمیں دنیا میں جانے کا ایک اور موقع دیا جائے ہم ہرگز نافرمانی نہیں کریں گے مگر اب توبہ کا وقت گزر چکا ہوگا اور کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔

[۴۸] اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں جو توحید، رسالت اور آخرت پر دلالت کرتی ہیں مگر کفار مکہ آپ کے متعلق تعصب اور عناد کا شکار ہیں، آپ ان کو کوئی بھی معجزہ دکھائیں وہ صرف یہی کہیں گے کہ یہ جھوٹ اور جادو ہے۔ دراصل ان کی ضد اور ہٹ دھرمی اس انتہا کو پہنچ چکی ہے کہ وہ حق بات سننے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور وہ حقیقت کو نہیں جانتے۔

[۴۹] نبی کریم ﷺ کی خلوص بھری تبلیغ کے باوجود مشرکین مکہ کی مخالفت بڑھتی جارہی تھی اور جو شخص بھی اسلام قبول کرتا اس پر عرصہ حیات تنگ کردیا جاتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تسلی دی کہ آپ ان کی ایذا رسانی سے کبیدہ خاطر نہ ہوں بلکہ صبر و تحمل سے اسلام کی تبلیغ جاری رکھیں، عنقریب اسلام پھیل کر ہی رہے گا۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا اور چند سالوں میں اسلام کا پرچم نہ صرف مکہ بلکہ پورے عالم عرب پر لہرانے لگا۔

فقیر : محمد امداد حسین پیرزادہ : جامعہ الکرم، انگلستان

بعد از نماز ظہر بروز پیر ۲۶ / اکتوبر ۲۰۰۹ء بمطابق ۷ ذوالقعدہ ۱۴۳۰ھ

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پندرہ اکتوبر تا چھبیس اکتوبر یعنی گیارہ دنوں میں سورہ روم کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ لقمٰن (۳۱)

یہ سورت مکی ہے، اور اس کا نام ''لقمان'' ہے۔

سبب نزول

دکتور وہبہ زحیلی لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ قریش مکہ نے نبی کریم ﷺ سے حضرت لقمان علیہ السلام اور ان کے بیٹے کا قصہ دریافت کیا تو یہ سورت نازل ہوئی۔ (تفسیر منیر) اس سورت کی آیات نمبر ۱۲ تا ۱۹ میں وہ نصیحتیں نقل کی گئی ہیں جو عرب کے مشہور دانشور حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام لقمان رکھا گیا ہے۔

اس سورت کی ابتداء میں بتایا گیا ہے کہ قرآن حکیم اگرچہ تمام انسانوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے مگر اس سے صحیح فائدہ وہ لوگ اٹھاتے ہیں جو نیک ہیں، اور جو لوگ قرآن مجید کی تعلیمات سے روگردانی کرتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

اس سورت میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور مختلف مثالوں سے اللہ تعالیٰ کی توحید کو سمجھنے کی ترغیب دی گئی ہے اور یہ کہ اس دن سے ڈرو جس دن باپ بیٹا بھی ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکیں گے۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ : جامعہ الکرم، انگلستان

بعد از نماز فجر بروز منگل ۲۷/ اکتوبر ۲۰۰۹ء بمطابق ۸ ذوالقعدہ ۱۴۳۰ھ

آیاتہا ۳۴ ۳۱ سُوْرَۃُ لُقْمٰنَ مَکِّیَّۃٌ ۵۷ رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ① — ۱۔الف لام میم۔[۱]

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ② — ۲۔ یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ③ — ۳۔(یہ کتاب) نیکوکاروں کے لئے ہدایت ورحمت ہے۔[۲]

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ④ — ۴۔ جولوگ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤ — ۵۔ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑥ — ۶۔ اور بعض لوگ غافل کردینے والی باتیں خریدتے ہیں تاکہ بغیر علم کے لوگوں کو اللہ تعالٰی کے راستے سے بہکائیں اور اس کا مذاق اڑائیں، ان ہی لوگوں کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔[۳]

---

[۱] یہ حروف مقطعات ہیں، ان کے لئے سورہ بقرہ کی پہلی آیت کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

[۲] قرآن حکیم اگرچہ تمام نسل انسانی کے لئے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے مگر اس سے فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو نیک ہیں یعنی وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہاں پر نیک لوگوں کی صرف تین صفات یعنی نماز، زکوٰۃ اور آخرت پر یقین کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کیونکہ یہ تینوں صفات بنیادی اہمیت کی حامل ہیں ورنہ نیک لوگ تو فرائض، واجبات اور سنن بلکہ مستحبات تک کی پابندی کرتے ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

[۳] یہ آیت نضر بن حارث کے متعلق نازل ہوئی، وہ تجارت کے لئے فارس جاتا تھا، وہاں سے عجمیوں کی کتابیں خرید لاتا اور قریش

کو سنا کر کہتا کہ محمد ﷺ تم کو عاد اور ثمود کی خبریں سناتے ہیں اور میں تم کو رستم اور اسفندیار اور عجمی بادشاہوں کی خبریں سناتا ہوں، چنانچہ کفار مکہ اس کی خبروں اور کہانیوں کی طرف مائل ہوتے اور قرآن سننے کا خیال ترک کر دیتے۔ (روح المعانی، تفسیر قرطبی) نیز اس نے گانے والی لونڈی بھی خرید رکھی تھی اور جب کوئی کافر اسلام کی طرف مائل ہوتا تو وہ اپنی گانے والی لونڈی کو کہتا کہ تو اس شخص کو کھلا پلا اور اسے گانا سنا اور پھر اس شخص کو کہتا: یہ گانا بجانا اس نماز روزہ سے بہتر ہے جس کی طرف تمہیں محمد (ﷺ) بلاتا ہے۔ (تفسیر قرطبی) اس طرح نضر بن حارث دینِ اسلام کا مذاق اڑاتا اور لوگوں کو اسلام سے دور رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔

گانے بجانے کا مسئلہ

اس آیت کی تفسیر میں بعض اہل علم نے غنا یعنی گانے بجانے کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرنے کا ذریعہ ہے مگر علامہ قرطبی لکھتے ہیں: اس غنا سے مراد وہ معروف غنا ہے جو نفسانی خواہش، عورتوں کے عشق اور بے حیائی پر برانگیختہ کرتا ہے۔ اس قسم کا غنا سننا جس میں عورتوں کا ذکر اور ان کے حسن و جمال کا بیان ہو یا شراب اور دیگر حرام چیزوں کی تعریف ہو، اس کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ یہ لایعنی اور قابل مذمت غنا ہے لیکن وہ غنا جو اس قسم کی قباحتوں سے پاک ہے، خوشی کے مواقع پر اس قسم کا کچھ غنا سن لینا جائز ہے، مثلاً شادی اور عید کے ایام میں یا سخت مشقت طلب کاموں (یعنی جنگ وغیرہ) پر جوش دلانے کے لئے۔ (تفسیر قرطبی)

عید کے موقع پر گانا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ عید کے دن انصار کی دو لڑکیاں میرے پاس جنگ بعاث کے گیت گا رہی تھیں اور وہ پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں اور نبی کریم ﷺ بھی وہاں بستر پر لیٹے ہوئے تھے اگرچہ آپ کا رخ دوسری طرف تھا۔ اس دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کاشانہ نبوت میں داخل ہوئے اور غصہ میں آ کر فرمایا: کیا یہ شیطانی مزامیر رسول اللہ ﷺ کے گھر میں اور ان کی موجودگی میں بجائے جا رہے ہیں؟ اس پر رسول اللہ ﷺ متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے ابوبکر! ان کو گانے دو، ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔ (بخاری: ۹۴۹۔۹۵۲: کتاب العیدین)

شادی کے موقع پر گانا

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت کی ایک انصاری مرد کی طرف رخصتی کی گئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمہارے ساتھ کوئی گانا بجانا نہیں تھا؟ کیونکہ انصار کو گانا اچھا لگتا ہے۔

(بخاری: ۵۱۶۲: کتاب النکاح: باب ۶۴)

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی کسی رشتہ دار لڑکی کی شادی ایک انصاری لڑکے سے کی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: کیا تم نے لڑکی کو رخصت کر دیا؟ لوگوں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم نے اس کے ساتھ کسی گانے والی کو بھی بھیجا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نہیں، تو رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انصار میں گانے کا رواج ہے، کاش! تم دلہن کے ساتھ گانے والی کو بھی بھیجتے جو یہ گاتا:

اَتیناکم اَتیناکم فحیانا و حیاکم

ہم تمہارے پاس آئے ہیں، ہم تمہارے پاس آئے ہیں، سو اللہ ہمیں بھی سلامت رکھے اور تمہیں بھی سلامت رکھے۔

(ابن ماجہ: ۱۹۰۰: ابواب النکاح: باب ۲۱)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نکاح کا اعلان کرو اور اس پر دف بجاؤ۔

(ابن ماجہ: ابواب النکاح: باب ۲۰)

خوشی کے موقع پر گانا

☆ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو میں نے اہل مدینہ کو کسی چیز پر اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا جتنا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد پر خوش تھے۔ (بخاری: ۳۹۲۵: کتاب مناقب الانصار: باب ۴۶) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے تو استقبال کرنے والوں سے مدینہ کی گلیاں اور مکانوں کی چھتیں بھر گئی تھیں، ہر ایک نے بہترین لباس پہن رکھا تھا، حبشی لوگوں نے ہتھیار اٹھا رکھے تھے اور جنگی کرتب دکھا رہے تھے۔ خدام اور بچے درج ذیل نعرے لگا رہے تھے:

اللہ اکبر جاء رسول اللہ   اللہ اکبر جاء محمد

اللہ اکبر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اللہ اکبر، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

(سبل الہدیٰ والرشاد: جلد ۳: ص ۳۸۶، ضیاء النبی: جلد ۳ ص ۱۱۴)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو مدینہ کی عورتیں، بچے اور بچیاں سب درج ذیل اشعار گا کر آپ کا استقبال کر رہی تھیں:

طلع البدر علینا   من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا   ما دعا للہ داع

ایھا المبعوث فینا   جئت بالامر المطاع

(وداع کے ٹیلوں سے چودھویں کا چاند ہم پر طلوع ہوا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو پکارنے والا اس کو پکارتا رہے گا ہم پر لازم ہے کہ ہم اس نعمت کا شکر ادا کرتے رہیں۔ اے ہمارے پاس نبی بن کر آنے والے! آپ اس طرح تشریف لائے ہیں کہ آپ کے ہر حکم کی اطاعت کی جائے گی۔) (السیرۃ الحلبیہ: جلد ۲: ص ۴۷)

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں کچھ لڑکیوں کے پاس سے گزرے جو دف بجا کر گا رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں:

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

۷۔ اور جب اس شخص کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتے ہوئے منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں جیسے اس کے دونوں کانوں میں گرانی ہے، سو آپ اسے دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔ [۴]

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝

۸۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں۔

نحن جوارٍ من بنی النجّار   یا حبّذا محمدٌ من جارِ

(ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں، یا محمد! آپ کتنے بہترین پڑوسی ہیں) یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جانتا ہے یقیناً میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ (ابن ماجہ: ۱۸۹۹: ابواب النکاح: باب ۲۱)

جنگ کے موقع پر گانا

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار سب مل کر مدینہ کے گرد خندق کھود رہے تھے اور مٹی کو اپنی پشتوں پر رکھ کر منتقل کر رہے تھے اور یہ پڑھ رہے تھے:

نَحنُ الذین بایعُوا محمدًا   علی الاسلام ما بقینا اَبَدًا

(ہم وہ ہیں جنہوں نے حضرت محمد ﷺ سے اسلام پر بیعت کی ہے جب تک ہم زندہ رہیں) اور نبی کریم ﷺ ان کو جواب دیتے ہوئے فرماتے:

اللھم انّہ لا خیرَ الّا خیرُ الآخرۃ   فبارِک فی الانصار والمھاجرۃ

(اے اللہ تعالیٰ! اچھائی تو صرف آخرت کی اچھائی ہے، سو تو انصار اور مہاجرین میں برکت نازل فرما۔) (بخاری: ۲۸۳۵: کتاب الجہاد: باب ۳۴) یعنی غزوہ خندق کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے خود بھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اشعار پڑھے۔

[۴] جو شخص گانا بجانا، نفسانی خواہشات اور لغو باتوں کا خوگر ہو جاتا ہے اس کا دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل اور اس کے ڈر سے خالی ہو جاتا ہے، سو ایسے شخص کے سامنے قرآن کی آیتیں پڑھ کر سنائی جائیں تو وہ تکبر سے منہ پھیر لیتا ہے جیسے وہ بہرا ہے اور اس نے سنا ہی نہیں۔ جو شخص اپنے خالق، مالک اور رازق کی بات ہی سننے کے لئے تیار نہیں ہے اسے دردناک انجام کی خبر نہ سنائی جائے تو اور کیا سنایا جائے؟

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹

۹۔ وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور وہ سب پر غالب بڑی حکمت والا ہے۔[۵]

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۱۰

۱۰۔ اس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بنایا (جیسا کہ) تم انہیں دیکھ رہے ہو اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو نصب کیا تاکہ وہ تمہارے ساتھ ڈولتی نہ رہے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے، اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے زمین میں ہر قسم کی عمدہ فصلیں اگائیں۔

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِىْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۱ ع

۱۱۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، [۶] اب ذرا تم مجھے دکھاؤ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں نے (جن کو تم معبود سمجھتے ہو) کیا پیدا کیا ہے؟ دراصل یہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

---

[۵] وعدہ پورا نہ کرنے کی ایک وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ انسان کو وعدہ کرنے کے بعد اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے کہ یہ وعدہ اس کے لئے نقصان دہ ہے، لہٰذا وہ اپنے نقصان سے بچنے کے لئے وعدہ پورا نہیں کرتا اور دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ اسے کوئی مجبوری لاحق ہوگئی ہے جس کی وجہ سے وہ وعدہ پورا کرنے سے قاصر ہے یا اتنا بڑا وعدہ کر بیٹھا ہے جو اس کی طاقت سے باہر ہے۔ بہرحال کسی نہ کسی غلطی، کمزوری یا مجبوری کے باعث وہ وعدہ خلافی کرتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کا ہر وعدہ عقل اور عدل کے تقاضوں کے عین مطابق ہوتا ہے اور اس میں کسی نقصان کا اندیشہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ حکیم اور سب سے بڑا دانا ہے اور ہر چیز کے انجام سے خوب آگاہ ہے۔ نیز اس کو وعدہ پورا کرنے میں نہ تو کوئی کمزوری یا مجبوری لاحق ہوسکتی ہے اور نہ ہی کوئی اسے ایفائے عہد سے روک سکتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر اور سب پر غالب ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے جن جنتوں کا وعدہ کیا ہے وہ اس کی حکمت کے عین مطابق ہے اور اس کی قدرت کے ماتحت ہے۔

[۶] مشرکین کو عام فہم دلائل سے توحید کی تبلیغ کی جارہی ہے یعنی تم اچھی طرح دیکھ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بغیر ستونوں کے قائم کر رکھا ہے اور زمین کا توازن برقرار رکھنے کے لئے اس پر پہاڑ نصب کردیئے ہیں، پھر زمین پر انسان اور بے شمار قسم کے جانور پھیلا دیئے، پھر آسمان سے پانی اتارا اور جانداروں کی خوراک کے لئے رنگارنگ فصلیں اگائیں۔ یہ ساری چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہیں۔ اب ذرا تم بتاؤ، اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو انہوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ ظاہر ہے ہر چیز کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے تو عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ

۱۲۔ اور بے شک ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی (اور فرمایا) کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، [۷] اور جو (اللہ تعالیٰ کا) شکر ادا کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدے کے لئے شکر ادا کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو بے شک

[۷] حضرت لقمان ؒ مصر کے سیاہ فام حبشیوں میں سے تھے، ان کے ہونٹ بڑے موٹے موٹے تھے، انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام سے علم حاصل کیا اور وہ بنی اسرائیل میں قاضی تھے اور اللہ تعالیٰ کے ولی تھے۔ (تفسیر قرطبی) حضرت ابن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لقمان ؒ نبی نہیں تھے لیکن وہ بہت غور و فکر کرنے والے بندے تھے، ان کا عقیدہ عمدہ تھا، وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا محبوب بنالیا اور انہیں حکمت و دانائی عطا فرمائی۔ (تفسیر قرطبی) اس آیت کی تفسیر میں امام خازن لکھتے ہیں کہ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ حضرت لقمان ؒ بڑے دانا تھے مگر وہ نبی نہیں تھے۔ (تفسیر الخازن)

حضرت لقمان ؒ کی چند حکمت آمیز باتیں

☆ ابن جریر ؒ نے عمر بن قیس ؒ سے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی کا حضرت لقمان ؒ کے پاس سے گزر ہوا اور لوگ اس کے گرد جمع تھے۔ اس نے حضرت لقمان ؒ سے پوچھا: کیا تم فلاں آدمی کے غلام ہو اور کیا تم فلاں پہاڑ کے قریب بکریاں چرایا کرتے تھے؟ لقمان نے جواب دیا: ہاں میں وہی ہوں۔ اس نے پوچھا: تو پھر تم کو یہ حکمت اور دانائی کہاں سے ملی ہے؟ لقمان نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ کے ڈر، سچ بولنے، امانت داری اور لایعنی باتوں سے خاموشی کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کرم فرمایا ہے۔ (تفسیر درمنثور)

☆ خالد ربعی ؒ بیان کرتے ہیں کہ لقمان حبشی غلام تھا۔ ایک دن اس کے مالک نے اسے کہا: یہ بکری ہمارے لئے ذبح کرو اور اس کے گوشت کے سب سے اچھے دو ٹکڑے لے آؤ، چنانچہ وہ زبان اور دل نکال کر لے آیا۔ مالک نے کچھ عرصہ بعد پھر لقمان کو کہا: آج یہ بکری ہمارے لئے ذبح کرو اور اس کے گوشت کے سب سے خبیث دو ٹکڑے لے آؤ، چنانچہ وہ پھر زبان اور دل نکال کر لے آیا۔ مالک نے لقمان کو کہا: میں نے تجھے سب سے اچھے ٹکڑے لانے کو کہا تو بھی یہی دو لایا اور اب سب سے خبیث ٹکڑے لانے کو کہا تو بھی وہی دو ٹکڑے لایا ہے تو یہ دونوں بہترین اور بدترین کیسے ہو سکتے ہیں؟ لقمان نے جواب دیا: اگر یہ دونوں یعنی زبان اور دل اچھے ہوں تو یہ سب سے بہترین ہیں اور اگر یہ دونوں خبیث ہوں تو ان سے بدتر کوئی چیز نہیں ہے۔ (تفسیر ابن جریر طبری)

☆ ابو الجلاء ؒ نے حضرت لقمان ؒ کا قول بیان کیا ہے: جو شخص اپنے آپ کو نصیحت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ جو شخص اپنے نفس کے ساتھ انصاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ذلت اٹھانا اس کی نافرمانی میں عزت سے بہتر ہے۔ (تفسیر درمنثور)

فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۱۲﴾

اللہ تعالیٰ بے نیاز حمد کیا ہوا ہے۔[۸]

وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۳﴾

۱۳۔اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا، بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔[۹]

☆ حضرت لقمان علیہ السلام سے کہا گیا کہ تم کتنے بدصورت ہو! حضرت لقمان علیہ السلام نے کہا: تم نقش میں عیب نکال رہے ہو یا نقاش میں؟

(تفسیر تبیان القرآن)

[۸] اگر کوئی شکر ادا کرے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت میں اضافہ نہیں ہوتا اور اگر کوئی ناشکری کرے تو اس کی عظمت میں کمی نہیں ہوتی، البتہ شکر کرنے والے کو اس کا اجر ملے گا اور ناشکری کرنے والے کو اس کی سزا ملے گی۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے وہ کسی کے شکر کا محتاج نہیں۔ ساری دنیا اس کی محتاج ہے اور سرکش جنوں اور انسانوں کے سوا اس کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی حمد بیان کرتا ہے کیونکہ وہ ہر لحاظ سے قابل حمد ہے۔

[۹] اہل عرب کے دلوں میں حضرت لقمان علیہ السلام کے لئے بڑا احترام تھا، وہ حضرت لقمان علیہ السلام کو تاریخ کا بڑا دانا اور حکیم خیال کرتے تھے اور اس کی حکمت آمیز باتیں بڑے غور سے سنتے تھے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان علیہ السلام کی جو پہلی نصیحت ذکر فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ شرک نہ کرو کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اس سے اہل عرب کو بتانا مقصود ہے کہ جس لقمان کو تم حکیم اور دانشور سمجھتے ہو وہ اپنے بیٹے کو شرک سے منع کرتے ہیں، لہٰذا تمہیں بھی شرک سے باز آ جانا چاہیے لیکن تم بڑے عجیب لوگ ہو کہ اگر لقمان علیہ السلام شرک سے منع کرے تو تم انہیں دانش مند اور حکیم کہتے ہو اور اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شرک سے منع کریں تو ان کو جادوگر اور مجنون قرار دیتے ہو۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ تفاسیر میں لقمان علیہ السلام کے بیٹے کے کئی نام ذکر کئے گئے ہیں، ان میں سے ایک انعم ہے۔ (روح المعانی)

حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو چند نصیحتیں

☆ اے میرے پیارے بیٹے! یہ دنیا ایک گہرا سمندر ہے اور اس میں بہت سے لوگ غرق ہو چکے ہیں، پس تو دنیا کے اس سمندر میں خوف خدا کو اپنی کشتی بنا، اس کشتی میں ایمان کو سوار کر اور اللہ تعالیٰ پر توکل کے بادبان لگا کر سفر شروع کر دے تو نجات پا جائے گا ورنہ مجھے تیری نجات کی توقع نہیں ہے۔ (درمنثور)

☆ اے میرے پیارے بیٹے! بے شک حکمت اور دانائی مساکین کو بادشاہوں کا ہم نشین بنا دیتی ہے۔ (درمنثور)

☆ اے میرے پیارے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی مجلس میں بیٹھا کر، ان کی صحبت سے تمہیں بھلائی نصیب ہوگی اور جب ان پر رحمت نازل ہوگی تو ان کے ساتھ تجھے بھی رحمت نصیب ہوگی، اور شریر لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھا کر، ان کی صحبت سے تجھے بھلائی نہیں ملے گی بلکہ جب ان پر عذاب نازل ہوگا تو ان کے ساتھ تو بھی عذاب سے نہ بچ سکے گا۔ (درمنثور)

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ

۱۴۔ اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں نصیحت کی،[۱۰] اس کی ماں نے تکلیف پر تکلیف برداشت کرتے ہوئے اسے اپنے پیٹ میں اٹھائے رکھا،[۱۱] اور اس کا دودھ چھڑانا دو برس میں ہے،

☆ اے میرے پیارے بیٹے! اگر تو کسی کو اپنا بھائی بنانے کا ارادہ کرے تو پہلے اس کو غضب ناک کر کے دیکھ! اگر وہ غصہ کے باوجود تیرے ساتھ انصاف کرے تو اس کو اپنا بھائی بنا لے ورنہ اس سے دور رہ۔ (درمنثور)

☆ اے میرے پیارے بیٹے! توبہ کو مؤخر نہ کر کیونکہ موت اچانک آجائے گی۔ (درمنثور)

☆ اے میرے پیارے بیٹے! اس مرغ سے زیادہ عاجز نہ بن جو سحری کے وقت آواز دیتا ہے اور تو اپنے بستر پر سویا رہے۔ (درمنثور)

☆ اے میرے پیارے بیٹے! اتنے میٹھے نہ بنو کہ نگل لئے جاؤ اور اتنے کڑوے نہ بنو کہ اگل دیے جاؤ۔ (درمنثور)

☆ اے میرے پیارے بیٹے! جو آدمی جھوٹ بولتا ہے اس کے چہرے کی رونق جاتی رہتی ہے، جس آدمی کا خلق اچھا نہ ہو اس کی پریشانیاں بڑھ جاتی ہیں۔ چٹان کو اپنی جگہ سے منتقل کرنا کسی بے وقوف کو مسئلہ سمجھانے سے زیادہ آسان ہے۔ (درمنثور)

☆ اے میرے پیارے بیٹے! علماء کی مجالس میں بیٹھا کر اور حکماء کے کلام کو غور سے سنا کر! کیونکہ اللہ تعالیٰ مردہ دل کو حکمت کے نور سے اس طرح زندہ کر دیتا ہے جس طرح بارش مردہ زمین کو زندہ کر دیتی ہے۔ (درمنثور)

[۱۰] گزشتہ آیت میں حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا کیونکہ شرک بہت بڑا گناہ ہے۔ ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے اولاد کو نصیحت کی ہے کہ وہ میری توحید کے بعد والدین کا خاص خیال رکھیں اور میرے شکر کے ساتھ ان کا بھی شکر ادا کریں۔

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: جس شخص نے پانچ نمازیں پڑھیں اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور جس نے نمازوں کے بعد والدین کے لئے دعا کی اس نے والدین کا شکر ادا کیا۔ (تفسیر قرطبی) والدین کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلہ میں سورہ نساء (۴) کی آیت نمبر ۳۶ کا حاشیہ نمبر ۱۵، سورہ بنی اسرائیل (۱۷) کی آیت نمبر ۲۳ کا حاشیہ نمبر ۲۳ اور سورہ عنکبوت (۲۹) کی آیت نمبر ۸ کا حاشیہ نمبر ۷ ملاحظہ کریں۔

[۱۱] اولاد کی تعلیم و تربیت اور پرورش میں والدین کا رول بہت اہم ہے اس لئے ماں باپ دونوں اولاد کی طرف سے حسن سلوک کے حقدار ہیں لیکن دونوں میں سے ماں کا حق زیادہ ہے کیونکہ وہ نو ماہ تک بچے کو اپنے پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے، پھر وضع حمل کی تکالیف سے گزرتی ہے اور پھر ایک عرصہ تک اپنا دودھ پلاتی ہے جب کہ باپ کو ان مشکل مراحل سے واسطہ نہیں

اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ؕ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ⑭ | کہ تو میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا، میری ہی طرف لوٹنا ہے۔ [۱۲]

پڑتا۔ غالباً اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ماں کی تین درجے زیادہ فضیلت بیان فرمائی ہے۔

☆ حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں۔

اس نے دوبارہ عرض کیا: ماں کے بعد کون ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں۔

اس نے تیسری بار عرض کیا: ماں کے بعد کون ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں۔

اس نے چوتھی بار عرض کیا: ماں کے بعد کون ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا باپ۔ (بخاری: ۵۹۷۱: کتاب الادب: باب ۲)

☆ حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: یا رسول اللہ! میں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مکہ فتح کر دیا تو میں بیت اللہ میں جا کر اس کی نچلی چوکھٹ کو بوسہ دوں گا۔ آپ نے فرمایا: تم اپنی ماں کے قدم کو بوسہ دے دو، تمہاری نذر پوری ہو جائے گی۔

(عمدۃ القاری: کتاب الادب: باب ۲: جز ۲۲: ص ۸۲)

☆ حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

(کنز العمال: ۴۵۴۳۹: جلد ۱۶: ص ۴۶۱)

[۱۲] ماں کا دودھ

ماں کے دودھ پر سب سے زیادہ حق اس کے نومولود بچے کا ہے اور بچے کو اپنا دودھ پلانے میں سب سے زیادہ حق ماں کا ہے۔ بچے کو اپنا دودھ پلانا ہر ماں کی فطرت اور طبیعت میں داخل ہے اور یہ ایسی فطرت ہے جو جانوروں میں بھی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے جانور بھی بچوں کو اپنا دودھ پلانے میں سکون محسوس کرتے ہیں۔

ماں کے دودھ میں حکمتیں

۱۔ ماں کا دودھ جراثیم سے پاک ہوتا ہے اس لئے وہ کسی بیماری کا سبب نہیں بنتا کیونکہ وہ ماں کی چھاتی سے سیدھا بچے کے پیٹ میں جاتا ہے جبکہ گائے بکری کا دودھ کئی مراحل اور برتنوں سے گزرتا ہے اور کسی بھی مرحلہ پر اس میں جراثیم کا اضافہ ہو سکتا ہے جو بچے کی صحت کے لئے مضر ہو سکتے ہیں۔

۲۔ ماں کا دودھ نہ زیادہ ٹھنڈا ہوتا ہے اور نہ زیادہ گرم بلکہ بچے کے مزاج کے عین مطابق ہوتا ہے، جبکہ گائے بکری کا دودھ ماں خود گرم کرتی ہے جس میں کمی بیشی سے بچے کو تکلیف پہنچ سکتی ہے۔

۳۔ جو ماں بچے کو اپنا دودھ پلاتی ہے اس کی چھاتی میں کینسر کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں جبکہ اپنا دودھ نہ پلانے والی ماں کی چھاتی میں کینسر کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔

۴۔ نومولود بچے کے لئے سب سے بہترین غذا ماں کا دودھ ہے، اس میں وہ سب کچھ ہوتا ہے جس کی ایک نومولود بچے کو ضرورت ہوتی ہے۔کوئی بھی مصنوعی دودھ ماں کے دودھ کا متبادل نہیں بن سکتا۔

۵۔ مائیں دودھ کے ذریعے بچوں کو صرف جسمانی غذا ہی فراہم نہیں کرتیں بلکہ قومی روایات اور اخلاق واطوار بھی منتقل کرتی ہیں۔اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بچوں کو اچھی ماؤں کا دودھ پلاؤ۔(روح البیان: سورہ بقرہ: زیر آیت ۱۰۸) کیونکہ دودھ کے ذریعہ ماں کے اچھے اخلاق بچے میں منتقل ہوتے ہیں جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ماں کا دودھ بھی بچے کے کردار میں تبدیلی پیدا کرتا ہے۔'' (روح البیان: سورہ انعام: زیر آیت نمبر ۱۵۰) آج کل ہمیں شکوہ ہے کہ ہماری نوجوان نسل قومی روایات اور خاندانی اخلاق واطوار سے دور ہوتی جارہی ہے۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ماؤں نے بچوں کو اپنا دودھ پلانا چھوڑ دیا ہے۔اکبر الٰہ آبادی کا یہ شعر اسی حقیقت کا آئینہ دار ہے:

طفل میں بُو آئے کیا ماں باپ کے اطوار کی　　دودھ ہے ڈبے کا تعلیم ہے سرکار کی

ماں کے دودھ کی مدت

دوسال کی عمر تک دودھ پینا بچے کا حق ہے جیسا کہ قرآن مجید میں لکھا ہے: {اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دوسال دودھ پلائیں۔} (قرآن: ۲: ۲۳۳) دوسال سے پہلے دودھ چھڑانے کو اسلام پسند نہیں کرتا۔اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بچے کا وظیفہ پیدائش کے ساتھ ہی شروع کردیا تھا تاکہ وظیفے کے لالچ میں کوئی ماں دوسال سے پہلے بچے کا دودھ نہ چھڑائے۔اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

نومولود کا وظیفہ

ایک رات ایک تجارتی قافلہ نے مسجد نبوی کے قریب قیام کیا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو فرمایا: آؤ آج رات اس قافلہ کا پہرہ دیں تاکہ کوئی ان کا سامان چوری نہ کرے۔اس دوران حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک بچے کے رونے کی آواز سنی تو آپ اس کی ماں کے پاس آئے اور اسے کہا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور بچے کو بہلا کر خاموش کرو۔کچھ دیر بعد بچہ پھر رویا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پھر اس کی ماں سے کہا کہ اپنے بچے کو بہلاؤ۔رات کے آخری حصہ میں پھر جب بچہ رویا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سختی سے فرمایا: تو بڑی بے رحم ماں ہے، اسے بہلاتی کیوں نہیں؟ اس نے جواب دیا: اے اللہ کے بندے! تم خواہ مخواہ مجھے تنگ کرتے ہو، دراصل میں اس کا دودھ چھڑاتی ہوں کیونکہ خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ اس وقت تک بچے کا وظیفہ مقرر نہیں کرتا جب تک وہ بچہ ماں کا دودھ پینا چھوڑ نہ دے۔یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

پر رقت طاری ہوگئی اور صبح کی جماعت کرانے کے فوراً بعد فرمایا: ہائے عمر! تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا، اسی وقت منادی کرادی: خبردار! بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کرو، آج کے بعد جس دن بچہ پیدا ہوگا اسی دن اس کا وظیفہ مقرر کردیا جائے گا۔ (طبقات ابن سعد: جلد ۳: ص ۲۸۰، سیرۃ عمر بن الخطاب: ابن الجوزی: ص ۶۲، الفاروق عمر: محمد حسین ہیکل: حصہ دوم: ص ۱۹۵، مصنف عبدالرزاق: حدیث نمبر ۹۷۱۷: جلد ۵: ص ۳۱۱، الفاروق علامہ شبلی نعمانی: ص ۳۳۰)

تاریخ انسانیت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پہلے حکمران ہیں جنہوں نے بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کا سرکاری وظیفہ جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا مگر آج ہماری بدقسمتی ہے کہ مسلم دنیا کے غریب بچے اس نعمت سے محروم ہیں اور غیر مسلم دنیا میں امیر بچے اس سہولت سے مستفید ہو رہے ہیں۔

عالمی صحت کا ادارہ

عالمی صحت کا ادارہ (The World Health Organization) اقوام متحدہ کی صحت کے لئے خصوصی ایجنسی ہے۔ یہ سات اپریل ۱۹۴۸ء میں قائم ہوئی۔ آئین میں WHO کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ تمام افراد عالم کو ممکن حد تک صحت کا اعلیٰ ترین مقام حاصل ہو۔ WHO کے آئین کے مطابق صحت کی تعریف صرف یہی نہیں کہ انسان بیمار اور کمزور نہ ہو بلکہ اس کو مکمل جسمانی، ذہنی اور معاشرتی فلاح و بہبود حاصل ہو۔ WHO عالمی صحت کی اسمبلی WHA کے ماتحت ہے جو کہ ۱۹۲ رکن ریاستوں پر مشتمل ہے۔

WHO کی شائع کردہ عالمی صحت کی رپورٹ ۲۰۰۲ء کے مطابق

بچے کی نشوونما کے لئے ماں کا دودھ سب سے بہترین غذا مہیا کرتا ہے اور ساتھ ہی متنوع غذائی فوائد بھی فراہم کرتا ہے جو کہ بچے کی گوناگوں ضروریات کے عین مطابق ہے۔ بچے کے اوائل چھ ماہ میں ماں کا دودھ مناسب معدنیات اور قوت بخش غذا کا حامل ہے۔ اس دودھ میں ایسے حفاظتی، ترکیبی اور دیگر مدافعاتی اجزا ہیں جو مختلف بکٹیریا، متعدی اور طفیلی جراثیم سے تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اس دودھ کے عناصر بچے کے ذاتی مدافعاتی نظام کی مناسب نشوونما میں تحریک پیدا کرتے ہیں۔ ان موجود دلائل کی بناء پر WHO کی عوامی صحت کی ہدایت یہ ہے کہ بچوں کو زندگی کے اوائل چھ ماہ میں بلاشرکت غیرے ماں کا دودھ پلایا جائے اور یہ عمل دو سال تک جاری رہے۔ ''بلاشرکت غیرے دودھ پلانے'' کا مطلب یہ ہے کہ اوائل چھ ماہ میں بچے کو صرف ماں کا دودھ دیا جائے، کھانے پینے کی اور کوئی چیز نہ دی جائے۔ تقریباً تمام حالات میں بچے کی غذا کے لئے ماں کا دودھ سب سے زیادہ آسان، سب سے زیادہ صحت بخش اور سب سے سستا طریقہ ہے اور بچے کی غذائی ضروریات کے بھی عین مطابق ہے۔

ماں کا دودھ پلانے میں کمی اور خاص کر زندگی کے اوائل مہینوں میں بلاشرکت غیرے ماں کا دودھ پلانے کی قلت، یہ ایسے خطرات کا حامل ہے جو بچوں کی ہلاکت اور بیماری کا سبب بنتے ہیں۔ خاص طور پر ترقی پذیر ممالک میں جب بچوں کو اسہال اور سانس کی بیماری لاحق ہوتی ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ ماں کا دودھ بچے کی اعصابی نشوونما میں اہم کردار ادا کرتا

وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا وَّ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝۱۵

۱۵۔ اور اگر دونوں تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک قرار دے جس کا تجھے کچھ علم نہیں ہے تو ان کی اطاعت نہ کرنا، البتہ دنیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور اس شخص کے راستہ کی پیروی کرنا جس نے میری طرف رجوع کیا ہو، پھر تم سب نے میری طرف لوٹ کر آنا ہے تو میں تمہیں ان کاموں سے آگاہ کروں گا جو تم کرتے تھے۔ [۱۳]

ہے، خاص طور پر وہ بچے جو قبل از وقت، کم جسامت یا کم وزن والے پیدا ہوں ان کی اعصابی نشو و نما کے لئے ماں کا دودھ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ (WHO 2002 P 56- lack of Breast-feeding)

یہاں ایک نکتہ قابل غور ہے کہ WHO نے سالہا سال کی تحقیقات کے بعد ۲۰۰۲ء میں یہ سفارش کی کہ بچے کو دو سال تک ماں کے دودھ کی ضرورت ہے جبکہ قرآن مجید نے ۱۴۰۰ سال پہلے یہ اعلان کیا:

۱۔ مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ (قرآن: ۲: ۲۳۳)

۲۔ ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید فرمائی (کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے) اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے کہ تو میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر کر، (آخر تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ (قرآن: ۳۱: ۱۴) یہ اسلام کے دینِ فطرت ہونے اور قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

[۱۳] والدین انتہائی قابل احترام ہیں اور ان کا اولاد پر بڑا حق ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا حق سب پر مقدم ہے، اگر والدین شرک یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیں تو ان کی اطاعت جائز نہیں ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں کیونکہ اطاعت تو صرف نیکی میں ہے۔ (بخاری: ۷۲۵۷: کتاب اخبار الاحاد: باب ۱) یعنی ان لوگوں کی اطاعت اور پیروی کی جائے جن کی خواہشات اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہوں خواہ وہ والدین ہوں یا کوئی اور۔ بالآخر سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھائے گا؟

اس آیت سے معلوم ہوا کہ والدین اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیں تو ان کی اطاعت نہ کی جائے لیکن پھر بھی دنیا میں ان کے ساتھ حسن سلوک کا سلسلہ جاری رکھا جائے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تین کاموں میں کسی ایک شخص کے لئے بھی رخصت نہیں ہے:

☆ والدین کے ساتھ نیکی کرنا خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر۔

☆ عہد پورا کرنا خواہ وہ مسلمان سے ہو یا کافر سے۔

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿١٦﴾

۱۶۔اے میرے پیارے بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو اور وہ کسی چٹان کے اندر ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں (پوشیدہ) ہو تو (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ اسے لے آئے گا، بے شک اللہ تعالیٰ باریک بین اور ہر چیز سے باخبر ہے۔[۱۴]

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٧﴾

۱۷۔اے میرے پیارے بیٹے! نماز قائم رکھ اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کر اور جو تکلیف تجھے پہنچے اس پر صبر کر، بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔[۱۵]

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ

۱۸۔اور لوگوں سے (تکبر کے ساتھ) روگردانی نہ کر اور زمین میں اکڑ کر نہ چل، بے شک اللہ تعالیٰ اکڑ کر چلنے

☆ اور امانت کو ادا کرنا خواہ وہ مسلمان کی ہو یا کافر کی۔

(کنز العمال: ۴۳۷۹۱: جلد ۱۶: ص ۲۸، جمع الجوامع: ۱۰۷۶۰: جلد ۴: ص ۱۳۴)

[۱۴] درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر دو آیات (یعنی چودہ اور پندرہ آیات) میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا بیان ہوا۔ یہاں سے پھر حضرت لقمان کی نصیحتوں کا بیان شروع ہو رہا ہے۔

رائی کا دانہ اتنا معمولی اور چھوٹا ہوتا ہے کہ نہ تو اس کا وزن محسوس ہوتا ہے اور نہ وہ چند میٹر کے فاصلہ سے نظر آتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رائی کے دانہ کے برابر معمولی سی نیکی یا برائی بھی اگر کسی چٹان میں چھپ کر کی جائے یا آسمان کی بلندی پر یا زمین کی گہرائی میں کی جائے تو بھی وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے اور قیامت کے دن اسے لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیا جائے گا اور اس کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اس (کی جزا) کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہوگی وہ اس (کی سزا) کو دیکھ لے گا۔

(قرآن: ۹۹: ۸۔۷)

[۱۵] جب کوئی شخص لوگوں کو نیکی کا حکم دینے اور انہیں برائی سے روکنے کے لئے میدان عمل میں اترتا ہے تو ساری باطل قوتیں اکٹھی ہو کر اس کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو جاتی ہیں اور اسے ناکام کرنے میں ہر ممکن حربہ استعمال کرتی ہیں، لہٰذا اے میرے پیارے بیٹے! اس فریضہ کی ادائیگی میں جو تکلیفیں آئیں ان سے دل برداشتہ نہیں ہونا بلکہ ان پر صبر کرنا اور پوری ثابت قدمی کے ساتھ اپنے مشن کو جاری رکھنا۔ بے شک یہ بڑی ہمت اور حوصلے کا کام ہے اور اس کا اجر و ثواب بھی بہت بڑا ہے۔

مُخۡتَالٍ فَخُوۡرٍ ۚ﴿۱۸﴾

والے (اور) فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ [۱۶]

وَاقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِكَ وَاغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِكَ ؕ اِنَّ اَنۡكَرَ الۡاَصۡوَاتِ لَصَوۡتُ الۡحَمِیۡرِ ﴿۱۹﴾ ع

۱۹۔ اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو پست رکھ، بے شک سب سے بری آواز گدھے کی ہے۔ [۱۷]

اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَاَسۡبَغَ عَلَیۡكُمۡ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا هُدًی وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِیۡرٍ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ کیا تم لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اور اس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں، پھر بھی بعض لوگ بغیر علم کے بغیر ہدایت کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں۔ [۱۸]

---

[۱۶] پیارے بیٹے! لوگوں کو حقیر سمجھ کر ان سے اعراض نہ کرو اور زمین پر تکبر کے ساتھ اکڑ کر نہ چلو کیونکہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کیا: ایک انسان یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے خوبصورت ہوں، اس کا جوتا خوبصورت ہو، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور وہ خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے اور تکبر کی تعریف یہ ہے کہ انسان حق کا انکار کر دے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔ (مسلم: ۱۴۷: کتاب الایمان: باب ۳۹)

[۱۷] پیارے بیٹے جب تو عام حالات میں چلے تو مریضوں کی طرح زمین سے پوچھ کر قدم نہ رکھ اور نہ مجرموں کی طرح بھاگ بلکہ پورے وقار کے ساتھ درمیانی چال چل، اور جب تو بات کرے تو گدھے کی طرح بلاوجہ چیخ کر بات نہ کر جس سے تجھے بھی تکلیف ہو اور سننے والے کو بھی ناگوار گزرے بلکہ اتنی آواز سے بات کر جو سامعین کے لئے خوش گوار ہو۔

[۱۸] اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور ان میں موجود تمام چیزوں کو انسان کے لئے مسخر کر دیا ہے یعنی سورج اور چاند وغیرہ کو ایسے ضابطہ کا پابند کر دیا ہے کہ انسان ان سے بالواسطہ استفادہ کر رہا ہے اور زمین اور مویشیوں کو براہ راست انسان کے تابع بنا دیا ہے، انسان جس طرح چاہے ان سے استفادہ کر سکتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار ظاہری نعمتوں یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ اور باطنی نعمتوں یعنی دل اور عقل وغیرہ سے مالا مال فرمایا جن کی وجہ سے وہ زمین و آسمان کے درمیان بہت سی چیزوں پر حکومت کر رہا ہے۔ ان نعمتوں میں غور و فکر کرنے سے انسان آسانی کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ جس ہستی نے انسان کے لئے یہ بے شمار نعمتیں پیدا کی ہیں وہ ایک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے، لیکن مشرک لوگ پھر بھی اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کے بارے میں جھگڑتے ہیں

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس (قرآن) کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے تو وہ کہتے ہیں: بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، اگرچہ شیطان ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلا رہا ہو۔[۱۹]

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اور جو شخص اپنے چہرہ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دے اور وہ نیکوکار بھی ہو تو بے شک اس نے ایک مضبوط حلقہ پکڑ لیا، اور تمام کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے۔[۲۰]

وَ مَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور جس نے کفر کیا تو اس کا کفر آپ کو غمگین نہ کرے، ان سب نے ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، پھر ہم انہیں بتائیں گے جو وہ کرتے تھے، بے شک اللہ تعالیٰ سینوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔[۲۱]

حالانکہ ان کے پاس نہ کوئی علمی دلیل ہے اور نہ عقلی ہدایت اور نہ ہی کسی آسمانی کتاب کی کوئی دلیل ہے جو ان کے شرک کو ثابت کر سکے۔

[۱۹] مشرکین مکہ کو دعوت دی جا رہی ہے کہ تمہارے پاس شرک کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے، لہٰذا تم قرآن مجید کی پیروی کرو کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے مگر وہ تعصب اور بے جا ضد کی بنا پر صرف یہی کہتے ہیں کہ ہم تو وہی کریں گے جو ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ اگر کسی کے باپ دادا کو شیطان جہنم کی طرف لے جا رہا ہو تو کیا وہ پھر بھی ان کے پیچھے چل کر جہنم رسید ہوں گے؟

[۲۰] جو شخص اللہ تعالیٰ کے حضور سرِ تسلیم خم کر دے اور پورے خلوص کے ساتھ نیکوکار بن جائے تو اس نے اپنے آپ کو ایسے قافلہ میں شامل کر لیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ عظیم اجر سے نوازے گا۔

[۲۱] پیارے نبی ﷺ! جو لوگ آپ کی تبلیغ کے باوجود اسلام قبول نہیں کرتے آپ ان کے کفر پر غمگین نہ ہوں۔ دراصل ان کے دلوں میں تعصب کی بیماری ہے جس کے باعث وہ کفر سے چمٹے ہوئے ہیں اور قیامت کے دن جب وہ ہمارے سامنے پیش کئے جائیں گے تو ہم ان کے دلوں میں پوشیدہ سازشوں کو ظاہر کر دیں گے۔

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ ہم انہیں (دنیا میں) تھوڑا سا فائدہ اٹھانے دیں گے، پھر ہم انہیں سخت عذاب کی طرف مجبور کر دیں گے۔ [۲۲]

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے، آپ فرمایئے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ [۲۳]

لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی بے نیاز لائق حمد ہے۔ [۲۴]

وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور روئے زمین پر جتنے درخت ہیں اگر وہ قلمیں بن جائیں اور سمندر (تمام روئے زمین کا پانی) سیاہی بن جائے اور اس کے بعد سات اور سمندر اسے مزید سیاہی مہیا کریں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات (لکھنے سے) ختم نہیں ہوں گے، بے شک اللہ تعالیٰ سب پر غالب بڑی حکمت والا ہے۔ [۲۵]

---

[۲۲] جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کرتے ہیں آخر وہ کب تک اس فانی زندگی سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے، بالآخر انہیں مرنا ہے اور اپنے کفر کا حساب دینا ہے اور ان کی آنکھیں اس وقت کھلیں گی جب انہیں زبردستی گھسیٹ کر جہنم رسید کر دیا جائے گا۔

[۲۳] اگر آپ مشرکین مکہ سے دریافت کریں کہ زمین و آسمان کا یہ نظام جو کروڑوں سالوں سے قائم ہے کیا یہ تمہارے معبودوں نے پیدا کیا ہے جن کو تم نے خود آج بنایا ہے اور وہ کل فنا ہو جائیں گے یا اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا؟ تو انہیں ناچار کہنا پڑے گا کہ اس زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مشرکین کو بھی چاروناچار یہ تسلیم کرنا پڑا کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اب اس اعتراف کے بعد ان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر بھی ایمان لے آئیں لیکن ان میں اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

[۲۴] زمین و آسمان کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے اور ان میں موجود سب چیزوں کا مالک بھی وہی ہے، اس لئے وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور وہ بے نیاز ہے یعنی ساری دنیا اس کی محتاج ہے وہ کسی کا محتاج نہیں ہے، لہٰذا وہی اس لائق ہے کہ اس کی حمد و ثنا کی جائے۔

[۲۵] اگر روئے زمین کے تمام درختوں کی قلمیں بنالی جائیں اور زمین کا تمام پانی اور اس جیسے سات اور سمندروں کے پانی کو سیاہی

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾

۲۸۔تم سب کو پیدا کرنا اور تم سب کو (مرنے کے بعد دوبارہ) زندہ کرنا (اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف) ایک جان (کے پیدا کرنے اور اسے دوبارہ زندہ کرنے) کی مانند ہے، بے شک وہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔[۲۶]

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِىْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾

۲۹۔کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے، ہر ایک اپنے وقت مقرر تک چل رہا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو بے شک اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔[۲۷]

بنا دیا جائے اور ساری مخلوق ان قلموں سے لکھنا شروع کر دے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کے سارے اوصاف و کمالات اور اس کی جملہ معلومات کا لکھنا ناممکن ہے کیونکہ سمندروں کا پانی کتنا ہی وسیع و عریض کیوں نہ ہو وہ بہر حال محدود ہے اور اللہ تعالیٰ کے اوصاف و کمالات غیر محدود ہیں، لہٰذا کسی بھی محدود ہستی میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ غیر محدود کلمات کا احاطہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے۔(قرآن: ۱۴: ۳۴) اگر سارے انسان مل کر صرف ان نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتے جو صرف انسانوں کو دی گئی ہیں تو پھر دیگر مخلوقات کو دی گئی نعمتیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات و معلومات کا احاطہ کیسے کر سکتے ہیں، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

زندگیاں ختم ہوئیں اور قلم ٹوٹ گئے　　تیرے اوصاف کا اک باب بھی پورا نہ ہوا

[۲۶] جس طرح ایک دعا کا سننا اور بیک وقت تمام مخلوق کی دعاؤں کا سننا یا ایک چیز کا دیکھنا اور بیک وقت کائنات کی تمام چیزوں کا دیکھنا اللہ تعالیٰ کے لئے برابر ہے اسی طرح کسی ایک انسان کو پیدا کرنا اور مرنے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کرنا یا ساری مخلوق کو پیدا کرنا اور مرنے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کرنا اس کے لئے برابر ہے کیونکہ وہ قادر مطلق ہے اور جب وہ کسی چھوٹی یا بڑی چیز کو اور ایک یا بے شمار چیزوں کو بیک وقت پیدا کرنا چاہے تو اسے کسی وقت یا مادے کی ضرورت نہیں ہے، وہ صرف ارادہ کرتا ہے اور وہ سب کچھ وجود میں آجاتا ہے جس کا وہ ارادہ کرے جیسا کہ حضرت علی سے پوچھا گیا کہ ایک وقت میں اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کا حساب کیسے لے گا؟ آپ نے فرمایا: جس طرح اللہ تعالیٰ ایک وقت میں سب انسانوں کو رزق دیتا ہے اسی طرح وہ ایک وقت میں ان کا حساب بھی لے سکتا ہے۔　(سورۃ انعام (۶): تفسیر الشعراوی: زیر آیت نمبر ۶۲)

[۲۷] اللہ تعالیٰ گرمیوں میں رات کا کچھ حصہ کم کر کے دن کو لمبا بنا دیتا ہے اور سردیوں میں دن کا کچھ حصہ کم کر کے رات کو لمبا بنا دیتا

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۳۰

۳۰۔ یہ اس لئے ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو یہ پکارتے ہیں یقیناً وہ سب باطل ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی بہت بلند بہت بزرگ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۳۱

۳۱۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ کشتیاں سمندر میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے چلتی ہیں تاکہ وہ تمہیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائے، بے شک اس میں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لئے نشانیاں ہیں۔ [۲۸]

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۳۲

۳۲۔ اور جب کوئی موج سائبانوں کی طرح ان پر چھا جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے دین کو خالص کرتے ہوئے اس سے دعا مانگتے ہیں، پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو ان میں سے چند ہی اعتدال پر رہتے ہیں، اور ہماری آیتوں کا صرف وہی انکار کرتا ہے جو بڑا بدعہد سخت ناشکرا ہے۔ [۲۹]

ہے۔ اس طرح رات اور دن کی گردش پورے ضابطے کے مطابق جاری ہے۔

نیز اس نے سورج اور چاند کو بھی تمہیں فائدہ پہنچانے کے لئے ایک مخصوص دائرہ تک پابند کر رکھا ہے۔ یہ سارے انتظامات یاد کرانے کا مقصد یہ ہے تاکہ مشرکین یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے جو دن رات، سورج اور چاند اور زمین و آسمان کا خالق و مالک ہے اور وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور عبادت کے لائق نہیں ہیں۔

[۲۸] اگر اللہ تعالیٰ سمندر کے پانی کو ہر وقت طوفانی کیفیت سے وابستہ کر دیتا تو اس میں کشتیوں کا چلنا مشکل ہو جاتا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے پانی کو ایک مناسب انداز میں ٹھہرا رکھا ہے جس پر کشتیاں چلتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں دکھانے کے لئے کبھی کبھی اس میں طغیانی کی کیفیت بھی پیدا کر دیتا ہے تاکہ جب کشتی طوفانی موجوں میں ڈگمگا رہی ہو تو لوگ صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کریں اور جب خیریت کے ساتھ منزل مقصود پر پہنچ جائیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

[۲۹] مشرکین جب کشتی میں سفر کرتے تو اگر کوئی طوفانی موج ان پر چھا جاتی اور ان کی کشتی ہچکولے کھانے لگتی تو وہ خلوص کے ساتھ

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِي وَالِدٌ عَن وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَن وَالِدِهِ شَيْئًا ۚ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴿٣٣﴾

۳۳۔ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہ دے سکے گا اور نہ ہی کوئی بیٹا اپنے باپ کی طرف سے کچھ بدلہ دے سکے گا، بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، سو دنیا کی زندگی تمہیں ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالے اور نہ ہی فریب دینے والا (شیطان) تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکہ دے۔ [۳۰]

اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے اور وعدہ کرتے کہ اگر وہ انہیں اس طوفان سے بچالے تو وہ شرک نہیں کریں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ انہیں خیریت کے ساتھ خشکی پر پہنچا دیتا تو بہت کم لوگ اپنے وعدہ پر قائم رہتے جب کہ اکثر لوگ بد عہدی اور ناشکری کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا انکار کردیتے۔

[۳۰] اے لوگو! قیامت کے دن سے ڈرو جس میں باپ بیٹا بھی ایک دوسرے کا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ قیامت کا دن ضرور آئے گا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور دنیا کی رنگینیوں اور شیطان کے سبز باغوں سے دھوکہ نہ کھاؤ۔

حضرت عکرمہ ؒ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک شخص اپنے باپ کے پاس آکر کہے گا: میں آپ کا فرمانبردار، ہمدرد اور محسن بیٹا ہوں اور آپ جانتے ہیں کہ میں آج کس مشکل میں ہوں، لہٰذا آپ مجھے ایک نیکی تو دے دیں یا میرا ایک گناہ ہی اٹھالیں تو باپ جواب دے گا: بیٹا! تو نے بہت تھوڑی سی چیز طلب کی ہے لیکن مجھے بھی وہی خوف لاحق ہے جس کا تو شکار ہے (یہ کہہ کے باپ اپنے بیٹے کو ایک نیکی دینے سے معذرت کرلے گا)۔ اسی طرح باپ اپنے بیٹے سے سوال کرے گا اور بیٹا بھی وہی جواب دے گا جو باپ نے دیا تھا، اور ایک شخص اپنی بیوی سے کہے گا: میں نے تیرے ساتھ ساری زندگی بہت حسن سلوک کیا اس کے بدلے میں تو میرے ایک گناہ کا بوجھ اٹھالے شاید کہ میں نجات پا جاؤں۔ بیوی کہے گی: بے شک تیرا مطالبہ بہت تھوڑا سا ہے لیکن مجھے بھی وہی خوف لاحق ہے جس کا تو شکار ہے (یہ کہہ کر بیوی اپنے خاوند کے ایک گناہ کا بوجھ اٹھانے سے بھی معذرت کرلے گی)۔ (تفسیر قرطبی: سورہ فاطر: زیر آیت نمبر ۱۸)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی اجازت سے انبیاء، علماء، شہداء، حفاظ، صالحین، قرآن، رمضان، کمسن بچے اور کمسن بچیاں وغیرہ گناہگار اہل ایمان کی شفاعت کریں گے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ گناہگاروں کے گناہوں کا بوجھ خود اٹھالیں گے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول کرکے گناہگاروں کے گناہوں کو معاف کردے گا یعنی ان کے گناہوں کا وجود ہی ختم فرمادے گا۔ اس سلسلہ میں سورۂ طٰہٰ (۲۰) کی آیت نمبر ۱۰۹ کا حاشیہ نمبر ۴۷ ملاحظہ کریں۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ ۚ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ بے شک قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا؟ اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بہت خبر رکھنے والا ہے۔ [۳۱]

[۳۱] صحیح بخاری کی حدیث نمبر ۵۰ میں ہے کہ جبریل امین نے پوچھا: قیامت کب آئے گی؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس سے قیامت کے بارے میں پوچھا گیا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا، البتہ میں اس کی نشانیاں تم کو بتائے دیتا ہوں۔ (وہ یہ ہیں کہ) جب لونڈی اپنے آقا کو جنے گی، جب سیاہ اونٹوں والے چرواہے لمبی لمبی عمارتیں بنائیں گے۔ (ان علامتوں کے علاوہ قیامت کا علم) ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا (از خود) کوئی نہیں جانتا، پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی: {بے شک قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا؟ اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور بہت خبر رکھنے والا ہے۔} (قرآن: ۳۱:۳۴)

پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔
(۱) قیامت کب آئے گی؟ (۲) بارش کب ہوگی؟ (۳) ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ (۴) بندہ کل کیا کرے گا؟ (۵) بندہ کس زمین میں مرے گا؟

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مذکورہ پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ ان چیزوں کا تعلق علم غیب سے ہے حالانکہ اور بھی غیب کی بے شمار چیزیں ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، مثلاً بندہ کون سے دن اور کون سی تاریخ کو مرے گا؟ اس کے مرنے کا سبب کیا ہوگا؟ وغیرہ تو پھر ان پانچ چیزوں کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک دیہاتی نے نبی کریم ﷺ سے ان ہی پانچ چیزوں کے بارے میں سوال کیا جس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، جیسا کہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: یہ آیت ایک دیہاتی کے بارے میں نازل ہوئی جس کا نام وارث بن عمرو بن حارثہ ہے، وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا:
۱۔ میری بیوی حاملہ ہے آپ مجھے بتائیں وہ کیا جنے گی؟
۲۔ ہمارے شہروں میں قحط سالی ہے آپ بتائیں بارش کب ہوگی؟
۳۔ مجھے معلوم ہے کہ میں کب پیدا ہوا آپ بتائیں میں کب مروں گا؟
۴۔ مجھے معلوم ہے جو کل میں نے آج کیا ہے آپ بتائیں میں کل کیا کروں گا؟

۵۔ آپ بتائیں کہ قیامت کب قائم ہوگی؟

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر قرطبی: سورۃ لقمان: زیر آیت نمبر ۳۴)

علم غیب سے کیا مراد ہے؟

غور و فکر، حواس، علامات اور آلات کے ذریعہ جو علم حاصل ہو جیسے بادلوں کے ذریعہ بارش برسنے اور الٹرا ساؤنڈ کے ذریعہ پیٹ میں بچے کی کیفیت کا علم حاصل ہو جاتا ہے اسے علم غیب نہیں کہتے۔ علم غیب وہ ہے جو وسائل اور اسباب کے بغیر اللہ تعالیٰ کی عطا سے حاصل ہو جائے۔

کیا علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے؟

بلا شبہ ہر غیب کا ذاتی، کلی اور غیر متناہی علم صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کو پسند فرماتا ہے اس کو غیب کا جزئی اور محدود علم عطا فرماتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: یہ پانچ چیزیں وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا حتیٰ کہ کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل بھی ان کو از خود نہیں جان سکتا۔ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ ان چیزوں میں سے کوئی چیز از خود جانتا ہے تو اس نے قرآن کا انکار کیا، البتہ انبیائے کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے ذریعہ ان امور غیبیہ میں سے بہت کچھ جانتے ہیں۔ اس آیت سے مراد (انبیاء کے علوم کی نفی نہیں بلکہ) کاہنوں، نجومیوں اور جو لوگ بارش کے نزول کو مخصوص ستاروں کے طلوع و غروب سے وابستہ سمجھتے ہیں، ان کی تردید ہے۔
(تفسیر قرطبی: سورۃ لقمان (۳۱): زیر آیت نمبر ۳۴)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر بیان کرتے ہیں کہ یہ امور خمسہ غیب کی کنجیاں (مفاتیح الغیب) ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ مختص کر لیا ہے اور انہیں کوئی از خود نہیں جان سکتا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ان کا علم سکھا دے۔
(تفسیر ابن کثیر: سورۃ لقمان (۳۱): زیر آیت نمبر ۳۴)

قرآن مجید کی آیات بھی مذکورہ دو تفاسیر کی تائید کرتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

☆ {اللہ تعالیٰ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے اس رسول کے جس کو وہ پسند کر لے}
(قرآن: ۷۲: ۲۶-۲۷)

☆ {اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ تمہیں (عام لوگوں کو) غیب پر آگاہ کرے، البتہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے (غیب کے علم کے لئے) چن لیتا ہے} (قرآن: ۳: ۱۷۹)

عام لوگوں کو علم غیب نہ بتانے کی وجہ کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ عام لوگوں کو غیب پر آگاہ نہیں فرماتا کیونکہ عام آدمی کو اگر غیب کا علم ہو جائے تو اس کی عملی جدوجہد میں تعطل

پیدا ہو جائے گا اور وہ ہر وقت آنے والے حادثات کے بارے میں فکر مند رہے گا، مثال کے طور پر اگر کسی آدمی کو یہ علم ہو جائے کہ دس سال بعد اس کے ساتھ ایک ایسا حادثہ پیش آنے والا ہے جس میں اس کا بیس سال کا جوان بیٹا فوت ہو جائے گا، اٹھارہ سال کی جوان بیٹی ہمیشہ کے لئے اندھی اور اس کی بیوی اپاہج ہو جائے گی، اب آپ خود اندازہ کریں اس خاندان کے یہ آنے والے دس سال کس کرب وغم سے بسر ہوں گے اور اگر اسے یہ علم نہ دیا جاتا تو کم از کم یہ دس سال تو وہ خوشی اور سکون سے گزارتے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو علم غیب کے لئے منتخب فرمایا کیونکہ ان کا منصب بہت بلند ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی وحی کے امین اور رضائے خداوندی پر مطمئن ہوتے ہیں جیسے حضور اکرم ﷺ کو منافقین کا علم تھا مگر حکمت کے تحت خاموش اور مناسب وقت کے انتظار میں تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو بندے کے مرنے کے دن، تاریخ، جگہ اور وقت کا علم عطا فرمایا۔ بادلوں اور ہواؤں کے فرشتوں کو بارش برسنے کے علاقہ اور وقت کا علم عطا فرمایا۔ اور فرشتوں کو ماں کے پیٹ میں بچے کے مستقبل کا علم عطا فرمایا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص پیدائش کے وقت اپنی ماں کے شکم میں چالیس دن تک (نطفہ) رہتا ہے، پھر علقہ (معلق گاڑھا خون) بن جاتا ہے، پھر چالیس دن گزرنے کے بعد وہ مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) ہو جاتا ہے، پھر چالیس دن گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور اس کو چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اس بچے کا عمل، اس کا رزق، اس کی موت کا وقت اور اس کا بد بخت یا نیک بخت ہونا لکھ دے، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ (بخاری: ۳۲۰۸: کتاب بدء الخلق: باب ٦) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے فرشتے کو علم ہوتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ دنیا میں آئے گا تو اس کا عمل کیسا ہوگا؟ اس کا رزق (مال و دولت اور علم و حکمت کا معیار) کیا ہوگا؟ وہ کب مرے گا؟ اور وہ بد بخت ہوگا یا نیک بخت؟ جس طرح اللہ تعالیٰ کے بتانے سے فرشتے کو ان چیزوں کا علم ہو جاتا ہے اسی طرح انبیائے کرام اور اولیائے کرام کو بھی غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے بتانے سے بطریق معجزہ و کرامت عطا ہوتا ہے۔

علامہ فخر الدین رازی نے محققین کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے وقت کو لوگوں سے مخفی رکھنے کا سبب یہ ہے کہ جب انہیں یہ معلوم نہیں ہوگا کہ قیامت کب آئے گی تو وہ اس سے ڈریں گے اور ہر وقت گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں گے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گناہوں میں مشغول ہوں اور قیامت آ جائے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں کوشاں رہیں گے۔ (تفسیر کبیر: سورۃ الاعراف: زیر آیت نمبر ۱۸۷) اسی حکمت کے پیش نظر عوام سے موت کے وقت کو مخفی رکھا گیا ہے کیونکہ اگر کسی کو بتا دیا جائے کہ وہ دس سال بعد مر جائے گا تو ہو سکتا ہے اس پر شیطان غالب آ جائے اور وہ یہ فیصلہ کر بیٹھے کہ نو سال تو عیاشی میں گزارتا ہوں اس کے بعد توبہ کر لوں گا یا اتنا ڈر جائے کہ سارے کام چھوڑ کر صرف عبادت میں مصروف ہو جائے اور اس کے اہل خانہ بھوک اور فقر کا شکار ہو جائیں، یہ دونوں صورتیں اس کے لئے اچھی نہیں ہیں۔ الغرض عوام سے قیامت کا وقت اس لئے مخفی رکھا گیا تا کہ وہ ہر وقت گناہوں سے بچنے میں کوشاں رہیں مگر انبیائے کرام علیہم السلام کو تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی گناہوں سے پاک کر رکھا ہے اور وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، لہٰذا ان سے قیامت کو مخفی رکھنے کی

ضرورت نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ احمد صاوی لکھتے ہیں: قیامت کا وقت ان مخفی امور میں سے ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر رکھا ہے، وہ اس پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا مگر رسولوں میں سے جن کو چاہے، لہٰذا یہ ایمان رکھنا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یہ دنیا چھوڑنے سے پہلے دنیا و آخرت اور جنت و دوزخ کے تمام غیوب پر مطلع فرمایا لیکن ان میں سے بعض کو مخفی رکھنے کا حکم دیا۔ (حاشیہ صاوی: سورۃ الاعراف: زیر آیت نمبر ۱۸۷) اسی لئے آپ ﷺ نے قیامت کی نشانیاں تو بتا دیں مگر اس کی تاریخ کو مخفی رکھا۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ قیامت اچانک آئے اور لوگوں کو پہلے سے پتہ نہ چلے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: {بے شک قیامت آنے والی ہے میں اس (کے وقت) کو (لوگوں سے) مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص (قیامت کے ڈر سے نیک کام کرنے کی کوشش کرے اور قیامت میں اس) کو اس کی کوشش کا بدلہ دیا جائے۔} (قرآن: ۲۰:۱۵) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کو مخفی رکھا تاکہ لوگ زیادہ راتیں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزاریں اور جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی کو بھی مخفی رکھا تاکہ لوگ جمعہ کے اکثر اوقات اللہ تعالیٰ کی یاد میں بسر کریں۔

جبریل امین نے جب قیامت کے بارے میں سوال کیا تو اگر آپ ﷺ کو علم نہیں تھا تو آپ صاف فرما دیتے کہ میں نہیں جانتا مگر آپ نے ذو معنی جملہ اس لئے استعمال فرمایا کیونکہ اس کا علم عام لوگوں کے مفاد میں نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت بھی یہی ہے کہ قیامت اچانک آئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

☆ {قیامت تمہارے پاس اچانک آئے گی} (قرآن: ۷:۱۸۷)

☆ {پس ان کے پاس قیامت اچانک آجائے گی اور انہیں اس کا شعور بھی نہ ہوگا} (قرآن: ۲۶:۲۰۲)

اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو علم غیب عطا فرماتا ہے

اس کی چند مثالیں ملاحظہ کریں:

☆ حضرت عیسیٰ نے فرمایا: {میں تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو (یعنی جو تمہارے پیٹ میں ہے) اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو} (قرآن: ۳:۴۹)

☆ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! میرے اوپر نہ تمہارا رکوع پوشیدہ ہے اور نہ تمہارا خشوع اور بے شک میں تمہیں اپنی پشت کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔'' (بخاری: کتاب الاذان: باب ۸۸) رکوع نماز کی ظاہری صورت کو اور خشوع باطنی کیفیت کو کہا جاتا ہے، لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ ہر چیز کے ظاہر و باطن کو جانتے ہیں اور جو چیز نگاہوں سے غائب ہے اسے بھی جانتے ہیں کیونکہ نماز میں آپ ﷺ کا رخ قبلہ کی طرف ہوتا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیچھے صفوں میں ہوتے تھے اس کے باوجود آپ ان کے ظاہر و باطن کا علم رکھتے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے دنیا کو پیش فرما دیا تو میں اسے اور اس میں قیامت تک ہونے والی چیزوں کو اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح میں اپنی ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔
(کنز العمال: حدیث نمبر ۳۱۹۷۱: جلد ۱۱: ص ۴۲۰)

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُحد پر چڑھے آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے، وہ پہاڑ لرزنے لگا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اے پہاڑ!) ساکن ہو جا تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید کھڑے ہیں۔ (بخاری: فضائل اصحاب: باب ۷) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی طبعی موت کے ساتھ انتقال کریں گے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوں گے۔

☆ جنگ بدر سے ایک روز پہلے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ جنگ کا معائنہ فرمایا اور مختلف جگہوں کی نشاندہی فرمائی کہ کل فلاں فلاں کافروں کی لاشیں فلاں فلاں جگہوں پر پڑی ہوں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس نے ہمارے نبی کو حق کے ساتھ بھیجا! کفار کی لاشیں ان جگہوں سے ذرہ آگے پیچھے نہ تھیں جہاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں نشاندہی فرمائی تھی۔ (مسلم: ۷۲۲۲: کتاب الجنۃ: باب ۱۷)

☆ جنگ بدر کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر قیدیوں کے بارے میں مجلس مشاورت قائم کی۔ کئی تجاویز پیش ہوئیں کہ ان ظالموں کو قتل کر دیا جائے وغیرہ، مگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تجویز پسند فرمائی وہ یہ تھی کہ حسبِ استعداد فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا جائے اور جو فدیہ ادا نہیں کر سکتے وہ مدینہ کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو وہ آزاد ہیں۔ (مسند احمد: جلد اول: ص ۲۴۷) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انہی میں سے ہیں جن کو کافر قیدیوں نے علم سکھایا۔

(طبقات ابن سعد: جلد ۲: ص ۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران بدر کا فدیہ چار سو درہم مقرر فرمایا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کے پاس مال نہیں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ مال کہاں ہے جو آپ نے اور آپ کی بیوی ام الفضل نے زمین میں دفن کیا تھا اور آپ نے اس سے کہا تھا: اگر میں اس سفر جنگ میں مر گیا تو یہ مال میرے بیٹوں کو دے دینا۔ اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: بخدا! میں جان گیا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ اس مال کا میرے اور میری بیوی کے سوا کسی کو علم نہیں ہے۔ (سبل الھدیٰ والرشاد: جلد ۴: ص ۱۰۵، مسند احمد: جلد اول: ص ۳۵۳)

☆ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب میں اپنے رب تعالیٰ کو بڑی حسین صورت میں دیکھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! کیا آپ جانتے ہیں کہ فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفی میں جواب دیا، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ہاتھ میرے کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی، پھر میں نے جان لیا، جو کچھ آسمانوں میں تھا اور زمین میں تھا۔ (ترمذی: تفسیر القرآن: احادیث نمبرز: ۳۲۳۳_۳۲۳۴_۳۲۳۵)

☆ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمام زمین کو میرے لئے لپیٹ دیا اور میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔ (صحیح مسلم: حدیث نمبر ۲۸۸۹)

☆ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک میں اپنے حوض کو اب دیکھتا ہوں اور بے شک زمین کے خزانوں کی چابیاں مجھے عطا کی گئی ہیں۔ (بخاری: ۱۳۴۴: کتاب الجنائز: باب ۷۳) جو ہستی اس دنیا میں رہتے ہوئے حوضِ کوثر کو دیکھ لے اور جس کو اللہ تعالیٰ زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کر دے اس کے علم غیب اور خزانوں کا صحیح اندازہ

انسان نہیں کر سکتا، یہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کا پیارا نبی ﷺ ہی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کتنا علم غیب اور کتنے خزانے عطا فرمائے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ایک اور ارشاد ملاحظہ ہو: بے شک اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ (بخاری: ۳۱۱۶: کتاب فرض الخمس: باب ۷)

اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے

اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے کسی دوسرے کا دیا ہوا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے یعنی اس کا علم ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود ہے یعنی اس کے علم کی کوئی حد نہیں اور ساری کائنات کو محیط ہے، کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے، جبکہ نبی کریم کا علم حادث ہے یعنی پہلے نہیں تھا پھر اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ نبی کریم ﷺ کا علم عطائی ہے یعنی ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ نبی کریم ﷺ کا علم غیر محدود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور اتنا ہی ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ الغرض نبی کریم کا علم اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بہت ہی محدود ہے مگر مخلوق کے مقابلے میں اتنا وسیع ہے کہ ہمارے حساب و کتاب کے پیمانے ختم ہو سکتے ہیں مگر اس کی وسعت کو ناپا نہیں جا سکتا۔

یہ سب کہنے کی باتیں ہیں یہاں تک ہے وہاں تک ہے
خدا جانے کہاں سے جلوہ جاناں کہاں تک ہے
وہیں تک دیکھ سکتا ہے نظر جس کی جہاں تک ہے

ذاتی و عطائی کی تقسیم کا کیا ثبوت ہے؟

اگر اس فرق کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر قرآن و حدیث میں تعارض پیدا ہو جائے گا، مثلاً ایک طرف اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو رؤف رحیم (قرآن: ۹: ۱۲۸) اور انسان کو سمیع بصیر (قرآن: ۷۶: ۲) بنایا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو رؤف رحیم (قرآن: ۲: ۱۴۳) اور سمیع بصیر (قرآن: ۱۷: ۱) فرمایا ہے۔ مذکورہ آیات کو سمجھنے کے لئے اس فرق کو ماننا ناگزیر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت ذاتی، قدیم، کلی اور غیر متناہی ہے اور انبیاء و اولیاء اور دیگر مخلوقات کی صفات عطائی، حادث، جزئی اور متناہی ہیں اور یہی فرق علم غیب میں بھی ماننا پڑے گا، لہٰذا آیات نفی میں ذاتی، قدیم اور غیر متناہی علم مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں ہے اور آیات اثبات میں عطائی، حادث اور متناہی علم مراد ہے جو صرف مخلوق ہی کا خاصہ ہو سکتا ہے۔

فقیر : محمد امداد حسین پیرزادہ : جامعہ الکرم، انگلستان

بعد از نماز عشاء بروز جمعہ ۶ نومبر ۲۰۰۹ء بمطابق ۱۸ ذوالقعدہ ۱۴۳۰ھ

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ۲۷ راکتوبر تا ۶ نومبر یعنی دس دنوں میں سورہ لقمان کی تفسیر مکمل ہو گئی۔

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ السجدۃ (۳۲)

یہ سورت مکی ہے اور اس کا نام "السجدہ" ہے جو اس سورت کی آیت نمبر ۱۵ کے مضمون سے ماخوذ ہے۔ اس سورت میں قرآن، رسالت، توحید اور آخرت کے بارے میں مشرکین کے شبہات دور کئے گئے ہیں۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی تصدیق فرمائی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، پھر ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی تصدیق فرمائی کہ جو کتاب حضرت محمد ﷺ لے کر آئے ہیں یہ ان کا اپنا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور قدرت کی نشانیاں بیان کی ہیں کہ اس نے کس طرح زمین و آسمان اور انسان کو پیدا فرمایا۔

مشرکین کو آخرت پر یقین نہیں تھا مگر قیامت کے دن جب وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو پکار اٹھیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں ایک دفعہ واپس دنیا میں لوٹا دے تو ہم ضرور نیک اعمال کریں گے اور تیری نافرمانی نہیں کریں گے لیکن اس وقت کا پچھتاوا بے سود ہوگا اور وہ دوزخ کے عذاب سے نہ بچ سکیں گے۔

اہل ایمان آخرت پر یقین رکھتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرتے ہوئے برائیاں نہیں کرتے اور اس کی رحمت پر امید رکھتے ہوئے نیکیاں کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

سورۃ السجدۃ کی فضیلت

☆ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ الم تنزیل (السجدۃ) اور تبارک الذی (الملک) پڑھنے سے پہلے نہیں سوتے تھے۔ (ترمذی: ۲۸۹۲: فضائل القرآن: باب ۹)

☆ خالد بن معدان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ الم تنزیل اپنے پڑھنے والے کی قبر میں وکالت کرے گی اور عرض کرے گی: اے اللہ! اگر میں تیری کتاب سے ہوں تو اس شخص کے متعلق میری شفاعت قبول فرما اور اگر میں تیری کتاب کا حصہ نہیں ہوں تو مجھے اپنی کتاب سے نکال دے اور یہ سورت ایک پرندہ کی مانند ہوگی اور اپنے پروں کو اس شخص پر پھیلا دے گی۔ آخر کار اس کی شفاعت قبول کر لی جائے گی اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ کر دیا جائے گا۔ اور تبارک الذی (الملک) کے متعلق بھی ایسی ہی روایت ہے، اور خالد بن معدان رضی اللہ عنہ ان دونوں سورتوں کو پڑھے بغیر نہیں سوتے تھے۔ (سنن دارمی: ۳۴۱: فضائل القرآن: باب ۱۹)

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ، جامعۃ الکرم، انگلستان

بعد از نماز فجر بروز ہفتہ ۷ نومبر ۲۰۰۹ء بمطابق ۱۹ ذوالقعدہ ۱۴۳۰ھ

ایاتہا ۳۰ (۳۲) سورۃ السجدۃ مکیۃ (۷۵) رکوعاتہا ۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

الٓـمّٓ ۚ ①

۱۔ الف لام میم۔[۱]

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ؕ ②

۲۔ یہ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ ۚ بَلۡ ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اَتٰہُمۡ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ مِّنۡ قَبۡلِکَ لَعَلَّہُمۡ یَہۡتَدُوۡنَ ③

۳۔ کیا وہ (منکرین) یہ کہتے ہیں کہ اس کتاب کو اس (رسول) نے خود گھڑ لیا ہے، بلکہ وہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے تا کہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے (کافی عرصہ تک) کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تا کہ وہ ہدایت پائیں۔[۲]

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَا فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی

۴۔ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا فرمایا، پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا،[۳] تمہارے لئے اس کے بغیر نہ

---

[۱] یہ حروف مقطعات ہیں، ان کے لئے سورہ بقرہ کی پہلی آیت کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

[۲] کافی عرصہ گزر گیا، اہل عرب کے پاس کوئی نبی نہ آیا اس لئے وہ گزشتہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات بھلا چکے تھے۔ ان کے ہاں اللہ کا نام تو موجود تھا مگر اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں وہ گمراہ ہو چکے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ جب آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کا کلام (قرآن مجید) پڑھ کر سنایا تو وہ کہنے لگے: یہ قرآن اس (رسول ﷺ) نے خود بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ قرآن حضرت محمد ﷺ کا اپنا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے اور اس کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

[۳] چھ دنوں سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ سورج ابھی پیدا ہی نہیں ہوا تھا جس کے طلوع وغروب سے دن کا تعین ہوتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ

الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا شَفِیْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝

کوئی مددگار ہے اور نہ کوئی سفارشی، [۴] کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝

۵۔ وہی آسمان سے زمین تک ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے، پھر وہ کام اللہ تعالیٰ کی طرف ایک ایسے دن میں رجوع کرے گا جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہے۔ [۵]

کے عرش پر جلوہ گر ہونے سے کیا مراد ہے؟ جب کہ وہ مکان سے پاک ہے۔ دراصل ان ساری باتوں کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے۔

[۴] زمین وآسمان کا خالق اور ان میں چلنے والے نظام کا حکمران اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور چیز کی عبادت کرو گے تو وہ چیز تمہاری مدد یا سفارش نہیں کر سکے گی، لہٰذا اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرو اور شرک سے باز آجاؤ۔ یہ دنیا دار العمل ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی مرضی کے کام اور فیصلے کرنے کا اختیار دے رکھا ہے لیکن قیامت کے دن صرف اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ فرمائے گا اور کوئی اس کے فیصلے کو چیلنج نہیں کر سکے گا، البتہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے جو شفاعت کر سکیں گے ان میں انبیاء، علماء، اولیاء، شہداء، حفاظ اور معصوم بچے شامل ہوں گے۔

[۵] آسمان سے لے کر زمین تک تمام امور اللہ تعالیٰ کی حسن تدبیر سے سرگرم عمل ہیں، پھر ایک وقت آئے گا کہ یہ ساری کائنات فنا ہو جائے گی اور قیامت قائم ہو جائے گی جس میں تمام انسانوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے اور وہ ان کے متعلق فیصلہ فرمائے گا۔

قیامت کے دن کا اندازہ اس آیت میں اور سورہ حج (۲۲) کی آیت نمبر ۴۷ میں ایک ہزار سال بتایا گیا ہے اور آگے سورہ المعارج (۷۰) کی آیت نمبر ۴ میں پچاس ہزار سال بتایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اصل میں تو قیامت کا دن ایک ہزار سال کا ہوگا لیکن کفار کو ان کی پریشانی کے باعث پچاس ہزار سال لمبا معلوم ہوگا اور اہل ایمان کو جنت کی خوش خبری کے باعث اتنا مختصر معلوم ہوگا جتنے وقت میں ایک فرض نماز پڑھی جاتی ہے، جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ قیامت کا پچاس ہزار سال کا دن کس قدر طویل ہوگا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! یہ وقت مومن کے لئے بہت خفیف ہو کر گزرے گا حتیٰ کہ مومن جتنے وقت میں دنیا میں ایک فرض نماز پڑھتا ہے یہ اس سے بھی کم وقت میں گزر جائے گا۔

(مسند احمد: جلد ۳: ص ۷۵)

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۟ۙ

۶۔ وہی غیب اور ظاہر کو جاننے والا ہے، وہ سب پر غالب بہت رحم فرمانے والا ہے۔[۶]

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۟ۚ

۷۔ وہی ہے جس نے جو چیز بھی بنائی بہت خوب بنائی [۷] اور اس نے انسان کی تخلیق کی ابتداء گارے سے کی [۸]

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۟ۚ

۸۔ پھر ایک حقیر پانی کے نچوڑ (نطفہ) سے اس کی نسل چلائی۔

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۟

۹۔ پھر اس کو درست کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے، (مگر) تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔[۹]

قیامت کے دن حضرت آدم سے لے کر قیامت تک آنے والے بے شمار انسانوں کا حساب و کتاب کتنے وقت میں ہوگا؟ اس کی تفصیل کے لئے سورہ انعام (۶) کی آیت نمبر ۶۲ کا حاشیہ نمبر ۶۰ ملاحظہ کریں۔

[۶] اللہ تعالیٰ ہر چیز کے باطن و ظاہر کو جانتا ہے۔ انسان جو بھی نیکی یا برائی خواہ چھپ کر یا اعلانیہ کرے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے، لہٰذا مجرموں کو اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرنا چاہیے، کوئی بھی اس کی گرفت سے باہر نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ سب پر غالب ہے۔ نیز مجرموں کو اس کی رحمت سے مایوس بھی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ بہت مہربان ہے، جو بھی سچے دل سے توبہ کرلے وہ اسے معاف کردیتا ہے۔

[۷] اللہ تعالیٰ نے آسمان سے زمین تک، سورج سے ستاروں تک اور انسان سے چیونٹی تک، جو چیز بھی بنائی وہ اپنے مقصد تخلیق کے اعتبار سے اتنی کامل، مضبوط اور خوبصورت ہے کہ اس میں کسی کمی بیشی کی ضرورت نہیں ہے۔

[۸] اللہ تعالیٰ نے انسان اول یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو براہ راست مٹی سے پیدا فرمایا، پھر ان کی بائیں پسلی سے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا، پھر ان دونوں کے نکاح اور نطفہ سے نسل انسانی کا سلسلہ شروع کیا جو آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

[۹] شکم مادر میں پانی کا ایک بے جان قطرہ جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس ایک ہی مادہ سے گوشت، ہڈیاں، ہاتھ، پاؤں، اعصاب، شریانیں، دل، دماغ، آنکھ اور کان وغیرہ بے شمار مختلف بلکہ متضاد اعضاء بناتا ہے، پھر اس مجسم میں روح پھونکتا ہے اور ایسا

وَقَالُوٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِى الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِىْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ⑩

۱۰۔ اور انہوں کہا: جب ہم مٹی میں گم ہو جائیں گے تو کیا ہم از سر نو پیدا کئے جائیں گے؟ بلکہ وہ اپنے رب سے ملاقات کے منکر ہیں۔ [۱۰]

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِىْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ⑪ ع

۱۱۔ آپ فرما دیجئے: موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے وہ تمہاری روح قبض کرے گا، [۱۱] پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

حسین انسان بن جاتا ہے جو اپنی مثال آپ ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فہم و فراست سے دیگر مخلوقات پر حکومت کر رہا ہے لیکن بہت کم لوگ ہیں جو ان نعمتوں کا احساس کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہیں۔

روح

روح سے مراد سانس ہے جس کے اندر آنے جانے سے انسان زندہ رہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان میں اپنی روح پھونکی، اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسانی روح اللہ تعالیٰ کی ذات کا حصہ ہے بلکہ یہ اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح کی تعظیم اور تکریم کے لئے ہے، جیسے کعبہ کو بیت اللہ یعنی اللہ کا گھر اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بڑی عزت والا ہے، اسی طرح روح بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی نعمت ہے۔

[۱۰] مشرکین چونکہ قیامت کے دن اور اس میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے منکر ہیں اس لئے وہ کہتے ہیں: یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ مرنے کے بعد جب ہم مٹی ہو کر مٹی کے ساتھ مل جائیں گے تو پھر ہم از سر نو کیسے پیدا کئے جائیں گے؟ اس کا جواب سورہ بنی اسرائیل میں گزر چکا ہے۔ ''وہی جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔'' (قرآن: ۱۷: ۵۱) یعنی جس نے انسان کو پہلی مرتبہ بغیر کسی سابقہ شکل و صورت کے مٹی سے پیدا کر لیا تو اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ انسان کو اسی شکل و صورت میں مٹی سے دوبارہ پیدا کر دے۔

[۱۱] موت و حیات کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے مگر اس نے ملک الموت علیہ السلام یعنی حضرت عزرائیل علیہ السلام کو روحیں قبض کرنے پر مقرر کر رکھا ہے۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کبھی تنہا اور کبھی اپنے معاون فرشتوں کی معیت میں روحیں قبض کرتا ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک وقت میں دنیا کے مختلف حصوں میں بے شمار لوگ فوت ہوتے ہیں تو ایک ملک الموت ان مختلف جگہوں سے کیسے روحیں قبض کرتا ہے۔ اس کے جواب میں مفسرین نے جو روایات نقل کی ہیں ان میں سے چند ملاحظہ کریں:

☆ روایت ہے کہ ملک الموت علیہ السلام کے نزدیک تمام دنیا ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح ہے، وہ بغیر کسی مشقت کے جس شخص کو چاہے

پکڑ لیتا ہے، وہ مشارق و مغارب سے مخلوق کی روحوں کو قبض کر لیتا ہے اور رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے اس کے مددگار ہیں، سو رحمت کے فرشتے مومنوں کے لئے ہیں اور عذاب کے فرشتے کافروں کے لئے ہیں۔

(معالم التنزیل: الحسین بن مسعود البغوی)

☆ زہیر بن محمد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا: ملک الموت علیہ السلام تو ایک ہے اور مشرق و مغرب میں دو لشکر لڑتے ہیں اور ہلاک ہوتے ہیں (ملک الموت علیہ السلام سب کی روحیں کیسے قبض کرتا ہے؟) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ملک الموت علیہ السلام کے لئے دنیا اس طرح گھیر دی ہے جس طرح ایک طشت تمہارے سامنے ہو، لہٰذا دنیا کی کوئی چیز ملک الموت علیہ السلام سے چھوٹ نہیں سکتی۔ (تفسیر در منثور: امام جلال الدین سیوطی)

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ملک الموت یعنی عزرائیل سے پوچھا: جب ایک شخص مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں یا کسی ملک میں وبا پھوٹ پڑے یا دو لشکر آپس میں لڑائی شروع کر دیں تو آپ ان کی روحیں کیسے قبض کرتے ہیں؟ ملک الموت علیہ السلام نے کہا: میں روحوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پکارتا ہوں اور تمام روحیں میری ان دو انگلیوں کے درمیان آ جاتی ہیں۔

(تفسیر در منثور: امام جلال الدین سیوطی)

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دو ایسے اشخاص کے بارے میں پوچھا گیا جن میں سے ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ایک ہی وقت میں فوت ہوئے تو ملک الموت علیہ السلام دو مختلف جگہوں سے ایک ہی وقت میں کیسے روحیں قبض کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ملک الموت علیہ السلام کے سامنے مشرق، مغرب، ہوا، سمندر اور تاریکیاں ایسے ہی ہیں جیسے کسی آدمی کے سامنے دستر خوان ہو، وہ جہاں سے چاہے لے لیتا ہے۔ (تفسیر در منثور: امام جلال الدین سیوطی)

☆ مجاہد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ملک الموت علیہ السلام کے سامنے زمین سمیٹ کر طشت کی طرح کر دی گئی ہے، لہٰذا وہ جس جگہ سے چاہتا ہے روح کو پکڑ لیتا ہے۔ (تفسیر در منثور: امام جلال الدین سیوطی)

مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ ملک الموت کے لئے ظاہر و باطن اور دور و نزدیک میں کوئی فرق نہیں ہے ساری زمین سمیٹ کر دستر خوان کی طرح اس کے سامنے رکھ دی گئی ہے۔ ملک الموت کی بصیرت واقعی بڑی وسیع ہے مگر اللہ تعالیٰ نے بصیرت کی جو وسعتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہیں وہ فرشتوں سے کہیں زیادہ ہیں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمام زمین کو میرے لئے لپیٹ دیا ہے اور میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔

(مسلم: ۷۲۵۸: کتاب الفتن: باب ۵)

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف زمین ہی نہیں بلکہ آسمانوں کا علم بھی عطا فرمایا، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ہاتھ میرے کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی، پھر میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں تھا اور زمین میں تھا۔ (ترمذی: تفسیر القرآن: حدیث نمبر ۳۲۳۳)

ملک الموت کی عرضداشت

اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو قبض کرنے کا معاملہ عزرائیل علیہ السلام کے سپرد کیا تو اس نے عرض کی: اے میرے رب! تو نے میرے ذمہ ایسا کام لگایا ہے جس کی وجہ سے سارے لوگ مجھے برا کہیں گے اور میں ہمیشہ برائی سے یاد کیا جاؤں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے دنیا میں موت کے کچھ ظاہری اسباب اور امراض بنادیئے ہیں، لہٰذا لوگ موت کو ان اسباب کی طرف منسوب کریں گے اور تجھے لوگ اچھائی کے ساتھ یاد رکھیں گے۔ (تفسیر قرطبی)

موت کے قاصد کون ہیں؟

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام دکھ درد موت کے قاصد ہیں اور جب کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ملک الموت علیہ السلام اسے کہتا ہے: اے بندے! میرے آنے سے پہلے مختلف امراض اور حوادث کی صورت میں کتنے قاصد تیرے پاس آتے رہے تاکہ تو موت کے لئے تیاری کرلے۔ میں آخری قاصد ہوں میرے بعد کوئی قاصد نہیں آئے گا، لہٰذا چاروناچار اب تجھے اپنے رب کا حکم ماننا ہی پڑے گا۔ جب ملک الموت علیہ السلام روح قبض کرلیتا ہے اور میت کے عزیز واقارب چیخنا اور پیٹنا شروع کرتے ہیں تو ملک الموت علیہ السلام انہیں کہتا ہے: تم کیوں چیختے ہو، خدا کی قسم! میں نے اس کی مدت حیات میں کوئی کمی نہیں کی اور نہ میں نے اس کا رزق کھایا ہے بلکہ اس کے رب نے اس کو بلالیا ہے، لہٰذا رونے والے اپنے اوپر روئیں کہ ان پر بھی یہ وقت آنے والا ہے۔ (تفسیر مظہری)

☆ روایت ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ملک الموت سے کہا کہ مجھے آپ سے ایک کام ہے، انہوں نے کہا: وہ کیا ہے؟ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا: جب میری موت قریب آئے اور تم میری روح قبض کرنے کا ارادہ کرو تو مجھے بتا دینا، ملک الموت نے کہا: (ٹھیک ہے) میں تمہاری طرف دو یا تین قاصد بھیجوں گا۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی مہلتِ حیات ختم ہوئی اور ملک الموت ان کے پاس آئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا: ملنے آئے ہو یا میری روح قبض کرنے؟ ملک الموت نے جواب دیا: تمہاری روح قبض کرنے، آپ نے فرمایا: کیا تم نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ تم میری طرف ایک یا دو قاصد بھیجو گے؟ ملک الموت نے جواب دیا: میں نے تو وہ قاصد بھیج دیئے ہیں۔ (اور وہ یہ ہیں)

☆ تمہارے بال سیاہ تھے، سفید ہوگئے۔

☆ تمہارا بدن مضبوط تھا، پھر کمزور ہوگیا۔

☆ تمہارا جسم پہلے بالکل سیدھا تھا، پھر جھک گیا۔

اے یعقوب! یہ میرے تین قاصد ہیں جو میں اولادِ آدم کے پاس موت سے پہلے بھیجتا ہوں۔

(ارشاد العباد: ص ۷)

وَلَوۡ تَرٰۤى اِذِ الۡمُجۡرِمُوۡنَ نَاكِسُوۡا رُءُوۡسِهِمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ رَبَّنَاۤ اَبۡصَرۡنَا وَ سَمِعۡنَا فَارۡجِعۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا اِنَّا مُوۡقِنُوۡنَ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اور اگر آپ دیکھیں کہ جب مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے (اور کہیں گے:) اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، پس ہمیں (ایک بار دنیا میں) واپس بھیج دے تو ہم نیک عمل کریں گے، بے شک اب ہم یقین کرنے والے ہیں۔ [۱۲]

وَلَوۡ شِئۡنَا لَاٰتَيۡنَا كُلَّ نَفۡسٍ هُدٰٮهَا وَلٰكِنۡ حَقَّ الۡقَوۡلُ مِنِّىۡ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت عطا فرما دیتے لیکن میری طرف سے یہ بات طے ہو چکی ہے کہ میں سب (سرکش) جنوں اور انسانوں سے جہنم کو بھر دوں گا۔ [۱۳]

موت کا کوئی مقررہ وقت نہیں، بچپن، لڑکپن، جوانی، اور بڑھاپے میں کسی بھی وقت آ سکتی ہے، للہذا ہر وقت موت کے لیے تیار رہنا چاہیے، معلوم نہیں کس وقت سانسوں کا تانا بانا بکھر جائے؟ لیکن جن کے پاس مندرجہ بالا تین یا ان میں سے کوئی ایک یا دو قاصد آ چکے ہیں، انہیں تو ایک لمحہ بھی موت سے غافل نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ:

ع دیگر تے دن آیا محمد اوڑک نوں ڈُب جانڑاں (میاں محمد بخشؒ)

اور حضرت بابا فرید علیہ الرحمۃ کے الفاظ میں:

اُٹھ فرید استیا تیری داڑھی آیا بور ☆ اگا آ گیا نیڑے تے پچھا رہ گیا دور

[۱۲] میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آج تو یہ مشرکین آپ کی بات نہیں سنتے اور عقیدہ آخرت کا مذاق اڑاتے ہیں کہ مٹی میں مٹی ہو جانے کے بعد یہ کیسے ممکن ہے کہ دوبارہ زندہ ہو جائیں؟ مگر قیامت کے دن جب انہیں دوبارہ زندہ کر کے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش کر دیا جائے گا تو فرط ندامت سے ان کے سر جھکے ہوئے ہوں گے اور عرض کریں گے: اے ہمارے رب! دنیا میں ہم جن حقائق کو جھٹلایا کرتے تھے آج ہم نے ان کی حقیقت کا مشاہدہ کر لیا ہے اور دنیا میں جن باتوں کا انکار کیا کرتے تھے آج ہم نے ان کی صداقت اپنے کانوں سے سن لی ہے اور یقین ہو گیا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے جو کچھ کہا تھا وہ سچ تھا، ہم ہی غلط کار تھے۔ اگر ہمیں ایک بار دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تو ہم پکا وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ضرور نیک عمل کریں گے مگر آخرت کا ایمان انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا، کاش! وہ اسی دنیا میں غور سے سنتے اور عبرت حاصل کرتے۔

[۱۳] اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت کے راستہ پر گامزن کر دیتا اور کوئی بھی نافرمانی نہ کرتا مگر اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ انسان کو نیکی یا برائی پر مجبور نہیں کیا جائے گا بلکہ جو لوگ اپنی مرضی سے ہدایت کے راستہ پر گامزن ہوں گے

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ پس تم نے جو اپنے اس دن کی ملاقات کو فراموش کر دیا تھا، اب اس کا مزہ چکھو، بے شک ہم نے بھی تم کو نظر انداز کر دیا ہے اور دائمی عذاب کا مزہ چکھو ان کرتوتوں کے عوض جو تم کیا کرتے تھے۔ [۱۴]

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ ہماری آیتوں پر صرف وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان آیتوں سے انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ [۱۵]

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۫ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ ان کے پہلو ان کے بستروں سے جدا رہتے ہیں، وہ خوف اور امید سے اپنے رب کو پکارتے ہیں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔ [۱۶]

ان کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور جو لوگ اپنی مرضی سے گمراہی کا راستہ اختیار کریں گے ان سے جہنم کو بھر دوں گا۔

[۱۴] جو لوگ قیامت کے دن اور اس میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو فراموش کر کے گناہوں میں زندگی بسر کر دیتے ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بھی انہیں نظر انداز کر کے اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور وہ اپنے گناہوں کے سبب ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

[۱۵] اللہ تعالیٰ کی آیات سے مکمل فائدہ وہ مومن اٹھاتے ہیں کہ جب ان آیات سے انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرتے ہوئے سجدے میں گر جاتے ہیں اور اس کی نعمتوں کو یاد کرتے ہوئے اس کا شکر بجا لاتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی و انکساری کرتے ہیں اور کبھی تکبر نہیں کرتے۔ اس آیت کو پڑھنے کے بعد سجدہ کرنا واجب ہے اور سجدہ تلاوت کرنے کا طریقہ سورہ اعراف (۷) کی آیت نمبر ۲۰۶ کے حاشیہ میں ملاحظہ کریں۔

[۱۶] کامل اہل ایمان کی شان یہ بھی ہے کہ جب دوسرے لوگ سو رہے ہوتے ہیں اس وقت وہ راتوں کو اٹھ کر نوافل تہجد پڑھتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرتے ہیں مگر اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو نیک کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ پس کوئی نہیں جانتا جو آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے پوشیدہ رکھی گئی ہے، یہ ان کے (نیک) اعمال کا صلہ ہے۔[۱۷]

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا یَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ کیا وہ شخص جو مومن ہو اس کی مانند ہو سکتا ہے جو نافرمان ہو، (نہیں) وہ برابر نہیں ہو سکتے۔[۱۸]

وقف غفران، وقف غفران

تہجد اور رات کو دیگر نوافل پڑھنے کی فضیلت

☆ حضرت ابو ہریرہ ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہر رات کو رات کے آخری تیسرے حصہ میں آسمان دنیا پر (اپنی شان کے مطابق) جلوہ گر ہوتا ہے اور فرماتا ہے: ہے کوئی جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں؟ ہے کوئی جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں؟ ہے کوئی جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کو بخش دوں؟ (بخاری: ۱۱۴۵: کتاب التہجد: باب ۱۴، ترمذی: ۴۴۶)

☆ حضرت ابو ہریرہ ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رمضان کے بعد سب سے افضل روزے محرم کے روزے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔ (مسلم: ۱۱۶۳: کتاب الصیام: باب ۳۸)

☆ حضرت عبد اللہ بن سلام ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ اور کھانا کھلاؤ اور نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں، تو تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔

(ترمذی: ۲۴۸۵: ابواب صفة الجنة: باب ۴۲)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو اس قدر زیادہ قیام کرتے تھے کہ آپ کے پاؤں سوج کر پھٹ گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ اس قدر مشقت کیوں کرتے ہیں حالانکہ آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب (بظاہر خلاف اولیٰ کام) بخش دیئے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ ہوں۔ (بخاری: ۴۸۳۷: کتاب التفسیر: سورہ ۴۸)

[۱۷] اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لئے ان کے نیک اعمال کے بدلے میں جو انعامات تیار کر رکھے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اہل ایمان جب انہیں دیکھیں گے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔

اس آیت کی تفسیر میں نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث قدسی بیان فرمائی جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال آیا ہے۔ (بخاری: ۴۷۷۹: کتاب تفسیر القرآن: سورۃ السجدۃ)

[۱۸] جس طرح کسی ملک کا وفادار اور اس کا باغی دونوں برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کا وفادار اور اس کے احکام

أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَأْوٰى ۖ نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾

۱۹۔ جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لئے ہمیشہ کا ٹھکانا جنتیں ہیں، یہ جنتیں بطور ضیافت ہیں ان اعمال کے بدلے جو وہ کرتے تھے۔[۱۹]

وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوٰهُمُ النَّارُ ۖ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٢٠﴾

۲۰۔ اور جن لوگوں نے نافرمانی کی ان کا ٹھکانا آگ ہے، وہ جب بھی اس آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو وہ اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور انہیں کہا جائے گا: اب اس آگ کے عذاب کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔[۲۰]

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنٰى دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢١﴾

۲۱۔ اور البتہ ہم انہیں (قیامت کے) بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب کا مزہ چکھائیں گے تاکہ وہ (نافرمانی سے) باز آجائیں۔[۲۱]

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيٰتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ

۲۲۔ اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی گئی، پھر اس نے ان سے روگردانی کرلی، بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے

کا باغی بھی برابر نہیں ہوسکتے۔ نیز جس طرح ان کے احکام مختلف ہیں اسی طرح ان کا انجام بھی مختلف ہوگا۔

[۱۹] جب کوئی مہمان کسی کے گھر جائے تو اہل خانہ اپنے معمول سے بالاتر ہوکر مہمان کے لئے خصوصی انتظامات کرتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ اس مہمان نے ہمیشہ یہاں نہیں رہنا چند دنوں کے بعد چلا جائے گا، لیکن اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی ضیافت کے لئے جو جنتیں تیار کر رکھیں ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

[۲۰] نافرمانوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور جب بھی وہ جہنم سے نکلنے کی کوشش کریں گے انہیں واپس جہنم میں دھکیل دیا جائے گا اور انہیں کہا جائے گا: اب اس جہنم کے عذاب کا مزہ چکھو جس کا تم دنیا میں انکار کیا کرتے تھے۔

[۲۱] اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے بڑے عذاب سے پہلے اس دنیا میں کچھ چھوٹے عذاب یعنی امراض وحوادث میں مبتلا کرتا ہے تاکہ انہیں احساس ہو کہ سب کچھ ان کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ کوئی اور سپر طاقت ہے جو اس نظام کائنات کو چلا رہی ہے، لہٰذا وہ ان چھوٹے مصائب سے عبرت حاصل کریں اور قیامت کے بڑے عذاب سے بچنے کی فکر کریں۔

ع ۲ / ۱۱ / ۱۵

مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

والے ہیں۔ [۲۲]

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کی، پس آپ ایسی کتاب کے ملنے میں شک نہ کریں اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا۔ [۲۳]

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ اور جب انہوں نے صبر کیا تو ہم نے ان میں سے بعض کو امام بنا دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔ [۲۴]

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ بے شک آپ کا رب ہی ان کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ [۲۵]

---

[۲۲] سب سے بڑا ظالم وہ شخص ہے جس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جائیں اور وہ تکبر کرتے ہوئے یا دانستہ ان سے روگردانی کرلے تو وہ اپنے ظلم کا خود ذمہ دار ہوگا، کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر مجرم سے بدلہ لے گا تو جو سب سے بڑا مجرم اور ظالم ہوگا وہ انتقام سے کیسے بچ سکے گا۔

[۲۳] اس آیت میں بظاہر خطاب اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن مراد مشرکین مکہ ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور قرآن مجید کو کلام الٰہی ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی اسی طرح اب تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید عطا فرمایا ہے اور قرآن مجید کا نزول کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ پہلے بھی انبیائے کرام علیہم السلام پر کتابیں نازل ہو چکی ہیں، لہٰذا تم اس میں شک نہ کرو بلکہ اس پر ایمان لا کر ہدایت حاصل کرو۔

[۲۴] یہ آیت اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے بعض مذہبی پیشواؤں کے حق میں نازل ہوئی ہے مگر اس کا حکم عام ہے یعنی اللہ تعالیٰ مذہبی پیشوائی کے تاج ان خوش نصیب لوگوں کے سروں پر سجاتا ہے جو اس کی آیتوں پر کامل یقین رکھتے ہیں، اس کے احکام کی تبلیغ کرتے ہیں اور راہ حق میں پیش آنے والی تکالیف اور مشکلات سے گھبراتے نہیں بلکہ ان پر صبر کرتے ہیں اور پوری ثابت قدمی کے ساتھ ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔

[۲۵] آج تو اہل ایمان اور اہل کفر میں سے ہر گروہ اپنے آپ کو صحیح اور دوسرے کو غلط سمجھتا ہے حالانکہ دلائل و شواہد میں غور کرنے

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ کیا اس بات نے انہیں ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا جن کے مکانوں میں یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں، بے شک اس میں نشانیاں ہیں، تو کیا وہ سنتے نہیں ہیں؟[۲۶]

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور کیا انہوں نے دیکھا کہ ہم پانی کو بنجر زمین کی طرف لے جاتے ہیں، پھر ہم اس پانی کے ذریعہ فصل اگاتے ہیں جس سے ان کے چوپائے اور وہ خود کھاتے ہیں، تو کیا وہ دیکھتے نہیں ہیں؟[۲۷]

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اور وہ کہتے ہیں: یہ فیصلہ (کا دن) کب ہوگا اگر تم سچے ہو۔[۲۸]

سے حق کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں ہے اس کے باوجود لوگ دانستہ تکبر کرتے ہیں۔ بہر حال قیامت کے دن صرف عقلی نہیں بلکہ عملی فیصلہ کر کے انہیں ایک دوسرے سے الگ کر دیا جائے گا یعنی اہل حق جنت میں مسرور ہوں گے اور اہل باطل جہنم میں پریشان ہوں گے۔

[۲۶] اس آیت میں اہل مکہ کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ اپنے تجارتی سفروں میں پہلی قوموں کے تباہ شدہ مکانات کے پاس سے گزرتے ہیں جن کی شکستہ دیواریں زبان حال سے اپنے مکینوں کی سرکشی کی داستانیں سنا رہی ہیں۔ کیا وہ ان داستانوں کو نہیں سنتے؟ کیا وہ ان کھنڈرات سے عبرت حاصل نہیں کرتے؟

[۲۷] بنجر زمین جس میں سبزے کا نام ونشان نہیں ہوتا، جب اللہ تعالیٰ اس زمین کی طرف پانی لے جاتا ہے تو ہر طرف سبزہ ہی سبزہ اگنے لگتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا حکم جب مردہ انسانوں کی طرف متوجہ ہوگا تو وہ بھی ہر طرف سے زندہ ہو کر نکلنا شروع ہو جائیں گے۔

[۲۸] مسلمان مشرکین مکہ کو کہتے تھے کہ تم ایمان لے آؤ ورنہ قیامت کے دن جب حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہوگا تو تمہیں اپنے کفر کی بدولت دردناک عذاب سے واسطہ پڑے گا۔ اس پر مشرکین مکہ کہتے کہ جس دن سے تم ہمیں ڈراتے ہو ذرا بتاؤ تو سہی وہ کب آئے گا؟

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ آپ فرما دیجئے: فیصلہ کے دن کافروں کو ان کا ایمان فائدہ نہیں دے گا اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔ [۲۹]

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

۳۰۔ پس ان سے اعراض کریں اور انتظار کریں، بے شک وہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔ [۳۰]

---

[۲۹] اس آیت میں مشرکین مکہ کو جواب دیا جا رہا ہے کہ قیامت کا دن اپنے وقت مقرر پر ضرور آئے گا اور اسے دیکھ کر تمہیں بھی قیامت کا یقین آ جائے گا مگر اس دن ایمان لانے کا تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور اگر اس دن تم نے دنیا میں دوبارہ آنے کی مہلت مانگی تو وہ بھی نہیں ملے گی، لہٰذا اسی دنیا میں جو زندگی کی مہلت دی گئی ہے اسی سے فائدہ اٹھاؤ اور ایمان لے آؤ۔

[۳۰] پیارے نبی ﷺ! آپ کی خلوص بھری تبلیغ کے باوجود اگر یہ کفر و شرک سے باز نہیں آتے تو آپ ان کی دل آزار باتوں کی پرواہ نہ کریں بلکہ اپنے رب کی نصرت کا انتظار کریں اور ان مشرکین کو اپنی تباہی اور آتش جہنم کا منتظر رہنے دیں۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعہ الکرم، انگلستان

بعد از نماز عشاء بروز بدھ ۱۱ نومبر ۲۰۰۹ء بمطابق ۲۳ ذوالقعدہ ۱۴۳۰ھ

۷ نومبر تا ۱۱ نومبر یعنی چار دنوں میں سورۃ السجدہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

☆ تفسیر امداد الکرم کی تیسری جلد پندرہ سورتوں (سورہ کہف ۱۸ تا سورہ سجدہ ۳۲) پر مشتمل ہے۔ تیسری جلد لکھنے کا آغاز ۶ مئی ۲۰۰۷ء کو ہوا تھا اور آج ۱۱ نومبر ۲۰۰۹ء کو یعنی اڑھائی سال کے بعد اختتام پذیر ہوئی۔ الحمد لله رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

فہرست مطالب

سورۃ الکہف تا سورۃ السجدہ

علیہم السلام

دیگر انبیائے کرام علیہم السلام				
حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے یا ولی؟	18	60	52	1215
حضرت خضر علیہ السلام اب زندہ ہیں یا نہیں؟	18	60	52	1215
مجمع البحرین کہاں ہے؟	18	60	52	1215
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ	18	60	52	1215
حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علم لدنی یعنی علم غیب تھا	18	65	57	1215
انبیائے کرام نے جنت کے لئے دعا کی	18	107	81	1232
بعض انبیاء کے پاس قیامت کے دن ایک امتی بھی نہ ہوگا	19	85	69	1259
داڑھی انبیائے کرام کی سنت ہے	20	92	62	1288
انبیاء، علماء اور شہداء شفاعت کریں گے	20	109	74	1294
حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا اجتہاد	21	78	63	1331
حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے رجوع کرلیا	21	78	63	1331
حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز کا اثر	21	78	63	1331
حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پرندے اور پہاڑ بھی ذکر کرتے تھے	21	78	63	1331
حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا نرم ہوجاتا تھا	21	80	65	1333
انبیائے کرام کے پیشے	21	80	65	1333
حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہوا پر حکومت	21	81	66	1335
حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری	21	84	68	1336
حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ میں جانا	21	87	71	1336
حضرت یونس علیہ السلام کی اجتہادی خطا	21	87	71	1336
حضرت یونس علیہ السلام کی دعا سے مشکل آسان ہوجاتی ہے	21	87	71	1336

سحری کے وقت اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر آواز دیتا ہے	32	16	16	1689
فرض نماز کے بعد رات کے نوافل افضل ہیں	32	16	16	1689
رات کو نماز پڑھنے والا جنت میں جائے گا	32	16	16	1689
رات کو قیام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک پھٹ جاتے	32	16	16	1689
[illegible] اہل علم				
طلب علم اور زیارت عالم کے لئے سفر کرنا انبیاء کی سنت ہے	18	60	52	1215
علم لدنی کی تعریف	18	65	57	1219
علم لدنی سے مراد علم غیب ہے	18	65	57	1219
اہل علم اور استاد کا ادب	18	66	58	1220
ہارون رشید کے بیٹوں کا ادب	18	66	58	1220
انبیاء کے وارث علماء ہیں	19	5	5	1238
انبیاء کی وراثت علم ہے	19	5	5	1238
طالب علم بغیر حساب کے جنت میں جائے گا	19	85	69	1259
انبیاء، علماء اور شہداء شفاعت کریں گے	20	109	74	1294
انبیاء کے بعد زیادہ سخت مصیبت علماء پر آتی ہے	20	124	89	1296
اشعار کہنا اور سننا	21	5	5	1307
امام قیامت کے دن بے خوف ہوگا	21	103	82	1342
جب لوگ تبلیغ نہ سنیں تو اپنی فکر کرو	22	68	71	1377
متعصب اور جھگڑالو کے ساتھ مناظرہ نہ کرو	22	68	71	1377
مخلص لوگوں کی ہمیشہ مخالفت ہوتی رہی ہے	23	24	16	1390

موت اور قبر

عورت کا مقام اور ان کے حقوق و فرائض

رزق حلال اور جھوٹی گواہی

اجتہاد

مآخذ ومراجع

کتب تفاسیر

۱۔ تفسیر ضیاء القرآن: پیر محمد کرم شاہ الازہری: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور پاکستان، ۱۹۹۵ (۵ جلدیں)

۲۔ الدر المنثور: امام جلال الدین السیوطی: دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۳ (۸ جلدیں)

۳۔ الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی): محمد بن احمد الأنصاری القرطبی: دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان (۲۰ جلدیں)

۴۔ التفسیر الکبیر: امام فخر الدین الرازی: دار الفکر، بیروت، لبنان (۱۶ جلدیں)

۵۔ حاشیۃ الصاوی علی الجلالین: شیخ احمد الصاوی المالکی: دار الفکر، بیروت، لبنان (۴ جلدیں)

۶۔ فی ظلال القرآن (اردو): سید قطب شہید: ادارہ منشورات اسلامی لاہور، پاکستان، ۱۹۹۶

۷۔ جامع البیان (تفسیر طبری / تفسیر ابن جریر): ابو جعفر محمد بن جریر الطبری: دار الفکر، بیروت، لبنان ۱۹۸۴ (۱۵ جلدیں)

۸۔ تفسیر روح البیان: امام اسماعیل حقی: دار لفکر، بیروت، لبنان (۱۰ جلدیں)

۹۔ صفوۃ التفاسیر: محمد علی الصابونی: دار القرآن الکریم، بیروت، لبنان، ۱۹۸۱ (۳ جلدیں)

۱۰۔ تفسیر البیضاوی: امام ناصر الدین البیضاوی: دار الکتاب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۸ (۲ جلدیں)

۱۱۔ تفسیر فتح العزیز (تفسیر عزیزی: اردو): شاہ عبد العزیز دہلوی: علمی پریس، دہلی، انڈیا

۱۲۔ تفسیر ابن کثیر: الحافظ اسماعیل بن کثیر: دار القلم، بیروت، لبنان (۴ جلدیں)

۱۳۔ تفسیر مظہری: قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی: دار الاشاعت، کراچی، پاکستان، ۱۹۹۹ (۱۲ جلدیں)

۱۴۔ تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان نعیمی: مکتبہ اسلامیہ، گجرات، پاکستان

۱۵۔ تفسیر روح المعانی: امام شہاب الدین السید محمود البغدادی: دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۷۸ (۱۰ جلدیں)

۱۶۔ تفسیر الشعراوی: محمد متولی الشعراوی: دار اخبار الیوم، قاہرہ، مصر، ۱۹۹۱ (۱۴ جلدیں)

۱۷۔ تفسیر الحسنات: علامہ ابو الحسنات القادری: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور پاکستان (۷ جلدیں)

۱۸۔ تفسیر الخازن: امام علاء الدین البغدادی: دار الفکر، بیروت، لبنان ۱۹۷۹ (۷ جلدیں)

۱۹۔ تنویر المقباس: عبداللہ بن عباس: المکتبۃ الشعبیۃ، قاہرہ مصر ۱۹۷۲

۲۰۔ البحر المحیط: محمد بن یوسف الغرناطی: دار الفکر، بیروت، لبنان (۱۱ جلدیں)

۲۱۔ مدارک التنزیل (تفسیر النسفی): امام عبداللہ بن احمد النسفی: دار النفائس، بیروت، لبنان، ۱۹۹۶

۲۲۔ خزائن العرفان: سید محمد نعیم الدین مرادآبادی: حفیظ بک ڈپو، دہلی، انڈیا

۲۳۔ احکام القرآن: امام احمد بن علی الجصاص: دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان

۲۴۔ زہرۃ التفاسیر: محمد ابو زہرۃ: دار الفکر العربی، قاہرہ، مصر

۲۵۔ تفسیر المنار: محمد رشید رضا: دار الفکر، بیروت، لبنان

۲۶۔ تفسیر الکشاف: محمود بن عمر الزمخشری: دار لکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۸۷

۲۷۔ فتح القدیر: محمد بن علی الشوکانی: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

۲۸۔ تفسیر القرآن العظیم: حافظ ابن ابی حاتم: دار الفکر، بیروت، لبنان (۱۴ جلدیں)

۲۹۔ تفسیر جلالین: متن حاشیہ صاوی، دار الفکر، بیروت، لبنان (۳ جلدیں)

۳۰۔ تفسیر منیر: دکتور وھبہ زحیلی، دار الفکر، دمشق، شام (۱۷ جلدیں)

۳۱۔ زاد المسیر: عبدالرحمٰن الجوزی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان (۸ جلدیں)

۳۲۔ تفسیر ماجدی: عبدالماجد دریاآبادی، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور کراچی، پاکستان (۲ جلدیں)

۳۳۔ تفسیر احکام القرآن: ابوبکر بن العربی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان (۲ جلدیں)

۳۴۔ تفسیر معارف القرآن: مفتی محمد شفیع، ادارۃ المعارف، کراچی، پاکستان (۸ جلدیں)

۳۵۔ تفہیم القرآن: سید ابو الاعلی مودودی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔ انڈیا (۶ جلدیں)

۳۶۔ تفسیر عثمانی: شبیر احمد عثمانی، دار الاشاعت، اُردو بازار کراچی، پاکستان (۲ جلدیں)

۳۷۔ تفسیر بغوی: الحسین بن مسعود البغوی، دار الفکر، بیروت، لبنان، حاشیہ تفسیر خازن (۷ جلدیں)

۳۸۔ تفسیر تبیان القرآن: علامہ غلام رسول سعیدی: فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور، پاکستان

۳۹۔ تفسیر ابی السعود: قاضی محمد بن محمد: دار الفکر، بیروت، لبنان

۴۰۔ تفسیر حقانی: علامہ عبدالحق حقانی: میر محمد کتب خانہ، آرام باغ کراچی، پاکستان

۴۱۔ تفسیر المراغی: احمد مصطفٰی المراغی: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان

کتب احادیث

۴۲۔ صحیح البخاری: محمد بن اسماعیل البخاری: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۴۳۔ صحیح مسلم: مسلم بن الحجاج القشیری: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۴۴۔ سنن ترمذی: محمد بن عیسٰی: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۴۵۔ سنن ابن ماجہ: محمد بن یزید القزوینی: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۴۶۔ سنن ابو داؤد: سلیمان بن الاشعث: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۴۷۔ سنن النسائی: احمد بن شعیب: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۴۸۔ مسند احمد: امام احمد بن حنبل: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۴۹۔ الموطا: امام مالک بن انس: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۵۰۔ مشکوۃ المصابیح: امام ابو محمد البغوی: قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان، ۱۳۸۸ھ

۵۱۔ المعجم الکبیر: سلیمان بن احمد الطبرانی: مطبۃ الزہراء الحدیثۃ، موصل، عراق، ۱۹۸۴ (۲۵ جلدیں)

۵۲۔ المستدرک: امام الحاکم النیشاپوری: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۰ (۴ جلدیں)

۵۳۔ الجامع الصغیر: محمد ناصر الدین الالبانی: مکتبۃ الاسلامی، بیروت، لبنان، ۱۹۹۰ (۲ جلدیں)

۵۴۔ ریاض الصالحین: یحیٰ بن شرف النووی الشافعی: دار القلم، بیروت، لبنان، ۱۹۷۰

۵۵۔ سنن الدارقطنی: علی بن عمر الدارقطنی: عالم الکتب، بیروت، لبنان، ۱۹۹۳ (۴ جلدیں)

۵۶۔ شعب الایمان: احمد بن الحسین البیہقی: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۰

۵۷۔ الترغیب والترہیب: عبد العظیم المنذری: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۶۸

۵۸۔ السنن الکبرٰی: احمد بن الحسین البیہقی: نشر السنۃ، ملتان، پاکستان، (۱۰ جلدیں)

۵۹۔ المعجم الاوسط: سلیمان بن احمد الطبرانی: مکتبۃ المعارف، ریاض، سعودی عرب (۱۱ جلدیں)

۶۰۔ صحیح ابن حبان: دار الفکر، بیروت، لبنان۔ (۶ جلدیں)

۶۱۔ سنن دارمی: امام عبد اللہ بن عبد الرحمٰن دارمی، دار الدعوۃ، استنبول، ترکی (۱۹۸۱ء)

۶۲۔ مصنف عبد الرزاق: المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان (۱۱ جلدیں)

۶۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ: عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ، دار الفکر، بیروت، لبنان

۶۴۔ معجم صغیر: امام طبرانی: دار الفکر، بیروت، لبنان

۶۵۔ جمع الجوامع: امام جلال الدین سیوطی: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان

۶۶۔ جامع صغیر: امام جلال الدین سیوطی: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان

دیگر کتب

۶۷۔ معجزات الرسول: محمد متولی الشعراوی: مکتبة الاسلامیة الشعراویة، قاہرہ مصر

۶۸۔ الخصائص الکبری: امام جلال الدین السیوطی: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، ۱۹۷۵ (۲ جلدیں)

۶۹۔ السیرة النبویة: عبدالملک بن ہشام: دار الجیل، بیروت، لبنان، (۴ جلدیں)

۷۰۔ البدایة والنہایة: الحافظ اسماعیل ابن کثیر: دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۸۲ (۷ جلدیں)

۷۱۔ المفردات: امام راغب الاصفہانی: مکتبة مصطفی البابی، مصر ۱۹۶۱

۷۲۔ لسان العرب: ابن منظور: دار المعارف، قاہرہ مصر (۸ جلدیں)

۷۳۔ المنجد: دار المشرق، بیروت، لبنان، ۱۹۷۵

۷۴۔ شرح المواهب اللدنیة: امام محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی: دار الفکر، بیروت، لبنان۔

۷۵۔ دلائل النبوة: احمد بن الحسین البیہقی: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، ۲۰۰۲ (۷ جلدیں)

۷۶۔ کتاب المبسوط: شمس الدین السرخسی: دار المعرفة، بیروت، لبنان، ۱۹۸۰، (۱۵ جلدیں)

۷۷۔ الفتاوی العالمگیریة: علامہ نظام الدین: بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ، بلوچستان، پاکستان، ۱۹۸۵ (۶ جلدیں)

۷۸۔ فتاوی قاضی خان: حسن بن منصور الفرغانی الحنفی: بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ، بلوچستان، پاکستان، ۱۹۸۵ (۶ جلدیں)

۷۹۔ ردالمحتار: ابن عابدین: دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۷۹ (۸ جلدیں)

۸۰۔ حاشیة الطحطاوی: امام احمد الطحطاوی: میر محمد کتب خانہ، کراچی، پاکستان

۸۱۔ مراقی الفلاح: حسن بن عمار الحنفی: میر محمد کتب خانہ، کراچی، پاکستان

۸۲۔ فتاوی افریقیة: امام احمد رضا قادری: مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، پاکستان

۸۳۔ بہار شریعت: علامہ محمد امجد علی: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور پاکستان

۸۴۔ امداد الفقہ: محمد امداد حسین پیرزادہ: دار السلام، قاہرہ مصر، ۲۰۰۳

۸۵۔ اسلامی عقائد: محمد امداد حسین پیرزادہ: الکرم پبلی کیشنز، ایٹن ہال، ناٹنگھم شائر، یو کے، ۱۹۹۹

۸۶۔ کنز العمال: علامہ علاء الدین البرہان فوری: مؤسسة الرسالة، بیروت، لبنان، ۱۹۸۵ (۱۶ جلدیں)

۸۷۔ مجمع الزوائد: علی بن ابی بکر الہیثمی: دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان، ۱۹۸۸ (۱۰ جلدیں)

۸۸۔ نزہة المجالس (اردو) عبدالرحمن صفوری شافعی: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، پاکستان

۸۹۔ نور الایضاح: الشیخ حسن بن علی: کتب خانہ مجیدیہ، ملتان، پاکستان

۹۰۔ قصیدہ البردہ: امام بوصیری: انگریزی ترجمہ، محمد امداد حسین پیرزادہ، الکرم پبلی کیشنز ایشن ہال ناٹنگھم شائر، یو کے

۹۱۔ السیرہ النبویۃ: الحافظ اسماعیل بن کثیر: دار الفکر، بیروت، لبنان

۹۲۔ ضیاء النبی: پیر کرم شاہ الازہری: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان، ۱۴۱۵ھ (۷ جلدیں)

۹۳۔ صراط مستقیم: شاہ اسماعیل دہلوی: اسلامی اکیڈمی، لاہور، پاکستان

۹۴۔ القول الجمیل (اردو): شاہ ولی اللہ: مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، پاکستان

۹۵۔ سبل الھدیٰ والرشاد: امام محمد بن یوسف الشامی: وزارۃ الاوقاف، قاہرہ: مصر (۱۲ جلدیں)

۹۶۔ المنتظم فی تواریخ الملوک والامم: امام عبدالرحمن الجوزی: دار الفکر، بیروت، لبنان (۱۳ جلدیں)

۹۷۔ تاریخ الاسلام: مورخ شمس الدین الذھبی: دار الکتاب العربی، بیروت (۵۲ جلدیں)

۹۸۔ امتاع الاسماع: تقی الدین المقریزی: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان (۱۵ جلدیں)

۹۹۔ حلیۃ الأولیاء: امام ابو نعیم الاصفہانی: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان (۱۲ جلدیں)

۱۰۰۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ: وہبہ زحیلی دار الفکر، دمشق، شام، ۱۹۸۹ء (۸ جلدیں)

۱۰۱۔ الفقہ الحنفی وادلتہ: شیخ صاغرجی، دار الکلم الطیب، دمشق، شام ۲۰۰۰ء (۳ جلدیں)

۱۰۲۔ الفقہ علی المذاھب الاربعۃ: عبدالرحمن الجزیری، دار الفکر، بیروت، لبنان (۵ جلدیں)

۱۰۳۔ لسان المیزان: ابن حجر عسقلانی، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، لبنان ۲۰۰۲ء (۱۰ جلدیں)

۱۰۴۔ الادب المفرد: امام بخاری، مکتبۃ الآداب

۱۰۵۔ السیرۃ الحلبیۃ: نور الدین الحلبی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان (۳ جلدیں)

۱۰۶۔ شرح شفا: قاضی عیاض، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان (۲ جلدیں)

۱۰۷۔ طبقات ابن سعد: مکتبۃ الخانجی، قاہرہ، مصر، ۲۰۰۱ء (۱۱ جلدیں)

۱۰۸۔ بدائع الصنائع: علاء الدین کاسانی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۳ء (۱۰ جلدیں)

۱۰۹۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا، الفیصل ناشران، اُردو بازار، لاہور، پاکستان (۲ جلدیں)

۱۱۰۔ تاریخ بغداد: الخطیب البغدادی، مکتبۃ الخانجی، قاہرہ، مصر (۱۰ جلدیں)

۱۱۱۔ الھدایۃ: علی بن ابی بکر الفرغانی، مکتبۃ شرکۃ علمیۃ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان، پاکستان (۲ جلدیں)

۱۱۲۔ فقہ السنۃ: السید السابق: دار الفکر، بیروت لبنان، ۱۹۸۲ء (۳ جلدیں)

۱۱۳۔ عمدۃ القاری: علامہ بدر الدین عینی، دار الفکر، بیروت لبنان، (۲۵ جلدیں)

۱۱۴۔ فتح الباری: امام ابن حجر عسقلانی، دار الفکر، بیروت لبنان (۱۳ جلدیں)
۱۱۵۔ الاحکام الفقهیة: احمد محمد عساف، دار احیاء العلوم، بیروت، لبنان
۱۱۶۔ جامع بیان العلم وفضله: یوسف بن عبدالله قرطبی، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، ۲۰۰۰ء
۱۱۷۔ المقاصد الحسنة: شمس الدین السخاوی، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان ۱۹۸۷ء
۱۱۸۔ الفاروق: علامہ شبلی نعمانی، مشتاق بک کارنر، اُردو بازار، لاہور، پاکستان
۱۱۹۔ المواهب اللدنیه: امام احمد قسطلانی، المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان (۴ جلدیں)
۱۲۰۔ الحاوی للفتاوی: امام جلال الدین، دار الکتب العلمیة، لبنان (۲ جلدیں)
۱۲۱۔ الکواکب السائرة: شیخ نجم الدین، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان (۳ جلدیں)
۱۲۲۔ الفوائد المجموعة: محمد بن علی الشوکانی، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان
۱۲۳۔ حقوق الاولاد: محمد شریف الصواف، دار الفکر، دمشق، شام
۱۲۴۔ الاتقان فی علوم القرآن: جلال الدین سیوطی، المکتبة العصریة، بیروت، لبنان ۱۹۸۸ء (۴ جلدیں)
۱۲۵۔ سیرة النبی: سید سلیمان ندوی، ناشران قرآن لمیٹڈ، اُردو بازار لاہور، پاکستان
۱۲۶۔ الخطبة العصریة: ابراهیم محمد الجمل مکتبة القرآن، قاہرہ، مصر
۱۲۷۔ کتاب الخراج: امام ابو یوسف: مکتبة الازهریة للتراث، قاہرہ، مصر
۱۲۸۔ شرح شمائل ترمذی: سلیمان بن عمر الازہری: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان
۱۲۹۔ البدر المنیر: امام شعرانی: مکتبہ عالم الفکر، قاہرہ، مصر
۱۳۰۔ الکامل لابن اثیر: دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان
۱۳۱۔ ارشاد العباد: عبد العزیز محمد سلمان: مطابع الخالد، ریاض، سعودی عرب
۱۳۲۔ نسیم الریاض: شہاب الدین خفاجی: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان
۱۳۳۔ اسد الغابة: ابو الحسن الجزری: دار المعرفة، بیروت، لبنان
۱۳۴۔ الاصابہ: حافظ ابن حجر عسقلانی: دار الفکر، بیروت، لبنان
۱۳۵۔ جلاء الافہام: ابن قیم الجوزیة: دار الحدیث، قاہرہ، مصر
۱۳۶۔ سیرة عمر بن خطاب: ابو الفرج بن الجوزی: دار الدعوة الاسلامیة، قاہرہ، مصر
۱۳۷۔ الفاروق عمر: محمد حسین ہیکل: دار المعارف، قاہرہ، مصر
۱۳۸۔ فیوض القرآن: سید حامد حسن بلگرامی: فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، پاکستان
۱۳۹۔ نزہۃ القاری شرح بخاری: مفتی محمد شریف الحق امجدی: دائرۃ البرکات، گھوسی، اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا

۱۴۰۔ منہاج البخاری: محمد معراج الاسلام: عرفان القرآن، اعوان ٹاؤن، لاہور، پاکستان

۱۴۱۔ ارشاد الساری شرح بخاری: شہاب الدین قسطلانی: دار الفکر، بیروت، لبنان

۱۴۲۔ ایہا الولد: امام غزالی: Awakening Publications 200 UK Swansea

English Books

143) **Miracles of the Qur'an** : *Muhammad Mutawali ash-Sha'raawi Published by Daar-ul-Taqwa Ltd. Londom*

144) **Encyclopedia Britannica** : *Peter B. Norton Joseph Espsito, USA, 1995, 15th-edition (32 volumes)*

145) **Islam & the West** : *H.R.H. Charles Prince of Wales, Printed by Uniskill Ltd. Eynsham, Oxford, UK.*

146) **Muhammad at Madinah** : *Montgomery Watts. Oxford University Press, 2006.*

147) **Oxford Encyclopedia Dictionary**: *Published by Oxford University Press, USA, 1991.*

148) **Shari'ah the Islamic Law** : *Abdur Rahmaan Doi (Zia-un-Nabi)*

149) **The Holy Bible** : *Published by Collins, London, 1954.*

150) **The Living Bibble** : *British Edition, 1975.*

151) **The Hutchinson Encyclopedia** : *1999 Edition.*

152) **The New Universal Encyclopedia** : *Caxton Publishing Co, Ltd. London.*

153) **The English Pig** : *Published by The Hambledon Press, London 1998.*

154) **American Government** : *Lowi & Ginsberg. Published by W.W.Norton Publications 1998.*

155) **Fream's Agriculture** : *Printed by Butler & Tanner Ltd. London, 16th Edition 1983.*

156) **Oxford Advanced Learner's Dictionary** : *4th Edition 1989.*

157) **The Hans Wehr Dictionary of Modern Written Arabic:** *Edited by J. M. Cowan, 3rd Edition.*

158) **The 100 : Michael H. Hart,** *Citadel Press, 1987, Secaucus; New Jersey, USA.*

159) **The Bible, The Qur'an and Science:** *Maurice, 1979, North America, Trust Publication, USA.*

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ